296/9 بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

کتابِ مستطاب

قوانین الشریعہ

فی فقہ جعفریہ

جلد دوم

از

افاداتِ عالیہ و بمطابق فتاوی فقیہ اہل بیتؑ آیت اللہ

سرکار علامہ الشیخ محمد حسین النجفی صاحب مجتہد العصر مدظلہ العالی

ناشر

مکتبۃ السبطین

296/9 بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

کتاب مستطاب

قوانین الشریعہ

فی

فقہ جعفریہ

جلد دوم

از

افاداتِ عالیہ و مطابق فتاوی فقیہ اہلبیت آیت اللہ

سرکار علامہ الشیخ محمد حسین النجفی مجتہد العصر مدظلہ العالی

ناشر: مکتبۃ السبطین سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا فون 217161

نام کتاب	:	قوانین الشریعہ فی فقہ جعفریہ
جلد	:	دوم
مصنف	:	علامہ الشیخ محمد حسین النجفی
حروف سازی	:	عکس کمپیوٹر بلاک نمبر ۷ سرگودھا
طابع	:	سید اظہار الحسن رضوی
مطبع	:	اظہار سنز پرنٹرز، 9 ریٹی گن روڈ، لاہور، فون نمبر 042-37220761
سرورق	:	سید محمد علی عظیم رضوی
صفحات	:	۵۲۶ (پانچ سو چھبیس)
قیمت	:	۳۵۰ (تین سو پچاس)

ملنے کا پتہ

جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

عقب جوہر کالونی سرگودھا

اجمالی فہرست مضامین

قوانین الشریعہ (فی فقہ جعفریہ) جلد دوم

باسمہ سبحانہ

اظہار تشکر

اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے وہ وقت آگیا ہے کہ ہم فقہی شاہکار قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ کا چوتھا ایڈیشن دیدہ زیب اور دلکش انداز میں قوم وملت کے مشتاق ہاتھوں تک پہچانے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

اور اس سعادت کے حاصل کرنے میں ہمیں فخر قوم جناب الحاج چودھری سلیم اقبال صاحب مالک زنزی بار ہوٹل ملتان کا مخلصانہ مالی تعاون حاصل رہا ہے جنہوں نے اپنی والدہ ماجدہ اور دادا، دادی اور نانا، نانی مرحومین ومرحومات کے ایصال ثواب کی خاطر اس کتاب مستطاب کی طباعت واشاعت کے اخراجات برداشت فرمائے ہیں۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء فی الدارین مومنین کرام سے التماس ہے کہ ان مرحومین و مرحومات کی ارواح کو ایصال ثواب کیلئے ایک بار سورہ فاتحہ اور تین بار سورہ توحید پڑھنے کی زحمت فرمائیں۔

ع بر کریماں کارہائے دشوار نیست

فقط والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکتہ

وانا الاحقر

محمد حسین النجفی عفی عنہ بقلمہ سرگودھا

31 مئی ۲۰۱۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وبہ نستعین ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وآلہ الطیبین الطاہرین المعصومین

باب التجارۃ

احل اللہ البیع و حرم الربوا

عبادت کا وسیع اسلامی مفہوم

اسلام نے انسانوں کو عبادت کا حکم دیا ہے مگر عام لوگوں کو عبادت کا صحیح مفہوم سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ عبادت صرف چند مخصوص اعمال کا نام ہے جیسے نماز' دعا' روزہ' حج وغیرہ مگر حقیقت یہ ہے کہ خالص اسلامی نقطہ نگاہ سے عبادت کا دائرہ بے حد وسیع ہے اس میں ہر وہ نیک کام جو داخل ہے جو خاص خدا کیلئے اور اس کی مخلوق کے فائدہ کیلئے کیا جائے اس سے دین و دنیا کے درمیان جو تفرقہ قائم ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اسلام میں دین و دنیا کی حیثیت دو حریف کی نہیں بلکہ دو دوست کی ہے اگر دنیا کے کام مادی خود غرضی اور نام نمود کیلئے نہیں بلکہ خدا کی رضا اور مخلوق کی فلاح و بہبود کیلئے کئے جائیں تو وہ دنیا کے نہیں بلکہ وہ دین کے کام ہیں اسی طرح انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں حقوق اللہ اور حقوق الناس میں سے ہر معاملہ میں جو انسان کا فرض ہے اس کی ادائیگی عبادت کے اس وسیع مفہوم میں داخل ہے۔

تجارت اور کسب حلال بھی عبادت ہے

اسی طرح اگر کسب حلال اور تجارت بھی اس نیت سے کی جائے کہ اس سے اپنا اور اپنے اہل و عیال کے نان و نفقہ کا انتظام کیا جائے اور اہل حاجت و فقر وفاقہ کی اعانت کی جائے تو یہ بھی عبادت ہے اور دین سے خارج نہیں ہے بلکہ عین دین ہے بلکہ بعض احادیث میں تو اسے افضل العبادۃ کہا گیا ہے چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام (اپنے آباء طاہرین کے ذریعے) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں العبادۃ سبعون جزا" افضلھا طلب الحلال "فرمایا عبادت کے ستر اجزاء ہیں اور سب سے افضل (رزق) حلال کی طلب ہے (الکافی) اسی لئے ارشاد قدرت ہے۔ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ خدا کی (وسیع وعریض) زمین میں پھیل جاؤ اور خدا کا فضل (رزق) تلاش کرو۔ حضرت محمد امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں "من طلب الرزق فی الدنیا

استعطافاً عن الناس و سعیا علی اھلہ و تعطفا علی جارہ لقی اللہ یوم القیمۃ و وجہہ مثل القمر لیلۃ البدر (کافی)

جو شخص اس لئے روزی کمائے کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے اپنے اہل وعیال کی کفالت کرے اور اپنے پڑوسیوں پر لطف و مہربانی کرے تو وہ بروز قیامت اس حال میں بارگاہ قدرت میں حاضر ہوگا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند (درخشندہ) ہوگا۔ (ایضاً)

دیگر ذرائع معاش پر تجارت کی فوقیت و برتری

انسان کو اپنی دنیوی زندگی میں کسب معاش سے کوئی چارہ نہیں اس کسب معاش کے ذرائع و وسائل کو تین شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ (۱) ملازمت (۲) دستکاری اور (۳) تجارت اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے سے یہ چیز روشن ہوجاتی ہے کہ اسلام نے دوسرے ذرائع معاش کو جائز سمجھتے ہوئے بھی تجارت کو ان سب پر فوقیت و برتری دی ہے اور اسے سب ذرائع سے زیادہ باعث خیر و برکت قرار دیا ہے چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام رسول خدا ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ البرکۃ عشرۃ اجزاء تسعۃ اعشارھا فی التجارۃ (برکت کے دس حصے ہیں جن میں سے نو حصے صرف تجارت میں ہیں (خصال شیخ صدوقؒ) اور حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ تسعۃ اعشار الرزق من التجارہ (رزق کے دس حصوں میں سے نو حصے تجارت کی وجہ سے ہیں) (ایضاً)

اصحاب ائمہؑ کا تجارت میں اہتمام

اسلام کی اس ہمہ گیر تعلیم و تلقین کا اثر تھا کہ حضرت رسول خدا اور ائمہ ھدیؑ کے وہ اصحاب باوفا جو آسمان عظمت کے مہرو ماہ سمجھے جاتے ہیں جن کے ذریعے سے ہم تک احکام شرعیہ پہنچے ہیں اکثر تجارت پیشہ تھے۔ کتب رجال میں کسی کے نام کے ساتھ جمال (شتربان) کسی کے نام کے ساتھ تمار (کھجور بیچنے والا) کسی کے نام کے ساتھ بزاز (کپڑے کا کاروبار کرنے والا) کسی کے نام کے ساتھ دہان (تیل بیچنے والا تیلی) کسی کے نام کے ساتھ طحان (آٹا پینے اور بیچنے والا) اور کسی کے نام کے ساتھ بقال (سبزی فروش) ملتا ہے اس طرح مختلف ناموں کے ساتھ مختلف اوصاف ملیں گے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ دن بھر دکان پہ بیٹھتے تھے اور کسب معیشت کرتے تھے اور جس وقت فرصت ملتی جاکر علوم ائمہؑ کو حاصل کرتے تھے یہی وہ افراد ہیں جنکی عملی زندگی و سیرت ہمارے لئے قابل قدر اور قابل پیروی ہے (زندگی کا حکیمانہ تصور) ———————

یہ بزرگ کسب معاش کے ان جائز پیشوں کو اختیار کرنے میں اپنے لئے ننگ و عار محسوس نہیں کرتے تھے مسلمانوں کی معاشی پسماندگی کا اصل سبب یہ ہے کہ انہوں نے تجارت جیسے مقدس پیشہ کو چھوڑ دیا اور غیر مسلموں نے اسے اپنا لیا اس لئے مسلمان نان شبینہ و جو یہ کے لئے ترس رہے ہیں اور ہندو یہودی اور عیسائی وغیرہ غیر مسلم اقوام تمام دولت اور ذرائع دولت پر قابض نظر آتی ہیں البتہ ہمارے ہاں اب تقسیم ملک کے بعد مسلمانوں کی کچھ آنکھیں کھلی ہیں اور اب وہ تجارتی کاروبار کر کے اس کے فوائد و برکات سے متمتع ہو رہے ہیں۔ **اللھم زد فزد**

اسلامی نظام تجارت

تجارت کسب معاش کا ایک ایسا ذریعہ ہے جس کا عمل انسان کی اجتماعی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے اور اجتماعی زندگی سے تمدن کی تعمیر و تشکیل ہوتی ہے اس لئے عملی تجارت ایک نہایت نازک معاملہ ہے جس میں قدم قدم پر خطرات موجود ہیں اس لئے اسلام نے اس کیلئے زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح کچھ قواعد و ضوابط مقرر کئے ہیں جو صحیح اصول تجارت ہیں ان کے اختیار کرنے اور جو فاسد اصول تجارت ہیں ان سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ یہ نازک مسائل حسن وخوبی کے ساتھ حل ہو سکیں۔ جس طرح خلاق عالم نے ان تمام ضروریات زندگی کے جو قدرتی قویٰ کے لحاظ سے انسان کے لئے ضروری ہیں دروازے بند نہیں کئے۔ **قل من حرم زینتہ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق** "اے رسول! کہہ دو کس نے حرام کیا ہے خدا کی پیدا کی ہوئی زینتوں کو اور پاک و پاکیزہ رزق کو" لیکن اس نے اپنی حکمت بالغہ سے اپنی طرف سے کچھ پابندیاں بھی عائد کر دی ہیں تاکہ ہر چیز سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ فرض شناسی کا بھی احساس رہے۔ اس نے جہاں انسان کو بہتر سے بہتر غذائیں کھانے کا حق دیا ہے وہاں **احل اللہ لکم الطیبات و حرم علیکم الخبائث** کی تفریق بھی کر دی ہے اسے بہتر سے بہتر لباس زیب تن کرنے کی اجازت دی ہے مگر یہ پابندی بھی لگا دی ہے کہ ریشم نہ ہو اور اجزائے غیر ماکول اللحم سے بھی نہ ہو۔

خالق حکیم نے نسل انسانی کے دو طبقے قرار دیئے ہیں (۱) ذکور' (۲) اناث اور مرد کیلئے حسین سے حسین عورت اور عورت کے لئے بہتر سے بہتر مرد سے تمتع حاصل کرنے کو جائز قرار دیا مگر کچھ عورتوں مردوں کے جنسی ملاپ کو ناجائز بھی قرار دیا تاکہ انسان لذت دنیا کو بھی حاصل کرے اور خدا کو بھی نہ بھولے اسی طرح کسب معاش اور تجارت میں بھی جائز و ناجائز اور حلال

و حرام کے کچھ حدود و قیود مقرر کئے گئے ہیں۔ جنکی پابندی ضروری ہے تاکہ انسان تجارت کے فوائدو برکات سے فائدہ تو اٹھائے مگر اس سے تمدنی اور معاشرتی بگاڑ پیدا نہ ہو۔اس لئے اسلام نے بعض اشیاء کی تجارت اور خرید و فروخت کرنا قطعی حرام قرار دیا ہے۔ قبل اس کے کہ حرام تجارت کے اقسام کی تفصیل بیان کی جائے جنہیں مکاسب محرمہ کہا جاتا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آداب تجارت کی کچھ وضاحت کردیجائے مخفی نہ رہے کہ یہ آداب دو قسم کی ہیں کچھ مستحب ہیں اور کچھ مکروہ۔

آداب و مستحبات تجارت

(۱) سب سے اہم امر یہ ہے کہ تجارت کرنے والے پر لازم ہے کہ پہلے فقہ کے مسائل معلوم کرے پھر تجارت کرے چنانچہ حضرت امیر علیہ اسلام فرماتے ہیں **الفقہ ثم المتجر الفقہ ثم المتجر** پہلے فقہ (معرفت حلال و حرام) حاصل کرو پھر تجارت کرو **(من لا یحضرہ الفقیہ)** کیونکہ اس کے بغیر وہ سود وغیرہ محرمات سے بچ نہیں سکتا۔

حضرت رسولؐ فرماتے ہیں **التاجر فاجرو الفاجر فی النار الا من اخذ الحق واعطی الحق** "یعنی تاجر فاجر ہے اور فاجر جہنم میں ہے سوائے اس کے جو حق لے اور حق دے **(ایضا)**"

۲۔ طلب روزی میں میانہ روی سے کام لیا جائے یعنی زیادہ حرص و آز سے کام نہ لیا جائے کیونکہ جو مقدر ہے وہ مل کر رہتا ہے اور کوئی آدمی اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اپنے حصہ کی روزی کھا نہیں لیتا جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

۳۔ تمام خریداروں کے ساتھ مساویانہ سلوک کیا جائے یعنی خریدار خواہ چھوٹا ہو یا بڑا امیر ہو یا فقیر جھگڑالو ہو یا غیر جھگڑالو سب کے ساتھ ایک جیسا معاملہ کرے یعنی سب کیلئے ایک نرخ مقرر کرے ہاں البتہ کسی خریدار کے علم و فضل اور تقوی و طہارت کی وجہ سے خصوصی رعایت کرے تو یہ جائز ہے مگر خریدار کیلئے اس رعایت کو قبول کرنا زیبا نہیں ہے۔

۴۔ مال کی قیمت مقرر کرنے میں سختی نہ کرے بلکہ نرم روی کا مظاہرہ کرے۔

۵۔ اگر کوئی خریدار کچھ خرید کرنے کے بعد پشیمان ہوجائے اور سوداواپس کرنا چاہے تو واپس کر لے۔

۔ جب بازار میں داخل ہو اور دکان پر بیٹھنے لگے تو منقول شدہ دعاؤں میں سے کوئی دعا پڑھے مثلاً "بازار میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھے۔ **اللھم انی اسئلک من خیرھا و خیر اھلھا واعوذ**

بک من شر اھلھا اور جب اپنی نشستگاہ پر بیٹھے تو یہ دعا پڑھے۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ اللھم انی اسئلک من فضلک حلالا طیبا واعوذ بک من ان اظلم او اظلم واعوذ بک من صفقۃ خاسرۃ ویمین کاذبۃ (کافی و تہذیب) تاکہ کاروبار کی خیر و برکات سے اس کا دامن لبریز ہو جائے۔

۷۔ جب کوئی چیز خریدے تو تین بار درج ذیل دعا پڑھے تاکہ اس سے فیضیاب ہو سکے۔ اللھم انی اشتریتہ التمس فیہ من فضلک فصل علی محمد وال محمد فاجعل لی فیہ فضلا اللھم انی اشتریتہ التمس فیہ من رزقک فاجعل لی فیہ رزقا۔

۸۔ معاملہ اور سودا کرنے میں خوب لے دے کرے تاکہ دھوکا باز اس سے زیادہ دام وصول نہ کرے ہاں البتہ حدیث میں وارد ہے کہ چار مقامات پر یہ مماکہ (لے دے) نہیں کرنی چاہئے۔
(۱) قربانی کا جانور، (۲) کفن، (۳) غلام خریدتے وقت اور (۴) سفر مکہ کا کرایہ طے کرتے وقت،
(خصال شیخ صدوقؒ)

مگر بعض اخبار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے قربانی کا جانور خریدتے وقت مماکہ فرمایا ہے اس لئے بعض فقہاء نے یہ تخصیص کی ہے کہ اگر بیچنے والا مومن ہو تو مماکہ نہ کیا جائے ورنہ بہرحال کرنا چاہیے۔

۹۔ کوئی چیز بیچنے، خریدنے اور لینے میں نرمی کا مظاہرہ کرے اور حرص و آز سے کام نہ لے چونکہ خدا ایسے بندوں کو عزیز رکھتا ہے نیز یہ بات کامیابی کی کلید بھی ہے۔

۱۰۔ جب بھی کچھ نفع حاصل ہو جائے تو بیچنے میں جلدی کرے اور مزید نفع حاصل کرنے کی غرض سے اسے روکے نہ رکھے۔

۱۱۔ جب نماز کا وقت فضیلت داخل ہو تو تمام کاروبار چھوڑ کر اس کی ادائیگی کا اہتمام کرے چنانچہ خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کی تعریف میں فرماتا ہے۔ لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ (یہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور بیع و شراء اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی

۱۲۔ دیتے وقت اچھا مال دے اور لیتے وقت ناقص بھی لے لے فان ذلک من کمال الایمان ومروۃ الانسان

مکروہات تجارت

۱۔ مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ مومن سے نفع لینا مکروہ ہے مگر کراہت کی دلیل واضح نہیں ہے

بلکہ متعدد اخبار و آثار سے اس کا جواز واضح و آشکار ہوتا ہے ہاں البتہ اہل ایمان سے تھوڑا نفع لینا چاہئے۔

۲۔ بائع (بیچنے والے) کیلئے اپنے مال کی تعریف اور مشتری (خریدار) کیلئے مال کی تنقیص کرنا۔

۳۔ خرید و فروخت کرتے وقت قسمیں کھانا۔

۴۔ صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان سودا کرنا۔

۵۔ کمینہ فطرت اور سفلہ لوگوں سے معاملہ کرنا جنہیں نہ اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ وہ کہہ کیا رہے ہیں اور نہ اس کی پروا ہوتی ہے کہ ان کو کیا کہا جارہا ہے۔

۶۔ امراض مزمنہ والوں سے معاملہ کرنا

۷۔ معاملہ طے ہو جانے کے بعد قیمت کم کرنے کی خواہش ظاہر کرنا۔

۸۔ جب دو آدمی خرید و فروخت کر رہے ہوں تو ان کے معاملہ میں دخل اندازی کرنا۔

۹۔ حاضر آدمی کا مسافر آدمی کی وکالت کرتے ہوئے اس کا مال و متاع فروخت کرنا۔

۱۰۔ جب کوئی قافلہ تجارت آرہا ہو تو قصر کی شرعی مسافت (تقریباً" ساڑھے ستائیس میل) کے اندر اندر جاکر اس سے پیشگی معاملہ کرنا ہاں اس مسافت کی حد پر یا اس سے زائد مسافت پر جاکر ایسا کیاجائے تو یہ مکروہ نہیں ہے۔

تبصرہ۔ "احتکار" یعنی باوجود لوگوں کی ضرورت و احتیاج کے گندم' جو' کھجور' انگور اور گھی (اور ایک روایت کے مطابق تیل بھی ان اشیاء میں داخل ہے) کا اس غرض سے روکے رکھنا کہ نرخ اور بڑھ جائے جبکہ بقدر ضرورت بازار میں یہ اشیاء موجود نہ ہوں' مگر اظہر قول یہ ہے۔ کہ یہ فعل حرام ہے حاکم شرع ایسے آدمی کو مجبور کرے گا۔ کہ وہ اس مال کو فروخت کرے اور اگر وہ انکار کرے یا بہت زیادہ قیمت کا مطالبہ کرے۔ تو پھر حاکم شرع کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس مال کی خود مناسب قیمت مقرر کرکے اسے فروخت کر دے۔ **ھذا ھوالملخص من کلام الفقھا الا برار و احادیث الا ئمتہ الاطھارؑ**

مجموعہ شیخ ورام میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے ہے کہ جبرئیل امینؑ نے ان سے بیان کیا میں نے جہنم میں ایک وادی کو دیکھا جو جوش زن تھی میں نے داروغہ سے دریافت کیا کہ یہ کس کیلئے ہے؟ کہا تین قسم کے آدمیوں کیلئے ہے۔ (۱) خوراک روکنے والے (۲) ہمیشہ شراب پینے والے (۳) اور ناجائز طریقہ پر مردوزن کا ملاپ کرانیوالے (دلال)

کیلئے (مجموعہ شیخ ورام)

(مکاسب محرمہ)

شرع اسلام علی مشرعہ الف تحیتہ وسلام میں معاملات (و کاروبار) تین قسم کے ہیں۔ (۱) کچھ حرام ہیں۔ (۲) کچھ مکروہ ہیں۔ (۳) اور کچھ مباح ہم پہلے مکاسب محرمہ کا تذکرہ کرتے ہیں اس کے بعد مکروہ اور پھر مباح معاملات کا اجمالی تذکرہ کریں گے۔ سو واضح ہو کہ حرام معاملات (و کاروبار) کی کئی قسمیں ہیں۔

قسم اول اعیان نجسہ

۱۔ جیسے انسان اور حرام گوشت حیوان کا بول و براز (۲) خون' (۳) مردار (۴) کتا' (۵) خنزیر اور (۶) شراب بجمیع اقسامہ احادیث متاثرہ میں ان چیزوں کی قیمت کو "سحت" (حرام) قرار دیا گیا ہے۔ خداوند عالم نے کچھ لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ **سماعون للکذب اکالون لسحت**

"وہ بہت جھوٹ سننے والے اور بہت حرام کھانے والے ہیں" چنانچہ اس قسم کی احادیث شریفہ کا خاصا ذخیرہ کتب اربعہ اور وسائل و مستدرک میں موجود ہے۔ ارباب تحقیق انکی طرف رجوع کر کے اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔

مسائل و احکام:

مسئلہ ۱۔ وہ کتا جو شکار کیلئے سدھایا گیا ہو اس کی خرید و فروخت جائز ہے۔ بعض فقہاء نے اس کتے کو بھی حرمت کے حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ جو مال یا باغ یا کھیتی باڑی کی حفاظت کیلئے بیچا یا خریدا جائے۔ مگر اظہر یہ ہے کہ یہ جواز صرف شکاری کتے تک محدود ہے کیونکہ احادیث میں صرف اسی کا استثناء موجود ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ حلال گوشت حیوانات کے پیشاب اور گوبر کی خرید و فروخت بناء بر قول مشہور و منصور جائز ہے جبکہ ان میں کوئی عقلائی فائدہ (جیسے بطور کھاد استعمال کرنا) موجود ہو۔

مسئلہ ۳۔ وہ مردار جس کی خرید و فروخت حرام ہے اس سے مراد خون جہندہ رکھنے والا حیوان ہے۔ جو طبعی موت مرنے سے نجس ہو جاتا ہے۔ اب اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ اس کا پورا جسم مردہ ہو۔ یا زندہ حیوان سے اس کا کوئی جزء کاٹ لیا گیا ہو۔ جیسا کہ بعض لوگ دنبے سے اس کی لاٹ کاٹ لیا کرتے ہیں بہر حال اس کا استعمال یا اسکی خرید و فروخت جائز نہیں ہے اور

مردہ جسم کے صرف ان حصوں کے سوا جن میں حیات نہیں ہوتی جیسے پشم ہڈی وغیرہ دیگر تمام اجزا جیسے چمڑا وغیرہ کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے اور جن بعض روایات سے ان کے چمڑے کے استعمال کا جواز مترشح ہوتا ہے وہ تقیہ پر محمول ہیں۔

مسئلہ ۴۔ جو حیوانات یا حشرات خون جہندہ نہیں رکھتے جیسے مچھلی وغیرہ تو چونکہ وہ مرنے سے نجس نہیں ہوتے اس لئے ان کی موت کے بعد بھی ان کی خرید و فروخت جائز ہے یعنی کھانے کے علاوہ دیگر ضروریات میں ان کا استعمال جائز ہے مثلاً" مردہ مچھلی کا تیل مالش وغیرہ میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ ۵۔ اگر سیال چیزیں نجس ہو جائیں (جو پاک نہیں ہو سکتیں) تو انکی خرید و فروخت بھی جائز نہیں ہے۔ سوائے نجس تیل کے کہ چراغ یا سٹوپ وغیرہ میں جلانے کیلئے اس کی بیع وشرا جائز ہے اب مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ اس چراغ کو چھت کے نیچے نہ جلایا جائے بلکہ زیر آسمان جلایا جائے۔ مگر احادیث میں چونکہ اس قید کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ لہٰذا اقویٰ یہ ہے کہ وہ تیل ہر جگہ جلایا جا سکتا ہے۔ علاوہ بریں کتاب الطہارت میں یہ مسئلہ بیان کیا جا چکا ہے کہ استحالہ ہونے سے نجس چیز پاک ہو جاتی ہے جیسے نجس لکڑی جب جل کر کوئلہ یا راکھ ہو جائے یا نجس تیل دھواں بن کر اڑ جائے۔ لہٰذا اس قاعدہ کے مطابق بھی زیر سقف اس کے جلانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ وہ دھواں پاک ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۶۔ مشہور یہی ہے کہ اس نجس تیل کی خرید و فروخت صرف چراغ یا سٹوپ وغیرہ میں جلانے کیلئے جائز ہے۔ مگر راوندی کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ صابون سازی وغیرہ ان امور میں بھی اس کا استعمال جائز ہے جن میں طہارت شرط نہیں ہے۔

چنانچہ سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمۂ عالم ربانی شیخ یوسف بحرانی اور فاضل سبزواری صاحب ذخیرہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے وہو القوی

توضیح۔ جو تیل وغیرہ سیال چیزیں غیر ممالک سے آتی ہیں جب تک ان کی نجاست کا علم و یقین نہ ہو اس وقت تک ان کو پاک سمجھ کر استعمال کیا جاسکتا ہے ہاں البتہ جو گوشت، چمڑا اور چربی غیر ممالک سے آتی ہے ان کا معاملہ برعکس ہے یعنی جب تک اس کے حلال جانور اور وہ بھی بطریق شرع اسلامی اس کے ذبح ہونے کا یقین نہ ہو اس وقت تک ان کو نجس و حرام سمجھا جائیگا

مسئلہ ۷۔ پگھلا ہوا گھی جب نجس ہو جائے تو اس کا حکم بھی نجس تیل والا ہے جیسا کہ نصوص

میں وارد ہے۔

مسئلہ ۸۔ نجس تیل یا نجس گھی بیچتے وقت خریدار کو صورت حال کی اطلاع دینا واجب ہے۔

مسئلہ ۹۔ جو نجس چیز پاک ہو سکتی ہے اس کی خرید و فروخت کے جواز میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ البتہ اگر بائع کو علم ہو کہ خریدار اس چیز کو نماز وغیرہ مشروط بطہارت امور میں استعمال کرنے کیلئے خرید رہا ہے تو پھر اسے اس کی نجاست کی اطلاع دینا لازمی ہے تاکہ وہ اسے پاک کر سکے۔

مسئلہ ۱۰۔ شراب بجمیع اقسامہ (جس میں فقاع یعنی جو کی شراب بھی داخل ہے) کی خرید و فروخت حرام ہے اور یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ بطور دوا شراب کی خرید و فروخت یا اس کا استعمال جائز ہے۔ یہ محض غلط ہے۔ احادیث میں وارد ہے۔ **ما جعل اللہ فی الحرام شفا؛** خدا نے حرام میں شفا رکھی ہی نہیں ہے (وسائل الشیعہ) اسی طرح جو دوائی الکحل وغیرہ کی آمیزش کی وجہ سے نجس ہو اس کی بیع و شرا بھی علی الاظہر حرام ہے۔

مسئلہ ۱۱۔ اگرچہ متقدمین فقہاء میں مشہور یہ ہے کہ درندوں اور مسخ شدہ جانوروں کی خرید و فروخت حرام ہے مگر متاخرین میں انکے جواز کی شہرت ہے اور یہی قول احادیث آل رسولؐ سے ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ کافی میں بسند صحیح عیسیٰ بن قاسم بیان کرتے ہیں کہ **سئلت ابا عبداللہ عن الفہود و سباع الطیر ھل یلتمس التجارہ فیھا قال نعم** میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے چیتوں اور باز شکرہ جیسے پرندوں کی تجارت کے جواز کے بارے میں سوال کیا؟ فرمایا جائز ہے ویسے بھی چونکہ یہ جانور پاک ہیں اور ان کی زندگی اور موت کے بعد ان سے جائز فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ جسے ہاتھی کے دانتوں سے اور چیتے وغیرہ کی کھال سے (تزکیہ کے بعد) اسلئے ان کی بیع وشرا کا جواز قوت سے خالی نہیں ہے۔ ہاں البتہ چونکہ بندر کی خرید و فروخت کے ممنوع ہونے کے متعلق ایک خصوصی روایت کافی اور تہذیب الاحکام میں موجود ہے۔ اس لئے اس سے اجتناب اولیٰ ہے۔

مسئلہ ۱۲۔ بلی کی خرید و فروخت جائز ہے۔ جیسا کہ منصوصؑ اور فقہاء کے کلام سے ظاہر ہے۔

قسم دوم: وہ چیزیں جو فی نفسہ حرام ہیں جیسے تصویر سازی غناوسرود۔ ظالموں کی امداد۔ نوحہ باطل، حفظ کتب ضلال، اہل ایمان کی ہجو، جادو، کہانت، قیافہ اور شعبدہ بازی کا دیکھنا دکھانا، قمار بازی، دھوکہ دہی، کنگھی پٹی کرنے والی عورت کی فریب کاری اور مرد یا عورت کی بطریق حرام تزیین و

آرائش۔ الغرض ان امور کو ذریعہ معاش بنانا حرام ہے ان امور کی تفصیل ذیل میں ترتیب وار بیان کیا جاتی ہے۔

تصویر سازی

۱۔ تصویر دو قسم کی ہوتی ہے۔ (۱) ذی روح مخلوق کی (۲) غیر ذی روح کی پھر ان دونوں قسموں کی آگے دو دو قسمیں ہیں۔ (۳) وہ تصویر یا مجسم یعنی جسم دار ہوگی۔ (۴) یا غیر مجسم (جیسے کاغذ وغیرہ پر نقش و نگار) لہٰذا اگر تو یہ تصویر غیر ذی روح کی ہے تو یہ بالاتفاق مطلقاً" جائز ہے۔ جیسا کہ آیت مبارکہ **ویعملون لہ ما یشاء من محاریب و تماثیل وجفان کالجواب**

کی تفسیر میں وارد ہے کہ وہ تصویریں جو جنات جناب سلیمانؑ کیلئے بناتے تھے وہ مردوں یا عورتوں کی تصویریں نہ تھیں بلکہ درخت وغیرہ کی تھیں (کافی و تہذیب وغیرہ) اور اگر ذی روح کی ہے اور ہے بھی مجسم تو یہ بالاتفاق حرام ہے۔ اور اگر غیر مجسم ہے تو اس کی حرمت میں فی الجملہ اختلاف ہے مگر اسکی حرمت قوت سے خالی نہیں ہے جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مناہی میں مذکور ہے۔ کہ **نہی عن ینقش شی من الحیوان علی الخاتم**

کہ آنحضرت نے انگوٹھی پر حیوان کی تصویر نقش کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ **(من لا یحضرہ الفقیہ)**

اس کی عقلی وجہ یہ ہے کہ جاندار کو خلق کرنے میں خالق کون و مکاں سے مشابہت لازم نہ آئے۔ **قل اللہ خالق کل شی**

یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ بروز قیامت خداوند عالم تصویر ساز کو حکم دے گا کہ اپنی اس بنائی ہوئی تصویر میں روح ڈالے مگر جب وہ ایسا نہیں کر سکے گا تو اسے سزا دی جائے گی (الفقیہ الخصال)

باقی رہی موجودہ دور کی فوٹو گرافی تو اگرچہ مشہور بین الفقہاء اس کا جواز ہے مگر احتیاط واجب اس میں ہے کہ حتی الامکان اس کے ذریعے جاندار کی تصویر کشی سے اجتناب کیا جائے۔ **(واللہ العالم العاصم)**

غنا و سرود

(۲) راگ اور اس کے سیکھنے و سکھانے اور اس کے ذریعہ روزی کمانے کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ اس کی حقیقت وماہیت کے بارے میں فقہاء اور اہل لغت میں قدرے

اختلاف پایا جاتا ہے اکثر فقہاء نے اس کی تعریف یوں کی ہے۔ **ھو مد الصوت المشتمل علی الترجیع المطرب**

یعنی اس طرح آواز کا کھینچنا اور دراز کرنا کہ جس سے طرب آور ترجیع (گٹکٹی) پیدا ہو۔ مگر علماء محققین کی تحقیق یہ ہے کہ فقیہ کا کام صرف حکم شرعی کا بیان کرنا ہے اس کے موضوع کی تشخیص و تعیین کرنا اس کا وظیفہ نہیں ہے لہٰذا دیگر موضوعات کی طرح "غنا" کی تشخیص میں بھی "عرف خاص" (گانے بجانے والے لوگوں) کی طرف۔ رجوع کرنا پڑے گا۔ بنابریں ہر اچھی آواز کو غنا نہیں کہا جاسکتا ہاں البتہ جس مخصوص آواز کو گانے والے لوگ "غنا" قرار دیں اسے غنا تصور کیا جائے گا۔ اور وہ آواز حرام ہوگی۔ قرآن و حدیث اس کی حرمت پر متفق نظر آتے ہیں۔ (۱) ارشاد قدرت ہے۔ **واجتنبوا قول الزور**

قول زور سے بچو اس آیت کی تفسیر میں روایات مستفیضہ وارد ہوئے ہیں کہ "قول زور" سے مراد "غنا" ہے۔ چنانچہ صحیحہ شحامؒ، مرسلہ ابن ابی عمیرؒ، موثقہ ابی بصیرؒ جو کہ کافی میں موجود ہیں۔ اور عبدالاعلیٰ کی روایت جو معانی الاخبار میں اور حسنہ ہشامؒ جو تفسیر قمی میں ہے ان سب میں حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے اسکی یہی تفسیر مروی ہے۔ فراجع

(۲) اسی طرح ارشاد قدرت ہے۔ **ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم** پ ۲۱ سورہ لقمان

"اور آدمیوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو لہوالحدیث کے خریدار ہیں تاکہ بغیر علم لوگوں کو خدا کی راہ سے بھٹکائیں" اخبار مستفیضہ میں وارد ہے کہ "لھوالحدیث" سے مراد غنا ہے چنانچہ صحیحہ محمد بن مسلمؒ اور مہران ابن محمدؒ و شاء حسن بن ہارون اور عبدالاعلیٰ کی روایات جو صادقین سے مروی ہیں ان سب میں "لھو الحدیث" کی تفسیر غنا سے کی گئی ہے۔ نیز آیت مبارکہ **والذین لا یشھدون الزور**

مومن وہ ہوتے ہیں جو مقام زور پر حاضر نہیں ہوتے کی تفسیر میں حضرت صادق علیہ السلام سے محمد بن مسلم کی صحیحہ مروی ہے کہ مومن وہ ہوتے ہیں جو اس جگہ حاضر نہیں ہوتے جہاں غنا کا ارتکاب کیا جاتا ہو۔ (تفسیر۔ برہان۔ صافی۔ نورالثقلین وغیرہ)

اور جہاں تک روایات کا تعلق ہے تو بقول صاحب "ایضاح المکاسب" وہ حد تواتر تک پہنچے ہوئے ہیں۔ بطور تبرک دو چار روایات یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ بسند صحیح زید شحام حضرت امام جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں کہ آنجناب نے فرمایا۔

"بیت الغناء لا یؤمن فیه الفجیعته ولا تجاب فیه الدعوة ولا یدخله الملک"

کہ جس گھر میں گانا گایا جائے وہ ناگہانی مصیبت سے محفوظ نہیں ہوتا نہ اس میں کوئی دعا قبول ہوتی ہے۔ اور نہ ہی اس میں کوئی رحمت کا فرشتہ نازل ہوتا ہے۔ (الکافی)

۲۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا **الغنا عش النفاق** کہ غنا و سرود نفاق کا آشیانہ ہے (وسائل الشیعہ)

۳۔ نیز بروایت حسن بن ہارون انہی جناب سے منقول ہے فرمایا۔ **مجلس الغنا لا ینظر اللہ الی اھلہ** جس مجلس و محفل میں غنا کا ارتکاب کیا جائے خدا اس کے اہل کی طرف نظر رحمت نہیں کرتا۔ (قرب الاسناد۔ وسائل الشیعہ)

۴۔ بروایت محمد بن مسلم حضرت امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ فرمایا **الغنا مما او عد اللہ علیہ النار** کہ غنا ان گناہان (کبیرہ) میں سے ہے جن پر خدا نے دوزخ کی وعید فرمائی ہے۔ (کافی۔ صافی)

۵۔ عبداللہ بن سنان حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے اور وہ اپنے آباؤ اجداد طاہرین کے سلسلہ سند سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا۔ **اقرؤا القرآن بالحان العرب واصواتها وایاکم ولحون اھل الفسق واہل کبائر فانہ سیجیئ بعدی اقوام یرجعون القرآن ترجیع الغنا والنوح والرھبانیہ لا یجوز تراقیھم قلوبھم مقلوبتہ وقلوب من یعجبہ شانھم**

قرآن کو عربوں کے سادہ لب ولہجہ میں پڑھو۔ خبردار اہل فسق و فجور و کبائر کی طرز سے اجتناب کرنا۔ میرے بعد کچھ ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن کو غنا، نوحہ اور رہبانیت کے انداز میں پڑھیں گے قرآن انکے حلق سے نیچے نہیں اترے گا ان کے اور جن کو ان کا یہ انداز پسند ہے سب کے دل ٹیڑھے ہوں گے (الکافی)

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ مذکورہ بالا حقائق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ "غنا" آواز کی ایک مخصوص کیفیت ہے جس میں الفاظ کے مادہ کو کوئی دخل نہیں کہ وہ اچھے ہوں یا برے۔ لہذا اس کی حرمت میں کوئی فرق نہیں۔ خواہ غزل میں ہو یا قرآن میں سید الشہداءؑ کے مرثیہ میں ہو یا دعا و اذان میں

بلکہ اگر عبادت و اطاعت کے کاموں میں اس کا ارتکاب کیا جائے تو اس سے اس گناہ کی سنگینی اور بڑھ جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں چار علماء کی شہادتیں پیش کیا جاتی ہیں۔ (۱) استاذ المجتہدین شیخ مرتضیٰ انصاری قدس سرہ فرماتے ہیں۔وظہر مما ذکر نا انہ لا فرق بین استعمال ھذہ الکیفتہ فی کلام حق او باطل فقراتہ القران والدعا والمراثی بصوت یرجع فیہ علی سبیل اللھو لا اشکال فی حرمتھا ولا فی تضاعف عقابھا لکونھا معصیتہ فی مقام الطاعتہ واستخفافا" بالمقرو والمدعو والمرثی

۲۔ عالم ربانی جناب شیخ زین العابدین مازندرانی قدس سرہ فرماتے ہیں "در مراثی و قرآن غنا عذابش بیشتر است" (ذخیرہ العباد ص ۵۰۴)

۳۔ آیتہ اللہ آقا سید ابو الحسن اصفہانی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ ولا فرق بین استعمالہ فی کلام حق من قراتہ او دعاء او مرثیہ وغیرہ من شعر و نثر بل تضاعف عقابہ لو استعملہ فیما یطاع بہ اللہ کقرانہ القران ونحوھا" (وسیلتہ النجاۃ ص ۴۱ ج ۲)

۴۔ علامہ شیخ احمد جزائری قدس سرہ فرماتے ہیں۔ واعلم انہ لا فرق فی تحریمہ بین کونہ فی قراتہ القران او دعا او غیرھما (قلائد ص ۱۹۵ طبع قدیم) ان تمام عبارتوں کا مفہوم وہی ہے جو اوپر مذکور ہے۔

مسئلہ ۲۔ نیز مخفی نہ رہے کہ بناء بر تحقیق غناء کی حرمت زنا کی مانند ذاتی ہے جو قابل تخصیص نہیں ہے اگرچہ بعض اخبار و آثار سے آشکار ہوتا ہے کہ شادی کی تقریب میں اس کنیز کا گانا جائز ہے۔ جو نہ کوئی آلہ غنا استعمال کرے' نہ کوئی اجنبی اس کی آواز کو سنے اور نہ ہی کوئی اجنبی وہاں موجود ہو۔ مگر احوط یہ ہے کہ اس سے بھی اجتناب کیا جائے۔ کذا فی الجواہر والوسیلہ

اور یہ جو بعض فقہاء کے کلام میں حدی خوانی میں غنا کے جواز کا قول ملتا ہے۔ یہ بے دلیل و برہان ہونے کی وجہ سے قابل اعتماد نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۔ غنائی نغمہ حرام ہے۔ خواہ اس کے ساتھ آلات غنا کا استعمال کیا جائے یا نہ اور جن بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ غنا صرف اسی صورت میں حرام ہوتا ہے کہ جب اسکے ساتھ آلات غنا ہوں تو ان کا یہ قول بالکل ضعیف اور ناقابل توجہ ہے ہاں البتہ اگر آلات غنا کو بھی اس کے ساتھ استعمال کیا جائے تو اس سے حرمت کی سنگینی اور بڑھ جائے گی۔

مسئلہ ۴۔ جن بعض آثار سے قرآن و ذکر وغیرہ میں غناء کا جواز مترشح ہوتا ہے علاوہ اس کے کہ

ایسے اخبار سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں جو سابقہ آیات و روایات کے مقابلہ و معارضہ کی تب و تاب نہیں رکھتے بلکہ بوجہ مخالف قرآن ہونے کے ناقابل قبول ہیں اور بناء بر تسلیم تقیہ پر محمول ہیں (فلا تغفل) اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ **اجرا لمغنی والمغنیہ سحت** گانے بجانے والے مرد اور عورت کی یہ آمدنی حرام ہے۔ جیسا کہ ارشادات معصومین میں وارد ہے (**من لا یحضرہ الفقیہ**) اس لئے اس کام کو ذریعہ معاش بنانا حرام ہے۔

مسئلہ ۵۔ جس طرح گانا حرام ہے اسی طرح اس کا سننا بھی حرام ہے خواہ اس کا ارتکاب محفل نعت و سماع میں ہو یا مجالس عزا میں۔ واللہ الموفق۔

۳۔ **نوحہ بباطل کرنا**= قدیم زمانہ میں رسم تھی (اور کہیں کہیں آج کل بھی ہے) کہ مرنے والے پر نوحہ کرکے رلانے والی پیشہ ور عورتیں ہوتی تھیں جو مخصوص لب و لہجہ میں بین کرکے اور مرنے والے کی خوبیاں بیان کرکے مردوں عورتوں کو رلاتی تھیں۔ شریعت مقدسہ میں اس عمل کو اس شرط کے ساتھ روا رکھا گیا ہے۔ اور اس عمل پر حاصل کردہ اجرت کو جائز قرار دیا گیا ہے کہ وہ باطل کے ساتھ نوحہ نہ کریں' یعنی نوحہ کرنے میں جھوٹ نہ بولیں۔ مطلب یہ کہ جو خوبیاں مرنے والے میں نہ ہوں وہ اس میں ظاہر نہ کریں ورنہ ان کی اجرت حرام قرار پائے گی۔ نیز ایک روایت کی بناء پر ان کے لئے پہلے اجرت کا طے کرنا بھی مکروہ ہے لہذا بہتر یہ ہے کہ اجرت طے نہ کریں۔ ہاں بعد از عمل جو کچھ انہیں مل جائے وہ اسے قبول کرلیں۔ (وسائل الشیعہ)

۴۔ **ظالموں کی امداد کرنا**= مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ ظالموں کی ظلم میں امداد کرنا حرام ہے۔ بلاشک یہ بات تو عقل و نقل سے ثابت ہے مگر بعض فقہا نے یہ قید نہیں لگائی۔ بلکہ علی الاطلاق ظالموں کی ہر قسم کی امداد کرنا اور انکی امداد کرکے روزی کمانا حرام قرار دیا ہے۔ اور یہی قول قوی ہے۔ جسے بکثرت اخبار و اثار کی تائید مزید حاصل ہے۔

۱۔ ارشاد قدرت ہے۔ **لا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار**

ظالموں کی طرف میلان نہ کرو ورنہ تمہیں جہنم کی آگ چھوئے گی۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **ھو الرجل یاتی السلطان فیحب بقائہ الی ان یدخل یدہ فی کیسہ فیعطیہ۔**

جو شخص ظالم بادشاہ کے پاس جائے اور سوال کرے اور اس کے جیب میں ہاتھ ڈال کر اسے کچھ

دینے تک اس کی بقاء چاہے تو یہ بھی ان لوگوں کے گروہ میں شامل ہے جنہیں خدا تعالیٰ نے ظالموں کی طرف جھکاؤ کی وجہ سے جہنم کی دھمکی دی ہے۔ (الکافی)

۱۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ من مشیٰ الی ظالم فقد خرج من الاسلام جو شخص کسی ظالم کی طرف چل کر جائے وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ (مجموعہ شیخ ورام)

۲۔ نیز فرمایا۔ اذ کان یوم القیامۃ نادی مناد این اعوان الظلمۃ واشباہ الظلمۃ حتی من برا لھم قلما او لاق دواۃ قال فیجمعون فی تابوت من حدید ثم یرمی بہ فی جہنم

جب قیامت کا دن ہوگا۔ تو ایک منادی ندا دے گا کہ ظالموں کے مددگار اور ان سے مشابہت رکھنے والے حتیٰ کہ جنہوں نے ان کے لئے قلم و دوات مہیا کی تھی کہاں ہیں؟ چنانچہ ان سب لوگوں کو لوہے کے ایک تابوت میں بند کیا جائے گا۔ اور پھر اس تابوت کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (ایضاً)

بہر نوع ظالم کی ملازمت کرنے والے اور اس کا کام کاج کرکے روزی کمانے کے متعلق بظاہر اخبار و آثار مختلف ہیں

۱۔ بعض میں شدید مذمت وارد ہے۔ جن کا ایک شمہ اوپر پیش کیا جا چکا ہے۔

۲۔ اور بعض میں یہ وارد ہے کہ ما من جبار الا ومعہ مؤمن یدفع اللہ بہ من المومنین وھو اقلھم حظاً فی الاخرۃ

کوئی ایسا جبار بادشاہ نہیں ہوتا جس کے پاس کوئی ایسا مومن نہ ہو جس کے ذریعہ سے خدا اہل ایمان کا دفاع کرتا ہے مگر قیامت کے دن جبار کی صحبت کی وجہ سے اس کا حصہ سب سے کم ہوگا۔

اس قسم کی بعض روایات میں وارد ہے۔ کہ اگر ایسا شخص خدا اور رسولؐ کے حکم کے مطابق چلے گا اور اپنا مددگار (ماتحت عملہ) بھی اہل ایمان میں سے رکھے گا۔ اور غریب اہل ایمان کی اعانت و مدد بھی کرے گا۔ تو کان ذا بذا والا فلا تب یہ نیکی اس برائی (معونت ظالمین) کا بدل بن جائے گی ورنہ نہیں (وسائل الشیعہ وغیرہ)

۳۔ اور بعض روایات میں وارد ہے کہ ایسے لوگ جو ظالموں کی ملازمت کرکے اہل ایمان کے کام کرتے ہیں اور فیض رسانی خلق کو اپنا مقصد حیات قرار دیتے ہیں۔ ان کے درجات سب سے

زیادہ بلند ہوں گے ان کا حصہ سب سے زیادہ ہوگا۔ اور وہ آتش جہنم سے آزاد کردہ ہیں۔

اولئک عتقاء اللہ من النار (الخ)

اس سلسلہ میں حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں۔

خداوند عالم نے ظالموں کے دروازوں پر کچھ ایسے لوگ مقرر کر رکھے ہیں جنکے ذریعہ سے وہ اپنے اولیاء کا دفاع کرتا ہے اور اہل اسلام و ایمان کے معاملات کی اصلاح کرتا ہے۔ وہ مومنوں کے ملجاء و ماوا ہیں ان کے ذریعے سے ظالموں کے دارالظلم میں اہل ایمان سے ظلم و جور دور کیا جاتا ہے۔ یہ ہیں حقیقی مومن۔ یہ خدا کی زمین میں اس کے امین ہیں بروز قیامت ان کا نور اس طرح چمکتا ہوگا جس طرح اہل زمین کے لئے تاروں کا نور چمکتا ہے یہ جنت کیلئے پیدا کئے گئے ہیں اور جنت ان کیلئے پیدا کی گئی ہے۔ (رجال کشی)

ان بظاہر باہم مخالف اخبار و آثار کے درمیان بعض محقق علمائے اعلام نے اس طرح جمع فرمائی ہے کہ یہ اختلاف ان ظالموں کی ملازمت اور ان کا کام کرنے والوں کی نیت کے اختلاف پر مبنی ہے۔

۱۔ اگر ایک شخص کا مقصد صرف حب دنیا اور دنیا کا جاہ و جلال اور مال و منال اور عہدہ کا حصول ہے تو وہ پہلے زمرہ میں داخل ہے۔

۲۔ اور اگر اس کا مقصد مذکورہ بالا باتوں کے ساتھ ساتھ نیکیاں کرنا اور اہل ایمان کے کام کرنا بھی ہے تو وہ دوسرے گروہ میں شامل ہے۔

۳۔ اور اگر اس کا مقصد اقتدار میں آنے کے بعد صرف نیکی کرنا اور اسکا حکم دینا برائی سے رکنا اور دوسروں کو روکنا اور کمزور اہل ایمان کی ضروریات زندگی مہیا کرنا۔ اور ان کی مطلب برآری کرنا، ظالموں کے ظلم و جور سے ان کو بچانا اور ان کے ساتھ بھلائی کر کے خدا اور اسکے رسولؐ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ تو یہ تیسری جماعت میں داخل ہے اگرچہ ایسے افراد کبریت احمر سے بھی کمتر ہیں۔ **وھو الحق الحقیق بالا تباع لان الحق احق ان یتبع واللہ سبحانہ ولی التوفیق۔**

مسائل و احکام

مسئلہ ا۔ اگر کسی شخص کو کوئی حکومتی عہدہ قبول کرنے پر مجبور کیا جائے تو حفظ جان و مال کی خاطر تقیۃً جائز ہے اور اسے چاہئے کہ تابامکان اہل ایمان کے کام کرے چنانچہ حضرت امام

جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کفارۃ عمل السلطان قضاء حوائج الاخوان کہ سلطان جابر کے کام کرنے کفارہ یہ ہے کہ اہل ایمان کے کام کئے جائیں (مرقنیہ)

مسئلہ ۲۔ اگر ایسے شخص کو کسی ناجائز کام کرنے پر مجبور کیا جائے۔ تو تقیۃ اس کام کا کرنا بھی جائز ہوگا بشرطیکہ کسی محفوظ الدم آدمی کے قتل کرنے تک نوبت نہ پہنچ جائے۔ ورنہ پھر تقیہ ختم ہو جائے گا کیونکہ تقیہ ہوتا ہی حفظ مال و جان کیلئے ہے تو جب کسی کی جان تلفی تک نوبت پہنچ جائے تو پھر تقیہ کا مقام ختم ہو جاتا ہے۔ لانہ لا تقیۃ فی الدماء کما ورد فی الاخبار

۵۔ اہل ایمان کی ہجو اور غیبت کرنا

ہجو سے مراد یہ ہے کہ شعر و شاعری کے ذریعہ سے اہل ایمان کی برائیاں بیان کی جائیں اسی طرح نثر میں بھی اہل ایمان کو گالی دینا۔ ان کی اہانت کرنا۔ ان پر طعن و تشنیع کرنا حرام ہے اور اس کے ذریعے جو روزی کمائی جائے گی وہ سخت اور حرام ہوگی۔ اور غیبت سے مراد یہ ہے کہ "کسی شخص کی عدم موجودگی میں اس کا وہ پوشیدہ عیب بیان کیا جائے جو اگرچہ فی الواقع اس میں پایا تو جاتا ہے لیکن وہ اس کا اظہار پسند نہ کرتا ہو اور اگر اسے اس (غیبت) کی اطلاع ملے تو اسے صدمہ ہو ادلہ اربعہ کی بناء پر مومن کی غیبت عام اس سے کہ عادل ہو یا فاسق حرام ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ لا یغتب بعضکم بعضا ایحب احد کم ان یا کل لحم اخیہ میتا" فکرھتموہ (پ ۲۶ س) "تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے یقیناً" تم اسے ناپسند کرتے ہو۔"

اس آیت مبارکہ میں خالق اکبر نے مومن کو مومن کا بھائی' اس کی عزت کو بمنزلہ گوشت 'غیبت کرنے کو گوشت کھانے اور اس شخص کے عدم شعور کو منزلہ موت قرار دیا ہے۔

نیز ارشاد ربوبیت ہے۔ ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین امنوا لھم عذاب الیم (پ۔ س۔ ع) جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اہل ایمان کی برائیاں فاش کی جائیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ائمہ اطہارؑ کے بے شمار اخبار و آثار غیبت کی مذمت اور حرمت کے سلسلہ میں وارد ہوئے ہیں یہاں صرف ان کا ایک شمہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ جناب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا الغیبۃ اشد من الزنا "غیبت زنا سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے"

۲۔ نیز فرمایا کہ کذب من زعم انہ ولد من حلال وھو یا کل لحوم الناس بالغیبۃ فلیجتنب

الغیبۃ فانھا ادام کلاب النار۔ "جو غیبت کر کے لوگوں کا گوشت کھاتا ہے اور پھر یہ گمان کرتا ہے کہ وہ حلال زادہ ہے وہ جھوٹا ہے غیبت سے اجتناب کرو۔ کہ یہ جہنم کے کتوں کی خوراک ہے۔

۳۔ نیز فرمایا ان الغیبۃ حرام علی کل مسلم وان الغیبۃ لتا کل الحسنات کما یاکل النار الحطب "غیبت ہر مسلمان پر حرام ہے اور غیبت نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

۴۔ جناب امیر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا۔ من قال فی مومن ما راتہ عیناہ وسمعت اذناہ مما یشینہ ویھدم مروتہ فھو من الذین قال اللہ ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین امنوا لھم عذاب الیم

جو شخص کسی مومن کے متعلق برملا وہ بات بیان کرے جو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہو یا اپنے کانوں سے سنی ہو مگر وہ بات ایسی ہو جو اس مومن کو عیب لگاتی ہو اور اس کی عزت و مروت کو گراتی ہو تو وہ شخص اس زمرہ میں داخل ہے جس کے بارے میں خدا فرماتا ہے جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اہل ایمان کی برائیاں لوگوں میں پھیلائی جائیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (الکافی، وسائل الشیعہ، جامع السعادات وغیرہ)

اسی طرح اس کی حرمت پر سب علماء اسلام کا اتفاق ہے اور عقل سلیم بھی اس کی قباحت پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہے کہ اس غیبت کی وجہ سے اس قدر معاشرتی خرابیاں جنم لیتی ہیں جن کا عدواً حصا ؤ نہیں ہو سکتا۔ ان تمام حقائق سے واضح ہوتا ہے۔ کہ غیبت صرف ایک عام گناہ ہی نہیں بلکہ گناہان کبیرہ میں سے ہے اور غیبت کرنے سے حق اللہ اور حق العباد دونوں پامال ہوتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ غیبت سننا بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح غیبت کرنا بلکہ بعض احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ سننے کا جرم زیادہ سنگین ہے۔

مسئلہ ۲۔ اس جرم کی بخشش کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ شخص زندہ و موجود ہے جسکی غیبت کی گئی ہے تو اس سے معافی طلب کی جائے اور اگر موجود نہیں ہے یا اگر وفات پاگیا ہے تو پھر اس شخص کیلئے خدا سے مغفرت طلب کی جائے اگرچہ بعض اخبار سے علی الاطلاق استغفار کرنے کا حکم مترشح ہوتا ہے۔ مگر مختلف احادیث کو باہم ملا کر دیکھنے سے وہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے جو ہم نے بیان

کیا ہے اور خدا کی بارگاہ میں تو بہر حال توبہ و استغفار کرنا لازم ہے واللہ العالم۔

مسئلہ ۳۔ بموجب قاعدہ ما من علم الا وقد خصّ ہر عام چونکہ قابل تخصیص ہوتا ہے اس عمومی حکم سے بھی چند صورتیں مستثنیٰ ہیں جنہیں فقہا کرام نے اپنے ائمہ اطہار علیہم السلام کی تاسی میں بیان کیا ہے اور یہ سب کچھ اس قاعدہ کلیہ کے ماتحت ہے کہ جہاں غیبت کرنے میں کوئی ایسی مصلحت ہو جو غیبت کے مفسدے پر غالب ہو تو وہاں غیبت جائز ہوتی ہے جیسے

(مستثنیات غیبت)

۱۔ مظلوم و ستم رسیدہ آدمی کا اس شخص کے پاس ظالم کی غیبت و شکایت کرنا جس سے داد رسی کی امید ہو سکتی ہے ارشاد قدرت ہے۔ لا یحب اللہ الجہر بالسوء من القول الا من ظلم۔

۲۔ مشورہ طلب کرنے والے شخص کو صحیح مشورہ دینے کی خاطر کسی شخص کے حدود اربعہ بیان کرنا بلکہ مشورہ کے بغیر بھی کسی مومن کو ضرر و نقصان سے بچانے کی خاطر کسی شخص کے کردار پر تبصرہ کرنا مباح ہے تاکہ کوئی مومن اسکے دام تزویر میں پھنس کر نقصان و زیاں نہ اٹھائے بعض فقہاء نے اس شخص پر تنقید کرنے کو بھی اس ضمن میں شامل کیا ہے جو اس مسند افتاء واصدار پر بیٹھ جائے جس کا وہ اہل نہ ہو۔ تاکہ لوگ اس کے دام ہمرنگ زمین میں گرفتار نہ ہوں۔ مگر یہ مقام بہت نازک ہے اکثر اوقات شیطان رجیم اور نفس لئیم انسان کو دھوکہ دیکر ایسے شخص پر اسی عنوان سے تنقید کرنے پر آمادہ کرتے ہیں جو اس تنقید سے بالاتر ہوتا ہے

اور دراصل اس تنقید کا محرک وہ باہمی بغض و حسد ہوتا ہے جو بدقسمتی سے صنف علماء میں سب سے زیادہ پایا جاتا ہے ایک دوسرے کی علمی اغلاط کی نشاندہی کرنا بھی اس ضمن میں آتا ہے۔ بہرکیف یہ ایک پر خطر مقام ہے ایک خوف خدا رکھنے والے عالم و سالک کو بینہ و بین اللہ تمام حالات و کوائف کا جائزہ لے کر قلم و زبان کو حرکت دینا چاہئے اور ہر وقت ارشاد قدرت (لاتطعن ذی الدین) کو مد نظر رکھنا چاہئے اور یہ جاننا چاہئے کہ الفتنۃ اشد من القتل واللہ العالم العاصم

۳۔ گواہوں اور راویوں پر تنقید کرنا تاکہ مسلمانوں کے حقوق اور شریعت مقدسہ کے احکام کو کمی و بیشی اور ضائع ہونے سے بچایا جاسکے اسی چیز پر علم رجال کی ساری عمارت کھڑی کی گئی ہے۔

۴۔ متجاہر بالفسق کی غیبت کرنا یعنی جو شخص حیا و شرم کو بالائے طاق رکھ کر کھلم کھلا شریعت مقدسہ کے حدود وقیود توڑتا ہے اور برملا گناہ کرتا ہے اس کی نہ صرف اسی گناہ میں جسے وہ کھلم کھلا کرتا ہے بلکہ بناء براقوی دوسرے گناہوں میں بھی غیبت کرنا جائز ہے کیونکہ اس کے اس تجاہر و تجاسر سے شرعاً اس کی حرمت و توقیر ختم ہو جاتی ہے چنانچہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ **من القی جلباب الحیاء عن وجھہ فلا غیبۃ لہ۔** "جو شخص شرم و حیاء کا لباس چاک کر دے اس کی غیبت "حرام" نہیں ہے (کشف الریبہ از شہید ثانی) ہاں البتہ احوط یہی ہے کہ اس کے اسی گناہ کے اظہار پر اکتفا کی جائے جسے وہ برملا کرتا ہے مثلاً کسی ریش تراشی کے مرتکب کے بارے میں یوں کہا جائے کہ فلاں آدمی ویسے تو اچھا ہے پر ڈاڑھی منڈاتا ہے۔

۵۔ کسی شخص کی اس لئے غیبت کرنا کہ اسے نقصان وزیاں سے بچایا جاسکے۔ جیسا کہ رجال کشی میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اور اپنے والد ماجد کے جلیل القدر صحابی زرارہ بن اعین کی شکایت کی اور اسے اس کے بیٹے کے ذریعے کہلا بھیجا کہ میں نے تمہاری جان و مال کی حفاظت کیلئے برملا تمہاری شکایت کی ہے تاکہ حکومت وقت تمہیں میرے خواص سے سمجھ کر اذیت رسانی کا نشانہ نہ بنائے۔ (کشی)

۶۔ اگر کوئی شخص کسی ایسے لقب سے مشہور ہو جائے جو گو فی نفسہ عیب ہے مگر اس آدمی کی شہرت اسی سے ہے اور اسی لقب سے پہچانا جاتا ہے جیسے اعرج "لنگڑا" اعمش (چندھیائی آنکھوں والا) "اشتر" (جسکی آنکھ کا نچلا چھپر الٹا ہوا ہو" "احول" (بھینگی آنکھ والا) وغیرہ۔ تو اسے اسی لقب سے یاد کرنا جائز ہے۔

۷۔ مفتی سے فتوئی حاصل کرنے کیلئے کسی شخص کی غیبت کی جاسکتی ہے مثلاً فتویٰ طلب کرنے والا مفتی سے دریافت کرے کہ فلاں شخص نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے اس کے بارے میں شرع شریف کا حکم کیا ہے؟ مگر اس صورت میں احتیاط واجب یہ ہے کہ تصریح کی بجائے تعریض و کنایہ سے کام لیا جائے مثلاً یوں سوال کیا جائے کہ اگر کوئی شخص کسی شخص پر اس

طرح زیادتی کرے تو اس کے بارے میں شرع انور کا حکم کیا ہے؟

۸۔ غیر مومن بالخصوص اصحاب زیغ و ضلال اور اہل بدعت کی غیبت کرنا تاکہ فتنہ و فساد کی جڑ کٹ جائے اور عامتہ الناس چاہ ضلالت میں گرنے سے بچ جائیں۔

تبصرہ: مخفی نہ رہے کہ چغلخوری کرنا اور جھوٹ بولنا بھی غیبت کی طرح حرام ہے اور اس کے ذریعہ سے روزی کمانا ناجائز ہے فلا تغفل۔

۴(غش خفی) یعنی مخفی طور پر دھوکا دہی کرنا جیسے دودھ میں پانی، کھانڈ میں سوجی اور چائے کی پتی میں دال کا چھلکا ملانا وغیرہ وغیرہ یہ فعل شنیع بالاتفاق حرام ہے اور اس کے ذریعے سے روزی کمانا ناجائز ہے۔

(۱) چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں **لیس منا من غش مسلما" او ضرہ او ماکرہ** جو شخص کسی مسلمان کو دھوکہ دے یا اسے ضرر پہنچائے یا اس سے مکر و فریب کرے وہ ہم سے نہیں ہے (عیون الاخبار)

(۲) نیز آنحضرتؐ نے فرمایا **من غش مسلما" فی بیع او شراء فلیس منا یحشر مع الیھود یوم القیامتہ لانہ من غش الناس فلیس بمسلم الخ** "جو شخص خرید و فروخت میں کسی مسلمان کو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے وہ بروز قیامت یہودیوں کے ساتھ محشور ہو گا کیونکہ جو لوگوں کو دھوکہ دے وہ مسلمان نہیں ہے" (عقاب الاعمال)

"باقی رہا غش جلی" یعنی اس قسم کی ملاوٹ کرنا جو پوشیدہ نہ ہو بلکہ ظاہر ہو جیسے گندم وجو وغیرہ میں مٹی ملانا یا اچھی قسم کی گندم وغیرہ میں اس کی ردی قسم ملانا بشرطیکہ مٹی اور ردی گندم وغیرہ خریداروں کو نظر آرہی ہو بنا بر مشہور صرف مکروہ ہے حرام نہیں ہے کیونکہ ایک تو اس قسم کی ملاوٹ ظاہر ہے اور دوسرے اس طرح کرنے سے گندم وغیرہ ردی کہی جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کا نرخ خود بخود کم ہو جاتا ہے کیونکہ وہ عمدہ گندم جس میں مٹی یا ردی گندم کی آمیزش نہ ہو اس کا نرخ اور ہو گا اور جس میں ان چیزوں کی ملاوٹ ہو گی اس کا نرخ اور (یعنی کم) ہو گا اور اگر یہ ملاوٹ اس انداز سے کی جائے کہ مٹی یا ردی قسم نظر نہ آئے تو پھر یہ قسم بھی قسم اول میں داخل ہو جائے گی اور حرام قرار پائے گی۔

مسائل واحکام

مسئلہ ۱۔ آیا غش مخفی والا معاملہ سرے سے باطل ہے یا اصل معاملہ صحیح ہے ہاں البتہ بعد از

اطلاع خریدار کو معاملہ کے فسخ کرنے کا اختیار ہے؟ مسئلہ اشکال سے خالی نہیں ہے اگرچہ آخری شق اشبہ ہے واللہ العالم۔

مسئلہ ۲۔ ایک سبزی فروش سبزی وغیرہ پر پانی چھڑکتا ہے تو اس کے جواز و عدم جواز کا دار و مدار اس کی نیت پر ہے یعنی اگر اس سے اس کا مقصد یہ ہے کہ چیز کا وزن بڑھ جائے تو یہ ناجائز ہے اور اگر غرض یہ ہے کہ سبزی خشک ہو کر بے کار نہ ہو جائے تو پھر ایسا کرنا جائز ہو گا واللہ العالم بالسرائر۔

۷۔ تدلیس ماشطہ

کنگھی پٹی کرنے والی عورت کا دھوکا دہی کرنا اور اس کے ذریعہ سے روزی کمانا بنا بر مشہور عند الفقہاء حرام ہے جیسے عروس بننے والی عورت یا بکنے والی کنیز کے چھوٹے بالوں کے ساتھ کسی حیوان یا عورت کے لمبے بال باندھنا یا وگ استعمال کرانا یا پوڈر وغیرہ کے ذریعے سے اس کے سیاہ رنگ کو سفید اور بدصورت کو خوبصورت ظاہر کرنا تاکہ نہ چاہنے والے بھی اسے چاہنے لگیں اور ان کا شوق ازدواج و اشتراء دو آتشہ ہو جائے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں جو احادیث وارد ہوئے ہیں ان سے حرمت کا استفادہ کرنا قدرے مشکل ہے ہاں البتہ اگر اسے غش و دھوکا دہی کے زیر عنوان حرام قرار دیا جائے۔ تو کچھ بعید نہیں ہے جیسا کہ مقدس اردبیلی نے شرح ارشاد میں افادہ فرمایا ہے بایں ہمہ کراہت والا قول قوت سے خالی نہیں ہے واللہ العالم۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر بیوی اپنے شوہر کیلئے مذکورہ بالا قسم کے تکلفات باردہ سے اپنے آپ کو مزین کرے تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ کئی لحاظ سے مستحسن بھی ہے۔

مسئلہ ۲۔ بعض احادیث میں جہاں عورتوں کیلئے عورتوں کے بال باندھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے وہاں بکری وغیرہ کے بال باندھنے کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے اس لئے بنا بر جواز بہتر یہ ہے کہ عورتوں کے بالوں کی بجائے دوسرے بالوں پر اکتفا کیا جائے۔

مسئلہ ۳۔ بعض اخبار میں وارد ہے کہ ماشطہ (کنگھی پٹی کرنے والی عورت کو) چاہئے کہ اس کام پر اجرت طے نہ کرے بلکہ کام کے بعد جو کچھ اسے دیا جائے۔ اسے قبول کرے۔ **لا بأس بکسب الماشطة اذا لم تشارط وقبلت ما تعطی** (فقیہ) واللہ الموفق

۸۔ مرد کی اس چیز کے ساتھ زینت کرنا جو اس پر حرام ہے

جیسے سونا اور ریشم کا استعمال اور اس کام پر اجرت لینا حرام ہے بلکہ اکثر فقہا نے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ جو چیزیں عورت کے ساتھ مختص ہیں جیسے کنگن پازیب وغیرہ اور وہ لباس جو عورتوں کے ساتھ مختص ہے وہ مرد کیلئے حرام ہے اور جو چیزیں مردوں کے ساتھ مختص ہیں جیسے پگڑی اور کمر کس باندھنا پہلو کے ساتھ تلوار لٹکانا وغیرہ وہ عورتوں کیلئے حرام ہیں مگر سرکار محمد و آلہ محمد علیہم السلام کی احادیث سے اس کا استفادہ مشکل ہے ہاں البتہ بعض آثار سے اس کا ترشح ضرور ہوتا ہے۔ اگرچہ وہاں بھی تاویل کی گنجائش ہے جیسے کہ علل الشرائع میں جناب امیر علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا۔ **سمعت رسول اللہ یقول لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال** خدا لعنت کرے ان مردوں پر جو اپنے آپ کو عورتوں کے مشابہ بناتے ہیں اور ان عورتوں پر جو اپنے آپ کو مردوں کے ساتھ مشابہ بناتی ہیں (کذافی الکافی)

بہرحال احتیاط واجب اس میں ہے کہ اس فعل سے اجتناب کیا جائے واللہ العالم۔

۹۔ قیادۃ

یعنی مرد و عورت یا دو مردوں یا دو عورتوں کو فعل حرام کیلئے اکٹھا کرنا اور اس پر اجرت لینا بالاتفاق حرام ہے کیونکہ جس طرح زنا کا پیشہ اختیار کرکے پیسہ کمانا حرام ہے اسی طرح اس فعل حرام کے لئے موقع فراہم کرنا اور اس فعل شنیع کیلئے لوگوں کو اکٹھا کرنا یعنی پیشہ کرانا بھی گناہ کبیرہ ہے عبداللہ بن سنان کی صحیح روایت میں وارد ہے کہ ایسے شخص کو پچھتر کوڑے لگائے جائیں گے اور اسے شہربدر بھی کیا جائے گا۔ (مکاسب شیخ)

۱۰۔ رشوت لینا

احادیث میں اسے کفر و شرک سے تعبیر کیا گیا ہے اور اگر رشوت کا عنوان بدل کر بطور ہدیہ دیا جائے تو اس سے حقیقت تبدیل نہیں ہو سکتی اس لئے حاکم کو ان لوگوں کا ہدیہ قبول کرنے سے بھی اجتناب کرنا چاہئے جن کا مقدمہ ان کے پاس ہے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ قاضی کیلئے شرعی فیصلہ جات پر اجرت لینا حرام ہے ہاں البتہ بیت المال سے بطور "ارتزاق" (گذارہ الاؤنس) حسب ضرورت لینا جائز ہے۔

مسئلہ ۲۔ جس طرح رشوت لینا حرام ہے اسی طرح رشوت دینا بھی حرام ہے ہاں البتہ جب کوئی آدمی حق بجانب ہو اور اس کیلئے اپنے حق کا حاصل کرنا رشوت دینے پر موقوف ہو تو اس حال

میں دینا جائز ہے اور اس صورت میں تمام و زر و وبال لینے والے پر ہوگا۔

۱۱۔ جوا کھیلنا

اور اس کے ذریعہ سے پیسہ کمانا بالاتفاق حرام ہے ارشاد قدرت ہے۔ **یا ایہا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر فھل انتم منتھون ۔**

"اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا' بت اور قمار کے تیر نجس ہیں اور شیطانی کام ہیں تم اس سے رک جاؤ تاکہ فوز و فلاح حاصل کرو شیطان یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کی وجہ سے تمہارے درمیان بغض و عداوت ڈال دے اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے باز رکھے کیا تم باز آؤ گے؟"

الغرض جوئے کے جس قدر آلات و اقسام رائج ہیں ان کے ساتھ بازی باندھ کر جوا کھیلنے اور ان آلات کی خرید و فروخت کرنے کی حرمت اور اس کے گناہ کبیرہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے قرآن و حدیث اس کی مذمت سے چھلک رہے ہیں جہاں تک قرآن کا تعلق ہے تو ابھی ایک آیت شریفہ پیش کی جا چکی ہے مزید براں صرف ایک روایت بحوالہ حدائق بعد مستطرفات سرائر ابن ادریس سے اور وہ جامع البزنطی سے بروایت ابوبصیر امام جعفر صادق علیہ اسلام سے روایت کرتے ہیں فرمایا۔ **قال بیع الشطرنج حرام و اکل ثمنہ سحت واتخاذہا کفر واللعب بہا شرک والسلام علی اللاہی بہا معصیۃ و کبیرۃ موبقۃ والخائض فیہا یدہ کالخائض یدہ فی لحم الخنزیر ولا صلوۃ لہ حتی یغسل یدہ کما یغسلہا من لحم الخنزیر والناظر الیہا کالناظر الی فرج امہ واللاہی بہا والناظر الیہا فی حال ما یلھی بہا والسلام علی اللاہی بہا فی حالتہ تلک فی الاثم سواء ومن جلس علی اللعب بہا فقد تبوأ مقعدہ من النار وکان عیشہ ذلک حسرۃ علیہ یوم القیامۃ وایاک و مجالسۃ اللاہی والمغرور بلعبہا فانہا من المجالس التی باء اھلھا بسخط من اللہ لہ یتوقعونہ' فی کل ان فیعمک معھم**

"شطرنج کا بیچنا حرام' شطرنج کی قیمت کھانا حرام' شطرنج بنانا کفر' شطرنج کھیلنا کفر' شطرنج کھیلنے والے پر سلام کرنا مہلک گناہ کبیرہ ہے اور شطرنج میں ہاتھ ڈالنے والا ایسا ہے جیسے خنزیر کے گوشت میں ہاتھ ڈالنے والا اس کی اس وقت تک کوئی نماز (قبول) نہیں جب تک اس طرح اپنا ہاتھ نہ دھوئے جس طرح خنزیر کے گوشت کو چھونے والا دھوتا ہے اور شطرنج کی طرف دیکھنے والا

ایسا ہے جیسے اپنی ماں کی شرمگاہ دیکھنے والا شطرنج کھیلنے والا دیکھنے والا اور ان پر سلام کرنے والا گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔ جو شخص شطرنج کھیلنے بیٹھتا ہے اسے اپنی جگہ جہنم میں مہیا سمجھنی چاہئے اور اس کی یہ زندگی بروز قیامت اس کیلئے باعث حسرت و ندامت ہو گی خبردار شطرنج کھیلنے والوں کے پاس نہ بیٹھنا کیونکہ یہ جگہ ان مجالس و مقامات میں سے ہے جن کے جالس و جلیس اللہ کی ناراضی اور اس کے اس قہر و غضب کے سزا وار ہو چکے ہیں جس کے نزول کی ان کو ہر وقت توقع اور انتظار ہے خیال رکھنا کہیں یہ عذاب تمہیں بھی اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔"

ہاں البتہ اس میں قدرے اختلاف ہے کہ اگر بازی باندھے بغیر ان آلات سے کھیلا جائے تو یہ جائز ہے یا احتیاط واجب یہ ہے کہ اس سے بھی اجتناب کیا جائے۔ واللہ العالم

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر جوئے کے علاوہ بازی لگا کر کوئی کھیل کھیلا جائے تو یہ جائز ہے یا ناجائز؟ تو اس کے متعلق عرض ہے جہاں تک اونٹ گھڑ دوڑ اور تیر اندازی کا تعلق ہے تو اس کے جواز پر تو تمام مذاہب اسلامیہ کے فقہاء کا اتفاق ہے بشرطیکہ یہ کاروائی بطور مشق جہاد کی جائے جس طرح پرندوں میں سے کبوتر بازی کے جواز پر بھی بعض احادیث دلالت کرتے ہیں ان کے علاوہ بازی باندھ کر کوئی سا مقابلہ جائز نہیں ہے خواہ کشتی ہو یا کشتی رانی بھاری پتھر وغیرہ کا اٹھانا ہو یا کسی چٹان کا گرانا سائیکلوں اور موٹروں کی دوڑ ہو یا کبڈی وغیرہ اور آیا بازی باندھے بغیر یہ کھیل جائز ہیں یا نہ؟ اس میں قدرے اختلاف ہے اگرچہ بہت سے فقہاء نے ان امور کی حرمت کی تصریح کی ہے۔ مگر ان کا جواز قوت سے خالی نہیں ہے جیسا کہ بعض اخبار و آثار سے اور بعض فقہاء کے انظار سے بھی یہی واضح و آشکار ہوتا ہے اور خصوصاً" جبکہ ورزش وغیرہ کی طرح کی کوئی عقلائی غرض و غائیت بھی پیش نظر ہو (واللہ العالم بحقائق احکامہ)

مسئلہ ۲۔ جس طرح جوا کھیلنا حرام ہے اسی طرح جہاں جوا کھیلا جاتا ہے وہاں جانا اور اس شغل کو دیکھنا بھی حرام ہے جیسا کہ حماد بن عیسے اور سلیمان جعفری کی روایات میں وارد ہے۔ مالک ولمجلس لا ینظر اللہ الی اھلہ؟ (المطلع فی الشطرنج کالمطلع فی النار) (الکافی)

اور تمہیں اس بزم سے کیا واسطہ جسکے اہل کی طرف خدا نظر نہیں کرتا اور جس پر جھانکنے والا ایسا ہے جیسے دوزخ میں جھانکنے والا۔ (الکافی)

۱۱۔ جادو کرنا جادو سیکھنا اور جادو سکھانا اور جادو کی حقیقت

اور اسے ذریعہ معاش بنانا بالا تفاق حرام ہے قرآن و حدیث میں جادوگر کی بڑی مذمت وارد ہوئی ہے حتی کہ بعض اخبار میں وارد ہے۔ **السحر کالکافر والکافر فی النار** جادوگر مثل کافر کے ہے اور کافر جہنم میں ہے (نہج البلاغہ) نیز جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **من تعلم شیأمن السحر کان اخر عھدہ بربہ وحدہ القتل الا ان تیوب** جو شخص کچھ بھی جادو سیکھتا ہے تو یہ اس کا خدا سے آخری تعلق تھا (جو ختم ہو گیا) اور اس کی شرعی حد قتل ہے۔ مگر یہ کہ (اپنے اس جرم سے) توبہ کر لے (تہذیب الاحکام و قرب الاسناد) اور اس کی توبہ یہ ہے جیسا کہ ایک روایت میں وارد ہے کہ آئندہ کیلئے یہ عزم بالجزم کرے کہ صرف جادو کا علاج کرے گا توڑ کرے گا) خود جادو نہیں کرے گا (حل ولا تعقد) (الکافی)

جادو سے مراد ہر وہ تعویذ، کلام جنتر منتر دھونی تصویر جھاڑ پھونک ہے یا وہ گرہیں اور قسمیں وغیرہ ہیں جو مسحور (جس پر جادو کیا گیا ہے) کے بدن یا اس کے دل و دماغ پر اثر انداز ہوں یعنی اس شخص کو حاضر کرنے، بے ہوش کرنے، سلانے اور جگانے، کسی کی محبت یا عداوت میں گرفتار کرنے پر ان کے اثرات مرتب ہوں مخفی نہ رہے کہ ملائکہ جنات ہمزاد اور احضار ارواح اور ان کی تسخیر اور ان سے کام لینا بھی اسی جادو میں داخل ہے اور کہانت۔ قیافہ شعبدہ بازی بھی اسی کے ذیلی شعبے ہیں۔۔،،

بہرحال اس کی حقیقت جو کچھ بھی ہو (جسے ایک قبیلہ سے اس کے ماہر زیادہ بہتر جانتے ہیں) قابل غور امر صرف یہ ہے کہ آیا جادو کی تاثیر واقعی ہے یا صرف اس میں فریب نظر اور قوت خیالیہ کی کرشمہ سازی کار فرما ہوتی ہے؟ اس سلسلہ میں علماء و فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے بعض علماء تو اسے صرف فریب نگاہ اور قوت متخیلہ کی کارگزاری قرار دیتے ہوئے اسے ایک بے حقیقت چیز قرار دیتے ہیں اور بعض اس کی واقعی تاثیر کے قائل ہیں اور اس گروہ میں پھر اختلاف ہے کہ اس کی یہ تاثیر کس حد تک ہوتی ہے؟ چنانچہ بعض نے تو اس سلسلہ میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے یہاں تک ہو کہا ہے کہ اس کے ذریعے سے قلب ماہیت بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ جادوگران فرعون نے رسیوں کے سانپ بنا ڈالے تھے اور دوسرے حضرات بعض صرف صحت و مرض اور حب و بغض تک اس کی تاثیر کو محدود جانتے ہیں بہر نوع ان تمام اقوال و آراء میں سے جو قول ہر قسم کی افراط و تفریط سے محفوظ ہے اور جسے قرآن و حدیث کی تائید بھی حاصل ہے وہ یہی آخری قول ہے کہ جادو میں بحکم الہیٰ واقعی تاثیر تو ہے مگر وہ صرف

صحت و مرض اور حب و بغض وغیرہ عام معمولی و عادی حالات و واقعات تک محدود ہے اس سے
اللہ نہ ہو کسی کی زندگی کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے
کسی چیز کی ماہیت تبدیل نہیں کی جا سکتی اور جادو گران فرعون کی (سانپ نما) رسیوں کے متعلق احادیث میں یہ وضاحت موجود ہے کہ انہوں نے ان کے اندر پارہ بھر رکھا تھا جب ان پر سورج کی گرمی پڑی تو پارہ حرکت میں آ گیا اور رسیاں حرکت کرنے لگیں لوگوں نے خیال کیا کہ سانپ چل رہے ہیں اس کی تائید قرآنی الفاظ سے بھی ہوتی ہے چنانچہ خدائے حکیم فرماتا ہے۔ **سحروا اعین الناس** "انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کیا تھا" **یخیل الیهم من سحر هم انها تسعی** لوگوں نے ان کے جادو کی وجہ سے خیال کیا کہ وہ رسیاں چل پھر رہی ہیں یعنی یہ صرف ان کا فریب نظر تھا ورنہ اس کے اندر کچھ حقیقت نہ تھی احتجاج طبرسی میں ایک زندیق کا امام جعفر صادقؑ کے ساتھ ایک مکالمہ نقل کیا گیا ہے۔ زندیق نے اثناء گفتگو میں کہا۔ کیا جادوگر اس بات پر قادر ہے کہ انسان کو کتے یا گدھے کی شکل میں تبدیل کر دے؟

امام نے اس کے جواب میں فرمایا وہ اس سے کہیں عاجز تر ہے کہ اللہ کی خلق کو متغیر کر سکے اگر وہ ایسا کر سکے تو پھر تو وہ خدا کا شریک بن جائے گا۔ پھر فرمایا اگر جادوگر اس قدر طاقت کا مالک ہے تو اپنے بڑھاپے، اپنے سر کی سفیدی، اپنے مرض اور فقرو فاقہ کو دور کیوں نہیں کر لیتا؟ پھر زندیق نے سحر کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا امام نے فرمایا جس طرح اطباء نے ہر مرض کے بالمقابل ایک دوا تجویز کی ہے اسی طرح جادوگروں نے ہر صحت کے بالمقابل آفت اور ہر عافیت کے مقابلہ میں عاہت تجویز کی ہے اور جادو کی ایک قسم وہ ہے جو جادوگر شیاطین سے حاصل کرتے ہیں۔ زندیق نے سوال کیا شیاطین کو جادو کس طرح معلوم ہو گیا؟ امام نے جواب میں فرمایا جہاں سے اطباء کو طب معلوم ہوئی۔ الخ

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر جادو سیکھنے سے مقصد یہ ہو کہ سحر و ساحری کا ابطال کیا جائے اور جھوٹے دعویداران نبوت کی قلعی کھولی جائے تو پھر جائز ہے۔ یعنی اس سے صرف جادو کا توڑ کیا جائے خود جادو نہ کرے۔

مسئلہ ۲۔ گو جادو کا ابطال جادو سے جائز ہے تاہم اگر اس سلسلہ میں صرف قرآن اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام سے منقول شدہ دعاؤں پر اکتفا کیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔

مسئلہ ۳۔ جادو کا زیادہ تر اثر کمزور دل و دماغ اور کمزور ایمان و اعتقاد والے لوگوں پر ہوتا ہے اور جن لوگوں کے دل و دماغ قوی، عقائد مستحکم ہوتے ہیں اور خدا پر کامل یقین و اعتماد رکھتے ہیں اور اپنے گھروں میں قرآن مجید و صحیفہ کاملہ رکھتے ہیں۔ ان پر جادو اثر انداز نہیں ہوتا۔ انشاء اللہ تعالی

۳۔ کہانت

کچھ ایسے سفلی عملیات ہوتے ہیں جن کے کرنے سے جن و شیطان عامل کے تابع ہو جاتے ہیں اور اطراف و اکناف عالم میں ہونے والے واقعات سے اسے گاہ بگاہ آگاہ کرتے رہتے ہیں اور وہ اپنے چیلوں چانٹوں کو ان کی خبر دے دیتا ہے اور سادہ لوح عوام کالانعام اسے ولی خدا سمجھنے لگتے ہیں۔ ارشاد قدرت ہے۔ "ان الشیاطین لیوحون الی اولیائهم" شیطان اپنے دوستوں کو وحی کرتے رہتے ہیں دراصل یہ کہانت بھی سحر کا ایک شعبہ ہے جیسا کہ اوپر سحر کی تعریف میں اس بات کی صراحت کر دی گئی ہے۔ بہرنوع کہانت بالاتفاق حرام اور اس کے ذریعہ سے روزی کمانا جائز و حرام ہے۔ مروی ہے کہ من تکہن او تکہن لہ فقد بری من دین محمدؐ جو شخص کہانت کرے یا جس کیلئے کہانت کی جائے دونوں حضرت رسول خداؐ کے دین سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ (خصال) نیز آنحضرتؐ سے منقول ہے فرمایا من مشیٰ الی ساحر او کاهن او کذاب یصدقہ فیما یقول فقد کفر بما انزل اللہ من کتاب جو شخص کسی جادوگر کاہن اور کذاب کے پاس جائے اور جو کچھ وہ بیان کرے یہ اس کی تصدیق کرے تو گویا وہ تمام آسمانی کتابوں کا منکر ہے۔ (مستطرفات سرائر ابن ادریس حلی)

۴۔ شعبدہ بازی

بنا بر مشہور عند الفقہاء حرام ہے اگرچہ روایات سے اس کی حرمت کا استفادہ کرنا مشکل ہے بہرحال احتیاط وجوبی یہی ہے کہ اس کام اور اس کے ذریعہ روپیہ کمانے سے اجتناب کیا جائے واللہ العالم۔

۵۔ قیافہ شناسی

یہ ایک فن ہے جس کی وجہ سے قیافہ شناس جسم انسانی کی ساخت اور اسکے خطوط و نقوش کو دیکھ کر بتا دیتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں کا بیٹا ہے اور فلاں شخص فلاں خاندان اور فلاں قبیلہ

کا فرد ہے بناء بر مشہور یہ فن حرام ہے اور اس کو ذریعہ معاش قرار دینا بھی حرام ہے یہ درست ہے کہ شرعی نقطہ نگاہ سے اس فن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس سے کسی آدمی کا نسب ثابت ہو سکتا ہے اور نہ ہی قطع ہو سکتا ہے کیونکہ نسب کے ثبوت کے شرعی طریقے اور ہیں۔ مگر اخبار و آثار سے اگر اس فن کا جواز ثابت نہیں ہوتا تو اسکی حرمت کا ثابت ہونا بھی مشکل ہے واللہ العالم۔

۱۶۔ حفظ کتب ضلال

مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ گمراہ کن کتابوں یا گمراہ اور گمراہ کن لوگوں کی کتابوں کی حفاظت کرنا ان کی خرید و فروخت کرنا،ان کی نشرواشاعت کرنا،ان کو یاد کرنا اور ان کا پڑھنا پڑھانا سب حرام ہے تاکہ کوئی کم عقل و کم علم آدمی ان کو پڑھ کر گمراہ نہ ہو جائے ہاں البتہ جو شخص بغرض نقض و ابطال ان کی حفاظت کرے یا ان کو پڑھے تو اسکے لئے جائز ہے اگرچہ ائمہ اطہار کے اخبار و آثار اس مسئلہ میں خاموش ہیں تاہم احوط یہی ہے کہ فتوائے مشہور کے مطابق عمل در آمد کیا جائے واللہ العالم۔

۱۷۔ سود لینا دینا

سود لینا دینا اور اسے بودو باش کا ذریعہ بنانا حرام ہے جسکی تفصیل بعد ازیں سودی کاروبار کے ضمن میں بیان کی جائے گی۔ انشاءاللہ

۱۸۔ قرآن کی خریدو فروخت

بعض فقہاء نے تصریح کی ہے کہ قرآن مجید کی بیع و شرا جائز نہیں ہے لہٰذا اس کی خرید و فروخت کرتے وقت اس کے کاغذ،گتا اور جلد وغیرہ چیزوں کا قصد کرنا چاہئے یہی امر بہت سی روایات سے مستفاد ہوتا ہے مخفی نہ رہے کہ قرآن کی طلا کاری کرنا یا اسے آب طلاء سے لکھنا مکروہ ہے اس لئے اس سے بھی اجتناب کرنا چاہئے۔

قسم سیوم

وہ چیزیں جو کوئی نفسہ حرام نہیں ہیں مگر اپنی غرض و غایت کی وجہ سے حرام ہیں ان کا ارتکاب کرنا اور ان کو ذریعہ معاش قرار دینا بھی حرام ہے جیسے آلاب لہو و لعب،خود ساختہ عبادت کے بت،جوئے بازی کے آلات،انگور و کھجور کا اس لئے بیچنا کہ ان کی شراب بنائی جائے۔ یا لکڑی کا اس لئے بیچنا کہ اس سے صنم یا صلیب بنائی جائے یا دکان وغیرہ کا اس لئے کرایہ پر دینا

کہ اس میں فعل حرام جیسے شراب فروشی عصمت فروشی کی جائے ان اشیاء کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ا۔ آلات لہو و لعب جیسے ڈھول، شرنا، طبلہ، سارنگی چنگ ورباب وغیرہ جن کا سوائے فعل حرام کے اور کوئی مصرف ہی نہیں ہے ان کا بنانا اور ان کی خرید و فروخت کرنا بالاتفاق حرام ہے جیسا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ **ان اللہ اذا حرم شیئاً حرم ثمنہ** "خدا جب کسی چیز کو حرام قرار دے دیتا ہے تو اس کی قیمت کو بھی حرام قرار دے دیتا ہے۔ (وسائل الشیعہ)

مسئلہ ۲۔ صنم و صلیب سازی اور ان کی خرید و فروخت بالاتفاق حرام ہے اسی طرح جوئے کے آلات بنانا اور ان کی خرید و فروخت کر کے روپیہ کمانا بھی بالاتفاق حرام ہے کیونکہ ان چیزوں کا سوائے فعل حرام کے اور کوئی عقلائی فائدہ نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۔ اگر کوئی چیز ایسی ہو کہ جس میں جائز و ناجائز ہر دو قسم کے فوائد موجود ہوں جیسے ریڈیو اور ٹیلی ویژن وغیرہ تو ان کی خرید و فروخت کے جواز و عدم جواز کا دار و مدار خریدار کی نیت پر ہے پس اگر جائز مقصد جیسے ملکی و غیر ملکی خبریں سننے، معلوماتی پروگرام سننے، تلاوت کلام پاک اور بصیرت افروز مقالات وغیرہ سننے کے لئے خرید رہا ہے تو یہ معاملہ جائز ہو گا اور اگر خریدنے کا مقصد صرف گانا اور موسیقی سننا ہے یا دیگر غیر شرعی پروگرام دیکھنا و سننا ہے گو کہ ضمناً خبروں کا سننا بھی اس میں شامل ہو تو پھر حرام ہو گا۔ واللہ العالم

مسئلہ ۴۔ مشہور یہ ہے کہ جو شخص شراب بناتا ہے اس کے ہاتھ انگور فروخت کرنا اور جو بت یا صلیب بناتا ہے اس کے ہاتھ لکڑی فروخت کرنا یا جو حرام کاروبار کرتا ہے اسے کرایہ پر مکان دینا ناجائز ہے۔ مگر اس سلسلہ میں واردشدہ تمام اخبار و آثار کا نگاہ غائر سے جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح و آشکار ہوتی ہے کہ یہ حرمت صرف اسی صورت میں عائد ہو گی جب معاملہ کے ضمن میں یا عقد معاملہ سے پہلے ہر دو فریق اس بات پر اتفاق کریں کہ اس انگور کی شراب بنائی جائے گی۔ یا اس لکڑی سے صنم یا صلیب تیار کی جائے گی اور اس دکان میں شراب خواری یا زنا کاری کی جائے گی یا اس کشتی یا سواری پر صرف شاہد و شراب لا دی جائے گی (العیاذ باللہ) اور اگر یہ شرط نہ لگائی جائے تو پھر اس بیع و شرا میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اگرچہ یہ علم ہو کہ یہ خریدار اس چیز کو غلط مصرف میں صرف کرے گا انما الاعمال بالنیات اگرچہ احوط یہ ہے کہ ایسے معاملہ سے احتراز کیا جائے واللہ العالم

مسئلہ ۵۔ مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ دشمنان دین کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا مطلقاً" حرام ہے مگر اس سلسلہ کی احادیث دیکھنے سے یہ تفصیل ظاہر ہوتی ہے کہ ایام جنگ میں یہ فروخت حرام اور ایام صلح و امن میں جائز ہے چنانچہ جناب علی بن جعفر اپنے عظیم بھائی حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا کافروں کے ہاتھ ہتھیار فروخت کئے جاسکتے ہیں؟ آپ جواب میں فرماتے ہیں۔ **اذا لم یحملوا سلاحا" فلا باس** جب کفار ہتھیار نہ اٹھائیں تو کوئی حرج نہیں ہے (قرب الاسناد) ایک ایسے ہی سوال کے جواب میں جناب صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں **لا تبعہ فی فتنہ** جب آتش فتنہ و فساد د روشن ہو تو اس صورت میں فروخت نہ کرو (تہذیب الاحکام) مفہوم یہ برآمد ہوا کہ جب آتش فتنہ و فساد روشن نہ ہو تو پھر اس بیع و شرا میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لہٰذا ان روایات کی روشنی میں ان مطلق فتاوی کو مقید کرنا پڑے گا۔ اگرچہ احوط یہ ہے کہ ہر حال میں اس معاملہ سے اجتناب کیا جائے واللہ العالم۔

قسم چہارم

جو امور مکلف پر بطور واجب عینی یا واجب کفائی واجب ہیں ان پر اجرت لینا بنا بر مشہور و منصور حرام ہے واجبات کفایہ کے سلسلہ میں فقہاء نے میت کے جملہ احکام از قسم غسل و کفن اور دفن وغیرہ امور پر اجرت لینا حرام قرار دیا ہے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ امور تمام ان مکلفین پر بطور واجب کفائی واجب ہیں جن کو مرنے والے کی موت کا علم ہو تب تو فقہاء کا یہ حکم مسلّم ہے لیکن اگر یہ بات تسلیم نہ کی جائے بلکہ یہ نظریہ اختیار کیا جائے کہ میت کے تمام احکام کا تعلق اس کے ولی و وارث سے ہوتا ہے اب یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ بذات خود انہیں انجام دے یا کسی اور کو اپنا اجیر و نائب مقرر کرے جیسا کہ بعض عظیم الشان فقہاء کرام اس کے قائل ہیں تو یہ مسئلہ محل کلام و مورد تامل بن جائے گا۔ بہرحال چونکہ قول مشہور احتیاط کے موافق ہے لہٰذا اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے احتیاط واجب اس میں ہے کہ قبر کھودنے غسل دینے کفن پہنانے اور نماز جنازہ پڑھنے پڑھانے جیسے امور متعلقہ بہ میت پر اجرت لینے سے اجتناب کیا جائے واللہ العالم۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ وہ مستحبات جن میں قصد قربت شرط ہے ان پر اجرت لینا بھی بناء بر مشہور حرام ہے۔ اس سلسلہ میں اکثر فقہاء نے بطور مثال ایک دو موضوعات پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے جیسے اذان

اور نماز با جماعت پڑھانا وغیرہ چنانچہ شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے اپنے سلسلہ سند سے حضرت امیر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے آنجناب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا امیر المومنین بخدا میں آپ سے محبت کرتا ہوں آنجناب نے فرمایا لیکن میں تجھ سے نفرت کرتا ہوں اس نے چونک کر کہا کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ تو اذان دینے پر اجرت لیتا ہے۔ (تہذیب الاحکام)

اسی طرح اجرت لے کر نماز پڑھانے کے متعلق جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے بروایت محمد بن مسلم حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ فرمایا۔ **لا یصلی خلف من یبغی علی الاذان والصلوٰۃ بالناس اجرا ولا تقبل شہادتہ** "جو شخص اجرت لیکر اذان دیتا اور نماز پڑھاتا ہے اس کی اقتداء میں نماز نہ پڑھی جائے اور نہ ہی اس کی شہادت قبول کی جائے" (**من لا یحضرہ الفقیہ**) "ہاں البتہ بطور گذارہ الاؤنس بیت المال سے حسب ضرورت و استحقاق کچھ مشاہرہ لینے کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بیت المال ایسے ہی عمومی مصالح کے لئے ہوتا ہے۔"

لمحۂ فکریہ

ارباب عقل و فکر کے لئے اجرت پر اذان کہنے والے دعویدار محبت علیؑ اور حضرت علی المرتضیٰؑ کے مکالمہ میں ارباب عقل و دانش کیلئے لمحہ فکریہ موجود ہے بھلا جب حضرت امیر المومنینؑ صرف اجرت طے کر کے اذان دینے پر ایک شخص کو دشمن سمجھ رہے ہیں تو کیا ان دعویداران محبت کو جناب اپنا مخلص حبدار سمجھ سکتے ہیں جو ان کے لخت جگر سید الشہداؑ کے خون اقدس کی سودا بازی کر کے مجالس عزا پڑھتے ہیں اور گذر اوقات کرتے ہیں؟ حاشا و کلا اسی بناء پر ہم نے بڑی تفصیل جمیل کے ساتھ اپنے رسالہ "اصلاح المجالس و المحافل" میں اس مروجہ طریقہ کو ناجائز ثابت کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مجلس ایک مستحبی عبادت ہے جس میں قصد قربت شرط ہے اور اجرت لیکر مجلس پڑھنے سے قصد قربت رخصت ہو جاتا ہے اس سے اجتناب لازم ہے۔ ہاں اگر پڑھنے والا اجرت طے نہ کرے یعنی مک مکاوا نہ کرے مگر بانیان مجالس اپنی خوشی سے قربۃً الی اللہ پڑھنے والے کی کچھ خدمت کردیں تو اس کے قبول کرنے کے جواز میں کوئی اشکال نہیں ہے واللہ الموفق۔

مسئلہ ۲۔ قرآن پڑھانے پر اجرت لینے کے جواز و عدم جواز میں فقہاء کے درمیان قدرے اختلاف پایا جاتا ہے مشہور کراہت ہے اور بعض حضرات حرمت کے بھی قائل ہیں جہاں بہت سی

روایات ممانعت پر دلالت کرتی ہیں وہاں بعض احادیث جواز پر بھی بطور نص صریح دلالت کرتی ہیں اس لئے بجمعاً بین الروایات مناہی والی روایات کو تقیہ یا کراہت پر محمول کیا جائے گا بہرحال احوط استحبابی ہے کہ اجرت طے کر کے قرآن پڑھانے سے اجتناب کیا جائے واللہ العالم

مکاسب مکروہہ

شریعت اسلامیہ میں چند پیشے ایسے ہیں جن کا اختیار کرنا مکروہ ہے اور وہ یہ ہیں

(۱) زرگری کیونکہ زرگر شاذ و نادر ہی حرام خوری سے بچ سکتا ہے ورنہ اکثر و بیشتر اس کا دامن حرام خوری کی آلودگی سے ملوث ہو جاتا ہے۔

۲۔ کفن فروشی، کیونکہ کفن فروش طبعاً لوگوں کی موت کی تمنا کرتا ہے تاکہ اس کے کفن زیادہ بکیں ظاہر ہے کہ یہ تمنا کرنا ایک ناپسندیدہ امر ہے۔

۳۔ بردہ فروشی روایت میں وارد ہے کہ بدترین خلائق ہے وہ انسان جو انسان بیچتا ہے۔

۴۔ قصابی کہ اس سے قساوت قلبی پیدا ہوتی ہے اور قسی القلب آدمی اللہ سے دور ہوتا ہے۔

۵۔ گندم و جو وغیرہ اجناس کی تجارت کیونکہ اس قسم کے لوگ احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی کی لعنت میں گرفتار ہو جاتے ہیں نیز مہنگائی کی خواہش کرتے ہیں۔

۶۔ جولاہا گری کیونکہ نہ معلوم اس پیشہ کا کوئی مخفی اثر ہے یا کوئی اور وجہ ہے جولاہا اکثر کم عقل ہوتے ہیں اور احادیث اہل بیتؑ میں جولاہوں کی بڑی مذمت وارد ہوئی ہے بعض اخبار میں یہاں تک وارد ہے کہ ابن الحائک لا ینجب الی سبعتہ ابطن جولاہا بچہ سات پشتوں تک نجیب و شریف نہیں ہو سکتا ------------- (خصال شیخ صدوق، منہاج البراعہ شرح نہج البلاغہ)

۷۔ رنگ سازی کیونکہ اس پیشہ والے لوگ فضول زیب و زینت میں پڑ کر لوگوں کا روپیہ ضائع کرتے ہیں۔

۸۔ حجامت گری یعنی پچھنے لگانے کا پیشہ خصوصاً جب اجرت طے کر کے یہ کام کیا جائے

۹۔ اجرت پر سانڈ دینے کا کام کہ یہ پیشہ باعث ننگ ہے۔

۱۰۔ ہر وہ کام جس سے کام کرنے والے کی دنائت اور کمینگی ظاہر ہوتی ہو۔

مکاسب مباحہ

جب مکاسب محرمہ اور مکاسب مکروہہ کی تفصیل معلوم ہو گئی تو اس سے خود بخود یہ بات

واضح ہو گئی کہ ان دو قسم کے معاملات کے علاوہ باقی جس قدر معاملات اور کاروبار ہیں وہ سب شرعی نقطہ نظر سے مباح ہیں واللہ ولی التوفیق۔

خرید و فروخت کے اقسام؟

ارشاد قدرت ہے۔ احل اللہ البیع

کہ خدا نے بیع کو حلال قرار دیا ہے۔ بیع لغۃ" و شرعا" مخصوص طریقہ پر مال کا مال کے ساتھ تبادلہ ہے اس لئے اس میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے ایک وہ چیز جسے بیچا جارہا ہے دوسری وہ چیز جو اس کے عوض میں لی جارہی ہے پہلی چیز کو اسطلاح فقہ میں مثمن اور دوسری کو ثمن کہا جاتا ہے جنہیں "عوضین" کے ساتھ بھی تعبیر کیا جاتا ہے ان کے اعتبار سے بیع و شرا کی چار قسمیں ہیں

۱۔ نقد جبکہ ثمن و مثمن (مال اور اس کی قیمت) ہر دو نقد ہوں۔

۲۔ نسیہ جبکہ ثمن و مثمن ہر دو نسیہ (ادھار) ہوں جسے بیع دین بدین" کہا جاتا ہے (یہ قسم شرعا" ممنوع ہے)۔

۳۔ مثمن (مال) نقد ہو اور ثمن (قیمت) نسیہ (ادھار) جسے بیع نسیہ (ادھار) کہا جاتا ہے۔

۴۔ ثمن (قیمت) نقد ہو اور مثمن (مال) ادھار جسے بیع سلف و سلم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ تینوں قسمیں شرعا" جائز ہیں

اور بائع کے اصل قیمتِ خرید خریدار کو بتانے یا نہ بتانے کے اعتبار سے بیع و شرا کی مزید چار قسمیں ہیں۔

۱۔ بائع (بیچنے والا) یا تو خریدار کو اصل خرید کی قیمت بتائے گا یا نہ؟ اگر نہ بتائے تو اسے بیع مساومت کہا جاتا ہے (سب اقسام سے افضل قسم یہی ہے)

۲۔ اور یا بتائے گا اب اس صورت میں یا تو اصل قیمت خرید پر بیچے گا اسے بیع تولیہ کہا جاتا ہے۔

۳۔ یا قیمت خرید سے زیادہ قیمت کے ساتھ فروخت کرے گا اسے بیع مرابحہ کہا جاتا ہے۔

۴۔ یا اصل قیمت خرید سے کم قیمت پر فروخت کرے گا اسے بیع مواضعہ کہا جاتا ہے

ثمن و مثمن (مال اور اس کی قیمت) کے اعتبار سے بیع و شرا کی مزید دو قسمیں ہیں۔

۱۔ ثمن و مثمن ہر دو یا تو متحد الجنس ہوں گے جیسے گندم کے عوض گندم کی خرید و فروخت۔
۲۔ یا ثمن و مثمن کی جنس الگ الگ ہو گی اس طرح بیع و شرا کی کل دس قسمیں ہو گئیں۔ قبل اس کے کہ ان قسام وہ گانہ کے الگ الگ مخصوص احکام بیان کئے جائیں انسب یہ ہے کہ پہلے علی الاطلاق خرید و فروخت کے عمومی شرائط کا تذکرہ کر دیا جائے۔

خرید و فروخت کے عمومی شرائط کا بیان

بائع و مشتری کے شرائط کا بیان

شرعی نقطہ نگاہ سے بیع و شرا کا تحقق و وجود چند شرائط پر موقوف ہے ان میں سے بعض کا تعلق بائع و مشتری کے ساتھ ہے اور بعض کا ثمن و مثمن کے ساتھ پہلی قسم کی شرطیں پانچ ہیں۔

۱۔ صیغہ عقد! اگرچہ مشہور بین الفقہا یہ ہے کہ بیع و شرا وغیرہ معاملات میں مخصوص صیغہ اور وہ بھی مخصوص شرائط کے ساتھ ہونا مثلاً" یہ صیغہ عربی زبان میں جاری کیا جائے صیغہ ماضی کا ہو اور قصد انشاء کا کیا جائے ایجاب پہلے ہو اور قبول بلا فاصلہ بعد میں ہو وغیرہ وغیرہ مگر سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے ارشادات کا بنظر غائر جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں بڑی وسعت پائی جاتی ہے یعنی جس زبان میں جن الفاظ کے ساتھ اور جس انداز میں بائع و مشتری باہم معاملہ کریں وہ درست ہے اس بات کی باب النکاح وغیرہ میں مزید وضاحت کی جائے گی۔ انشاء اللہ

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ مذکورہ بالا بیان سے واضح و عیاں ہو جاتا ہے کہ بیع معاطاۃ شرعاً" صحیح ہے جس میں کوئی مخصوص صیغہ نہیں پڑھا جاتا بلکہ خریدار رقم بائع کو دے دیتا ہے اور بیچنے والا مال اس کے حوالے کر دیتا ہے (جس طرح عام طور پر معاملات ہوتے ہیں) اگرچہ مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ اس سے ہر دو فریق کیلئے تصرف مباح ہو جاتا ہے مگر معاملہ پختہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے ملکیت حاصل ہوتی ہے ہاں جب ثمن و مثمن ہر دو یا ان میں سے ایک تلف ہو جائے پھر معاملہ لازم ہو جاتا ہے مگر اظہر یہ ہے کہ یہ حقیقتہ" بیع و شرا ہے اور اس طرح معاملہ کرتے ہی ملکیت حاصل ہو جاتی ہے اور معاملہ بھی لازم ہو جاتا ہے جیسا کہ اس سلسلے کے اخبار و آثار دیکھنے سے واضح و آشکار ہوتا ہے صرف عقلی مفروضات اور ذہنی استخراجات سے شرعی احکام ثابت نہیں ہو سکتے

بلکہ ان کیلئے نصوص صریحہ و صحیحہ درکار ہوتی ہیں۔ **کما لا یخفی علی من جال خلال تلک الدیار ولا ینبغی التوحش اذا ساعدنا الدلیل**

مسئلہ ۲۔ بیع و شرا میں مخصوص صیغہ کا اجراء یا عام الفاظ جو اصل معاملہ میں ہر دو فریق کی رضا مندی پر دلالت کریں اس وقت ضروری ہیں جب بائع یا مشتری میں کوئی مانع موجود نہ ہو اور اگر کوئی مانع موجود ہو جیسے گونگا پن تو پھر الفاظ کی بجائے صرف ایسا اشارہ کافی ہے جس سے اصل معاملہ پر رضا مندی ظاہر ہوتی ہو اور اس صورت میں ان کیلئے وکیل مقرر کرنا ضروری نہیں ہے۔

۲۔ بلوغ خرید ہو یا فروخت ہر دو صورتوں میں فروخت کنندہ یا خرید کنندہ کا بالا تفاق بالغ ہونا ضروری ہے نابالغ کا خواہ طفل ممیز ہی کیوں نہ ہو معاملہ شرعاً درست نہیں ہے جیسا کہ فروع کافی وغیرہ کتب معتبرہ میں متعدد روایات میں وارد ہے۔ **ولا یجوز امرہ فی الشرا والبیع ولا یخرج من الیتم حتی یبلغ خمسۃ عشر سنۃ او یحتلم۔** خلاصہ یہ ہے کہ جب تک لڑکی یا لڑکا بالغ نہ ہو اس وقت تک اس کی بیع و شرا جائز نہیں ہے ہاں البتہ اس کے صدقہ دینے کے جواز وصیت کے نفاذ اور طلاق کی صحت میں (جبکہ دس سال کا ہو اور ممیز ہو) اختلاف ہے ہم باب الطلاق میں واضح کریں گے کہ اس کے یہ امور صحیح ہیں مگر اس سے بیع و شرا وغیرہ امور کا جواز ثابت نہیں ہوتا کیونکہ شریعت میں قیاس جائز نہیں ہے۔

ہاں البتہ اگر معاملہ بڑے کریں اور بچے صرف واسطہ فی الایصال ہوں یعنی جنس خریدار کے حوالہ کریں اور قیمت بائع کے تو یہ علی الاظہر جائز ہے۔

۳۔ رشد و عقل = یعنی خرید و فروخت میں بائع و مشتری کا صرف بالغ ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ راشد و عاقل ہونا بھی ضروری ہے لہٰذا سفیہ (جسے اپنے نفع و نقصان اور سود و زیاں کا احساس نہ ہو) اور مجنوں (دیوانہ) کا معاملہ صحیح نہیں ہے ارشاد قدرت **وابتلوا الیتامی حتی اذا انستم منہم الرشد فادفعوا الیہم اموالہم** (پ س ع) یتیموں کا امتحان لو۔ جب تمہیں محسوس ہو کہ وہ (بالغ ہونے کے ساتھ) راشد (عاقل) بھی ہیں تو ان کا مال ان کے حوالے کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ اور غیر عاقل شرعاً ممنوع التصرف ہیں اور ان کا کیا ہوا معاملہ شرعاً قابل اعتبار نہیں ہے۔

۴۔ ملکیت یا ماذونیت! یعنی بیع و شرا کی صحت کی چوتھی شرط یہ ہے کہ بائع اس چیز کا جسے فروخت کر رہا ہے مالک ہو یا مالک کی طرف سے ماذون و مجاز ہو۔ لہٰذا اگر بائع نہ اس مال کا مالک

ہو اور نہ ہی مجاز۔ جیسے مال مغصوبہ یا مسروق کی خرید و فروخت تو اس معاملہ کو عقد فضولی کہا جاتا ہے جس کی صحت یا عدم صحت کا مسئلہ فقہاء کے درمیان معرکۃ الاراء ہے اگرچہ مشہور یہ ہے کہ یہ عقد متزلزل ہوتا ہے پھر اگر بعد میں اصل مالک نے اجازت دے دی تو یہی عقد پختہ ہو جائے گا اور اگر مالک نے اجازت نہ دی تو ختم ہو جائے گا۔ مگر اظہر یہ ہے کہ عقد فضولی سرے سے باطل ہے۔ بدو وجہ اول یہ کہ ملکیت یا مالک کی اجازت کے بغیر بائع کا یہ تصرف شرعاً و عقلاً حرام اور قبیح ہے اس لئے معاملہ باطل ہے اور بعد والی اجازت اسے جائز قرار نہیں دے سکتی۔ دوسرے یہ کہ خالق کا ارشاد ہے۔ **الا ان تکون تجارۃ عن تراض** کہ تجارت میں مالک ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی رضامندی بھی لازم ہے اور فرض یہ ہے کہ یہ معاملہ کرتے وقت مالک کی رضا حاصل نہ تھی کیونکہ اسے اس معاملہ کا علم ہی نہیں تھا۔ لہٰذا معاملہ باطل تصور ہوگا۔

علاوہ بریں بیع فضولی کے سلسلہ میں متعدد روایات وارد ہیں جو اس کے بطلان پر دلالت کرتے ہیں۔

۱۔ جیسے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مناہی میں وارد ہے فرمایا۔ **من اشتری خیانتہ وھو یعلم فھو کالذی خانہا** جو شخص جان بوجھ کر خیانت والا مال خریدے وہ خائن کی مانند ہے۔ (فقیہ)

۲۔ ابو بصیرؒ بیان کرتے ہیں کہ **سئلت احد ہما عن شرا الخیانتہ والسرقتہ قال لا** میں نے امام محمد باقرؑ یا امام جعفر صادق علیہما السلام سے سوال کیا کہ خیانت یا چوری والے مال کا خریدنا جائز ہے؟ فرمایا نہیں۔ (تہذیب الاحکام)

۳۔ امام زمانہؑ کی توقیع مبارک بنام محمد بن جعفر بن عبداللہ حمیری میں وارد ہے۔ **لا یجوز ابتاعھا الا من مالکھا او بامرہ او رضا منہ** مالک یا اس کے حکم یا اس کی رضا مندی کے بغیر کسی جائیداد کا خریدنا جائز نہیں ہے سوال یہ تھا کہ سلطان کی جائیداد جس میں کچھ حصہ غصبی ہے خریدنا جائز ہے؟ (احتجاج طبرسی) اگر بیع فضولی جائز ہوتی تو کم از کم کسی ایک حدیث میں تو اس کا تذکرہ ہوتا مگر ایسا نہیں ہے اس سلسلہ میں جس قدر روایات وارد ہیں سب اس کے ممنوع اور ناجائز ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ انہی حقائق کی بناء پر بڑے بڑے علماء اعلام اسکی حرمت (بطلان) کے قائل ہیں جیسے شیخ الطائفہ شیخ طوسی (درخلاف و مبسوط) جناب ابن ادریس حلی (در سرائر) فخر المحققین (در ایضاح) حضرت میر باقر داماد (در رسالہ رضاعیہ) عالم ربانی شیخ یوسف بحرانی (در حدائق ناضرہ)

مسائل واحکام

مسئلہ ۱۔ اس سلسلہ میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ بائع اس چیز کو اپنے لئے فروخت کرے یا مالک کے لئے۔ دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی شخص اپنا اور کسی اور کا مال اس کی اجازت کے بغیر باہم ملا کر فروخت کردے تو بناء بر مشہور اس کی اپنی ملکیت والا معاملہ درست ہوگا اور دوسرے مال کا معاملہ مالک کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

اگر اس نے اجازت دے دی تو درست ورنہ باطل ہو گا مگر قول اظہر کے مطابق ابتداء سے ہی معاملہ صرف اسی مقدار میں صحیح ہو گا جس کا بائع مالک ہے اور باقی میں باطل ہو گا بنابریں جب اصل مالک خریدار سے اپنا مال واپس لے لے تو خریدار کو حق حاصل ہو گا کہ فروخت کنندہ سے اسی نسبت سے اپنی قیمت واپس لے لے اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہر دو اشیاء کی مجموعی قیمت مقرر کی جائے اور پھر اس چیز کی تنہا بعد ازاں دیکھا جائے کہ اسے اصل مجموعی قیمت سے کیا نسبت ہے؟ (نصف' ثلث یا کم و زیادہ) تو اسی نسبت سے خریدار اپنی ادا کردہ قیمت میں سے واپس لے لے گا۔

مسئلہ ۳۔ جس طرح اصل مالک کا کیا ہوا معاملہ شرعاً" و عقلاً" صحیح ہے اسی طرح جو لوگ اس کے قائم مقام ہیں۔ ان کا کیا ہوا معاملہ بھی درست ہے اور وہ قائم مقام سات ہیں۔

۱۔ والد (۲) جد پدری (دادا) (۳) باپ یا جد کی طرف سے وصی' (۴) مالک یا اس کے قائم مقام کا وکیل' (۵) حاکم شرع' (۶) یا حاکم شرع کا مقرر کردہ آدمی' (۷) جب حاکم شرع موجود نہ ہو۔ یا اس تک رسائی ممکن نہ ہو تو پھر عام عادل اہل ایمان۔ ذیل میں بقدر ضرورت ان باتوں کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔

نابالغ بچہ پر باپ' جد پدری کی ولایت بالاتفاق ثابت ہے ہاں جب بچہ بالغ ہو جائے اور راشد و عاقل بھی ہو تب باپ دادا کی ولایت ختم ہو جائے گی۔ لیکن اگر اس حال میں بالغ ہو کر راشد و عاقل نہ ہو بلکہ سفیہ یا مجنوں ہو تو یہ ولایت برقرار رہے گی اور اگر ایک مرتبہ بالغ و راشد ہو جائے اور پھر اسے سفاہت یا جنون عارض ہو جائے تو بناء بر مشہور و منصور اس صورت میں حاکم شرع ولی ہو گا۔ اسی طرح جب باپ یا دادا اپنی موت کے وقت جس شخص کو وصی مقرر کریں گے۔ اس کی ولایت بھی شرعی ولایت ہوگی اور یہی کیفیت اب وجد کے وکیل کی ہے اور اگر مذکورہ بالا چار اقسام میں سے کوئی ولی موجود نہ ہو تو حاکم شرع ولی ہو گا یا جس کو حاکم شرع ولی مقرر کرے گا اور حاکم شرع کی عدم موجودگی یا اس تک عدم رسائی کی صورت میں عادل مومن ولی ہوں گے اور نابالغ و مجنون کے مال و جائیداد میں جو مناسب تصرفات کریں گے وہ شرعاً" نافذ تصور کیے جائیں گے۔

مسئلہ ۴۔ مشہور یہ ہے کہ سابقہ مسئلہ میں جن سات قسم کے اولیاء کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ عقد

کے دونوں طرف (خرید و فروخت) کے متولی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً" اگر مناسب سمجھیں تو بچہ کا مال خود اپنے لئے خرید سکتے ہیں لہذا اس کی طرف سے فروخت کا صیغہ جاری کریں گے۔ اور پھر اپنی طرف سے قبول کریں گے۔ بناء بر مشہور اس سلسلہ میں وکیل مطلق اور دیگر اولیاء میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگرچہ وکیل کے بارے میں فی الجملہ اختلاف ہے اور بالخصوص نکاح کے بارے میں تو عمار سلاطی کی موثقہ روایت دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی عورت کسی شخص کو اپنے نکاح پڑھنے کا وکیل جائے تو وہ اپنے ساتھ نہیں پڑھ سکتا۔ لہذا احوط یہ ہے کہ نکاح وغیرہ میں وکیل کے لئے یہ تعمیم روانہ رکھی جائے۔ واللہ العالم۔

مسئلہ ۵۔ وصی اگر اس قدر مال دار ہے کہ قرض کی ادائیگی کی استطاعت رکھتا ہے تو اس کیلئے جائز ہے۔ کہ جس (بچہ) کا وصی ہے اس کے مال کی عادلانہ قیمت مقرر کر کے بطور قرضہ لے لے بشرطیکہ اس بچہ کا نقصان نہ ہو۔ ارشاد قدرت **ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن** یعنی سوائے احسن طریقہ کے یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ۔ روایات میں "احسن" کی تفسیر مذکورہ بالا مفہوم کے ساتھ کی گئی ہے یعنی جب آدمی اپنے اور واجب النفقہ اہل و عیال کے خرچ و خوراک کے علاوہ قرضہ کی ادائیگی کی استطاعت رکھتا ہو۔ تو پھر بچہ کا مال بطور قرضہ لے سکتا ہے۔ بعض فقہاء نے اس صورت میں احتیاطاً" کچھ مال بطور گروی رکھنے اور گواہ مقرر کرنے کا بھی تذکرہ کیا ہے مگر نصوص اس سے خالی ہیں۔

۵۔ اختیار

یعنی پانچویں شرط یہ ہے کہ بائع اور مشتری کو بیع و شراء پر مجبور نہ کیا جائے۔ **لا نہ لا اکراہ فی الدین**

بلکہ اپنے ارادہ و اختیار سے باہمی معاملہ کریں جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ **ان تکون تجارۃ عن تراض**

لہذا اگر بائع یا مشتری کو معاملہ کرنے پر مجبور کیا جائے تو جو فقہاء بیع فضولی کو جائز جانتے ہیں۔ ان کا فتویٰ یہ ہے کہ جبر و اکراہ کے اٹھ جانے کے بعد اگر اس شخص نے اس معاملہ پر اظہار رضامندی کیا تو معاملہ صحیح سمجھا جائے گا۔ ورنہ نہ لیکن چونکہ ہم اوپر بیع فضولی کا بطلان واضح و عیاں کر چکے ہیں اس لئے یہاں بھی اس اکراہی و اجباری معاملہ کو باطل تصور کیا جائے گا۔

ثمن و مثمن کے شرائط کا بیان

دوسری قسم کے شرائط یعنی جن کا تعلق ثمن و مثمن یا بالفاظ دیگر عوض و معوض کے ساتھ ہے وہ بھی پانچ ہیں۔

۱۔ عوضین (بیچا جانے والا مال اور اس کی قیمت) ہر دو عین المال ہوں۔ کیونکہ صرف منفعت جیسے گھر کی سکونت یا غلام کی خدمت کی بیع و شرا جائز نہیں ہے علاوہ بریں اس عین المال کی منفعت بھی جائز و حلال ہو کیونکہ قبل ازیں مکاسب محرمہ کے ضمن میں واضح کیا جا چکا ہے۔ کہ اعیان نجسہ یا ناقابل تطہیر متنجس (جن کے منافع بھی حرام ہیں) کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔

۲۔ ملکیت۔ کیونکہ عقلاً و شرعاً یہ بات محتاج وضاحت نہیں ہے کہ جو چیز جس شخص کی ملکیت میں داخل نہیں ہے۔ وہ کسی طرح بھی اس کی خرید و فروخت نہیں کر سکتا۔ یہ اس وقت ہے کہ جب معاملہ اس عین المال کا کیا جائے۔ جو ملکیت میں داخل ہے لیکن اگر معاملہ مافی الذمہ کا کیا جائے مثلاً بائع کہے کہ میں اس قسم کی گائے اتنی رقم پر دوں گا۔ اور خریدار اسے منظور کرتے ہوئے کہے میں اتنی رقم دوں گا۔ اور جب ادائیگی کا وقت آئے تو بائع مغصوبہ یا مسروقہ مال مشتری کے حوالے کر دے یا مشتری غیر مملوکہ مال قیمت میں ادا کرے تو معاملہ صحیح رہے گا اور ایسا کرنے والا گنہگار متصور ہوگا۔

تفریع

بنابریں بالا اتفاق آزاد آدمی کا بیچنا اور خریدنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس چیز کی خرید و فروخت جائز ہے جو تمام مسلمانوں کے درمیان مشترک ہے جیسے مباح و مشترکہ زمین کا گھاس اور پانی یا وہ زمین جو کفار کے ساتھ جنگ و جدال کے بغیر صرف کچھ عملی تگ و تاز کرنے سے مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ اور فتح کے وقت آباد بھی ہو۔ تو چونکہ وہ تمام مسلمانوں کی مشترکہ ہے اس لئے اس کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے ہاں البتہ جو زمین فتح کے وقت غیر آباد ہو تو بعد میں جو اسے آباد کرے گا وہ اس کی ملکیت متصور ہوگی۔ لہٰذا اسے اس کی خرید و فروخت کا حق حاصل ہوگا۔ واللہ العالم۔

۳۔ قدرت بر تسلیم۔ لہٰذا بائع جس چیز کو خریدار کے حوالہ کرنے پر فی الحال قادر نہیں ہے جیسے ہوا میں اڑنے والا کبوتر۔ (اگرچہ مملوکہ ہے) یا بھگوڑا غلام وغیرہ۔ اس کی بلا ضمیمہ خرید و فروخت جائز نہیں ہاں اگر اس کے ساتھ کوئی ایسا ضمیمہ شامل کر دے جس کی تنہا بیع و شرا جائز

ہو، جیسے سابقہ مثال میں کبوتر کے ساتھ کوئی کپڑا یا غلام کے ساتھ کوئی فرش فروش تو بیع و شرا جائز ہوگی۔ یعنی اگر وہ اصل چیز دستیاب ہوگئی تو فبہا ورنہ قیمت اس ضمیمہ کی متصور ہوگی۔ **وکذا الکلام فی الثمن**

۴۔ عدم شرکت۔ لہذا جس چیز میں کسی طرح بھی کسی اور کی شرکت ہے اس کی بیع و شرا جائز نہیں ہے جیسے وقف عام مؤبد۔ خواہ اس کے ساتھ ضمیمہ ہو یا نہ ہو۔ اگرچہ مشہور یہ ہے کہ چند مقامات پر وقف کی بیع و شراء جائز ہے مگر تحقیقی قول یہ ہے کہ وقف کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وقف خاص (جو صرف چند مخصوص افراد پر وقف ہے (۲) وقف عام جو مثلاً" عام فقراء و مساکین پر نسلاً" بعد نسل یا کسی ادارہ علمیہ وغیرہ پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے وقف ہے اب ہر دو قسم کے احکام یہ ہیں جہاں تک پہلے وقف (خاص) کا تعلق ہے تو دو صورتوں میں اس کی بیع و شرا جائز ہے۔

۱۔ جبکہ اسے اصل حالت پر رکھنے میں آمدن ختم ہو جائے۔ یا بالکل ناکافی ہو۔ اور فروخت کرنے میں بہتری ہو۔

۲۔ جبکہ ان لوگوں کے باہمی نزاع کیوجہ سے جن پر وہ چیز وقف ہے۔ فتنہ و فساد اور ضیاع مال و جان کا خطرہ ہو۔ تو اس صورت میں اسے فروخت کرکے رقم کو ان پر تقسیم کیا جا سکتا ہے اور جہاں تک دوسری قسم یعنی وقف عام کا تعلق ہے تو کسی صورت میں بھی اس کی بیع و شرا جائز نہیں ہے نہ ہی اس کو حب کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ ہی بطور وراثت اسے تقسیم کیا جا سکتا ہے (اس کی مزید وضاحت کتاب الوقف میں کی جائے گی۔ انشاءاللہ) اس طرح بظاہر مختلف اخبار و آثار کے درمیان جمع بھی ہو جاتی ہے جو اس سلسلہ میں وارد ہوئے ہیں۔ اور جن کے سمجھنے میں علماء ابرار کے آراء و انظار مختلف ہیں۔ کما لا یخفی

مسائل و احکام

مسئلہ ا۔ اسی سابقہ مسئلہ کی ایک فرع یہ ہے کہ سوائے دو صورتوں کے بالاتفاق ام الولد کنیز (جو اپنے مالک کے بچہ کی ماں ہے) کی بیع و شرا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح اس میں آزادی کا شائبہ آگیا ہے۔ یعنی جب اس کا آقا مرجائے گا تو یہ بطور میراث ورثہ کی ملکیت میں آئے گی جن میں ایک خود اس کا لڑکا بھی ہے اور یہ اس کی ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جائے گی۔ کیونکہ والدین اپنی اولاد کی ملکیت میں نہیں آسکتے۔ ہاں صرف دو صوتوں میں اس کی خرید و فروخت جائز

ہے۔ (۱) جبکہ اس کا بچہ مرجائے۔ (۲) جس قیمت سے یہ کنیز خریدی گئی تھی اس کی ادائگی کی مالک میں استطاعت نہ ہو۔ لہٰذا اس کی قیمت ادا کرنے کے سلسلہ میں اسے فروخت کیا جاسکتا ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ اس کا آقا زندہ ہو یا مرچکا ہو۔ علی الاظہر۔ اگرچہ بعض فقہاء نے ام الولد کی بیع و شرا کے بعض اور مقامات بھی شمار کئے ہیں۔ مگر نصوص میں صرف انہی دو مقامات کا تذکرہ ہے۔ لہٰذا انہی پر اکتفا کرنا احوط و انسب ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ سابقہ مسئلہ کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ گرو شدہ مال کی بیع و شرا جائز نہیں ہے نہ (گرو رکھنے والا) اسے بیچ سکتا ہے کیونکہ اس میں مرتہن (جس کے پاس گرو ہے) کا حق ہے اور نہ ہی مرتہن فروخت کرسکتا ہے کیونکہ وہ اس کی ملکیت نہیں ہے۔ ہاں البتہ جب ایک دوسرے کو اجازت دے دے تو پھر یہ معاملہ درست ہوگا۔

۵۔ معلومیت

یعنی بیع و شرا سے پہلے ثمن و مثمن ہر دو کا معلوم و معین ہونا ضروری ہے کیونکہ مجہول چیز کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے تاکہ دھوکہ لازم نہ آئے اور نہ ہی بعد میں کوئی نزاع واقع ہونے پائے۔ اب یہ علم و یقین کس طرح حاصل ہو؟ اس کا کوئی ایک خاص طریقہ نہیں ہے بلکہ ہر چیز کے معلوم کرنے کا طریقہ الگ الگ ہے۔ بعض چیزیں تولنے سے، بعض پیمائش کرنے سے، بعض ناپنے سے، بعض شمار کرنے سے، بعض دیکھنے سے اور بعض زبانی اوصاف بیان کرنے سے معلوم ہوتی ہیں۔ پس جس چیز کا علم جس ذریعے سے ہوتا ہے۔ اس کا علم اسی طریقہ سے حاصل کرنا ضروری ہے جہاں تولنا ضروری ہے وہاں ماپنا کافی نہیں ہے اور جہاں شمار کرنا ضروری ہے وہاں تولنا کافی نہیں ہے۔ و علی ھذا القیاس بہرکیف ثمن و مثمن کی مقدار معلوم و معین ہونی چاہئے کہ مثلاً "اتنے کلو گرام" اتنے میٹر" اتنے ایکڑ یا اتنے عدد ہے۔ نیز تولنے' ماپنے اور ناپنے کا بھی آلہ معلوم ہونا چاہئے اور جہاں مشاہدہ کافی ہے تو وہاں اس پر اکتفا کی جاسکتی ہے اور اگر مشاہدہ نہ کیا جاسکتا ہو تو پھر اس چیز کے وہ تمام اوصاف بیان کرنا ضروری ہیں جن کی وجہ سے خریداروں کی رغبت گھٹتی یا بڑھتی ہے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر بائع یہ دعویٰ کرے کہ اس کی مقدار اس قدر ہے تو اس کے قول پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اگر بعد ازاں وہ چیز کم ثابت ہوئی۔ تو خریدار کو یہ اختیار حاصل ہوگا۔ کہ معاملہ توڑ کر قیمت

واپس لے لے۔ یا معاملہ کو بحال رکھتے ہوئے ارش (جس قدر کمی ہے اس کا تاوان) لے لے

مسئلہ ۲۔ اگر ایک چیز ایسی ہے کہ بعض شہروں میں تولی جاتی ہے۔ اور بعض میں ماپی جاتی ہے تو مشہور یہ ہے کہ ہر شہر اور ہر علاقہ میں اس جگہ کی رسم کے مطابق اس کا معاملہ کیا جائے گا۔ مزید برآں احوط یہ ہے کہ جن چیزوں کا کیل یا موزوں ہونا نصوص سے ثابت ہے ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے۔

مسئلہ ۳۔ جس چیز کا ذائقہ چکھا جاتا ہے اور جس چیز کو سونگھا جاتا ہے۔ یا جس کے اوصاف بیان کرنا ضروری ہیں۔ (مثلاً اس گھوڑے یا گائے میں کیا کیا خوبیاں یا خامیاں ہیں) ان چیزوں کا اس طرح معلوم کرنا ضروری ہے اور اگر اس کے بغیر معاملہ کیا گیا۔ تو بعد ازاں وہ چیز درست ثابت ہوئی تو فبہا ورنہ نقص کی صورت میں خریدار کو معاملہ توڑنے یا ارش (کمی کا تاوان) لینے کا اختیار ہوگا۔

مسئلہ ۴۔ مذکورہ بالا قاعدہ سے یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ مشک کو جبکہ نافہ کے اندر بند ہو۔ بیچا جا سکتا ہے۔ اگر نافہ توڑنے کے بعد مشک میں کوئی عیب ظاہر ہوا۔ تو خریدار کو معاملہ توڑنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

مسئلہ ۵۔ مشہور یہ ہے کہ جب مچھلیاں مملوکہ ہوں مگر ہوں غیر محصور اور غیر معلوم المقدار تو ان کی بیع و شرا جائز نہیں ہے اسی طرح اس دودھ کی خرید و فروخت بھی بلا ضمیمہ جائز نہیں جو ابھی تک گائے یا بھینس کے تھنوں میں ہے اور اگر ان دونوں صورتوں میں کوئی ایسا ضمیمہ شامل کیا جائے جسکی تنہا خرید و فروخت جائز ہے جیسے سابقہ مثال میں مچھلیوں کے ساتھ پکڑی ہوئی معلوم المقدار مچھلیوں کا ضمیمہ۔ یا دوسری مثال میں دوہا ہوا معلوم المقدار دودھ۔ تو آیا پھر یہ بیع و شرا جائز ہے یا نہ اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ اظہر یہ ہے کہ پھر یہ معاملہ جائز ہے۔ وعلیہ تدل الاخبار السادۃ الاطہار علیہم صلوات الملک الجبار اور یہی حکم اس بچہ کا ہے جو ابھی شکم مادر میں ہے کہ ضمیمہ کے بغیر اس کی خرید و فروخت ناجائز اور ضمیمہ کے ساتھ جائز ہے۔ واللہ العالم۔

مسئلہ ۶۔ مشہور یہ ہے کہ بھیڑ بکریوں اور اونٹ وغیرہ کی وہ اون اور بال جو ابھی حیوان کے جسم کے اوپر ہیں ان کی بیع و شرا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں تولنے سے تعلق رکھتی ہیں لیکن جہاں تک تحقیق کا تعلق ہے تو

توچڑے کے بارے میں تو یہ فتویٰ درست ہے مگر جہاں تک اون کا تعلق ہے تو اس کی خرید فروخت علی الاقوی جائز ہے جیسا کہ بعض نصوص صریحہ سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے جو کہ تہذیب الاحکام اور من لا یحضرہ الفقیہ وغیرہ کتب معتبرہ میں مذکور ہیں جیسے درختوں کا پھل اگرچہ تولنے سے تعلق رکھتا ہے مگر جب تک درخت کے اوپر ہے صرف دیکھنے سے اس کی بیع و شرا جائز ہے۔ واللہ العالم

بیع و شرا کے مذکورہ بالا مختلف اقسام کے مخصوص احکام کا بیان

۱۔ نقد = جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے کہ اس قسم میں ثمن و مثمن ہر دو نقد ہوتے ہیں اور جہاں علی الاطلاق لفظ بیع و شرا بولا جائے تو اس سے اسی قسم کا تبادر ہوتا ہے اس کے شرائط و احکام وہی ہیں جو اوپر عوضین اور متعاقدین کے ضمن میں ذکر کیے جاچکے ہیں۔

۲۔ بیع الدین بالدین = قبل ازیں بتایا جاچکا ہے کہ یہ قسم شرعاً ناجائز ہے جس میں ثمن و مثمن ہر دو ادھار ہوتے ہیں۔

۳۔ نسیہ = جسے ادھار کہا جاتا ہے جس میں جنس نقد اور قیمت ادھار ہوتی ہے اس کے احکام درج ذیل ہیں۔

مسئلہ ۱۔ نقد اور نسیہ کی قیمت میں علی الاقوی تفاوت جائز ہے مثلاً جو چیز نقد دس روپے میں فروخت کی جاتی ہے ادھار میں اسے بارہ تیرہ روپیہ میں فروخت کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی بائع ایک ہی معاملہ میں نقد و نسیہ دونوں قیمتوں کو اکٹھا کردے۔ مثلاً خریدار سے یوں کہے کہ میں یہ چیز تمہارے ہاتھ نقد ایک سو اور ادھار ڈیڑھ سو میں فروخت کرتا ہوں تو یہ معاملہ جائز ہے یا ناجائز؟ مشہور یہ ہے کہ چونکہ اس میں اصل قیمت مجہول ہے اس لئے ناجائز ہے اور بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ خریدار کو چاہئے کہ کم اور نقد قیمت پر اسے قبول کرے۔ اس طرح معاملہ درست رہے گا یہی قول محمد بن قیس اور سکونی کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۳۔ ادھار میں مدت معین ہونی ضروری ہے لہٰذا اگر اس طرح مدت مقرر کی جائے جس میں کمی بیشی ہوسکتی ہے جیسے یوں کہا جائے کہ جب حاجی اور زائر واپس وطن آئیں گے یا جب فصل پک جائے گی تو قیمت ادا کردی جائے گی تو یہ معاملہ باطل متصور ہوگا۔

مسئلہ ۴۔ اگرچہ مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ اس مدت کی قلت و کثرت کی کوئی حد معین نہیں ہے مگر بعض اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ یہ مدت تین سال سے کم ہونی چاہئے۔ تین یا تین سال سے زیادہ مدت مقرر کرنا مکروہ ہے کیونکہ ایک تو اس میں طول امل پائی جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ زیادہ مدت گزر جانے کے بعد ادائیگی مشکل تو ہو جاتی ہے جو پہلے ہی اکثر لوگوں کے لئے مشکل ہوتی ہے جیساکہ مشاہدہ شاہد ہے کہ اکثر لوگ معاملات کے معاملہ میں بری طرح بدنام بلکہ ناکام اور بدمعاملہ واقع ہوئے ہیں۔ واللہ الموفق۔

مسئلہ ۵۔ ایک شخص نے ادھار پر کوئی چیز خریدی اب اس مدت کے خاتمہ تک بائع کو قیمت کا مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور اگر خریدار پہلے دینا چاہے تو بائع پر اس کا قبول کرنا واجب نہیں ہے ہاں البتہ مدت کے اختتام پر ادائیگی واجب ہے۔

مسئلہ ۶۔ مذکورہ بالا مسئلہ میں مدت کے اندر یا اس کے بعد اگر اسی مال کو جو اس نے ادھار پر بیچا ہے خریدار سے اسی قیمت پر جو اس نے خریدار سے لینی ہے یا اس سے کم یا زیادہ پر نقداً" یا نیتہ" خود خریدنا چاہے تو جائز ہے بشرطیکہ پہلے معاملہ میں یہ شرط عائد نہ کی ہو کہ بعد میں اس طرح کیا جائے گا۔ ورنہ پہلا معاملہ باطل ہو جائے گا اور احوط یہ ہے کہ اس صورت میں صرف نقد پر اکتفاء کی جائے۔

مسئلہ ۷۔ جس معاملہ میں ادائیگی کی مدت ابھی دور ہے بائع کو یہ حق حاصل ہے کہ قیمت میں سے کچھ حصہ معاف کر کے جلدی وصول کر لے۔ یعنی موجل کو معجل بنا لے۔ لیکن خریدار سے کچھ لے کر اس مدت کو مزید بڑھانا جائز نہیں ہے ہاں اس کا ایک اور شرعی حیلہ یہ ہے کہ کسی اور عقد کے ضمن میں یہ مدت بڑھانے والی شرط عائد کر دی جائے۔ مثلاً" سابقہ خریدار جو مدت بڑھانے کا خواہشمند ہے وہ بائع سے ایک دو روپیہ کا قلم یا رومال وغیرہ بیس پچیس روپے میں اس شرط پر خریدے کہ بائع سابقہ معاملہ کی قیمت کی مدتِ ادا کو بڑھا دے تو یہ جائز ہے جیساکہ آئمہ اطہارؑ کے روایات اور فقہاء ابرار کے ارشادات اس پر دلالت کرتے ہیں۔

۴۔ سلم و سلف = یہ بیع و شرا ادھار کا عکس ہے یعنی اس میں قیمت پیشگی ادا کی جاتی ہے مگر جنس ادھار ہوتی ہے اس معاملہ کی صحت سات شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔

(۱) ایجاب و قبول۔ اگرچہ عام فقہاء کرام نے یہاں بیع سلم کے صیغوں کے متعلق بڑی بحث فرمائی ہے اور تفحص و ابرام سے کام لیا ہے مگر ہم اس سے پہلے بیع و شرا کے عمومی شرائط کے

بیان میں واضح کر چکے ہیں کہ شرع اقدس نے دوسری عبادات اور دیگر معاملات کی طرح یہاں بھی بڑی وسعت و رواداری روا رکھی ہے لہٰذا جن الفاظ و عبارات سے بھی اصل مقصد ظاہر ہو جائے وہی کافی ہیں۔

(۲) جنس۔ یعنی جو چیز خریدی جارہی ہے اس کا نوعی نام کہ مثلاً "گندم ہے یا جو باجرہ ہے یا جوار وغیرہ۔

(۳) وصف۔ جس سے معلوم ہو کہ اس نوع کی کون سی صنف مراد ہے اعلیٰ یا ادنیٰ یا اوسط پس۔ ان شرائط کے نظرانداز کرنے سے معاملہ باطل ہو جائے گا کیونکہ جہالت کی وجہ سے دھوکہ اور نقصان اور سود کی بجائے زیاں کا اندیشہ ہوتا ہے جو کہ شرعاً" حرام ہے۔

(۴) اشہر یہ ہے بلکہ اس پر تمام فقہاء کے اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس معاملہ میں یہ بھی شرط ہے کہ معاملہ کرنے کے بعد اور بائع و مشتری کے ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے سے پہلے تمام مقررہ قیمت وصول کرلی جائے۔ لہٰذا اگر کچھ بھی قیمت وصول نہ کی گئی تو تمام معاملہ باطل ہو جائے گا اور اگر کچھ وصول کی گئی اور کچھ نظرانداز کی گئی تو صرف اسی مقدار میں معاملہ صحیح ہوگا۔ جتنی قیمت وصول کی جائے گی۔ چونکہ اس سلسلہ میں کوئی نص وارد نہیں ہے لہٰذا یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اگرچہ احوط یہ ہے کہ فقہاء کرام نے جو فتویٰ دیا ہے۔ (وھم بالاحکام ابصر) اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

(۵) ناپ تول یا شمار وغیرہ کے ذریعے مال کی مقدار معلوم و معین ہونی چاہیے۔

(۶) مدت اس طرح معین و مقرر ہونی چاہیے جس میں کمی بیشی کا احتمال نہ ہو جس کی ابھی اوپر بیع نسیہ کے ضمن میں وضاحت کی جاچکی ہے۔

(۷) ادائیگی کے وقت اس جنس کا وجود ممکن ہو کہیں بے موسم کا پھل نہ ہو۔ ورنہ اس میں چونکہ خریدار کا سراسر نقصان و زیاں ہے جسکی وجہ سے معاملہ باطل متصور ہوگا۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ جس جگہ وہ مال خریدار کے حوالے کیا جائے گا۔ اس کی تعیین بھی ضروری ہے یا نہ؟ اس میں فقہاء کرام کے درمیان شدید اختلاف ہے چونکہ نصوص معصومینؑ کے اندر اس شرط کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بات قرین احتیاط تو ضرور ہے مگر صرف عقلی تعلیلات و تخریجات پر شرعی احکام کی بنیاد قائم نہیں کی جاسکتی۔ (واللہ العالم)

مسئلہ ۲۔ جس جنس کو آدمی نے بطور سلف خریدا ہے (یعنی قیمت ادا کرچکا ہے مگر جنس ایک مخصوص مدت کے بعد لینی ہے) اور اب اس کو آگے بیچنا چاہتا ہے اس کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) ابھی اس جنس کے لینے کا وقت نہیں آیا کہ آگے نقد قیمت پر اسے بیچ دے۔ یہ شق بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ جس چیز کا ہنوز وہ مالک ہی نہیں ہے اسے آگے بیچ کس طرح سکتا ہے؟

(۲) سابقہ صورت میں اسے ادھار پر بیچے۔ فقہاء کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صورت بھی ناجائز ہے جس کی دلیل علاوہ اتفاق کے یہ ہے کہ یہ شق بیع الدین' بالدین میں داخل ہے جو شرعاً" ممنوع ہے۔

(۳) وصول کرنے کا وقت داخل ہونے اور وصول کرنے کے بعد نقد یا ادھار پر فروخت کرے۔ یہ شق بالاتفاق جائز ہے۔

(۴) وصول کرنے کا وقت تو داخل ہو جائے مگر ہنوز اسے اپنے قبضہ میں نہ لیا ہو کہ اسے فروخت کرے تو مشہور و منصور قول یہ ہے کہ اس جنس کو اسی بائع کے ہاتھ اصل قیمت پر یا اس سے کم یا زیادہ پر فروخت کرنا جائز ہے۔ عام اس سے کہ یہ قیمت سابقہ قیمت کی جنس سے ہو یا کسی اور جنس سے (وہوا لظاہر من روایات الباب) لیکن اسے قبض کرنے سے پہلے کسی اور خریدار کے ہاتھ فروخت کرنا ناجائز ہے اور باطل بھی ہے۔

مسئلہ ۳۔ اگر بائع نے مقررہ مدت کے بعد جو مال خریدار کو دیا۔ وہ معینہ صفت سے فروتر تھا مگر خریدار اس پر راضی ہوگیا تو معاملہ کی صحت اور بائع کے بری الذمہ ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے اور اگر مقررہ صفت سے مافوق تھا یا مقدار میں زیادہ تھا اور بائع نے اپنی خوشی سے ایسا کیا تو خریدار پر اس کا خرید کرنا واجب نہیں ہاں اگر وہ قبول کرلے تو جواز میں کوئی کلام نہیں ہے۔

مسئلہ ۴۔ بائع نے مقررہ مدت کے بعد مال ادا کیا مگر قبضہ میں لینے کے بعد خریدار کو معلوم ہوا کہ وہ عیب دار ہے تو خریدار کو اختیار ہے کہ خواہ اس عیب دار کو قبول کرے یا اسے واپس کردے۔ وھذا واضح۔

۵۔ مساومت = بائع یہ بتائے بغیر کہ اس نے اصل جنس کتنے میں خریدی ہے مناسب داموں پر چیز فروخت کرے۔ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیع کی تمام اقسام سے عمدہ قسم یہی ہے کیونکہ اس میں کذب اور غلط بیانی کا کہیں کوئی نام و نشان نہیں ہے بلکہ اس کا کوئی امکان بھی نہیں ہے۔

۶۔ تولیہ = اصل قیمت خرید بتا کر اسی اصل قیمت پر بلا کم و کاست وہ چیز فروخت کی جائے۔ اس میں ضروری ہے کہ جھوٹ نہ بولا جائے بلکہ اصل دام بتائے جائیں۔

۷۔ مواضعہ = اصل قیمت خرید بتا کر اس سے کم قیمت پر جنس فروخت کی جائے اور کمی کا بھی تذکرہ کیا جائے کہ اتنے نقصان پر بیچا جا رہا ہے۔

۸۔ مرابحہ = اصل قیمت خرید بتا کر اس سے نفع پر جنس فروخت کی جائے۔ اس قسم میں ضروری ہے کہ اصل قیمت خرید کا اظہار کیا جائے۔ پھر بائع نے اس پر جو کچھ خرچ کیا ہے۔ اسے بھی بیان کیا جائے۔ نقد یا ادھار خریدا لیا ہے یہ بھی واضح کیا جائے۔ اس میں اس نے جو محنت کی ہے جس سے اس کی قیمت بڑھ گئی ہے۔ اس کا بھی تذکرہ کیا جائے اور ان تمام باتوں میں صدق و راستی کا دامن نہ چھوٹنے پائے۔ چونکہ اس قسم میں بہت گورکھ دھندہ ہے اس لئے روایات اہلبیتؑ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع کی یہ قسم مکروہ ہے اور خدا لگی بات بھی یہی ہے کہ بائع کو یہ بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ اصل جنس اس نے کتنے میں خریدی ہے؟ یا اسے مفت ہاتھ لگی ہے اسے تو چاہئے کہ اس کی مناسب قیمت مقرر کرکے کہے کہ میں اتنے میں فروخت کروں گا۔ جس کا جی چاہے خریدے۔ **ھذا الطریق ھو اسلم الورق فی ھذا المضمار کما لا یخفی علی اولی الابصار**

۹۔ ثمن و مثمن مختلف ہوں = باعتبار جنس بیع کی مزید دو قسمیں ہیں (جن کو سابقہ اقسام کے ساتھ ضم کرنے سے اسکی دس قسمیں ہو جاتی ہیں) قسم اول (جو نویں قسم قرار پاتی ہے) کہ ثمن و مثمن کی جنس جدا جدا ہو۔ جیسے سونے کے عوض چاندی یا گندم کے عوض جوار یا جو کے عوض باجرہ اس قسم میں جائز ہے کہ عوضین مقدار میں برابر برابر ہوں یا ایک کم اور دوسرا زیادہ ہو نقد ہو یا ادھار یہ قسم بہرحال جائز ہے۔

۱۰۔ ثمن و مثمن ہر دو متحد ہوں = قسم دوم (جو دراصل دسویں قسم ہے) یہ ہے کہ عوض و معوض ہر دو متحد النوع ہوں جیسے سونے کے عوض سونا' چاندی کے عوض چاندی' گندم کے عوض گندم اور جوار کے عوض جوار۔ اس میں ہر دو عوضین کا برابر برابر ہونا نقد و نسیہ اور دیگر شرائط وغیرہ میں مساوی ہونا ضروری ہے ورنہ "سود" لازم آئے گا جو کہ حرام مغلّظ ہے اور سودی معاملہ شرعاً" باطل ہوتا ہے۔

سود اور اس کے احکام

جب سود کا ضمناً" ذکر آگیا ہے تو بالاختصار اس کی حرمت' اس کے اسرار اور اس کے احکام کا بیان کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے سو واضح ہو کہ سود کی حرمت کتاب و سنت و اجماع اور عقل کی روشنی میں ثابت ہے ارشاد قدرت ہے۔ **احل اللہ البیع و حرم الربوا۔** خدا نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

نیز فرماتا ہے **یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات** خدا سود کو مٹاتا ہے (اسکی برکت سلب کرتا ہے) اور صدقہ و خیرات کو بڑھاتا ہے (کچھ اور آیات بعد میں آرہی ہیں)

(۱) حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ الربوا واکلہ و موکلہ و بایعہ و مشتریہ و کاتبہ وشاہدیہ** کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سود' اس کے کھانے کھلانے والے' فروخت کرنے والے' خرید کرنے والے' لکھنے والے اور اس کے دو گواہوں پر لعنت کی ہے۔ (فقیہ و تہذیب)

(۲) ہشام بن سالم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں فرمایا۔ **درہم الربوا اشد عند اللہ من سبعین زنیتہ کلہا بذات محرم** سود کا ایک درہم اللہ کے نزدیک ایسے ستر زنا سے بدتر ہے جو محارم کے ساتھ کیا جائے۔ (العیاذ باللہ)

سود ان برے خصائل و عادات میں سے ہے جو قبل از اسلام عربوں کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکے تھے امیر لوگ غریبوں اور محتاجوں کو بھاری شرح سود پر رقم دیتے تھے اور جب تک روپیہ وصول نہ ہو جاتا ہر سال اصل سرمایہ کو بڑھاتے جاتے۔ جسے **اضعافا مضاعفتہ** (دو گنا چوگنا) کہا جاتا تھا۔

سود کی حرمت بتدریج نازل ہوئی سب سے پہلے اسی قسم کی ممانعت کی گئی۔ **یا ایھا الذین امنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفتہ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون** (آل عمران)

اے ایمان والو! یہ دوگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ فوز و فلاح پا جاؤ۔

اور سنہ ۸ ھ میں حرمت سود کے تفصیلی احکام نازل ہوئے۔ **الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذین یتخبطہ الشیطان من المس الایتہ**

جو لوگ سود استعمال کرتے ہیں۔ وہ (بروز قیامت) اس طرح کھڑے ہوں گے جس طرح شیطان کسی کو چھو کر "مخبوط الحواس" بنا دیتا ہے۔

اس کے کچھ عرصہ بعد یہ آخری سخت تہدیدی آیت نازل ہوئی۔ **یا ایھا الذین امنوا تقوا اللہ وذرو**

اما بقی من الربوا ان کنتم مومنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم رؤوس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون (بقرہ) اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم فی الواقع مومن ہو اور اگر ایسا نہ کرو تو پھر خدا اور اس کے رسول کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کرلو۔ (اس سے باز آجاؤ) تو اصل (راس المال) تمہارا حق ہے نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو جمع کرکے مسجد میں اس حکم کا اعلان فرمایا اور حجتہ الوداع کے موقع پر ملک عرب کے تمام سودی معاملات کو کالعدم قرار دے دیا۔

حرمت سود کے علل واسباب

سود کے اندر جو بے شمار تمدنی اور معاشرتی مفاسد پائے جاتے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ سود انسانی ہمدردی کے خلاف ہے۔

۲۔ سود میں ایک محتاج کی ضرورت سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے جو جوہر انسانیت کے منافی ہے۔

۳۔ سود سے بلا سود قرضہ دینے کی نیکی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

۴۔ سود سے لوگوں کی توجہ جائز کاروبار (تجارت) سے ہٹ جاتی ہے اور وہ اس ناجائز کاروبار کو اپنا لیتے ہیں۔

۵۔ سود سے جو امیر دولتمند ہیں وہ امیر تر اور جو محتاج و غریب ہیں وہ غریب تر ہو جاتے ہیں جس سے کئی معاشرتی و تمدنی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔

۶۔ سود سے فتنہ و فساد پیدا ہوتا ہے جو مقدمہ بازی اور بالآخر نفوس و اموال کے ضیاع پر منتج ہوتا ہے۔

۷۔ سودی کاروبار سے حرص و آز بڑھتا ہے جو بجائے خود ایک بڑی اخلاقی و تہذیبی بیماری ہے۔

۸۔ سود سے قساوت قلبی پیدا ہوتی ہے۔ **والقلب القاسی بعید عن رحمتہ اللہ**

۹۔ سود میں اکل المال بالباطل ہے کیونکہ ایک درہم کے مقابلہ میں دو درہم لئے جائیں گے تو ایک کے عوض تو ایک ہوگیا تو دوسرا درہم ناجائز ہوگا۔ ارشاد قدرت ہے۔ **ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل** "باطل طریقہ سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ"

۱۰۔ سود سے عطاء و بخشش اور غرباء اور مساکین کی امداد و اعانت کا مبارک سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔ **تلک عشرة کاملة**

سود کے اقسام = سود کی دو قسمیں ہیں (۱) سود قرضی اور (۲) سود معاملی۔ ان دونوں قسم کے سود کے احکام جدا جدا ہیں جہاں تک پہلی قسم (سود قرضی) کا تعلق ہے تو وہ ہر اس چیز میں پایا جاسکتا ہے جو بطور قرض دی جائے اور اس میں اضافہ کی شرط لگائی جائے جیسے آج گندم کا ایک من دو ماہ کے لئے ڈیڑھ من گندم کی شرط پر دیا جائے' یا آج پانچ انڈے پانچ ماہ کے لئے دس انڈوں کی شرط پر قرض دیئے جائیں۔ وغیرہ وغیرہ لیکن جو سود معاملہ میں (بیع و شراء میں) ہوتا ہے۔ اس کے کچھ شرائط ہیں۔

معاملہ والے سود کے شرائط = اور وہ دو ہیں پہلی شرط اتحاد جنسی یعنی عوض و معوض کی نوع ایک ہو بایں طور کہ دونوں کا نوعی نام ایک ہو (واضح رہے کہ لغت میں جس چیز کو جنس کہا جاتا ہے منطق اصطلاح میں اسے نوع کہا جاتا ہے) جیسے گندم' جوار' باجرہ' سونا' چاندی وغیرہ وغیرہ اس شرط پر سب علماء متفق ہیں ہاں اس قاعدہ سے صرف گندم و جو مستثنیٰ ہیں یعنی باوجودیکہ دونوں کے نوعی نام الگ الگ ہیں اور زکوٰۃ کے سلسلہ میں بھی یہ دونوں الگ الگ جنس شمار ہوتے ہیں مگر سود کے معاملہ میں یہ دونوں ایک جنس شمار کئے جاتے ہیں لہٰذا ایک من گندم کے عوض دو من جو نہیں لئے جاسکتے۔ لہٰذا اتحاد جنسی کی صورت میں عوض و معوض میں کسی قسم کی عینی (جیسے ایک من کے عوض دو من) یا حکمی۔ (جیسے ایک من نقد کے مقابلہ میں ایک من ادھار) کمی بیشی جائز نہیں ہے الغرض جس معاملہ میں سود لازم آتا ہو وہاں ادھار جائز نہیں ہے ہاں جب جنس الگ الگ ہو تو پھر اس کی بیشی اور اختلاف میں کوئی اشکال نہیں ہے جیسا کہ معصومین علیہم السلام کا ارشاد ہے۔ **اذا اختلف الجنسان فبیعوا کیف شئتم** جب جنس مختلف ہو تو پھر جس طرح جی چاہے فروخت کرو۔ (کتب اربعہ)

مسائل و احکام = مسئلہ ۱۔ جو چیز کسی جنس سے بنائی جائے جیسے گندم سے آٹا تو وہ دونوں ایک ہی جنس سمجھی جائیں گی۔ لہٰذا اگر گندم اور اس کے آٹے کی باہمی خرید و فروخت کی جائے تو اس میں کمی و بیشی روا نہ ہوگی بلکہ اس صورت میں دونوں کا وزن برابر برابر ہونا ضروری ہوگا۔

مسئلہ ۲۔ اگر دو چیزیں متحد الجنس تو ہوں مگر ایک خشک ہو اور دوسری تر' جیسے تازہ اور خشک کھجور یا انگور و کشمش وغیرہ تو اگرچہ نص میں تو صرف کھجور کا تذکرہ آیا ہے بہرحال ان کی باہمی

بیع و شرا مساوی طور پر جائز ہے یا نہ؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے بعض اس معاملہ کی حرمت کے قائل ہیں مگر اظہر جواز مع الکراہت ہے و لعلّ الاشہر۔

مسئلہ ۳۔ جن چیزوں کے اصول کا نوعی نام ایک ہے ان کے فروع کا بھی وہی حکم ہوگا۔ بنابریں بھیڑ بکری کا دودھ اور گوشت ایک چیز اور گائے بھینس کا گوشت اور دودھ ایک متصور ہوگا۔ کیونکہ پہلے دونوں لفظ "غنم" اور دوسرے لفظ بقر کے تحت داخل ہیں اسی طرح ہر قسم کے اونٹ ایک قسم اور ہر قسم کے کبوتر ایک قسم سمجھے جائیں گے اور ان کے باہمی معاملہ میں کمی بیشی جائز نہ ہوگی۔

دوسری شرط = عوضین' کیل یا موزوں ہوں (ناپے یا تولے جاتے ہوں) یہ قول اشہر و اظہر ہے جس پر روایات مستفیضہ دلالت کرتے ہیں جیسے عبید بن زرارہ کی موثق روایت ہے۔ **قال سمعت ابا عبداللہؑ یقول لا یکون الربوا الا فیما یکال او یوزن** کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ فرما رہے تھے کہ سود صرف ان چیزوں میں ہوتا ہے جو ناپی یا تولی جاتی ہیں (کتب اربعہ) اسی طرح حلبی کی صحیح یا حسن روایت جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا۔ **لا باس ما لم یکن مکیلا او موزونا**" (کافی)

میں نے آپؑ سے دریافت کیا کہ آیا ایک بکری کے عوض دو بکریاں اور ایک انڈے کے بدلے دو انڈے لینے جائز ہیں؟ فرمایا کوئی حرج نہیں جب تک کیل یا موزوں نہ ہوں۔ بنابریں جن چیزوں کا معاملہ شمار کرکے کیا جاتا ہے جیسے انڈے یا روپے وغیرہ یا صرف دیکھ کر کیا جاتا ہے جیسے گائے بھینس اور بھیڑ بکری وغیرہ۔ ان میں کاروباری سود ثابت نہ ہوگا۔ لہٰذا ان کے باہمی معاملہ میں بنابر اشہر و اظہر کمی و بیشی جائز ہے اگرچہ احوط یہ ہے کہ اس معاملہ سے بھی اجتناب کیا جائے۔ واللہ العالم

مسائل و احکام = مسئلہ ا۔ مشہور بین الفقہاء (بل علیہ الاجماع) یہ ہے کہ باپ و بیٹے' آقا و غلام' میاں و بیوی اور مسلم و کافر کے درمیان سود نہیں ہے یعنی آخری صورت کے علاوہ سب ایک دوسرے سے سود لے بھی سکتے ہیں اور دے بھی کیونکہ (بوجہ خانہ واحدی ان میں کوئی فرق نہیں ہے) ہاں البتہ آخری صورت میں یعنی مسلم و کافر میں مسلمان کافر سے سود لے تو سکتا ہے مگر اسے دے نہیں سکتا۔ کتب اربعہ وغیرہ میں اس مضمون کی بہت سی روایات وارد ہیں لہٰذا اگرچہ یہ مسئلہ بے اشکال اور بے غبار ہے مگر بایں ہمہ چونکہ قرآن و سنت میں سود کی بڑی شدید

مذمت وارد ہوئی ہے جس کا ایک شمہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس لئے احوط یہ ہے کہ اس قسم کے سودی کاروبار سے بھی اجتناب کیا جائے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ تمام سابقہ مباحث کو پیش نظر رکھنے کے بعد جو رقم بنک سود کے نام سے اپنے شرکاء کو دیتا ہے اس کا حکم بھی واضح ہو جاتا ہے یعنی اگر سابقہ قواعد اور وزنی دلائل کی روشنی میں اسے دیکھا جائے تو اس کا جواز مترشح ہوتا ہے کیونکہ اولا" تو جو روپیہ بنک میں رکھا جاتا ہے وہ نہ تو قرضہ ہے اور نہ ہی بیع و شرا بلکہ بظاہر صرف بطور امانت ہے اور سود بنابر مشہور صرف بیع و شرا میں ہوتا ہے یا قرضہ میں۔ ثانیا" روپیہ نہ مکیل ہے نہ موزوں (نہ ناپا جاتا ہے اور نہ تولا جاتا ہے) بلکہ معدود ہے (شمار کیا جاتا ہے) اور سود صرف مکیل یا موزوں اشیاء میں ہوتا ہے۔ ثالثا"۔ روپیہ رکھنے والا پہلے شرط نہیں کرتا۔ بلکہ بنک از خود اپنی خوشی سے دیتا ہے اور اس سے کسی دوسرے مسلمان کا کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا اور متعدد احادیث میں وارد ہے کہ "الکلام یحرم والکلام یحلل" کہ کلام ہی معاملہ کو حلال کرتا ہے اور کلام ہی حرام کرتا ہے اور پیشگی شرط کے بغیر اضافہ کے جواز پر سب فقہاء کا اتفاق ہے۔ رابعا" جب حکومت شرعی نہ ہو تو اس سے اور بھی سہولت پیدا ہو جاتی ہے بہرکیف انہی وجوہ کی بناء پر موجودہ دور کے عام مراجع تقلید اس کے جواز کا فتوی دے رہے ہیں مگر بااین ہمہ احتیاط فی الدین۔ (وہو سبیل نجاۃ المومنین) کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے بھی اجتناب کیا جائے اور اگر بنک میں روپیہ رکھنا ہو تو صرف "کرنٹ" کے کھاتہ میں رکھا جائے۔ جسمیں اضافہ تو ہونے سے رہا بلکہ اصل روپیہ میں بھی کچھ کمی واقع ہو جاتی ہے یا پھر شراکتی کھاتہ میں رکھا جائے۔ جس میں نفع کی مقدار کم و بیش ہوتی رہتی ہے تیز آدمی نفع و نقصان میں شریک ہوتا ہے۔ (واللہ الموفق) باقی رہا وہ سود جو بنک قرض لینے والوں سے لیتا ہے تو اس کا لینا اور دینا بہرحال حرام ہے۔

تتمہ مہمہ = جو آدمی جہالت کی وجہ سے سودی کاروبار کرتا رہا ہے اور اب اس کی حرمت معلوم ہونے کے بعد اس سے تائب ہو جائے تو آیا اس پر سابقہ سودی روپیہ لوٹانا واجب ہے یا نہ؟ اس میں قدرے اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ جہالت کے زمانہ میں کمایا اور کھایا ہوا روپیہ معاف ہے اور اسی قول کو آیات و روایات کی تائید حاصل ہے۔

ارشاد قدرت ہے **فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتھی فلہ ما سلف** "جس شخص کے پاس خدا کا موعظہ پہنچا اور وہ اس کام سے باز آگیا تو جو گزر گیا ہے وہ اس کے لئے مباح ہے" مطلب

یہ کہ نہ اخروی عذاب ہے اور نہ دنیوی معاوضہ ہے جیسا کہ متعدد روایات میں وارد ہے۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ **سما مضی فحلال و ما بقی فلیتحفظ** جو گزر چکا وہ حلال ہے ہاں آئندہ احتراز کرے۔ (وسائل الشیعہ) "موعظہ" سے مراد توبہ ہے۔ (کما ورد فی الروایات) ہاں اگر جان بوجھ کر ایسا کیا ہے تو اس کی توبہ تب قبول ہوگی کہ جن لوگوں کا علم ہے ان کا مال ان کو واپس کرے اور جن کا علم نہ ہو۔ ان کی طرف سے وہ مال صدقہ دے اور ایک قول یہ ہے (جسکی بعض روایات سے تائید ہوتی ہے) کہ اگر اس مال کا خمس ادا کردے تو باقیماندہ مال حلال ہو جائے گا۔ انشاءاللہ (واللہ العالم) -

ایک مفید مشورہ = ایک مدت سے غلغلہ بلند ہو رہا ہے کہ حکومت بینکاری کے کاروبار کی اصلاح کر رہی ہے مگر عملی طور پر اصلاح احوال کی ہنوز کچھ بھی شکل نظر نہیں آتی۔ اگر ارباب حکومت تک ہماری نحیف آواز پہنچ سکے تو ہم عرض کریں گے کہ اگر بنک کے کاروبار کو "شرکت" یا "مضاربت" والے کاروبار کی شکل دے دی جائے۔ تو یہ اصلاح باسانی ہو سکتی ہے اور سودی کاروبار کی لعنت سے باسانی چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے۔ واللہ الموفق۔

بیع صرف یعنی سونے اور چاندی کی خرید و فروخت اور اس کے احکام

جب سونے کو سونے کے عوض اور چاندی کو چاندی کے عوض فروخت کیا جائے خواہ سکہ دار ہو یا غیر سکہ دار تو اس میں کمی بیشی جائز نہیں ہے خواہ سونا اور چاندی کی دونوں قسمیں ایک جیسی ہوں۔ یا ان میں سے ایک قسم اعلیٰ ہو اور دوسری ادنیٰ اور اگر تفاوت روا رکھا گیا تو سود کی وجہ سے معاملہ باطل ہو جائے گا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ہاں اگر سونے کو چاندی کے عوض یعنی چاندی کو سونا کے عوض فروخت کیا جائے تو پھر کمی بیشی جائز ہے الغرض سونے چاندی کی باہمی خرید و فروخت میں علاوہ بیع و شرا کے دوسرے شرائط کے (جو پہلے بیان کئے جا چکے ہیں) ایک شرط یہ بھی ضروری ہے کہ بائع و مشتری ایک دوسرے سے جدا ہونے سے پہلے عوضین کو ایک دوسرے کے حوالہ کریں۔ پس اگر اس شرط کی خلاف ورزی کی گئی تو معاملہ باطل متصور ہوگا۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر متبایعین کے جدا ہونے سے پہلے عوضین میں سے صرف بعض اجزاء کا قبض و

اقباض کیا گیا تو مشہور یہ ہے کہ صرف انہی بعض اجزاء میں معاملہ صحیح ہوگا اور دوسرے حصہ میں باطل۔ مگر اس صحیح حصہ میں بھی ان کو معاملہ کے فسخ کرنے کا اختیار ہوگا مگر حلبی کی صحیح السند روایت سے اصل معاملہ کا بطلان مترشح ہوتا ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ اگر ایک شخص سونے کے دینار کے عوض (چاندی) کے درہم خریدے (یعنی سونے کے عوض چاندی یا چاندی کے عوض سونا خریدے) اور قبل اس کے کہ وہ درہم اپنے قبضہ میں لے۔ ان سے آگے اور دینار خرید لے تو مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ یہ دوسرا معاملہ باطل ہوگا۔ کیونکہ جب تک وہ درہم قبضہ میں نہ لے وہ اس کی ملکیت میں داخل ہی نہیں تو ان سے اور کوئی چیز کس طرح خرید کر سکتا ہے اور اگر قبض و اقباض سے پہلے بائع و مشتری جدا ہو گئے تو پھر پہلا معاملہ بھی باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ اس میں علیحدگی سے پہلے قبض و اقباض شرط ہے۔ کما تقدم

مسئلہ ۳۔ جن (چاندی کے) درہموں میں کھوٹ ہو (یعنی ان میں کسی اور دھات کی ملاوٹ ہو) تو اگر بازار میں ان کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے تو ان کی بلا بتائے بیع و شرا جائز ہے لیکن اگر ان کے ساتھ معاملہ نہ کیا جاتا ہو تو پھر خریدار کو حقیقت حال کی اطلاع دیئے بغیر ان کے ذریعہ معاملہ کرنا جائز نہ ہوگا۔

مسئلہ ۴۔ جب سونے یا چاندی میں کھوٹ ہو تو ان کی غیر جنس کے ساتھ خرید و فروخت تو یقیناً جائز ہے۔ جیسے کھوٹے سونے کی فروخت چاندی کے عوض اور بالعکس۔ لیکن اپنے ہم جنس کے ساتھ بھی جائز ہے یا نہ؟ اس میں اختلاف ہے تحقیق یہ ہے کہ اگر کھوٹ کی مقدار معلوم ہو تو اسمیں جس قدر سونے یا چاندی کی مقدار موجود ہے اس کی اتنی ہم جنس مقدار کے ساتھ خرید و فروخت جائز ہے بلکہ اگر کھوٹ والے سونے یا چاندی سے خالص سونے یا چاندی کی مقدار زیادہ بھی ہو تو جائز ہے کیونکہ خالص کی جتنی مقدار زیادہ ہے وہ اس ملاوٹ والی دھات کے بالمقابل قرار دی جائے گی۔ بایں ہمہ ابن سنان کی ایک روایت کی بناء پر احوط یہ ہے کہ اس کھوٹ والی صورت میں صرف جنس مخالف کے عوض خرید و فروخت پر اکتفا کیا جائے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۵۔ سونے کی کان کی مٹی کی فروخت چاندی کے عوض اور چاندی کی کان کی مٹی کی فروخت سونے کے عوض بلا اشکال جائز ہے کیونکہ اس صورت میں اگر کمی بیشی ہو جائے تو سود لازم نہیں آتا اور اگر دونوں قسم کی مٹی کو ملا دیا جائے تو اس کی خالص سونے و چاندی کے عوض

بیع و شرا بھی جائز ہے۔

مسئلہ ۶۔ جہاں زرگر کام کرتے ہیں اور وہاں سونے چاندی کے ذرات مٹی کے ساتھ شامل ہوتے رہتے ہیں تو اگر زرگر کو یقین حاصل ہو جائے کہ اس کے اصلی مالک اس سے روگردانی کرچکے ہیں تو اس کے لئے اسے اپنی ملکیت قرار دینا درست ہوگا ورنہ جس کے مالک معلوم ہوں اسے ان کو واپس لوٹانا یا ان سے رضامندی حاصل کرنا اور جس کا مالک معلوم نہ ہو۔ اسے ان کی طرف سے بطور صدقہ دینا ضروری ہے بہرحال جب اسے فروخت کرنا چاہیں تو سونے کی مٹی کا تنہا سونے اور چاندی کی مٹی کا تنہا چاندی کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں سود لازم آتا ہے البتہ مخالف جنس کے ساتھ یا سونے اور چاندی ہر دو کے عوض معاملہ کرنا جائز ہے کیونکہ اسی طرح سود لازم نہیں آتا۔ کما لا یخفی۔

مسئلہ ۷۔ اگر موجودہ دور کے نوٹوں پر معاملہ کیا جائے تو آیا اس معاملہ میں کمی بیشی کرنے سے سود لازم آتا ہے یا نہ؟ تو اس سلسلہ میں بعض فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر معاملہ کرنے والوں نے اصل سونے یا چاندی پر معاملہ کیا ہے۔ (جس کے یہ نوٹ بدل ہیں) مگر مقام قبض و اقباض میں نوٹ لے دیئے ہیں تو اس صورت میں کمی بیشی جائز نہ ہوگی اور یہ بیع صرف متصور ہوگی اور اگر صرف کاغذ کے نوٹوں پر معاملہ کیا ہے تو یہ بیع صرف نہ ہوگی اور نہ ہی اس میں کمی و بیشی کرنے سے سود لازم آئے گا۔ جیسے دس کا نوٹ دے کر پندرہ روپے کے نوٹ لے لئے جائیں۔

(وسیلۃ النجاۃ) **والاحتیاط سبیل النجاۃ واللہ العالم**

مسئلہ ۸۔ سونے چاندی کے برتنوں کا جب وزن معلوم ہو تو انکی باہمی خرید و فروخت کرنا یعنی سونے کی سونے اور چاندی کی چاندی کے عوض جائز ہے۔ (جبکہ اس بیع و شرا سے مقصد ان برتنوں کا کھانے پینے میں استعمال کرنا مقصود نہ ہو) اور اس صورت میں کمی بیشی روا نہ ہوگی اور اگر دوسری جنس کے ساتھ معاملہ کیا جائے جیسے چاندی کے برتن کو سونے کے برتن کے عوض بیچا جائے تو پھر تفاضل و تفاوت جائز ہوگا کیونکہ اس طرح سود لازم نہیں آتا۔ وھو واضح

پھلوں اور سبزیوں کی خرید و فروخت اور اسکے احکام

جب کھجور کا پھل (ابھی کھجور کے اوپر ہو) فروخت کیا جائے تو اس کی کئی صورتیں ہیں یا تو اسے اس کے ظاہر ہونے سے پہلے فروخت کیا جائے گا۔ یا ظاہر ہونے کے بعد مگر دانہ کے سرخ

اور زرد ہونے سے پہلے اور پہلی صورت میں پھل کے ظاہر ہونے سے پہلے یا تو یہ بیع و شرا ایک سال کے لئے ہوگی۔ یا ایک سے زائد سالوں کے لئے اور پہلی شق میں جبکہ معاملہ ایک سال کے لئے ہو تو یہ معاملہ ضمیمہ کے ساتھ ہوگا یا ضمیمہ کے بغیر اور یا یہ معاملہ پھل کے ظاہر ہونے اور بدو صلاح (یعنی دانہ کے سرخ یا زرد ہونے) کے بعد ہوگا۔ ذیل میں ان تمام صورتوں کے احکام ترتیب وار بیان کئے جاتے ہیں۔

۱۔ یہ بیع پھل کے ظاہر ہونے سے پہلے ہو اور ہو بھی ایک سال کیلئے اور ضمیمہ کے بغیر ہو تو مشہور یہ ہے (بلکہ اس پر اجماع کا دعوی کیا گیا ہے) کہ یہ ناجائز اور باطل ہے اس پر بعض اخبار بھی دلالت کرتے ہیں مگر شیخ صدوق اور دیگر بعض فقہاء صرف کراہت کے قائل ہیں اس کے متعلق بھی بعض آثار موجود ہیں اس لئے یہ مسئلہ اشکال سے خالی نہیں ہے لہٰذا احتیاط واجب اس میں ہے کہ اس معاملہ سے اجتناب کیا جائے

۲۔ جب صورت حال یہی ہو جو اوپر مذکور ہے۔ مگر اس پھل کے ساتھ کوئی ایسا ضمیمہ شامل کرکے معاملہ بندی کی جائے جسے تنہا بھی فروخت کیا جا سکتا ہے تو اس کے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہے۔ صاحب مسالک نے دعوی کیا ہے کہ مشہور عدم جواز ہے۔ مگر چونکہ نصوص اہل بیت میں اس کے جواز کی صراحت موجود ہے۔ جیسا کہ کتب اربعہ میں سماعہ کی موثق روایت میں وضاحت موجود ہے تو اقوی یہ ہے کہ یہ صورت جائز ہے پس اگر بعد ازاں پھل برآمد ہو گیا تو فبہا ورنہ خریدار جو قیمت ادا کر رہا ہے وہ ضمیمہ کے بالمقابل متصور ہوگی۔

۳۔ جب صورت حال یہی ہو مگر معاملہ ایک سال سے زائد یعنی دو تین سال یا اس سے زیادہ عرصہ کیلئے کیا جائے تو اگرچہ اس صورت کے بارے میں بھی مشہور یہی ہے کہ یہ ناجائز ہے مگر متعدد روایات جیسے یعقوب بن شعیب اور سلیمان بن خالد' حلبی' ربعی اور علی بن جعفر کی صحیح السند روایات اس کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ جن میں یہ علت بیان کی گئی ہے۔ کہ اگر اس سال نہیں تو آئندہ سال تو ضرور پھلے گی۔ اور شیخ صدوق کے علاوہ علامہ حلی نے تذکرہ میں اور صاحب حدائق نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ وھوالاظہر۔

۴۔ پھل کے ظاہر ہونے کے بعد مگر بدو صلاح سے پہلے بغیر ضمیمہ کے ایک سال یا اس سے زائد مدت کے لئے معاملہ کیا جائے تو اسمیں تین قول ہیں (۱) کراہت (۲) حرمت مع البطلان (۳) اور آخر تک پھل کی سلامتی کا انتظار یعنی اگر پھل سلامتی کے ساتھ پروان چڑھ گیا تو فبہا ؟

ورنہ معاملہ باطل ہوگا۔ اگرچہ اقوی جواز ہے مگر احوط یہ ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے اور مزید احتیاط اس میں ہے کہ ضمیمہ کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے۔ ۵ ہاں اگر بدو صلاح یعنی پھل کے سرخ یا زرد ہونے کے بعد معاملہ کیا جائے تو پھر بہر حال بالاتفاق اس کی بیع و شرا جائز ہے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ا۔ جب کسی باغ میں بعض پھل پک چکے ہوں تو اس کے ساتھ اس باغ کے دوسرے پھلوں کو بھی بالاتفاق فروخت کیا جاسکتا ہے۔ جو ہنوز کچے ہوں ہاں اس میں اختلاف ہے کہ اگر ایک باغ کا پھل تیار ہو تو اس کے ساتھ دوسرے باغ کا پھل جو ابھی تیار نہیں ہوا فروخت کیا جا سکتا ہے۔ یا نہ؟ تو اس کا جواز اقوی ہے کیونکہ جب ضمیمہ ساتھ ضم ہوجائے تو غرر و دھوکہ کا احتمال ختم ہوجاتا ہے۔

مسئلہ ۲۔ دوسرے درختوں کے پھلوں جیسے انگور انار وغیرہ کا حکم بھی وہی ہے جو کھجور کے سلسلہ میں مذکور ہو چکا ہے جسکی صراحت بعض نصوص کے اندر موجود ہے۔

مسئلہ ۳۔ سبزیوں کا حکم یہ ہے کہ جب تک وہ ظاہر نہ ہوں تب تک ان کی بیع و شرا جائز نہیں ہے اور ظہور کے بعد بالاتفاق جائز ہے اور جو سبزیاں بار بار پودے کے ساتھ لگتی ہیں۔ (جیسے توری' ٹنڈے وغیرہ) تو معاملہ میں اس بات کی تصریح ہونی چاہئے کہ کتنی بار کا معاملہ کیا جارہا ہے تاکہ نہ تو بیع و شرا میں کوئی ابہام رہے اور نہ ہی بعد میں کوئی باہمی نزاع واقع ہو۔ واللہ العالم

مسئلہ ۴۔ جب کھجور کے درخت یا انگور کے بیل پر پھل لگ چکا تھا کہ مالک نے اصل درخت اور بیل فروخت کردیئے تو آیا پھل بھی درخت کے ساتھ مشتری کی ملکیت میں داخل ہو جائے گا یا بائع کی ملکیت میں باقی رہے گا؟ مشہور یہ ہے کہ جب تک مشتری شرط نہ کرلے اس وقت تک وہ پھل بائع کی ملکیت متصور ہوگا اور مشتری پر واجب ہوگا کہ اس کے پکنے تک اسے باقی رکھے اور اگر پھل لگنے سے پہلے درخت فروخت کردیا گیا تو بعد میں لگنے والا پھل یقیناً" خریدار کا سمجھا جائے گا۔

مسئلہ ۵۔ جب مالک وہ کھجور یا انگور یا کو وغیرہ فروخت کرے جو ہنوز درختوں پر ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ کسی ایک یا چند درختوں کا پھل یا مجموع میں سے مشاع حصہ جیسے نصف یا ثلث مثلاً" یا کوئی مخصوص مقدار جیسے ایک من یا دو من اپنے لئے مستثنیٰ قرار دے دے۔ جیسا کہ نصوص و فتاوی اس کے جواز پر دلالت کرتے ہیں۔

مسئلہ ۶۔ اگر مالک بدو صلاح کے بعد پھل فروخت کرے اور قبل اس کے کہ مشتری اسے قبضہ میں لے لے۔ بائع اسے تلف کردے یا کسی ناگہانی آفت سے تلف ہو جائے تو یہ مالی نقصان بائع کا متصور ہوگا اور اگر خود مشتری تلف کرے تو پھر یہ نقصان اسی کا سمجھا جائے گا۔

مسئلہ ۷۔ بیع مزابنہ اور محاقلہ کا بیان = اگر کوئی شخص کھجور کا پھل (جو ابھی درخت کے اوپر ہے) اسی کھجور کے پھل کے عوض یا کسی اور کھجور کے عوض فروخت کرے تو اسے "بیع مزابنہ" کہا جاتا ہے جو بناء بر مشہور حرام ہے اور اگر گندم وغیرہ کا کھیت اس کھیت سے حاصل شدہ گندم یا دوسری گندم کے عوض فروخت کیا جائے تو اسے "بیع محاقلہ" کہا جاتا ہے یہ بھی علی المشہور ناجائز ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ اگر اسی کھجور کے پھل یا اسی کھیت کی آمدنی کے عوض فروخت کیا جائے تو یہ تو یقیناً" بیع مزابنہ و محاقلہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور اگر یہ معاملہ ہو تو اس جنس کے ساتھ مگر دوسرے درخت یا دوسرے کھیت کی آمدنی سے تو پھر اس معاملہ کا جواز قوت سے خالی نہیں ہے مگر احتیاط واجب یہ ہے کہ اس معاملہ سے احتراز کیا جائے۔ واللہ العالم

آیا دوسرے درختوں اور ان کے پھلوں کا حکم بھی کھجور والا ہے؟ اس میں اختلاف ہے اگرچہ ان میں جواز قوت سے خالی نہیں ہے مگر علت منصوصہ کی وجہ سے احوط یہی ہے کہ ایسے معاملہ سے اجتناب کیا جائے۔

مسئلہ ۸۔ بیع مزابنہ سے ایک صورت بالاتفاق مستثنیٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی کھجور کسی اور شخص کے گھر یا باغ میں ہو تو اس کے پھل کا اندازہ کرکے اتنی مقدار اور گھر یا باغ والے کی کھجوروں سے یا ایک قول کے مطابق اسی کھجور کے پھل سے لے لے اور یہ فروخت کردے تو جائز ہے۔

مسئلہ ۹۔ جب کوئی کھجور وغیرہ کا درخت دو یا دو سے زائد افراد کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے ایک شریک۔ کچھ دے کر دوسروں کا حصہ لے لے تو یہ جائز ہے۔ "اسے قبالہ" کہا جاتا ہے۔ یہ بیع و شرا نہیں ہے بلکہ یہ ایک علیحدہ معاملہ ہے۔

مسئلہ ۱۰۔ کھڑی فصل کا خواہ اس کے کاٹنے کا وقت آچکا ہو یا ابھی نہ آیا ہو اسکی خرید و فروخت جائز ہے اب خریدار کی منشاء پر منحصر ہے کہ اسے باقی رکھ کر اس سے اناج حاصل کرے یا بطور چارہ کاٹ کر حیوانات کو کھلا دے یا آگے اسے فروخت کردے۔

حیوان صامت و ناطق کی خرید و فروخت کا بیان اور اسکے احکام

اس مقام پر عام فقہاء عظام نے غلاموں اور کنیزوں کی بیع و شرا کے تفصیلی احکام بیان کئے ہیں مگر آج کل چونکہ غلاموں اور کنیزوں کا سلسلہ موقوف ہے اس لئے انسب یہ ہے کہ اس غیر اہم موضوع پر زور قلم صرف کرنے کی بجائے دوسرے اہم موضوعات پر وقت و علم صرف کیا جائے۔ ورنہ اگر بیان کی طوالت اور قارئین کی ملالت کا خوف دامنگیر نہ ہوتا تو یہاں "اسلام میں غلامی کے تصور" پر سیر حاصل بحث کرکے اس مسئلہ کی اصل حقیقت واضح کی جاتی۔ ہاں البتہ عنوان بالا کے تحت صرف چند عناوین و مسائل کا بڑے اختصار کے ساتھ یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ کافر اصلی کو جبکہ اہل اسلام کی امان میں نہ ہو۔ بہر طور غلام بنانا جائز ہے۔

مسئلہ ۲۔ کوئی انسان اپنے آباؤ اجداد اور اولاد و احفاد کا اور ان کا جن کے ساتھ شرعاً اس کا نکاح حرام ہے مستقل مالک نہیں بن سکتا۔ یعنی ادھر ایسے لوگ اس کی ملکیت میں داخل ہوں گے اور ادھر خود بخود آزاد ہو جائیں گے۔

مسئلہ ۳۔ مشہور یہ ہے کہ جو بچہ دارالحرب سے پڑا ہوا ملے اسے مملوک (غلام) سمجھا جائے گا بشرطیکہ اس دارالحرب میں کوئی مسلمان موجود نہ ہو جسکی طرف اس بچہ کی نسبت دی جاسکے مگر عترت اطہارؑ کے اخبار سے اس قول کی تائید نہیں ہوتی بلکہ ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس بچہ کو آزاد تصور کیا جائے گا۔ واللہ العالم

ہاں اگر خود وہ بچہ عاقل و بالغ ہو کر یا کوئی اور شخص اپنی غلامی کا اقرار کرے تو بنابر اشہر و اظہر اس کا اقرار مسموع ہوگا اور اگر بعد ازاں اس اقرار سے مکر جائے تو اس کا انکار قابل توجہ نہ ہوگا۔

مسئلہ ۴۔ اگر حاملہ حیوان یا کنیز کو فروخت کیا جائے تو مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ حمل بائع کی ملکیت متصور ہوگا۔ مگر یہ کہ مشتری اس کے مبیع میں داخل ہونے کی پیشگی شرط عائد کردے تو پھر وہ اسی کا مال سمجھا جائے گا۔

مسئلہ ۵۔ غلام کے کسی چیز کے مالک ہونے یا نہ ہونے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے مگر حق یہ ہے کہ وہ مالک تو ہو سکتا ہے مگر اپنے مالک کی اجازت کے بغیر اس مال میں کسی قسم کا کوئی تصرف نہیں کر سکتا (یعنی وہ ممنوع التصرف ہے اسی وجہ سے غلام پر زکوۃ واجب نہیں ہے)۔

مسئلہ ۶۔ جس کنیز کے ساتھ مالک نے مقاربت کی ہو اسے فروخت کرنے سے پہلے اس کا استبراء کرنا واجب ہے یعنی ایک حیض تک یا (حیض کے نہ آنے کی صورت میں جبکہ حیض کے سن و سال میں ہو) تو ۴۵ دن تک انتظار کیا جائے گا تاکہ معلوم ہو سکے کہ کہیں حاملہ تو نہیں ہے اور اگر مالک استبراء نہ کرے تو پھر خریدار پر استبراء واجب ہوگا۔ ہاں چند صورتوں میں یہ حکم ساقط ہے (۱) جبکہ یہ کنیز کسی عورت کی ہو۔ (۲) جب یائسہ ہو (۳) جب صغیرہ ہو (۴) جب حاملہ ہو۔ (۵) جب حائض ہو۔

مسئلہ ۷۔ حیوان ہو یا کنیز و غلام جس طرح اس کے پورے جسم کی بیع و شرا جائز ہے اسی طرح اسکے کسی مشاع حصہ جیسے نصف یا ثلث یا ربع کی خرید و فروخت بھی جائز ہے ہاں البتہ اس کے کسی خاص عضو جیسے سر یا چمڑا وغیرہ کا استثناء جائز نہیں ہے البتہ اگر وہ حیوان کسی قصاب وغیرہ نے ذبح کرنے کے لئے خریدا ہو تو پھر اس استثناء کا جواز بھی قوت سے خالی نہیں ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۸۔ جب خریدنے کے بعد معلوم ہو کہ حیوان میں کوئی عیب ہے تو اس کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) یہ عیب بیع و شرا سے پہلے موجود تھا مگر خریدار کو اب علم ہوا تو اس صورت میں اسے اختیار ہوگا کہ اسے واپس کر دے یا "ارش" (کمی کا تاوان) لے کر قبول کرے۔ (۲) عقد کے بعد اور قبض سے پہلے پیدا ہوا تو بناء بر مشہور اس کا حکم بھی پہلی شق والا ہے۔ (۳) اور اگر عقد کے بعد اور قبض سے پہلے حیوان مر جائے تو یہ بائع کا مال متصور ہوگا اور مشتری اپنی ادا کردہ قیمت واپس لے سکے گا۔ (۴) اگر عقد و قبض و اقباض کے بعد اور تین دن گزر جانے کے بعد وہ عیب پیدا ہو تو اب وہ معاملہ نہیں توڑا جا سکے گا۔ واللہ العالم

مبیع (فروخت کردہ مال) میں کیا کیا داخل ہوتا ہے؟

جب کوئی چیز فروخت کی جائے تو اس میں کیا کیا چیز داخل سمجھی جائے گی؟ اس کا معیار وہ

الفاظ ہیں جو بیع و شرا کے وقت استعمال کیے گئے ہیں اگر ان الفاظ کا بطور حقیقت شرعیہ کوئی مفہوم متعین ہے تو انہیں اس پر محمول کیا جائے گا۔ ورنہ عرفاً" و لغۃ جو ان الفاظ کا مفہوم ہے وہ مراد لیا جائے گا۔ مثلاً" اگر زمین فروخت کی جائے تو اس میں جو درخت یا زراعت موجود ہے وہ داخل نہیں سمجھی جائے گی اور نہ وہ سازو سامان اس میں داخل ہوگا جو وہاں موجود ہے اور اگر باغ فروخت کیا جائے تو اس میں زمین' درخت اور اسکے ارد گرد والی دیوار داخل نہیں سمجھی جائے گی اور اگر کوئی مکان فروخت کرے تو اس کا وہ بالائی حصہ اس میں داخل نہیں ہوگا جس کا راستہ' الگ ہے اور عرف میں ایک مستقل مکان متصور ہوتا ہے ہاں البتہ اگر خریدار یہ شرط عائد کرے کہ وہ زمین خرید رہا ہے اس چیز سمیت جو زمین میں موجود ہے یا مکان کو اس کے تمام فوقانی و تحتانی حصوں سمیت خرید رہا ہے تو پھر یہ سب چیزیں اس میں داخل سمجھی جائیں گی اسی طرح جس کھجور پر بور لگ چکا تھا کہ فروخت کی گئی تو پھل بائع کا ہوگا اور اگر ابھی بور نہیں لگا تھا کہ فروخت کردی گئی تو پھل مشتری کا سمجھا جائے گا اور اگر ایک آدمی نے باغ میں سے ایک یا چند کھجوریں مستثنیٰ کی ہیں تو اسے خریدار کو آنے جانے کا راستہ اور پھل توڑنے کا موقع فراہم کرنا پڑے گا۔

قبض و اقباض کا بیان اور اس کے احکام

جب بیع و شرا ہو جائے تو ہر دو فریق پر واجب ہے کہ عوضین ایک دوسرے کے حوالے کردیں یعنی بائع بیچا ہوا مال خریدار کے حوالے کرے اور خریدار قیمت بائع کے حوالے کرے مگر یہ کہ خود تاخیر کی شرط لگائیں اور اگر ایک فریق عوض دوسرے کے حوالہ کردے تو دوسرے پر بھی واجب ہوگا کہ وہ بھی بلا تاخیر دوسرے کا مال اس کے سپرد کرے اور اگر وہ تاخیر کرے گا تو حاکم شرع اسے تحویل سپردگی پر مجبور کرے گا۔

اب رہی یہ بات کہ قبض کا طریقہ کار کیا ہے؟ تو اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ چیز جس کا قبضہ دینا ہے کیسی ہے؟ یعنی اگر وہ منقول ہے اور از قسم مکیل و موزون یا معدود ہے تو اسے ناپ تول کر اور شمار کرکے حوالے کیا جائے گا اور اگر حیوان یا غلام وغیرہ ہے تو اس کی باگ ڈور اسکے سپرد کی جائے گی اور اگر غیر منقول ہے تو اس سے اپنا قبضہ اٹھا لیا جائے گا۔ یعنی اگر اس کا کچھ سازو سامان وغیرہ وہاں رکھا ہے تو وہ اسے وہاں سے اٹھا لے گا الغرض اگر مکان ہے تو

اس کی چابی خریدار کے حوالے کرے گا اور اگر زمین ہے تو اس سے خود دست بردار ہو جائے گا اور اسے خالی کردے گا۔

توضیح = خریدی ہوئی چیز قبضہ میں لینے سے پہلے دوسری جگہ فروخت کی جاسکتی ہے یا نہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ چیز کیلی و موزون نہیں ہے تو اس کی بیع جائز ہے اور اگر کیلی یا موزوں ہے تو بناء بر مشہور و منصور جائز نہیں ہے مگر یہ کہ بطور بیع تولیہ (اصل لاگت کے مطابق) فروخت کی جائے تو پھر جائز ہے اور اگر بیع کے علاوہ کسی اور سبب جیسے مہر و میراث اور ہبہ وغیرہ کی وجہ سے حاصل ہو تو پھر اسکی بیع و شرا بھی قبضہ سے پہلے جائز ہے۔ **(هذا هوا لمستفاد من احاديث الباب)**

اور اگر قبضہ سے پہلے مال تلف ہو جائے تو وہ مال بائع کا متصور ہوگا اور اگر وہ قیمت وصول کرچکا ہے تو اس صورت میں اس پر لازم ہوگا کہ وہ خریدار کو واپس لوٹائے۔ واللہ الموفق

(خیارات اور ان کے اقسام)

قاعدہ کے مطابق بیع و شرا عقود لازمہ میں سے ایک عقد لازم ہے کیونکہ شارع اقدس نے اسے اس لئے مقرر کیا ہے کہ بائع کا مال مشتری کی طرف اور مشتری کا مال بائع کی طرف منتقل ہو جائے اور وہ دونوں اس مال میں دلجمعی کے ساتھ تصرف کرسکیں اور معاملہ کے ٹوٹنے کا کوئی اندیشہ نہ ہو ہاں البتہ چونکہ بعض صورتوں میں (جنکی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔ انشاءاللہ) بائع یا مشتری کو اس بیع و شرا سے نقصان پہنچتا ہے اس لئے شرع انور میں اس کی تلافی "خیار" کے ذریعہ سے کی گئی ہے یعنی بعض حالات میں ہر دو فریق کو معاملہ توڑنے کا حق حاصل ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں صرف بائع کو یہ حق دیا گیا ہے اور بعض احوال میں صرف مشتری کو یہ اختیار سونپا گیا ہے کہ خواہ معاملہ کو ختم کرکے اپنی قیمت واپس لے لے یا بائع سے کمی کا "ارش" (تاوان) وصول کرکے اپنے نقصان کا جبران کرلے۔ ان خیارات کی تعداد میں گو قدرے اختلاف ہے مگر جن کا خصوصی تذکرہ نصوص و فتاوی کے اندر موجود ہے وہ آٹھ ہیں جو ذیل میں بالترتیب درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) خیار مجلس = جب تک بائع و مشتری (یا ان کے وکیل) معاملہ کرنے کے بعد ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں جائیں اس وقت تک دونوں کو معاملہ کے توڑنے کا حق حاصل ہے حضرت رسول خدا

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ **البیعان بالخیار مالم یفترقا** "بائع و مشتری کو معاملہ توڑنے کا اختیار ہے جب تک ایک دوسرے سے الگ نہ ہو جائیں۔ (کتب اربعہ)

ہاں تین صورتوں میں یہ خیار ساقط ہو جاتا ہے۔

(۱) عقد کے ضمن میں اس خیار کے سقوط کی شرط عائد کر دی جائے۔

(۲) بائع یا مشتری یا ہر دو ثمن و مثمن میں تصرف کریں۔ کیونکہ ایسا کرنے سے بعض اوقات سرے سے عقد ہی باطل ہو جاتا ہے جیسے بائع کا مثمن (فروخت کردہ مال میں) یا مشتری کا ثمن (قیمت) میں تصرف کرنا اور بعض اوقات اس سے معاملہ اس قدر پختہ ہو جاتا ہے کہ اس میں خیار کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی جیسے بائع کا ثمن (قیمت) میں اور مشتری کا مثمن (اصل مال) میں تصرف کرنا۔

(۳) بائع و مشتری کا ایک دوسرے سے جدا ہو جانا اگرچہ چند قدم کا فاصلہ ہی کیوں نہ ہو۔ جہاں دونوں نے معاملہ کیا تھا اگر وہاں سے چلے جائیں مگر ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں ہوں بلکہ ان کے درمیان جس قدر فاصلہ عقد کے وقت تھا اتنے ہی فاصلہ پر اکٹھے چلے جائیں تو یہ خیار باقی رہے گا۔

توضیح = یہ سب تو اس صورت میں تھا کہ بائع و مشتری یا ان کے وکیل دو ہوں لیکن اگر ایک شخص دونوں کا وکیل ہو کر معاملہ کرے تو آیا اس صورت میں بھی یہ خیار ہوگا یا نہ؟ اس میں شدید اختلاف ہے چونکہ اس مسئلہ میں کوئی نص موجود نہیں ہے اور عقلی وجوہ' ذہنی استخراجات اور خیالی تعلیلات پر احکام شرعیہ کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی اس لئے اس میں توقف ہی اولیٰ ہے۔

فانا فی ھذہ المسئلہ من المتوقفین۔ واللہ العالم

(۲) خیار الحیوان = یعنی جو شخص کسی حیوان (صامت) یا حیوان ناطق (غلام یا کنیز) کو خریدے اسے عقد کے وقت سے لے کر پورے تین دن تک اختیار حاصل ہے کہ جب چاہے معاملہ کو ختم کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ حیوانات میں بعض عیب تو ایسے ہوتے ہیں جو ظاہر بظاہر نظر آجاتے ہیں مگر بعض ایسے پوشیدہ نقص بھی ہوتے ہیں جن کا تجربہ کئے اور کچھ وقت تک قریب سے دیکھے بغیر پتہ نہیں چل سکتا۔ اس لئے شریعت مقدسہ نے تین دن کی مدت خیار مقرر کی ہے تاکہ نقصان کی صورت میں اس نقصان کا جبران ہو سکے۔

اس بیان سے واضح و عیاں ہے کہ یہ خیار صرف خریدار کے ساتھ مختص ہے جیسا کہ

متعدد روایات میں وارد ہے۔ **الخیار فی الحیوان ثلاثتہ ایام للمشتری** (وسائل وغیرہ) ہاں ایک صورت میں یہ خیار بائع کو بھی حاصل ہو سکتا ہے جبکہ خریدار نے خریدا بھی حیوان ہو اور قیمت میں دیا بھی کوئی حیوان ہو۔ چنانچہ محقق فقہاء نے روایت صادقؑ **المتبایعان بالخیار ثلاثتہ ایام فی الحیوان** کو اسی صورت پر محمول کیا ہے۔ الغرض اس صورت میں بائع و مشتری ہر دو کو یہ اختیار حاصل ہو گا اور اگر کوئی شخص کوئی مال و متاع فروخت کرے اور اس کے عوض قیمت میں خریدار سے حیوان لے تو یہاں صرف بائع کو یہ خیار ہو گا۔ نتیجہ الکلام اینکہ جدھر حیوان جائے گا۔ یہ خیار بھی ادھر ہی جائے گا۔

یہ خیار بھی تین طریقہ سے ساقط ہو جاتا ہے (۱) عقد کے ضمن میں اس کے سقوط کی شرط عائد کی جائے۔ (۲) عقد کے بعد اسے ساقط کر دیا جائے۔ (۳) بیع و شرا کے بعد جب ثمن و مثمن میں کوئی تصرف کیا جائے۔

۳۔ خیار شرط = یعنی بائع و مشتری عقد کے وقت جو جائز شرط عائد کریں اس شرط کو پورا کرنا واجب ہو گا اور اگر کوئی فریق اسے پورا نہ کرے تو حاکم شرع اسے ایفائے شرط پر مجبور کرے گا اور بصورت دیگر دوسرے فریق کو معاملہ کے توڑنے کا حق حاصل ہو گا۔ علاوہ اتفاق فقہاء کے اس کی عمومی دلیل آئمہ اہل بیتؑ کا یہ ارشاد ہے۔ **المسلمون عند شروطھم الا کل شرط خالف کتاب اللہ عزو جل فلا یجوز**

مسلمانوں کو اپنی شرطیں پوری کرنا چاہئیں۔ سوائے اس شرط کے جو کتاب خدا کے خلاف ہو کہ وہ جائز نہیں ہے۔ (فروع کافی و تہذیب وغیرہ)

اس شرط میں یہ کوئی قید نہیں ہے کہ وہ صرف بائع یا مشتری کے ہی متعلق ہو بلکہ ایک تیسرے شخص کے متعلق بھی ہو سکتی ہے کہ اگر اس نے اس معاملہ کو ناپسند کیا تو ہم اس معاملہ کو توڑ دیں گے۔ ثمن یا مثمن کے بہ دیر یا سویر سپردگی کی شرط بھی عائد کی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ مدت معین ہو مجہول نہ ہو۔ اسی طرح بائع کو یہ شرط عائد کرنے کا بھی حق حاصل ہے کہ اگر فلاں مدت تک اس نے مشتری کو اس کی ادا کردہ قیمت واپس کر دی تو پھر مال اس کا ہو جائے گا۔ اسی طرح یہ شرط بھی جائز ہے کہ فلاں مدت تک اگر ہم چاہیں گے تو معاملہ ختم کر دیں گے۔ **الی غیر ذلک من الشروط السائغہ**

توضیح = مشہور یہ ہے کہ سوائے نکاح، طلاق، غلام آزاد کرنے اور کسی کو حقوق سے بری الذمہ

کرنے کے دوسرے تمام معاملات میں شرط مقرر کرنا جائز ہے ہاں البتہ ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو (جسے خلاف شرع شرط کہا جاتا ہے) جیسے مثلاً "گھوڑا فروخت کرنے والا شرط عائد کرے کہ اس پر سوار نہ ہونا۔ یا لونڈی فروخت کرنے والا شرط عائد کرے کہ اس کے ساتھ مقاربت نہ کرنا وغیرہ وغیرہ تو یہ شرط ناجائز ہے اور ناقابل عمل۔

۴۔ خیار غبن = اس سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کو اسکی اصلی قیمت سے اسقدر زیادہ داموں پر یا اسقدر کم قیمت پر فروخت کیا جائے جس سے عادۃً درگذر نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً" اگر سو روپے کی چیز پچانوے روپے میں فروخت کردی جائے یا پچانوے کی سو میں تو اس تفاوت کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے لیکن اگر سو روپیہ کی چیز ڈیڑھ سو روپیہ میں یا ڈیڑھ سو روپیہ کی چیز سو روپیہ میں فروخت کی جائے تو اس قدر تفاوت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا جس فریق کو نقصان ہوا سے شرعاً" یہ حق حاصل ہے کہ چاہے تو اس معاملہ کو بحال رکھے اور چاہے تو اسے توڑ دے بشرطیکہ معاملہ کرتے وقت اسے اصل صورت حال کا علم نہ ہو یہاں "ارش" (تاوان) نہیں ہے اور اگر غبن کرنے والا تلافی کرنے پر آمادہ ہو تو بناء بر مشہور اس سے خیار غبن ساقط نہیں ہوگا۔ لہٰذا اگر ایک شخص کو معاملہ کرتے وقت اصل قیمت کا علم تھا اور اس کے باوجود اس نے یہ گھاٹے والا سودا کیا تو اسے یہ خیار حاصل نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر بیع و شرا کے وقت تو قیمت وہی تھی جس پر معاملہ کیا گیا مگر بعد میں قیمت اس سے کم یا زیادہ ہوگئی تو اس کا بھی معاملہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور اس صورت میں یہ خیار عائد نہ ہوگا۔

۵۔ خیار تاخیر = قبل ازیں قبض و اقباض کے مسئلہ میں بیان کیا جاچکا ہے کہ نقد بیع و شرا کے بعد قبض و اقباض واجب ہے یعنی بائع پر واجب ہے کہ وہ فروخت کردہ مال خریدار کے حوالے کرے اور خریدار پر واجب ہے کہ وہ قیمت بائع کے سپرد کرے اور اگر ہر دو فریق قبض و اقباض میں تاخیر اور پس و پیش کریں یا ان میں سے ایک فریق تاخیر و تعویق کرے تو صرف تین دن تک انتظار کیا جائے گا لہٰذا جس فریق کی طرف سے دیر ہو رہی ہے اگر اس نے ثمن یا مثمن دوسرے کے حوالے کردیا تو فبہا ورنہ دوسرے فریق کو معاملہ توڑنے کا حق حاصل ہوگا مگر تین شرطوں کے ساتھ (۱) ثمن (قیمت) پر قبضہ نہ کیا گیا ہو (۲) مثمن (اصل مال) پر قبضہ نہ کیا گیا ہو۔ (۳) ثمن یا مثمن کی سپردگی میں تاخیر کی شرط مقرر نہ کی گئی ہو۔ ورنہ مقررہ مدت تک انتظار لازم ہوگا۔ یہ خیار بھی منصوص ہے اور بکثرت احادیث میں اس کی صراحت و وضاحت موجود ہے۔

توضیح = جو چیزیں بالعموم ایک شبانہ روز تک پڑے رہنے سے خراب ہو جاتی ہیں جیسے انگور، سبزی اور گوشت وغیرہ تو اگر ان چیزوں کا معاملہ کیا گیا اور خریدار نے قیمت ادا نہ کی تو شام تک اس کا انتظار کیا جائے گا بشرطیکہ اس تاخیر کی شرط نہ کی گئی ہو پس اگر اس نے قیمت بائع کے حوالہ کردی تو فبہا ورنہ بائع کو معاملہ توڑنے کا حق حاصل ہوگا اور اگر چاہے تو اصل مال میں تصرف کرے اور اگر چاہے تو اس چیز کو اپنی حالت میں رہنے دے۔ (خواہ بالکل خراب ہی ہو جائے) اور قیمت خریدار سے وصول کرے۔ دراصل یہ خیار سابقہ خیار کا ہی ایک شعبہ ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ جو اشیاء جلد خراب نہیں ہوتیں ان میں انتظار کی مدت تین دن ہے اور جو جلدی خراب ہو جاتی ہیں ان کی مدت انتظار صرف ایک دن ہے لہٰذا جن فقہاء نے اسے ایک مستقل قسم کا خیار شمار کیا ہے ان سے تسامح ہوا ہے۔ سامحم اللہ۔ فتامل۔ مخفی نہ رہے کہ یہ خیار صرف اس صورت میں ہے کہ جب نہ بائع نے مال مشتری کے حوالہ کیا ہو اور نہ خریدار نے قیمت بائع کے سپرد کی ہو اگر دونوں میں سے کوئی ایک فریق ثمن یا مثمن دوسرے کے حوالے کرے تو پھر وہاں یہ خیار عائد نہ ہوگا۔

۶۔ خیار رؤیت = یعنی جس شخص نے دیکھے بغیر صرف اوصاف سن کر کسی چیز کی خرید و فروخت کی ہو اور دیکھنے کے بعد معلوم ہو کہ وہ چیز اس طرح نہیں ہے جس طرح بیان کی گئی تھی اب اس کا دو طرح سے تصور ہو سکتا ہے۔ (۱) یا تو اس وصف سے زائد ہو (جس کی وجہ سے اس کی قیمت بھی زیادہ ہونی چاہیے) (۲) یا اس وصف سے کم ہو (اس طرح اس کی قیمت بھی کم ہونی چاہیے) پہلی صورت میں بائع کو معاملہ توڑنے کا حق حاصل ہے اور دوسری شق میں خریدار کو یہ حق حاصل ہے یہ مسئلہ بھی علاوہ اجماعی ہونے کے منصوص ہے اور نصوص کثیرہ میں تصریحاً" و تلویحاً" اس کا ذکر موجود ہے۔

۷۔ خیار عیب = یعنی معاملہ کرنے کے بعد معلوم ہو کہ اصل مال میں کوئی عیب موجود ہے اور یہ عیب بھی عقد سے پہلے موجود تھا اب دیکھا جائے گا کہ یہ علم اس چیز میں تصرف کرنے سے پہلے ہوا ہے یا بعد میں؟ پس اگر پہلے معلوم ہو تو خریدار کو یہ حق حاصل ہے کہ اس چیز کو واپس کرے اپنی ادا کردہ قیمت واپس لے لے اور اگر تصرف کرنے کے بعد معلوم ہو تو اسے یہ حق تو حاصل ہے کہ عیب کی وجہ سے قیمت میں جس قدر کمی ہوئی ہے اس کا مالک سے ارش (معاوضہ) لے مگر اسے اس معاملہ کو توڑنے کا حق نہیں ہے مگر یہ معاملہ کنیز کا ہو اور خریدار کو

مقاربت کے بعد معلوم ہو کہ وہ حاملہ ہے تو صرف اس صورت میں وہ معاملہ توڑ سکتا ہے لیکن وہ اس صورت میں اس کنیز کی قیمت کا بیسواں حصہ بھی واپس کرے گا۔ (کہ یہ مقاربت کا معاوضہ ہے)

مخفی نہ رہے کہ عیب سے ہر وہ کمی یا زیادتی مراد ہے جو اصل خلقت سے کم یا زائد ہو جیسے جذام' برص جنون' لنگڑا پن' اندھا پن اور گونگا و بہرہ پن وغیرہ الغرض اس سے مراد وہ نقص ہے جس سے قیمت میں کمی واقع ہو جائے جو تفصیل ہم نے بیان کی ہے نصوص سے یہی مترشح ہوتی ہے اور یہی تحقیق محقق اردبیلیؒ اور محقق بحرانی کی ہے ورنہ عام فقہاء کرام کے کلام میں تو صرف اس قدر ہے کہ عیب کی صورت میں خریدار کو حق حاصل ہے کہ وہ معاملہ توڑ دے یا عیب کا معاوضہ لے کر اس معاملہ پر راضی ہو جائے۔ نیز اگر یہ عیب عقد کے بعد اور قبضہ لینے سے پہلے ظاہر ہو تو اس سے معاملہ کے فسخ کرنے پر تو اتفاق ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ارش (عیب کا معاوضہ) لے کر معاملہ کو بحال رکھا جاسکتا ہے یا نہ؟ چنانچہ بعض فقہاء جواز کے قائل ہیں اور بعض عدم جواز کے ہم ابھی اوپر بیان کرچکے ہیں کہ نصوص سے ارش لینے کا جواز صرف تصرف کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ قبضہ سے پہلے مشتری نے کوئی تصرف نہیں کیا۔ اس لئے اظہر یہ ہے کہ اس صورت میں ارش لینا جائز نہیں ہے۔ واللہ العالم

توضیح :۔ اس معاوضہ کے لینے کا طریقہ یہ ہے کہ اس چیز کی صحیح حالت میں بھی قیمت مقرر کی جائے اور عیب والی حالت میں بھی پھر دیکھا جائے کہ اس دوسری قیمت کی پہلی قیمت سے کیا نسبت ہے؟ نصف یا ثلث یا کچھ اور؟ پھر اس ادا کردہ قیمت میں سے اسی نسبت کے حساب سے واپس لی جائے۔ مثلاً" ایک چیز کی قیمت جبکہ صحیح ہو سو روپیہ ہو اور عیب دار حالت میں پچاس۔ ظاہر ہے کہ پچاس سو کا نصف ہے لہذا وہ جس قدر قیمت صحیح کی ادا کرچکا ہے (خواہ سو ہو یا کم و بیش) اس کا نصف واپس لے لے گا اور معاملہ بحالہ قائم رہے گا۔ نصوص و فتاوی میں تصریح موجود ہے کہ چند عیوب ایسے ہیں کہ اگر وقت خرید سے لے کر ایک سال کی مدت کے اندر بھی پیدا ہو جائیں تو تب بھی معاملہ توڑا جاسکتا ہے اگرچہ توڑا سال کے بعد ہی جائے اور وہ یہ ہیں جنون' جذام' برص اور قرن (عورت کے اندام نہانی میں سینگ نما ایک ہڈی پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ مقاربت کے قابل نہیں رہتی) اسی لئے انہیں (احداث السنہ) کہا جاتا ہے (کافی تہذیب اور خصال وغیرہ)

اگر کوئی شخص مال فروخت کرتے وقت یہ اعلان کر دے کہ میں عیب کا ذمہ دار نہیں ہوں تو اس کے اعلان کے بعد خریدار کو کسی عیب کی وجہ سے معاملہ توڑنے کا کوئی حق نہیں رہتا۔ ہاں اگر بائع و مشتری میں نزاع واقع ہو جائے مثلاً بائع کہے کہ میں نے یہ وضاحت کر دی تھی اور مشتری کہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی تو بائع کو بینہ پیش کرنا پڑے گا اور اگر وہ بینہ (دو گواہ) پیش نہ کرسکا تو خریدار کو قسم کھانا پڑے گی اور اگر وہ قسم نہ کھائے تو قسم پلٹ کر بائع پر عائد ہوگی پس اگر اس نے قسم کھالی تو فیصلہ اس کے حق میں ورنہ اس کے خلاف ہوگا۔

۸۔ خیار تدلیس = فروخت کرنے والا کوئی حیلہ بہانہ اور فریب کاری کرکے کسی چیز کو اس کی اصلی حالت سے زیادہ عمدہ ظاہر کرے۔ جیسے بھیڑ بکری وغیرہ کو دو تین دن تک نہ دوہے تاکہ جب خریدار اسے دوہے تو دودھ زیادہ دے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس صورت میں خریدار کو حق حاصل ہے کہ یا تو معاملہ توڑ کر اپنی ادا کردہ قیمت واپس لے لے یا پھر اس معاملہ پر راضی ہو جائے۔ یہاں ارش (تدلیس کا معاوضہ) عائد نہیں ہوگا۔

ان خیارات ہشتگانہ کے احکام

خیارات کے احکام دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جن میں سب اقسام مشترک ہیں اور بعض احکام وہ ہیں جو صرف بعض اقسام کے ساتھ مختص ہیں ہم یہاں صرف پہلی قسم کے بعض مشترکہ احکام اور وہ بھی بڑے اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور دوسری قسم کی احکام بدو وجہ بیان نہیں کرتے اولاً" ایسے اکثر احکام ہر ہر خیار کے ذیل میں اوپر بیان کر دیئے گئے ہیں ثانیاً" اس سے زائد احکام بیان کرنے کی اس کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔

اول = سوائے ان خیارات کے جن کی مدت معین ہے جیسے خیار حیوان' خیار شرط' خیار تاخیر وغیرہ خیارات کے متعلق مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ وہ فوری ہیں یعنی جس کو خیار کا حق حاصل ہے جب اسے پتہ چلے کہ فلاں وجہ سے مجھے معاملہ توڑنے کا اختیار ہے تو اس پر واجب ہے کہ فوراً" اس پر عمل درآمد کرے پس اگر وہ عمداً" تاخیر کرے گا تو اس کا یہ حق ختم ہو جائے گا۔ اگر یہ قول اقوی و اظہر نہیں تو احوط ضرور ہے ہاں جس شخص کو اصل مسئلہ (اختیار) یا اس کی فوریت کا علم نہ ہو وہ بعد از علم یہ حق استعمال کرسکتا ہے خواہ کتنی ہی تاخیر ہو جائے۔

دوم = فقہاء کرام نے یہ تصریح کی ہے کہ حق خیار قابل نقل و انتقال ہے لہذا اگر وہ شخص مر

جائے جسے کسی خیار کا حق حاصل تھا تو یہ حق قانون وراثت کے مطابق اس کے ورثہ کی طرف منتقل ہو جائے گا اور وہ اس مرنے والے کے قائم مقام متصور ہوں گے۔

سوئم = مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ جہاں جہاں کوئی خیار عائد ہوتا ہے وہاں معاملہ کرتے ہی متزلزل ملکیت حاصل ہوجاتی ہے۔ یعنی اصل مال خریدار کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور قیمت فروخت کنندہ کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔ اب اگر صاحب خیار نے اپنا حق خیار استعمال کر کے معاملہ توڑ دیا۔ تو یہ متزلزل ملکیت ختم ہوجائے گی۔ اور اگر ایسا نہ کیا تو یہی متزلزل ملکیت مستحکم ہوجائے گی۔ مگر دوسرا قول یہ ہے کہ دراصل یہ ملکیت اور نقل و انتقال مدت خیار ختم ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے اس اختلاف کا نتیجہ چند امور میں ظاہر ہوگا۔

(۱) نماء منفصل جیسے دودھ ۔ حمل اور پھل وغیرہ جو مدت خیار میں حاصل ہوگا۔ وہ مشہور قول کی بناء پر خریدار کا سمجھا جائے گا۔ اور دوسرے قول کی بناء پر بائع کا

(۲) تلف ہونے کی صورت میں بناء بر مشہور مشتری کا نقصان متصور ہوگا۔ مگر دوسرے قول کے مطابق بائع کا

(۳) حق شفع۔ چنانچہ مشہور قول کے مطابق مدت خیار کے دوران شفع کیا جا سکے گا۔ مگر دوسرے قول کے مطابق جائز نہ ہوگا۔

(۴) زکواۃ کے سال کی ابتدا' بنا بر مشہور وقت معاملہ سے متصور ہوگی اور دوسرے قول کے مطابق مدت خیار ختم ہونے کے بعد۔ ہذا ہوالمشہور بین الاصحاب۔ مگر انصاف یہ ہے کہ نصوص اہل بیتؑ سے ایسا کوئی ضابطہ و قاعدہ کلیہ ثابت نہیں ہوتا جو سب خیالات پر منطبق ہو جہاں تک خیار حیوان والی روایات کا تعلق ہے ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مدت خیار کے اندر اگر حیوان تلف ہوجائے۔ تو یہ بائع کا سمجھا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ روایات اس مشہور قاعدہ کے خلاف ہیں اور خیار شرط والی روایات سے آشکار ہوتا ہے کہ اگر مدت خیار کے اندر مال تلف ہوگیا تو وہ خریدار کا سمجھا جائے گا اور یہ روایات اس مشہور ضابطہ کے عین مطابق ہیں اس لئے انسب و اولیٰ یہ ہے کہ ہر ہر خیار میں اس کے متعلقہ نصوص پر عمل کیا جائے۔ واللہ العالم۔ تم باب التجارۃ والحمدللہ رب العالمین

("بابُ الشرکہ")

شرکتی کاروبار کی اہمیت

"فھم شرکاء فی الثلث"۔

انسان فطرتاً مدنی الطبع اور ایک دوسرے کا محتاج واقع ہوا ہے اس لئے بنی نوع انسان کیلئے مل جل کر کام کرنا ایک فطری تقاضا ہے۔ دنیا میں کوئی قوم' کوئی ملک اور کوئی فرقہ ایسا نہیں جہاں اورجس میں چند آدمیوں کا باہم شریک ہو کر کاروبار' قابل مدح و ستائش نہ سمجھا جاتا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیوی ترقی و کامیابی کا دارو مدار اور تجارتی عروج و کامرانی کا انحصار اسی شرکتی کاروبار پر ہے۔ یہ ہم لوگوں کی حرمان نصیبی ہے کہ ہمیں چھوٹے چھوٹے خانگی معاملات میں شرکت کا تو بڑا شوق ہے (جو کہ ممدوح ہونے کی بجائے مذموم ہے جنکی وجہ سے آئے دن خانگی جھگڑے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خود اپنی خانگی زندگی اس کی زندہ مثال ہے کہ آپ کی محترم ازدواج کے مکانات جدا جدا کھانے پینے کا انتظام جدا جدا' سازو سامان جداجدا' آپکی شب باشی کی نوبت سب کے ہاں جدا جدا تھی تاکہ سب آزادی کی نعمت سے لطف اندوز ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آنحضرتؐ نے اپنے عزیز ترین بھائی حضرت علیؑ (جن کی انہوں نے اولاد کی طرح تربیت کی تھی) اپنی عزیز ترین چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا علیہما السلام سے شادی کرنا چاہی تو ان کو گھر داماد نہیں بنایا۔ بلکہ سب سے پہلے ان سے اثاثہ بکواکر علیحدہ خانہ داری کا انتظام کرایا۔ اور اس طرح اہل عالم کو بتایا کہ شادی کے بعد زن و شوہر اپنے کنبے سے علیحدہ رہ کر ہی تعلقات زوجیت سے صحیح طور پر متمتع ہو سکتے ہیں اور دین و دنیا کے فوائد و عوائد حاصل کرسکتے ہیں مگر بڑے بڑے معاملات میں اس کا شوق تو کجا بلکہ ہمیں اس سے نفرت ہے۔ ہمیں معلوم ہی نہیں کہ بڑے معاملات میں شرکت کی برکت سے آج زندہ قومیں کیا کیا منافع اور فوائد حاصل کر رہی ہیں۔ ہندو پاک میں اس کی زندہ مثال " ایسٹ انڈیا کمپنی" ہے جس نے مشترکہ کاروبار کے بل بوتے پر پورے ملک ہندوستان کی عظیم حکومت حاصل کی خدا سب اہل اسلام وایمان کو اس مشترکہ کاربار کے منافع اور فوائد سے نفع اندوز ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ مگر یہ خیال رہے کہ شرکت کرنے سے پہلے شریک کار کے کردار اور اس کی روش ورفتار کی اچھی طرح جانچ پڑتال کرلینی چاہیے کیونکہ آج کل کے زاہدوں کے لباس میں راہزنوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ الغرض دیندار' دیانتدار' خوش گفتار اور خوش کردار آدمی سے شرکت کرنی چاہیے۔ ورنہ بصورت دیگر فائدہ کی بجائے الٹا نقصان ہوگا واللہ الموفق۔

۲۔ شرکت کے مفہوم کی تعین؟

شرکت کے دو مفہوم ہیں اس وقت ہم جس شرکت کے بارے میں بحث کر رہے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد آدمی حسب توفیق اپنی اپنی رقم ملا کر باہم مشترکہ کاروبار کریں۔ بایں طور کہ وہ سب نفع و نقصان میں اپنی رقم کی نسبت سے باہم شریک ہونگے۔ یعنی اگر سب کی رقم بحصہ مساوی ہے تو نفع و نقصان بھی برابر ہوگا۔ اور اگر کسی کی زیادہ اور کسی کی کم ہے تو نفع و نقصان میں شرکت بھی اسی نسبت سے ہوگی جسے شرکت عقدیہ اکتسابیہ اور "شرکت عنان" کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

۳۔ شرکت کے شرائط

بناء بر مشہور چونکہ یہ شرکت بھی ایک باہمی معاملہ ہے اس لئے یہ ایجاب و قبول اور دوسرے شرائط کی محتاج ہے جس زبان میں اور جن الفاظ سے مذکورہ بالا مطلب ادا ہوجائے وہ کافی ہیں بلکہ بنا برا قوی بیع و شرا کی طرح یہاں بھی معاطات والا معاملہ جائز ہے۔ یعنی بغیر کوئی خاص صیغہ جاری کئے دو یا دو سے زیادہ افراد مشترکہ کاروبار کے ارادہ سے اپنی رقم باہم ملالیں۔ اسی طرح اس میں یہ شرط بھی ہے کہ یہ معاملہ کرنے والے عاقل بالغ ہوں۔ بلاجبر و اکراہ بلکہ اپنی قلبی رغبت و رضا سے یہ معاملہ کریں اور بوجہ سفاہت وغیرہ اپنے مال میں ممنوع التصرف بھی نہ ہوں۔

۴۔ شرکت کے اور بعض اقسام کا بیان

شرکت کی بعض قسمیں اور بھی ہیں جو بعض مقامات پر رائج بھی ہیں جو سب کی سب شرعاً ناجائز ہیں۔ ان کا بیان کردینا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

۱۔ شرکت ابدان اس کا مطلب یہ ہے کہ دو ہم پیشہ (جیسے مثلاً دو حجام) یا غیر ہم پیشہ (جیسے مثلاً ایک حجام اور دوسرا ترکھان) باہم یہ معاہدہ کریں کہ وہ الگ الگ جو کچھ کمائیں گے۔ آپس میں مساوی تقسیم کریں گے۔

۲۔ شرکت مفاوضہ۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ دو شخص باہم یہ معاہدہ کریں کہ ان میں سے ہر شخص اپنی انفرادی تجارت' زراعت اور ملازمت وغیرہ سے جو روپیہ کمائے گا وہ بھی دونوں کا مشترکہ ہوگا اور جس کو جس قسم کا جس قدر خسارہ و نقصان ہوگا وہ بھی دونوں کا مشترکہ متصور ہوگا۔

۳۔ شرکت وجوہ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دو ایسے شخص جو لوگوں کی نظروں میں عزت و آبرو کے مالک ہیں باہم یہ معاملہ کریں کہ وہ دونوں علیحدہ علیحدہ اپنے ذاتی اثر و رسوخ کی بناء پر ادھار پر کچھ مال خریدیں گے پھر اسے فروخت کرکے اصل قیمت ادا کریں گے اور جو نفع حاصل ہوگا۔ اسے باہم برابر تقسیم کریں گے۔ بناء بر مشہور بین العامہ و الخاصہ شرکت کی یہ تینوں قسمیں ناجائز اور باطل ہیں کیونکہ یہ غرر "دھوکہ" پر مبنی ہیں گو نصوص اہل بیت میں "نفیاً" یا "اثباتاً" ان کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

شرکتی کاروبار کے احکام

سابقہ بیان سے واضح و عیاں ہوگیا کہ شرکت کے مذکورہ بالا متعدد انواع و اقسام میں سے صرف "شرکت عنان" ہی جائز ہے جس کا مفہوم اور شرائط اوپر ذکر کردیئے گئے ہیں اب ذیل میں اس کے چند احکام بھی بیان کئے جاتے ہیں۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے کہ نفع و نقصان شرکاء کے مال کی نسبت کے مطابق ہوگا۔ ہاں اگر ان میں سے ایک شخص کام زیادہ کرے یا صرف ایک شخص ہی کام کرے تو اسے زیادہ نفع دیا جاسکتا ہے اور اگر یہ معاہدہ کریں کہ جو شخص بالکل کام نہیں کرے گا یا دوسروں سے کم کرے گا اسے نفع سب سے زیادہ دیا جائے گا تو آیا یہ عقد و شرط ہر دو صحیح ہوں گے یا ہر دو باطل ہوں گے یا شرط باطل اور عقد صحیح؟ اس سلسلہ میں شدید اختلاف ہے اگرچہ یہ مسئلہ قابل اشکال ہے مگر بطلان والے قول کا رجحان بعید نہیں ہے کیونکہ اس زائد نفع کے بالمقابل کوئی چیز نہیں ہے نہ سرمایہ اور نہ کام۔ واللہ العالم بالاحکام

مسئلہ ۲۔ اگر معاملہ میں یہ شرط عائد نہیں کی گئی کہ خرید و فروخت کا کام کون کرے گا تو ہر ایک دوسرے کی اجازت سے اس مال میں تصرف کرسکتا ہے اور اگر یہ شرط عائد کی گئی ہے کہ ان میں سے صرف ایک یا دونوں اگر (شریک صرف دو ہیں) کام کریں گے تو شرط کے مطابق عمل کرنا لازم ہوگا۔ (والمومنون عند شروطھم۔)

مسئلہ ۳۔ اگر عقد شرکت میں کسی خاص کاروبار اور کسی خاص نہج (مثلاً" نقد پر) کام کرنے کی تعیین کی گئی ہے تو اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہوگا اور اگر اس صورت میں کام کرنے والے نے اس کی خلاف ورزی کی اور تجارت میں نقصان ہوا تو وہ ضامن ہوگا اور اگر اس قسم

کی کوئی تعیین نہیں کی گئی تو پھر عام عادت اور معمول کے مطابق کاروبار کیا جائے گا۔

مسئلہ ۴۔ چونکہ شرکت عقود جائزہ میں سے ہے لہٰذا دو شریکوں میں سے کسی ایک کے مرجانے سے یہ عقد باطل ہو جائے گا۔ ہاں اگر مرنے والے کے وارث یہ کام کرنا چاہیں تو عقد جدید کی ضرورت ہوگی۔

مسئلہ ۵۔ جو شخص شرکت والا کاروبار کر رہا ہے اگر اس کی کوتاہی کے بغیر تمام یا کچھ سرمایہ ضائع ہو جائے تو وہ ضامن نہیں ہے کیونکہ وہ امین ہے اور امین کا حکم یہی ہے اور اگر تلف ہونے یا نہ ہونے کے متعلق شرکاء کے درمیان جھگڑا پیدا ہو جائے اور نوبت حاکم شرع تک پہنچے تو عامل (کام کرنے والے) کا قول قسم کے ساتھ مقبول ہوگا۔

مسئلہ ۶۔ چونکہ عقد شرکت عقود جائزہ میں سے ہے (نہ عقود لازمہ سے) لہٰذا شرکاء جب چاہیں اسے ختم کرکے اپنے مال کی تقسیم کا تقاضا کرسکتے ہیں حتی کہ اگر اس کاروبار کرنے کے لئے ایک مدت معین کردی گئی تھی کہ فلاں مدت تک مشترکہ کاروبار کریں گے تب بھی اس مدت سے پہلے وہ اس معاملہ کو ختم کرسکتے ہیں۔ واللہ العالم۔ تم باب الشرکۃ والحمد للہ رب العالمین۔

باب المضاربۃ

مضاربت کی حقیقت = شرعی اصطلاح میں "مضاربت" نام ہے اس عقدو معاملہ کا جو (کم از کم) دو شخصوں کے درمیان اس طرح واقع ہوتا ہے کہ مال ایک شخص کا ہوگا جسے مالک کہا جاتا ہے اور تجارتی کاروبار دوسرا کرے گا۔ (جسے عامل کہا جاتا ہے) بشرط اینکہ کام کرنے والا نفع کی ایک خاص مقدار مشاع (نصف یا ثلث یا ربع یا خمس وغیرہ) کا مالک ہوگا مگر نقصان میں شریک نہ ہوگا۔ اسے "قراض" کہا جاتا ہے۔

بضاعۃ و قرض کا بیان = اور اگر مالک یہ شرط عائد کرے کہ تمام نفع اس (مالک) کا ہوگا تو اسے شرعاً "بضاعۃ" کہا جاتا ہے اس صورت میں عامل کو نفع میں سے کچھ نہیں ملے گا البتہ اسے "اجرۃ المثل" جس قدر مزدوری اس کام کرنے والے کو عرف عام میں ملتی ہے" وہ دی جائے گی مگر یہ کہ وہ خود تبرعاً" (مفت) کام کرے اور اگر مالک عامل سے یہ شرط مقرر کرے کہ سارا نفع تمہارا ہوگا تو اسے "قرض" کہا جاتا ہے۔ (بشرطیکہ قرضہ دینے کی نیت سے پیسہ دیا جائے اور مالک کے اس قول کو اس کا کنایہ قرار دیا جائے۔ (فتأمل)

مضاربت کی شرعی حیثیت اور اس کے فوائد = بہر حال "مضاربت کے ایک شرعی عقد ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے بلکہ اس میں کئی عقود کے احکام عائد ہوتے ہیں مثلاً" جب معاملہ واقع ہو جائے تو نفع کے ظہور سے پہلے "عامل" امین ہے (لہٰذا یہاں امانت کے احکام عائد ہوں گے۔ نفع کے ظہور کے بعد وہ مالک کے ساتھ شریک ہے (لہٰذا یہاں شرکت کے احکام نافذ ہوں گے) اگر عامل مقررہ حدود سے تجاوز کرے تو غاصب ہے (لہٰذا یہاں غصب والے احکام لاگو ہوں گے) اور جب مال میں تصرف کرے گا تو وکیل ہے (لہٰذا یہاں وکالت والے احکام صادق آئیں گے) اور اگر کسی وجہ سے عقد باطل ہو جائے توبھی اجیر (مزدور) ہے (لہٰذا یہاں اجارہ والے احکام نافذ ہوں گے) اور اس کے فوائد و عوائد وہی ہیں جو تجارت کے سلسلے میں بیان کئے جاچکے ہیں کیونکہ دراصل یہ بھی تجارت ہی کی ایک خاص قسم ہے۔ کمالا یخفی۔ لہٰذا اس سلسلہ میں باب التجارۃ کے ابتدائی صفحات کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ الغرض چونکہ "مضاربت" ایک شرعی معاملہ ہے اس لئے اس میں چند چیزوں کے متعلق بحث کرنا ناگزیر ہے۔ عقد، مال، نفع، احکام اس لئے ان چار عناوین کے تحت یہاں کلام کیا جاتا ہے۔

عقد اور معاملہ بندی کا بیان = عام فقہاء کرام نے یہاں "مضاربت" کے مخصوص صیغوں سے بحث کی ہے کہ فلاں فلاں صیغے ہوں اور وہ بھی ماضی میں ہوں اور ایجاب قبول پر مقدم ہو وغیرہ وغیرہ مگر ہم کتاب التجارۃ میں (تبعاً لبعض المحققین) یہ واضح کر چکے ہیں کہ عقود کے بارے میں شریعت مقدسہ نے بڑی سہولت روا رکھی ہے لہٰذا جن الفاظ و عبارات سے مذکورہ بالا مفہوم (مضاربت) ادا ہو جائے وہی کافی ہیں کسی مخصوص صیغہ کی پابندی ضروری نہیں ہے الغرض تجارت کی طرح یہاں بھی "معاطات" جاری ہوگی۔ لہٰذا اگر مالک مال عامل سے صرف یہ کہہ دے کہ یہ مال لے جاؤ اور کاروبار کرو جو نفع حاصل ہوگا۔ وہ اس نسبت سے تقسیم کیا جائے گا اور عامل مال قبضہ میں لے کر کاروبار شروع کردے تو یقیناً" یہ معاملہ درست ہوگا۔

عقد مضاربت کے شرائط و مسائل = جیسا کہ ابھی اوپر واضح کیا گیا ہے "مضاربت" تجارت ہی کی ایک قسم ہے لہٰذا تجارت کی طرح یہاں بھی متعاقدین میں بلوغ، عقل، آزادی اور اختیار وغیرہ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے اس کے بغیر یہ معاملہ صحیح نہ ہوگا۔ عقد مضاربت کے متعلقہ مباحث کی مزید وضاحت ذیل میں چند مسائل کے ضمن میں کی جاتی ہے۔

مسئلہ ۱۔ مضاربت میں مالک و عامل کے اتحاد و تعدد کی تمام صورتیں جائز ہیں یعنی جس طرح یہ جائز ہے کہ ایک مالک ہو اور ایک عامل۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ مالک بھی متعدد ہوں اور عامل بھی متعدد اور یوں بھی درست ہے کہ مالک متعدد ہوں اور عامل ایک اور اس کا عکس بھی صحیح ہے کہ مالک ایک ہو اور عامل متعدد۔ ہر حال میں بالعموم اور آخری صورت میں بالخصوص ہر ایک عامل کے نفع کی مقدار معلوم و معین ہونی چاہیے۔

مسئلہ ۲۔ عقد مضاربت چونکہ عقود جائزہ میں سے ہے (نہ عقود لازمہ سے) اس لئے مالک یا عامل یا ہر دو جب چاہیں اسے ختم کر سکتے ہیں حتی کہ اگر اس کاروبار کرنے کی مدت بھی مقرر ہو (کہ اتنے ماہ اتنے سال تک کریں گے) تو اس کی پابندی بھی ضروری نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے بھی توڑ سکتے ہیں اسی طرح کسی ایک (مالک یا عامل) کی موت سے بھی یہ معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور اگر ان کے ورثہ کام کو جاری رکھنا چاہیں تو عقد جدید کی ضرورت ہوگی۔

مسئلہ ۳۔ اگر اصل معاملہ میں مالک کی طرف سے کوئی شرط عائد نہیں کی گئی ہے کہ عامل کس چیز کی خرید و فروخت کرے کس طرح۔ (نقد یا نسیہ کرے؟ کہاں کرے؟ (سفر میں یا حضر میں) کس سے معاملہ کرے؟ اور کسی سے نہ کرے الغرض معاملہ بالکل مطلق ہو تو اگرچہ بعض فقہاء نے یہ

کہا ہے کہ اس صورت میں عامل کو چاہئے کہ صرف نقد پر مال فروخت کرے۔ حضر میں معاملہ کرے وغیرہ وغیرہ مگر حق یہ ہے کہ اس صورت میں کاروبار کا دارو مدار عامل کی صوابدید پر ہے اگر وہ نسیہ (ادھار) میں یا سفر میں یا کسی خاص چیز کی تجارت میں بہتری سمجھتا ہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔ واللہ العالم

مسئلہ ۴۔ اگر مالک مذکورہ بالا اقسام میں سے کسی خاص قسم کی شرط عائد کردے تو عامل کے لئے اس کی پابندی ضروری ہوگی اور اگر وہ اس کی خلاف ورزی کرے اور تجارت میں نقصان ہو جائے تو عامل اس کا ضامن ہوگا اور اگر نفع حاصل ہوا تو وہ معاہدہ کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ نصوص کثیرہ میں ایسا ہی وارد ہے جیسا کہ حلبی کی صحیحہ میں وارد ہے۔ **عن ابی عبداللہؑ فی الرجل یعطی الرجل مالا مضاربۃ فیخالف ما شرط علیہ قالؑ ھو ضامن والربح بینھما**

حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص بطور مضاربت دوسرے شخص کو مال دیتا ہے مگر وہ معاہدہ کی شرائط کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ فرمایا وہ (نقصان) کا ضامن ہے اور اگر نفع حاصل ہوا تو وہ قرارداد کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ (کتب اربعہ)

اگر یہ نصوص صریحہ و صحیحہ موجود نہ ہوتے تو قاعدہ فقہیہ کے مطابق اس حکم میں کلام کی گنجائش تھی مگر اب لب کشائی کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ ہم پر آئمہ طاہرین علیہم السلام کے احکام کی متابعت واجب ہے نہ لوگوں کے مدوّنہ قواعد کی۔ کما لا یخفی علی اولی الافہام۔

مسئلہ ۵۔ عرف و عادت کے مطابق جو کام عامل کے خود کرنے کے ہیں وہ خود کرے گا اور جن کاموں میں عادۃً مزدوروں سے کام لیا جاتا ہے وہاں اس کے لئے مزدور مقرر کرنا جائز ہوگا اور یہ اجرت اصل مال یا اس کے نفع سے ادا کی جائے گی اور اگر ایسا کام خود عامل بقصد اجرت کرے جس میں مزدور سے کام لینا تھا تو اس کا مستحق اجرت ہونا بعید نہیں ہے خصوصاً جب کہ مالک کی اجازت ہو۔

مسئلہ ۶۔ جہاں کاروبار کے سلسلہ میں سفر کرنا ضروری ہو تو سفر کے تمام اخراجات از قسم خوراک۔ پوشاک اور کرایہ سواری و مکان وغیرہ اصل مال سے (جبکہ نفع حاصل نہ ہو) یا نفع سے ادا کئے جائیں گے (اگر نفع حاصل ہو) مخفی نہ رہے کہ سفر سے مراد وہ شرعی سفر نہیں جس میں نماز روزہ قصر ہوتے ہیں بلکہ عام سفر ہے۔ اگرچہ اس پر شرعی سفر کے حدود و قیود کا اطلاق نہ ہوتا ہو۔

<u>مال مضاربت اور اس کے شرائط کا بیان</u> = جس مال کے ساتھ مضاربتی کاروبار کرتا ہے اس

میں چند شرطوں کا ہونا ضروری ہے چنانچہ ایک شرط جو نصوص و فتاوی سے ثابت ہے وہ یہ ہے
کہ وہ مال "معین ہو" (حاضر اور موجود ہو) (کسی کے ذمہ "دین" نہ ہو۔) حتی کہ اگر مالک نے
عامل سے کچھ روپیہ لینا ہو اور اس پر "مضاربت" والا معاملہ کرنا چاہیں تو جب تک مالک اسے
اپنے قبضہ میں نہ لے اس پر معاملہ جائز نہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے
ہیں کہ ایک شخص نے دوسرے سے کچھ مال لینا تھا۔ اس نے تقاضا کیا مگر مقروض نے کہا کہ
میرے پاس مال نہیں ہے مالک نے کہا کہ وہ تمہارے پاس بطور مضاربت رہے اس سے کاروبار
کرو۔ جناب امیرؑ نے اس کے متعلق فرمایا۔ "لا یصلح حتی تقبضہ" جب تک اس مال کو اپنے
قبضہ میں نہ لے تو اس وقت معاملہ کرنا درست نہیں ہے۔ (الکافی)

دوسری شرط جو صرف مشہور ہے (بلکہ اس پر اجماع کا دعوی کیا گیا ہے) وہ یہ ہے کہ یہ معاملہ
صرف درہم یا دینار کے ساتھ کیا جائے۔ یعنی سونے یا چاندی کے ساتھ جبکہ رائج الوقت سکہ کے
ساتھ مسکوک و منقوش ہوں مگر چونکہ نصوص معصومینؑ میں اس شرط کا کوئی نام و نشان موجود
نہیں ہے اس لئے اس کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ علاوہ بریں اگر اس شرط کو ضروری سمجھا
جائے تو وہ مقامات جہاں آج کل درہم و دینار رائج نہیں (اور یقیناً ایسے مقامات بہت زیادہ ہیں)
تو وہاں "مضاربتی" کاروبار کا سلسلہ ہی بند کرنا پڑے گا اور اس سے قوم کا ناقابل تلافی نقصان
ہوگا۔ لہٰذا اظہر یہ ہے کہ ہر رائج الوقت سکہ کے ساتھ معاملہ کیا جاسکتا ہے اگرچہ کاغذی نوٹ ہی
کیوں نہ ہوں بلکہ ہر جنس کے ساتھ یہ معاملہ کیا جاسکتا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس مال کی مقدار
معلوم ہو اور احتیاط واجب کی بناء پر یہاں صرف تخمینہ کافی نہیں ہے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ مال
معین ہو۔ لہٰذا اگر مالک دو قسم کا مال پیش کرکے عامل سے کہے کہ ان میں سے جس کے ساتھ تم
چاہو میں مضاربت کرتا ہوں تو صحیح نہ ہوگا اور اگر تیسری شرط کو نظر انداز کر دیا جائے ویسے مالک و
عامل کے درمیان مال کی مقدار میں نزاع واقع ہو جائے۔ یعنی مالک زیادہ بتائے اور عامل کم، تو
قسم کے ساتھ عامل کا قول مقدم ہوگا مگر یہ کہ مالک کے پاس بینہ ہو۔ (دو شرعی گواہ ہوں) تو پھر
اس کا قول قابل قبول ہوگا۔

نفع اور اس کے شرائط کا بیان

۱۔ نفع کے متعلق یہ ضروری ہے کہ بطور مشاع اس کی مقدار معین ہو خواہ عامل ایک ہو یا
زیادہ ہوں۔ جیسے نصف، ثلث اور ربع یا اس سے کم یا زیادہ لہٰذا اگر مالک عامل سے یوں معاملہ

کرے کہ اس رقم سے جا کر تجارت کرو۔ نفع میں سے تمہیں ایک مخصوص رقم مثلاً" سو روپیہ دے دیا جائے گا تو یہ معاملہ درست نہ ہوگا۔ بلکہ جب اس کا حصہ بطور مشاع معین ہوگا تو نفع کی کمی اور زیادتی کے مطابق اس کی مقدار بھی کم و زیادہ ہوتی رہے گی۔ بنک کے کاروبار میں یہی خرابی ہے کہ اس میں شرکاء کا حصہ فیصد کے حساب سے مقرر کردیا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر اسے مضاربت کی شکل دے دی جائے تو یہ کاروبار بلا اشکال جائز ہو جائے گا۔ واللہ العالم الموفق

۲۔ نفع کی جو مقدار معین کی جائے اس کی ادائیگی واجب ہے خواہ نفع زیادہ ہو یا کم اور نقصان کی صورت میں وہ ضامن نہیں ہے جیسا کہ نصوص و فتاوی میں صراحت موجود ہے۔ "محمد بن قیس' امام محمد باقرؑ سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا۔ **قال امیر المومنینؑ من اتجر مالا واشترط نصف الربح فلیس علیہ ضمان**

کہ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی کے مال سے نفع میں سے نصف کی شرط پر تجارت کرے وہ (خسارہ یا مال کے تلف ہو جانے کی صورت میں) ضامن نہیں ہے۔ (بلکہ صرف مقررہ نفع کا حقدار ہے (کافی و تہذیب)

۳۔ اگر نفع کی مقرر کردہ مقدار میں مالک و عامل کے درمیان نزاع واقع ہو جائے۔ (یعنی مالک کم بتائے مثلاً" ثلث اور عامل زیادہ بتائے مثلاً" نصف) تو قواعد شرعیہ کا تقاضا تو یہ ہے (جسے نصوص معصومینؑ کی بھی تائید حاصل ہے کہ مالک کا قول قسم کے ساتھ مقدم ہوگا۔ کیونکہ عامل جس زیادتی کا مدعی ہے مالک اس کا منکر ہے علاوہ بریں نزاع مالک کے فعل میں ہے کہ اس نے کس قدر مقدار مقرر کی تھی جبکہ وہ اپنے فعل کو دوسروں سے زیادہ بہتر سمجھ سکتا ہے۔ ہاں اگر عامل بینہ (دو گواہ) اپنے دعوی کے ثبوت میں پیش کردے تو پھر اس کا قول مسموع ہوگا۔

۴۔ مشہور و منصور قول یہ ہے کہ نفع کے وجود میں آتے ہی عامل اس میں سے معاہدہ کے مطابق اپنے مخصوص حصہ کا مالک بن جاتا ہے یہ ملکیت قطعاً" اس بات پر موقوف نہیں ہے کہ پہلے (مال کی) جنس کو نقدی میں تبدیل کیا جائے اور پھر اسے آپس میں تقسیم کیا جائے۔ ہاں البتہ یہ ملکیت متزلزل ہوتی ہے اور ثابت و مستقر اس وقت ہوتی ہے جب یہ نفع تقسیم کرنے تک محفوظ رہے اور کسی مرحلہ پر بھی خسارہ کے ساتھ تبدیل نہ ہو جائے۔ اگرچہ اس مسئلہ میں بعض اور اقوال بھی ہیں مگر مشہور و منصور قول یہی ہے۔

مضاربت کے احکام کا بیان = مسئلہ ا۔ چونکہ اس سلسلہ میں عامل امین ہوتا ہے لہٰذا اگر وہ

دعویٰ کرے کہ تمام مال یا اس کا کچھ حصہ تلف ہوگیا ہے تو اس کا قول قبول کیا جائے گا اور جب تک مال کی حفاظت کے سلسلے میں اس کی تفریط اور کوتاہی ثابت نہ ہو جائے تب تک وہ تلف شدہ مال کا ضامن بھی نہ ہوگا۔

مسئلہ ۲۔ اگر مالک و عامل میں اس طرح نزاع واقع ہو جائے کہ عامل کہے کہ میں نے مال واپس کر دیا ہے اور مالک کہے کہ تو نے واپس نہیں کیا تو عامل چونکہ اس صورت میں مدعی ہے اور مالک منکر اس لئے اگر عامل بینہ پیش کر کے اپنا دعویٰ ثابت کر دے تو فبہا ورنہ مالک قسم کھائے گا اور عامل کو مال ادا کرنا پڑے گا۔

مسئلہ ۳۔ چونکہ مضاربت عقود جائزہ میں سے ہے لہٰذا مالک اور عامل کو ہر وقت یہ حق حاصل ہے کہ جب چاہیں اس معاملہ کو ختم کر دیں۔ پس اگر مالک عقد کو ختم کر دے تو اب صورت حال تین حال سے خالی نہیں ہے یا تو یہ صورت حال عامل کے کام شروع کرنے سے پہلے رونما ہوگی یا کام شروع کرنے کے بعد پھر اس آخری صورت میں یا تو ابھی نفع ظاہر نہ ہوا ہوگا یا ظاہر ہوچکا ہوگا۔ قاعدہ کے مطابق پہلی صورت میں عامل کو کچھ نہیں ملے گا۔ دوسری صورت میں سے اسے اجرۃ المثل ملے گی اور تیسری صورت میں ظاہر شدہ نفع کے مقررہ حصہ کا وہ حق دار ہوگا۔ واللہ العالم

مسئلہ ۴۔ عامل کا فرض منصبی چونکہ خود کام کرنا ہے اس لئے اسے مالک کی اجازت کے بغیر خود آگے کوئی اور عامل مقرر کرنے کا حق نہیں ہے لہٰذا اگر وہ مالک کی اجازت کے بغیر ایسا کرے گا تو اس کا یہ اقدام باطل ہوگا اور اگر اجازت سے ایسا کرے گا تو دوسرا عامل اس مالک کا عامل تصور ہوگا اور مقررہ شرائط کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔

مسئلہ ۵۔ اگر تجارت کے دوران تمام راس المال یا اس کا بعض حصہ تلف ہو جائے یا تجارت کے دوران بعض اوقات خسارہ ہو جبکہ ہر دو صورتوں میں نفع بھی حاصل ہوچکا ہو تو اس نقصان کی تلافی اور اس کا جبران نفع سے کیا جائے گا۔ اگر اس کے بعد کچھ مقدار بچی تو اسے علی الحساب مالک و عامل باہم تقسیم کریں گے۔

مسئلہ ۶۔ اگر عامل اس روپے کے ساتھ کوئی لونڈی خریدے تو اس کے لئے اس کے ساتھ مقاربت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نفع ظاہر ہونے سے پہلے تو وہ صرف مالک مال کا مال ہے اور نفع کے ظہور کے بعد گو عامل کا بھی اس میں حصہ ہے مگر اس صورت میں چونکہ یہ لونڈی دو مالکوں

کی مشترکہ ہے اس لئے کسی شریک کو بھی دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کے ساتھ مقاربت
کرنے کا شرعاً کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ واللہ العالم

تم باب المضاربۃ، والحمد للہ رب العالمین

باب الشفعہ

وما جعل علیکم فی الدین من حرج

شفعہ کے جائز مقرر ہونے کی مصلحت

شفعہ کا شرعی مفہوم (جیسا کہ عنقریب اس کی مزید وضاحت کی جائے گی۔ انشاءاللہ) یہ ہے کہ
کوئی زمین یا مکان یا دکان وغیرہ غیر منقولہ جائیداد دو آدمیوں کی مشترکہ ملکیت میں ہو اور تقسیم
سے پہلے ان میں سے ایک شریک کسی اجنبی آدمی کے ہاں اپنا وہ مشترکہ حصہ فروخت کردے تو
شرع اسلام نے دوسرے شریک کو یہ حق دیا ہے کہ وہ شفعہ کرکے اسی قیمت پر جس سے اس
شخص نے وہ جائیداد خریدی ہے اس سے لے لے۔ یہ قانون اسلام کے خصوصیات میں سے ہے
کیونکہ شفعہ اسلام سے پہلے اور کسی مذہب میں موجود نہیں تھا اور اگر اس کے حدود و قیود کی
پابندی کی جائے تو اس سے بڑے تمدنی اور معاشرتی فائدے حاصل ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ عین ممکن
تھا کہ نئے مالک کی شرکت اور پہلے شریک کے ساتھ مزاج کی عدم موافقت' یا کسی سابقہ چپقلش
اور عداوت کی وجہ سے کئی فتنے و فساد جنم لیتے اور نوبت جدل و جدال بلکہ قتل و قتال تک پہنچ
جاتی۔ اس لئے اسلامی شریعت مقدسہ نے دوسرے شریک کو شفعہ کا حق دے کر ان تمام سر
اٹھانے والے فتنوں کا سر کچل کر رکھ دیا ہے مگر یہ خیال رہے کہ شفعہ بھی دیگر اسلامی مفید عام
احکام کی مانند ہے کہ ان میں افادی پہلو اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک اسلامی حدود کے
اندر رہ کر ان کو استعمال کیا جائے اور جب ان میں افراط و تفریط سے کام لیا جائے تو وہ احکام
مفید عام ہونے کی بجائے الٹا ضرر رساں ثابت ہوتے ہیں جیسا کہ شفعہ کے بارے میں ایسا ہی کیا
گیا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی جائیداد فروخت کرتا ہے۔ (خواہ وہ اسکی تقسیم شدہ ہی کیوں نہ
ہو) تو ہر کس و ناکس شفعہ کرنے کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے یہ کون ہے۔ یہ اس کی برادری کا
آدمی ہے؟ یہ کون ہے؟ یہ اس کا پڑوسی ہے؟ یہ کون ہے؟ یہ اس کا ہم شہری ہے؟ یہ کون ہے یہ
کھیوٹ میں اس کا شریک ہے وغیرہ وغیرہ اب اگر کوئی شخص اپنا مال فروخت کرنا چاہتا ہے تو وہ

تکلیف میں مبتلا ہے پڑوسی اور قریبی پوری رقم دیتے نہیں اور دوسرے لوگ شفعہ کے خطرہ کے پیش نظر خریدنے کی ہمت کرتے نہیں اور اگر کوئی شخص دل مضبوط کرکے خریدنے کی ہمت کر بھی لے تو پورے ایک سال تک تو وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتا ہے۔ (حالانکہ شفعہ فوری حق ہے یہ سال تک کی ڈھیل اور عمدی تاخیر ہی خلاف شریعت ہے) ظاہر ہے کہ ایک سال تک حالات بدل جاتے ہیں۔ ارادے تبدیل ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات تو سال کے اختتام تک وہ شخص بھی شفعہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے جو بیع و شرا کے وقت نان جویں کا محتاج تھا پھر دیوانی مقدمات کا ختم نہ ہونے والا وہ سلسلہ شروع ہوتا ہے کہ بعض اوقات ہر دو فریق کا دیوالیہ ہی نکل جاتا ہے الغرض آج کل یہ مسئلہ تمدنی و معاشرتی بہتری کی بجائے ابتری کا باعث بن رہا ہے اور لوگ اس کے ذریعہ سے حرام روزی کا شکار ہو کر اپنا دین اور اپنی دنیا تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ واللہ العاصم

شفعہ کے مفہوم کی وضاحت = جیسا کہ اس بحث کی ابتداء میں بیان کیا جاچکا ہے کہ شفعہ ایک شریک کا دوسرے شریک کے فروخت کردہ حصہ کو خریدار سے اس کی ادا کردہ قیمت پر جبراً واپس لینے کے استحقاق کا نام ہے۔ اس سلسلہ میں چند امور قابل غور و فکر اور لائق بحث و تحقیق ہیں۔

کن چیزوں میں شفعہ ثابت ہے؟: غیر منقولہ جائیداد جیسے زمین" باغات اور مکانات جبکہ اپنی کشادگی کی وجہ سے قابل تقسیم بھی ہوں ان میں شفعہ کے جواز پر تو نصوص و فتاوی کا اتفاق ہے۔ باقی رہے منقولہ اموال یا وہ غیر منقولہ جائداد جو اپنی تنگی کی وجہ سے قابل تقسیم نہ ہو (یا اگر اسے تقسیم کیا جائے تو پھر قابل استفادہ نہ رہے) تو ان میں شفعہ کے جواز و عدم جواز میں اخبار اور کلام علماء ابرار میں اختلاف ہے اگرچہ اشبہ عدم جواز ہے مگر احوط یہ ہے کہ اگر شفیع شفعہ کرنا چاہے تو خریدار کی اجازت سے کرے اور خریدار کے لئے بھی انسب و احوط یہ ہے کہ وہ شفیع کی خواہش پر لبیک کہتے ہوئے اس سے مصالحت کرلے۔ واللہ العالم

شفعہ کے شرائط کا بیان = حق شفعہ تین شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔

شرط اول یہ ہے کہ جائیداد تقسیم شدہ نہ ہو بلکہ مشترکہ ہو اور اس میں سے ایک شریک اپنا تمام یا کچھ حصہ فروخت کردے۔ لہذا اگر جائیداد سرے سے مشترکہ ہی نہ ہو یا کبھی مشترکہ تھی مگر اب تقسیم کرلی گئی ہو تو اس صورت میں شفعہ نہیں ہوسکتا۔ اس شرط سے صرف ایک صورت

مستثنیٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی احاطہ یا بازار میں دو آدمیوں کے اکٹھے مکانات ہوں مگر ہوں الگ الگ خواہ پہلے مشترکہ تھے اب تقسیم کرلئے گئے ہوں یا سرے سے کبھی مشترکہ تھے ہی نہیں لیکن راستہ سب کا مشترکہ ہو۔ اب ان میں سے ایک مالک مکان اپنا امکان مع اپنے اس حصہ کے جو اس کا اس راستہ میں ہے فروخت کردے تو دوسرے شریک کو شفعہ کرنے کا حق حاصل ہے لیکن اگر اسی صورت میں وہ صرف مکان فروخت کرے اور راستہ میں سے اس کا جو حصہ ہے اسے اس کے ہمراہ فروخت نہ کرے (اور خریدار خود کوئی نیا راستہ بنا لے) تو اس صورت میں شفعہ جائز نہ ہوگا۔ یہ صورت نصوص و فتاویٰ میں مذکور ہے۔

بنابریں بائع کے رشتہ داروں، پڑوسیوں اور ہم شہریوں یا قبل از تقسیم سابقہ شریک کاروں کے لئے شرعاً شفعہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور اگر انہوں نے شفعہ کیا اور کامیاب بھی ہوگئے تو یہ اکل المال بالباطل ہوگا جو کہ بالاتفاق حرام ہے۔

شرط دوئم = شریک اپنے حصہ کو شرعی بیع کے ذریعہ سے منتقل کرے۔

لہٰذا اگر وہ بطور صدقہ یا ہبہ (خواہ معوضہ ہو اور خواہ غیر معوضہ) یا صلح یا بطور حق مہر اپنے حصہ کو اپنی ملکیت سے خارج کرکے کسی کو منتقل کردے تو اشہر و اظہر قول کی بناء پر اس میں شفعہ نہ ہوگا۔ اگرچہ جس حکمت کی وجہ سے شفعہ جائز ہوا ہے وہ حکمت یہاں بھی پائی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے جناب ابن جنیدؒ اور بعض دوسرے فقہاء یہاں بھی شفعہ کے جواز کے قائل ہیں مگر ایک تو اس لئے کہ نصوص میں صرف بیع و شرا کا تذکرہ ہے اور دوسرے اس لئے کہ شفعہ در اصل ضابطہ کے خلاف ہے۔ (کہ برضا و رغبت فروخت کرنے والا کوئی ہے اور اپنی خوشی سے خریدنے والا کوئی اور پھر زبردستی قبضہ کرتا ہے کوئی اور) تو اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ کسی کے مال میں اسکی رضا و رغبت کے بغیر تصرف نہ کیا جائے مگر شفعہ کو ناگزیر وجوہ کی بناء پر اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور فقہی قانون کے مطابق ایسے مسائل میں جو خلاف ضابطہ ہوں۔ صرف ان افراد پر اکتفا کی جاتی ہے جو قرآن و سنت کی روشنی میں یقینی ہوں۔ باقی رہے مشکوک افراد تو وہ اصل ضابطہ کے مطابق ناجائز قرار پائیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہاں یقینی صورت صرف بیع و شرا والی ہے جس پر سب فقہاء کا اتفاق ہے لہٰذا اظہر یہ ہے (وھوالاشہر) کہ صرف اسی صورت میں شفعہ کے جواز سے فائدہ اٹھایا جائے اور مشکوک افراد میں اس سے اجتناب کیا جائے۔ واللہ العالم

<u>شرط سوئم۔ یہ کہ کل شریک دو ہوں</u> = یعنی (ایک فروخت کرنے والا اور دوسرا شفعہ کرنے

والا) لہٰذا اگر دو سے زائد شریک ہوں اور ان میں سے ایک یا ایک سے زائد شرکاء اپنے حصص فروخت کردیں تو بناء بر مشہور (بلکہ جناب ابن ادریس حلیؒ نے تو اس پر تمام فقہاء کے اتفاق و اجماع کا دعویٰ کیا ہے) احوط یہ ہے کہ دوسروں کے لئے اس صورت میں شفعہ کرنا جائز نہ ہوگا اور اسی قول پر بہت سے روایات صریحہ و صحیحہ دلالت کرتے ہیں اور ان کے بالمقابل جن بعض اخبار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دو سے زائد شرکاء کی صورت میں بھی شفعہ جائز ہے تو اولاً" تو وہ بوجہ ضعف سندی سابقہ روایات کے معاوضہ کی تاب نہیں رکھتے۔

ثانیاً" = ان میں یہ تاویل ممکن ہے کہ ان میں وارد شدہ صیغہ جمع (شرکاء) سے مراد مافوق الواحد ہو جو دو کو بھی شامل ہے۔

ثالثاً" = یہ روایات محمول بر تقیہ ہیں کیونکہ عامہ کا مذہب یہی ہے با ایں ہمہ احوط یہ ہے کہ اس صورت میں پہلی شرط کی مانند شفعہ کرنے والے کو خریدار کے ساتھ مصالحت کرلینی چاہیے۔ واللہ العالم

۵۔ شفیع (شفعہ کرنے والا) اور اس کے شرائط کا بیان

اب تک جو حقائق بیان کئے گئے ہیں ان سے قارئین کرام پر یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی کہ "شفیع" (جسے شفعہ کرنے کا شرعاً" حق دیا گیا ہے) سے مراد وہ شخص ہے جس کا دوسرے شریک کے ساتھ جائیداد میں مشاع حصہ (نصف یا کم و بیش) ہو لہٰذا جو شخص اس طرح شریک نہیں ہے اسے شفعہ کا کوئی حق نہیں ہے خواہ وہ فروخت کنندہ کا کتنا ہی قریبی رشتہ دار یا ہم قوم یا ہم وطن یا ہم مذہب کیوں نہ ہو۔

اس سلسلہ کی دوسری شرط یہ ہے کہ شفیع قیمت ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ لہٰذا جو شخص بالفعل یا قرضہ وغیرہ کے ذریعہ سے بالقوہ بھی قیمت ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اسے شفعہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ اس نے کچھ مال و متاع فروخت کرکے رقم فراہم کرنا ہے تو مشہور یہ ہے کہ اسے تین دن تک مہلت دی جائے گی پس اگر اس اثناء میں اس نے رقم حاضر کردی تو فبہا ورنہ اس کا یہ حق ختم ہو جائے گا اور اگر کسی دور دراز والے مقام سے رقم لانے کے متعلق کہے تو تین دن کے علاوہ اسے اس قدر مہلت بھی دی جائے گی کہ وہاں باسانی جا آسکے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اگر خریدار مسلمان ہو تو شفعہ کرنے والا بھی مسلمان ہو (جیسا کہ

فروع کافی اور تہذیب الاحکام) وغیرہ میں روایات اہلبیتؑ کے اندر وارد ہے کہ یہودی و نصرانی کو شفعہ کا کوئی حق حاصل نہیں ہے ان کا مطلب فقہاء نے یہ لیا ہے کہ ان کو مسلمان پر شفعہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے ہاں اگر کافر کافر پر شفعہ کرنا چاہے تو اسمیں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

توضیح = غائب' مجنوں' سفیہ اور بچہ کو شفعہ کرنے کا حق حاصل ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ غائب اس وقت شفعہ کرے گا جب سفر سے واپس آئے گا۔ بشرطیکہ غیبت کی حالت میں اپنے وکیل کے ذریعہ سے شفعہ دائر نہ کرسکتا ہو۔ ورنہ ایسا کرنا مقدم ہوگا اور مجنون و صبی (بچہ) کا شرعی ولی ان کی طرف سے شفعہ کرے گا بشرطیکہ اس شفعہ میں ان کی مصلحت ہو۔

اور اگر مصلحت کے باوجود ان کا ولی و سرپرست ان کے لئے شفعہ نہ کرے تو ان کا عذر یعنی غیر حاضری' سفاہت اور بچپن زائل ہونے کے بعد خود ان کو شفعہ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اگرچہ اس طرح مدت درازہی گزر جائے۔

شفعہ کے مسائل و احکام

مسئلہ ا۔ بیع و شرا کے ہوتے ہی شفیع کو شفعہ کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے اگرچہ بائع یا مشتری یا ہردو کو معاملہ کے فسخ کرنے کا کوئی خیار حاصل ہو۔ نیز شفعہ زبانی طور پر بھی ہوسکتا ہے۔

مسئلہ ۲۔ بناء بر مشہور شفعہ کا حق فوری ہے لہٰذا جب شفیع کو اپنے شریک کے اپنے حصہ کو فروخت کرنے کا علم ہو تو بلا عذر شفعہ کرنے میں تاخیر جائز نہیں ہے۔ اگر یہ قول اقوی نہیں تو احوط ضرور ہے۔ لہٰذا اگر وہ علماً" و عمداً" تاخیر کرے گا تو اس کا یہ حق ختم ہو جائے گا۔ ہاں اگر وہ یہ دعوی کرے کہ اسے اصل شفعہ کے جواز یا اس کی فوریت کا علم نہ تھا تو اس کا یہ دعوی مسموع ہوگا۔

مسئلہ ۳۔ مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ شفعہ ان حقوق میں سے ہے کہ جو بطور وراثت ورثہ کی طرف منتقل ہوتے ہیں لہٰذا اگر شفیع شفعہ کرنے سے پہلے مرجائے تو قانون وراثت کے مطابق یہ حق اسکے ورثہ کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں علاوہ عمومی ادلہ کے جناب شہید ثانی علیہ الرحمہ نے مسالک میں اس روایت نبویہؐ کے ساتھ بھی استدلال کیا ہے کہ **ما ترک المیت من حق فھو لوارثہ** مرنے والا جو حق چھوڑ کر مرے وہ حق اس کے ورثہ کا ہے"۔

مسئلہ ۴۔ مشہور یہ ہے کہ اگرچہ خریدار نے جائیداد ادھار پر خریدی ہو مگر شفیع پر لازم ہے کہ وہ خریدار کو نقد قیمت ادا کرے کیونکہ شفعہ میں نقد قیمت ادا کرنا شرط ہے۔

مسئلہ ۵۔ جب شفیع قیمت ادا کردے تو خریدار پر واجب ہے کہ جائیداد شفیع کے حوالے کردے ہاں اس سے پہلے لازم نہیں ہے۔

مسئلہ ۶۔ شفیع کے لئے جائز ہے کہ خریدار سے کچھ معاوضہ لے کر اپنے جائز حق شفعہ سے دست بردار ہو جائے اور جو لوگ خلاف شریعت شفعہ کرتے ہیں اور پھر معاوضہ لے کر دست بردار ہو جاتے ہیں ان کا یہ معاوضہ لینا حرام ہے۔

مسئلہ ۷۔ اگر شفیع اور مشتری کے درمیان اس بات پر نزاع ہو جائے کہ مشتری نے وہ جائیداد کتنے میں خریدی ہے؟ بعد اس کے کہ اصل خریداری پر دونوں کا اتفاق ہو اب مشتری زیادہ مقدار بتائے اور شفیع کم! ان میں سے کس کی بات مانی جائے اور کس کی نہ مانی جائے؟ چونکہ مسئلہ نص سے خالی ہے۔ اس لئے اس میں بڑی قیل و قال کی گئی ہے ظاہر یہ ہے کہ مشتری مدعی ہے اور شفیع منکر۔ لہٰذا اگر مشتری بینہ (گواہوں سے) اپنا دعویٰ ثابت کردے تو فبہا ورنہ شفیع کا قول قسم کے ساتھ مقدم ہوگا اور اگر دونوں بینہ پیش کریں تو اب کس کا بینہ مقدم ہوگا؟ اس میں بھی شدید اختلاف ہے مگر سابقہ مفروضہ کی بناء پر ظاہر یہ ہے کہ مشتری کا بینہ مقدم ہوگا۔ کیونکہ وہ مدعی ہے اور در اصل بینہ پیش کرنا مدعی کا فرض ہوتا ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۸۔ بعض صورتوں میں شفعہ ساقط ہو جاتا ہے یا اسے ساقط کیا جاسکتا ہے اول اینکہ جو چیز بالکل کم قیمت ہو مثلاً" دس پندرہ روپے کی ہو اور کوئی شخص اسے بظاہر سو ڈیڑھ سو روپیہ میں خرید لے (جسے چڑھاوا کہا جاتا ہے) اور ادائیگی کے وقت وہی دس پندرہ روپے ادا کرے جو اس کی اصلی قیمت ہے تو اب شفیع یا تو کل قیمت پر شفعہ کرکے چیز واپس لے گا۔ جس پر معاملہ واقع ہوا ہے اور وہ ہے۔ (سو ڈیڑھ سو مثلاً") اور اس میں اس کا سرا سر نقصان ہے اور یا پھر شفعہ سے دست بردار ہو جائے گا۔

دوم اینکہ بائع کو چاہیے کہ وہ اپنا حصہ فروخت کرنے کی بجائے ھبہ' ھدیہ اور صلح وغیرہ نواقل کے ذریعہ منتقل کردے۔ کیونکہ قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے کہ ان صورتوں میں شفعہ ثابت نہیں ہوتا اور مشتری جو کچھ ادا کرنا چاہے وہ بھی بائع کو ہدیہ یا ھبہ کردے اس طرح وہ معاملہ ھبہ معوضہ بن جائے گا اور شفعہ ساقط ہو جائے گا۔

سیوم = اینکہ بائع اپنا حصہ فروخت کرنے سے پہلے اپنے شریک (موجودہ شفیع) پر پیش کرے اور یہ اس کے خریدنے سے انکار کردے تب وہ دوسری جگہ فروخت کردے تو ایک قول کے مطابق بعد

ازاں اس شریک کو شفعہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ شفعہ دفع ضرر کے لئے روا رکھا گیا ہے اور اس جگہ اس نے خود اس ضرر کو قبول کیا ہے اور ظاہر ہے کہ خود کردہ را علاج نیست۔

چہارم = اینکہ باوجود علم و قدرت و اختیار کے شفعہ دائر کرنے میں تاخیر کرے تو بناء بر مشہور اس سے بھی حق شفعہ ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ علی الاشہر اس میں فوریت واجب ہے اور ظاہر ہے کہ بلا وجہ عمداً" تاخیر کرنے سے یہ فوریت ختم ہو جاتی ہے جس سے حق شفعہ بھی ختم ہو جائے گا۔

پنجم = اینکہ شفیع خود اپنے اس حق کے خاتمہ کا اظہار کر دے تو اس سے بھی یہ حق ختم ہو جائے گا۔ بہو وضح من ان یخفیٰ رزقنا اللہ حسن الخاتمہ بجاہ النبی وعترتہ الطاہرۃ تم باب الشفعہ والحمد للہ رب العالمین

باب القرض والدین والحوالہ

یا ایھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ

قرضہ لینا دینا انسانی فطرت کا تقاضا

خالق حکیم نے چونکہ انسانوں کو مختلف الحالات بنایا ہے کوئی امیر ہے اور کوئی فقیر' کوئی تندرست ہے اور کوئی مریض' کوئی مخدوم ہے اور کوئی خادم' کوئی راعی ہے اور کوئی رعایا' کوئی طاقتور ہے اور کوئی کمزور **ولا یسئل عما یفعل وھم یسئلون**

نیز اسے اس طرح مدنی الطبع پیدا کیا ہے کہ کوئی بھی آدمی اپنے تمام دینی و دنیوی ضروریات کو تن تنہا پورا نہیں کرسکتا بلکہ وہ اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے دوسرے بنی نوع انسان کے مخلصانہ تعاون و تعاضد کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی لئے خالق مہربان نے انسانوں کو نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی امداد و اعانت کرنے کا حکیمانہ حکم دیا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ **وتعاونوا علی البر والتقوی** یعنی نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی امداد کرو' نیز فرماتا ہے **واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین** نیکی کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ظاہر ہے کہ مخلوق خدا کی فیض رسانی سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں ہے بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ

عبادت بجز خدمت خلق نیست\
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

بہر کیف یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسانیت کا جوہر اور اس کا زیور انسانی ہمدردی' مظلوم کی داد رسی' محتاج کی امداد' کمزور کی اعانت اور مصیبت زدہ کے ساتھ تعاون کرنا ہے پس جس شخص میں یہ انسانی جذبہ نہیں وہ دراصل انسان کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔

قرضہ دینے کی فضیلت قرآن کی روشنی میں

یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث میں ایک دوسرے کو قرض دینے کی بڑی تاکید اور بہت فضیلت وارد ہوئی ہے ارشاد قدرت ہے۔ **یا ایھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ**

اے ایمان والو! جب ایک دوسرے کو ایک مقررہ مدت تک قرضہ دو تو اسے لکھ لیا کرو۔ اس

سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی ضروریات کے ماتحت قرضہ لینا دینا جائز ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خدائے رحیم نے اہل ایمان کو قرضہ دینے اور ان کی امداد کرنے کو اپنی ذات کے لئے قرضہ دیا جانا قرار دیا ہے۔ فرماتا ہے۔ **ومن یقرض اللہ قرضاً حسنا** "کون ہے جو خدا کو قرضہ حسنہ دے؟"

قرضہ دینے کی فضیلت احادیث کی روشنی میں

اسی طرح احادیث میں قرضہ دینے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے اور اس کے بے پایاں اجرو ثواب بیان کئے گئے ہیں۔ (۱) چنانچہ حضرت امام جعفر صادقؑ اپنے آباء و اجداد کے سلسلہ سند سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے یہ فرمایا۔ **من اقرض مومنا" قرضا" ینظر به میسوره کان ماله فی زکوة و کان هو فی صلوة من الملائکة حتی یودیه الیه۔**

"جو شخص کسی مومن کو اس کی مالی وسعت تک قرضہ حسنہ دے تو اس کے مال میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے اور جب تک وہ شخص قرضہ واپس نہ کرے۔ برابر اس شخص پر فرشتے درود و سلام بھیجتے رہتے ہیں۔ (ثواب الاعمال)

۲۔ نیز حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **مکتوب علی باب الجنة الصدقة علی عشرة والقرض ثمانیة عشر** جنت کے دروازہ پر لکھا ہے کہ صدقہ کا ثواب دس گنا اور قرضہ کا اٹھارہ گنا ہے۔ (کتاب حدایتہ شیخ صدوقؒ)

۳۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو قرضہ دے تو خداوند عالم ہر ہر درہم کے بدلے اسے کوہ احد اور طور سینا کے وزن کے برابر نیکیاں عطا فرمائے گا۔ (وسائل الشیعہ)

باوجود قدرت رکھنے کے قرضہ نہ دینے کی مذمت

اسی طرح جو شخص استطاعت رکھنے کے باوجود محتاج کو قرضہ نہ دے تو اہل بیتؑ عصمت و طہارتؑ کی حدیثوں میں اس کی شدید مذمت وارد ہوئی ہے چنانچہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں۔ **من شکی الیه اخوه المسلم فلم یقرضه حرم الله علیه الجنة یوم یجزی المحسنین**

جس آدمی کے پاس اس کا مسلمان بھائی (فقرو فاقہ) کی شکایت کرے اور وہ اسے قرضہ نہ دے تو جس دن خدا نیکی کرنے والوں کو جزائے خیر دے گا اس روز اس پر جنت حرام قرار دے گا۔ (عقاب الاعمال)

۴۔ دوسری روایت میں یوں وارد ہے فرمایا۔ **من احتاج الیہ اخوہ المسلم فی قرض وھو یقدر علیہ ولم یفعل حرم اللہ علیہ ریح الجنۃ**

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جو شخص باوجود طاقت و قدرت رکھنے کے اپنے محتاج مسلمان بھائی کو قرض نہ دے تو خدا اسپر جنت کی خوشبو حرام کرتا ہے۔ (آمالی شیخ صدوقؒ)

قرضہ لینے دینے کے آداب

قرضہ لینے دینے کے چند آداب ہیں جن کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور وہ دس ہیں۔

(۱) مشہور یہ ہے کہ بلا ضرورت قرضہ لینا مکروہ ہے اور بعض علماء اسکی حرمت کے قائل ہیں۔ ہاں البتہ کسی حرام کام کے لئے تو یقیناً حرام ہے اور بلا ضرورت قرضہ لینے کی احادیث میں بڑی مذمت وارد ہوئی ہے۔

۔ چنانچہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ **لا وجع الاوجع العین ولا ھم الا ھم الدین**

سب سے بڑا درد آنکھ کا درد ہے اور سب سے بڑا ہم و غم قرضہ کا غم ہے (وسائل الشیعہ)

۔ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **ایاکم والدین فانہ مذلۃ بالنھار مھمۃ باللیل**

حتی الامکان دین (جسکی ایک قسم قرضہ ہے) سے بچو کیونکہ یہ دن کے وقت ذلت و رسوائی ہے اور رات کے وقت ہم غم ہے۔

۳۔ قرضہ دینے والا قربتہ الی اللہ قرضہ دے تب مذکورہ بالا ثواب کا مستحق ہوگا اور کسی دنیوی غرض و غایت کے لئے نہ دے۔ **وانما الاعمال بالنیات**

۴۔ مقروض کے ساتھ نرمی کا برتاؤ برتا جائے کیونکہ اس کے ساتھ شدت و غلظت برتنے کی شدید مذمت وارد ہوئی ہے۔

۵۔ مقروض و مدیون اگر غریب و نادار ہے تو اسے مزید مہلت دی جائے چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **من اراد ان یظلہ اللہ یوم لا ظل الا ظلہ قالھا ثلاثا" ۔ فلینظر معسرا اویدع لہ من حقہ**

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ خدا اسے اس دن سایہ عطا فرمائے۔ جس دن سوائے اس کے سایہ کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (یہ تین بار فرمایا) تو اسے چاہئے کہ غریب کو مہلت دے یا اسے اپنے حق میں سے کچھ معاف کردے۔ (کافی)

اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ **من یسر علی مؤمن وھو معسر یسر اللہ علیہ حوائجہ فی الدنیا والاخرۃ**

جو شخص غریب مومن کے ساتھ آسانی و اسائش کرے خدا اس کی دنیا و آخرت کی حوائج میں آسائش کرے گا۔ (وسائل)

۶۔ بہتر یہ ہے کہ آدمی اپنے مقروض و مدیون کے پاس بطور مہمان قیام نہ کرے اور اگر کبھی ایسا کرنا پڑے تو تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرے کیونکہ ایسا کرنا مکروہ ہے جیسا کہ نصوص میں وارد ہے۔

۷۔ اگر کوئی نادہندہ مقروض و مدیون حدود حرم کے اندر مل جائے تو وہاں حرم کے احترام کے پیش نظر اس سے ادائے دین کا مطالبہ نہ کرے مگر یہ کہ قرضہ بھی اسی سرزمین میں دیا ہو تو پھر اس قسم کا مطالبہ کرنے میں کوئی کراہت و قباحت نہیں ہے۔

۸۔ قرضہ وغیرہ دیتے وقت گواہ مقرر کرنا۔ ارشاد قدرت ہے۔ **واستشھدو اشھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامر أتان ممن ترضون من الشھداء ان تضل احد ٰھما فتذکر احدٰھما الاخرٰی**

اپنے پسندیدہ گواہوں میں سے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ مقرر کرو۔ تاکہ اگر ایک بھول جائے تو دوسرا اسے یاد دلائے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ چار شخصوں کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

۱۔ پہلا وہ شخص جو نکما گھر میں بیٹھ کر کہتا ہے یااللہ مجھے رزق عطا کر۔ خداوند عالم اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ کیا میں نے تجھے روزی کی طلب و تلاش کرنے کا حکم نہیں دیا۔ (پھر تلاش کیوں نہیں کرتا)

۲۔ دوسرا وہ شخص جسکی عورت نافرمان ہو اور وہ اسکے خلاف بد دعا کرے تو خدا فرماتا ہے کہ کیا میں نے اس کا معاملہ تیرے ہاتھ میں نہیں دیا؟ (پھر اسے طلاق دے کر فارغ کیوں نہیں کردیتا)

۳۔ تیسرا وہ شخص جس کے پاس مال و متاع تھا مگر اس نے فضول خرچی میں اسے ضائع کردیا۔ اب روزی کی دعا کرتا ہے تو خدا فرماتا ہے کیا میں نے تجھے میانہ روی کا حکم نہیں دیا تھا؟ (تو فضول خرچی کیوں کی؟)

۸۔ چوتھا وہ شخص جس نے گواہوں کے بغیر قرضہ دیا۔ (اور اب مقروض مکر گیا) اور یہ اس کے وصول ہونے کی دعا کرتا ہے تو خدا فرماتا ہے کیا میں نے تجھے گواہ مقرر کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ (پھر گواہ کیوں مقرر نہ کئے) (الکافی)

۹۔ ہر وقت ادائیگی کی نیت رکھنا کیونکہ یہ حق الناس ہے اور ظاہر ہے کہ حقوق العباد کا معاملہ بڑا سخت ہے چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کل ذنب یکفرہ القتل فی سبیل اللہ الا الدین فانہ لا کفارۃ لہ الا ادائہ او یقضی صاحبہ او یغفر الذی لہ الحق

اللہ کی راہ میں شہید ہونا وہ نیکی ہے جو ہر گناہ کا کفارہ ہے (اسے محو کر دیتا ہے) سوائے دین (قرض وغیرہ مالی حقوق العباد) کے کیونکہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔ یا صاحب حق اسے معاف کر دے۔ (وسائل و حدائق)

۱۰۔ جب تک ادائیگی کی استطاعت نہ ہو۔ (اگرچہ بالقوہ سہی) اس وقت تک قرضہ وغیرہ لینا مکروہ ہے جیسا کہ نصوص و فتاوی میں مذکور ہے۔

توضیح = اپنے والدین کے قرض کا ادا کرنا خواہ وہ زندہ ہوں یا وفات پا چکے ہوں۔ بڑا کار ثواب ہے ہاں البتہ انکی وفات کے بعد اسکی تاکید زیادہ ہے۔ واللہ الموفق

قرض کے شرائط و ارکان

عقد کا بیان = چونکہ قرضہ بھی عقود میں سے ایک عقد ہے اس لئے اس میں بھی بناء بر مشہور ایجاب و قبول کی ضرورت ہے اقوی یہ ہے کہ بیع و شراء وغیرہ دوسرے معاملات کی طرح یہاں بھی "معاطاۃ" کا قانون جاری و ساری ہے لہٰذا قرض کے ادارے سے قبض و اقباض سے معاملہ واقع ہو جائے گا۔ اگرچہ کچھ مخصوص الفاظ ادا نہ کئے جائیں۔ البتہ قرض لینے اور دینے والے میں ضروری ہے کہ وہ عاقل و بالغ ہوں مالک و مختار ہوں اور ممنوع التصرف نہ ہوں۔ جیسا کہ تمام معاملات میں یہ عمومی شرائط ضروری ہیں۔

کس چیز کا قرضہ میں دینا لینا صحیح ہے

ہر وہ چیز جو مسلمان کی ملکیت میں داخل ہو سکتی ہے۔ (علی اختلاف فی الجواری والممالیک) اور ناپنے تولنے یا شمار کرنے یا بیان کرنے سے اس کی مقدار و کیفیت معلوم ہو سکتی ہے اسے بطور قرضہ دینا اور لینا جائز ہے خواہ مثلی ہو (جس کے تمام اجزاء و افراد قیمت اور فائدہ میں مساوی

ہوتے ہیں جیسے دانے' تیل اور روپے وغیرہ) یا قیمی ہو (جس کے اجزاء و افراد قیمت اور فائدہ میں مختلف ہوتے ہیں جیسے حیوان اور گوہر وغیرہ) ربوی ہو یا غیر ربوی سونا ہو یا چاندی۔ لہٰذا اگر تولنے' ناپنے' شمار کرنے یا وصف بیان کرنے کے ذریعہ اس کا وزن یا کیفیت معلوم نہ کی گئی تو اس کا بطور قرضہ لینا دینا جائز نہ ہوگا اور اس میں تصرف کرنا بھی مباح نہ ہوگا۔

قرضہ کے احکام و مسائل کا بیان

مسئلہ ۱۔ قرضہ میں زیادتی کی شرط عائد کرنا بالاتفاق سود کے زمرہ میں آتی ہے جو کہ حرام ہے خواہ یہ زیادتی عینی ہو جیسے دس روپے کے عوض بارہ روپے یا حکمی ہو جیسے ردی مال کے بدلے عمدہ مال یا دس روپے کے عوض دس روپے لے کر مزید برآں کچھ کام بھی کرانا جیسے کوئی کپڑا مفت سلوانا۔ اس سے بنابر مشہور قرضہ والا معاملہ باطل ہو جائے گا اور ایک قول کے مطابق صرف شرط باطل ہوگی مگر معاملہ صحیح رہے گا۔

مخفی نہ رہے کہ یہ سود اس وقت لازم آئے گا کہ جب قرضہ دینے اور لینے والا معاملہ کرتے وقت مذکورہ بالا زیادتی کی شرط عائد کریں لیکن اگر پہلے یہ شرط عائد نہ کی جائے اور ادائیگی کے وقت مقروض از خود اپنی خوشی سے کچھ عینی یا حکمی اضافہ کردے یعنی دس کے بارہ یا ردی مال کے عوض عمدہ مال دے دے۔ تو اس کے جواز میں کوئی اشکال نہیں ہے بلکہ کئی احادیث میں اس اچھے جذبہ کی یہ کہہ کر حوصلہ افزائی کی گئی ہے کہ "خیر القرض ما جر منفعۃ" بہترین قرضہ وہ ہے جو نفع کو کھینچ کر لائے۔ (کتب اربعہ) بلکہ بعض آثار میں آیت مبارکہ "لا تنسوا الفضل بینکم" (آپس میں فضل کو نہ بھولو) میں وارد شدہ لفظ "فضل" کی تفسیر اسی زیادتی کے ساتھ کی گئی ہے جو شرط کے بغیر ادا کی جائے۔ (وسائل الشیعہ) متعدد روایات صحیح و صریحہ میں اس سوال کہ آیا قرضہ کی ادائیگی میں اضافہ جائز ہے؟ کے جواب میں وارد ہے لا بأس اذا لم یکن فیہ شرط۔ یا "لا باس مالم یشترط" بعض میں وارد ہے۔ "جاء الربا من قبل الشروط" سب کا مفہوم یہ ہے کہ بغیر شرط کے قرضہ کی ادائیگی میں اضافہ جائز ہے اگرچہ قرضہ دینے والے کے لئے افضل یہ ہے کہ اسے قبول نہ کرے اور اگر قبول کرے تو جائز ہے اور یہ کہ سود شرطوں کی وجہ سے لازم آتا ہے۔

مسئلہ ۲۔ مشہور و منصور قول یہ ہے کہ قرض کا معاملہ کرتے ہی اور مال قبضہ میں لیتے ہی مال

مقروض (قرضہ لینے والے) کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے اور مقرض (قرضہ دینے والے) کی ملکیت سے خارج ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس مال کی زکوٰۃ و خمس کے احکام قرضہ لینے والے پر عائد ہوتے ہیں اور جب تک وہ ادا نہ کرلے۔ قرضہ دینے والا اس فریضہ سے آزاد ہوتا ہے جیسا کہ جناب زرارہ کی صحیح السند روایت میں وارد ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ **قلت لابی جعفر علیہ السلام رجل دفع الی رجل مالا" قرضا" علی من زکوتہ علی المقرض او علی المقترض قال لا بل زکوتہ ان کانت موضوعۃ عندہ حولا" علی المقترض زکوتہا قال لا یزکی المال من وجھین فی عام واحد ولیس علی الدافع شئی لانہ لیس فی یدہ شئی انما المال فی ید الاخذ فمن کان المال فی یدہ زکاتہ قال قلت۔ ایزکی مال غیرہ من مالہ قال انہ مالہ مادام فی یدہ ولیس ذلک المال لا بغیرہ الخ**

میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک شخص دوسرے کو قرضہ کے طور پر مال دیتا ہے۔ زکوٰۃ کس پر ہوگی؟ فرمایا اگر وہ مال (بقدر نصاب) سال بھر قرضہ لینے والے کے پاس رہا تو زکوٰۃ اسی پر واجب ہوگی۔ میں نے عرض کیا کیا قرضہ دینے والے پر فرض نہ ہوگی؟ فرمایا ایک مال پر ایک سال میں دو دفعہ زکوٰۃ واجب نہیں ہو سکتی پھر فرمایا۔ قرضہ دینے والے پر اس لئے واجب نہیں ہے کہ اب مال اس کے پاس نہیں ہے بلکہ قرضہ لینے والے کے پاس ہے لہٰذا زکوٰۃ بھی وہی ادا کرے گا۔ میں نے عرض کیا کہ مال کسی کا ہو اور زکوٰۃ کوئی اور دے؟ فرمایا جب تک وہ مال اس قرضہ لینے والے کے پاس ہے وہ اسی کا مال ہے یہ کسی اور کا مال نہیں ہے۔ (بعد ازاں فرمایا) جب اس مال میں نفع یا نقصان ہو تو کیا وہ قرضہ لینے والے کا متصور نہیں ہوتا؟ میں نے عرض کیا ہاں! فرمایا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مال اسی کا ہے۔ (حدائق ناضرہ)

مسئلہ ۲۔ مشہور یہ ہے کہ قرضہ عقود جائزہ میں سے ہے لہٰذا قرضہ دینے والا جب چاہے اس معاملہ کو توڑ سکتا ہے اور اگر عین المال باقی ہے تو اسے اور اگر وہ موجود نہیں تو اس کا عوض قرضہ لینے والے سے لے سکتا ہے اگرچہ ابھی ادائیگی کی مدت نہ آئی ہو مگر نصوص اہلبیت سے اس مشہور قول کی تائید نہیں ہوتی بلکہ ان سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عقود لازمہ میں سے ہے جیسا کہ آیت مبارکہ یا ایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود۔ (اے ایمان والو! اپنے عقد کو پورا کرو) اور حدیث المومنون عند شروطھم" (مومن اپنی شرطوں کے پابند ہیں) کا عموم اور جن روایات میں

وارد ہے کہ جب مقروض (قرض لینے والا) مرجائے تو اس کے قرضوں کی میعاد ختم ہو جاتی ہے
اس کے مفہوم سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک زندہ ہے اس وقت تک اس مدت کا انتظار کرنا
ضروری ہے۔ لہٰذا اشبہ یہ ہے کہ یہ عقود لازمہ میں سے ہے اس لئے قرضہ دینے والے کو معاملہ
توڑنے اور اپنا مال واپس لینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اگرچہ عین المال موجود ہی کیوں نہ ہو۔
قرآن مجید میں "اجل مسمی" کا تذکرہ موجود ہے اگر اس کی پابندی ضروری نہ ہو تو پھر اس کے
تذکرہ کا مطلب ہی کیا ہے؟ واللہ العالم

مسئلہ ۴۔ جو رقم قرضہ میں دی جائے۔ اگر ادائیگی کے وقت وہ رقم حکومت ختم کردے اور اس
کی جگہ نیا سکہ رائج کردے تو اب ادائیگی کس رقم کے ساتھ کی جائے گی؟ اس میں اخبار و آثار
فقہاء کے انظار میں بظاہر اختلاف ہے اگرچہ یہ قول قوت سے خالی نہیں کہ رائج الوقت سکہ کی
شکل میں ادائیگی کی جائے گی۔ تاہم احوط یہ ہے کہ مصالحت سے کام لیا جائے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۵۔ اگر کسی شخص کے ذمہ بطور قرضہ یا امانت یا اجرت وغیرہ کسی کا مال ہو اور باوجود
تلاش بسیار کے نہ تو اس آدمی کا کوئی سراغ ملے اور نہ ہی اس کے ورثہ کا کوئی پتہ چلے تو اس
مال کا کیا حکم ہے؟ اس میں اختلاف ہے اس سلسلہ کے اقوال و اخبار کو دیکھنے کے بعد واضح ہوتا
ہے کہ اس کی تین صورتیں جائز ہیں۔

۱۔ اصلی مالک کی طرف سے بطور صدقہ فقراء و مساکین کو دے دیا جائے۔

۲۔ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک بطور امانت اپنے پاس رکھے اور تلاش بھی جاری رکھے اور
اگر کامیابی نہ ہو تو مرتے وقت ورثہ کو وصیت کرجائے کہ وہ بھی ایسا کریں۔

۳۔ اسے اپنا مال تصور کرکے اس میں تصرف کیا جائے اور نیت یہ کی جائے کہ جب بھی اصلی
مالک یا اس کا کوئی وارث مل گیا تو یہ مال ان کو دے دیا جائے گا اور اگر اس کی زندگی میں وہ
مالک یا اس کا وارث نہ مل سکے تو مرتے وقت اپنے ورثہ کو وصیت کرجائے۔ ان تین صورتوں
میں سے پہلی احوط اور آخری انفع ہے کما لا یخفی

مسئلہ ۶۔ جب کوئی مقروض و مدیون مرجائے تو اس کے وہ قرضے وغیرہ جن کی ادائیگی کی ابھی
مدت باقی تھی۔ فوراً واجب الادا ہو جائیں گے اور مال وراثت تقسیم کرنے سے پہلے اصل ترکہ
سے ادا کئے جائیں گے یہ مسئلہ تو اتفاقی ہے لیکن کیا قرض دینے والے کی موت کا بھی یہی حکم
ہے؟

کہ اس کے مؤجل قرضے معجّل ہو جائیں گے یا نہ؟ اس میں اختلاف ہے اظہر یہ ہے کہ مقرض کا حکم بھی مقترض والا ہے جیسا کہ حضرت امام جعفر صادقؑ کے ارشاد سے ظاہر ہے۔

فرمایا اذا مات الرجل حل ماله وما عليه من الدين

کہ جب آدمی مرجائے تو جو قرضہ اس نے کسی سے لینا ہے یا جو قرضہ اس نے کسی کا دینا ہے وہ سب معجّل ہو جاتا ہے۔(من لا يحضره الفقيه)

مسئلہ ۷۔ جب کوئی مقروض و مدیون اپنے قرض خواہوں کو کسی شخص کے حوالے کردے کہ تم نے جو کچھ مجھ سے لینا ہے وہ اس سے وصول کرلینا اور لینے والے اسے قبول بھی کرلیں اور وہ شخص بھی جس شخص کا حوالہ دیا گیا ہے اسے تسلیم کرے تو مدیون بریٔ الذمہ ہو جائے گا اور اب قرض دینے والے اس شخص سے اپنے مال کا مطالبہ کریں گے۔ شریعت میں اسے "حوالہ" کہا جاتا ہے مخفی نہ رہے کہ "حوالہ" میں اس شخص کا عاقل و بالغ اور مختار ہونا ضروری ہے اور چونکہ یہ معاملہ عقود لازمہ میں سے ہے لہٰذا جب یہ معاملہ ہو جائے تو پھر کوئی فریق اسے فسخ نہیں کرسکتا۔

مسئلہ ۸۔ اگر دو آدمیوں کا مشترکہ مال کسی آدمیوں کے ذمہ واجب الاداء ہو اور یہ اسے تقسیم کرنا چاہیں تو جب تک اسے وصول نہ کریں صرف دین کا تقسیم کرنا جائز نہیں ہے کہ یوں کہیں فلاں سے تم وصول کرلینا اور فلاں سے میں وصول کرلوں گا۔ کیونکہ اس میں غرر اور نقصان و زیان کا اندیشہ ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۹۔ اگر قرضہ اور دین دینے والے اور لینے والے میں نزاع واقع ہو جائے یعنی دینے والا دعویٰ کرے کہ میں نے دیا ہے اور لینے والے انکار کرے تو چونکہ دینے والا مدعی اور دوسرا منکر ہے لہٰذا اگر مدعی نے بینہ سے اپنا دعویٰ ثابت کردیا تو فبہا۔ ورنہ دوسرا شخص قسم کھائے گا اور مدعی کا دعویٰ ختم ہو جائے گا۔

مسئلہ ۱۰۔ اگر مقروض و مدیون کو اپنا قرضہ وغیرہ ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو تو زکوٰۃ کے سہم "غارمین" سے اسے ادا کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس نے وہ قرضہ معصیت کے کاموں میں صرف نہ کیا ہو۔

مسئلہ ۱۱۔ جب قرضہ اور دین (از قسم ادھار، حق مہر اور امانت وغیرہ) کی ادائیگی کا وقت آجائے تو سکونتی مکان، لازمی لباس اور ضروری سواری اور اپنی اور اپنے اہل و عیال کے یک شبانہ روز کی

قوت لا یموت کے سوا باقی تمام مال و اسباب اور جائیداد کو فروخت کرکے بھی اس مالی حق کی ادائیگی
کرنا واجب ہو جاتی ہے۔

مسئلہ ۱۲۔ باوجود ادائیگی کی قدرت رکھنے کے ٹال مٹول کرنا گناہ کبیرہ ہے اور جب قدرت نہ ہو تو
کم از کم خلوص دل سے یہ نیت کرنا واجب ہے کہ جب خدا اسے طاقت دے گا تو فوراً ادا
کرے گا۔ اسی طرح مقرض سے بھی صدق دل سے اس تاخیر کی معذرت کرنا لازم ہے۔ واللہ
الموفق۔ **تم باب القرض والدین والحوالہ والحمد للہ رب العالمین**

باب الرھن

ان کنتم علی سفر فلم تجدوا کاتبا فرھان مقبوضہ

شریعت اسلامیہ چونکہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے اس لئے اس نے انسانی جان اور
اس کی عرض و ناموس کی طرح اس کے مال کو بھی بڑی اہمیت دی ہے۔

چنانچہ بعض اخبار و آثار میں وارد ہے کہ
"حرمۃ مال المسلم کدمہ"۔ "مسلمان کے مال کا احترام اس کی جان کی مانند ہے"
یہی وجہ ہے کہ جو شخص اپنی عرض و ناموس یا مال کی حفاظت میں مارا جائے۔ اسے شریعت نے
شہید کے ثواب کی بشارت دی ہے اس لئے شارع اقدس کو مال کا ضیاع ہرگز پسند نہیں ہے
چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ **ان اللہ یکرہ القیل والقال وکثرۃ السؤال
واضاعتہ المال** یعنی خداوند عالم قیل و قال (بے فائدہ گفتگو) کرنے، زیادہ سوال کرنے اور مال
ضائع کرنے کو پسند نہیں کرتا۔ (خصال شیخ صدوق)

اسی وجہ سے شریعت مقدسہ نے حکم دیا ہے کہ جب کسی کو قرضہ دو تو اسے ضبط تحریر میں
لے آؤ یا دو عادل گواہ مقرر کرلو یا کوئی مال رہن رکھ لو تاکہ کل کلاں تمہارا مقروض ابا و انکار
کرنے کی جرات نہ کرسکے اور اگر وہ ایسا کرے تو تم گواہوں کے ذریعہ اپنا حق وصول کرسکو۔ یہ
رہن بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کا اصل مقصد اپنے مال کو تلف ہونے سے بچانا ہے۔
ارشاد قدرت ہے۔ **ان کنتم علی سفر ولم تجدوا کاتبا" فرہان مقبوضۃ**
"اگر تم حالت سفر میں ہو اور کوئی کاتب تمہیں نہ مل سکے تو پھر قبض شدہ رہن ہے"

لٰہذا جو مال و متاع قرضہ لینے والا بطور وثیقہ قرض وغیرہ دینے والے کے پاس رکھے گا۔ اسے شرعی اصطلاح میں "رہن" یا "مرہون" کہا جاتا ہے اور رکھنے والے کو "راہن اور جس کے پاس رکھا جائے اسے "مرتہن" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس لئے یہاں پانچ چیزوں کے متعلق بحث کرنا ضروری ہے۔ (۱) وہ چیز کیا ہے جس کے عوض رہن رکھی جارہی ہے؟

۲۔ جو چیز رہن رکھی جارہی ہے وہ کیسی ہونی چاہیے؟

۳۔ راہن (۴) اور مرتہن کیسے اور کون ہوں؟ (۵) اس عقد کے شرائط و احکام کیا ہیں؟

۱۔ اس چیز کا بیان جس کے عوض رہن رکھی جائے

سو امر اول کے متعلق واضح ہو کہ بالا تفاق "رہن" صرف اس حق کے عوض رکھی جاتی ہے جو دین ہے اور کسی کے ذمہ واجب الادا ہے۔ (خواہ قرضہ ہو یا ادھار' یا حق مہر یا زوجہ کا نان و نفقہ' یا طلاق کا معاوضہ یا زر ضمانت وغیرہ) "عین" (مال موجود) کے عوض رہن رکھنا جائز نہیں ہے اور اس کا مقصد جیسا کہ سابقہ بیان سے واضح و عیاں ہے یہ ہے کہ اس طرح صاحب حق کو (جس نے گرو رکھنے والے سے اپنا مال لینا ہے) اطمینان ہو جائے کہ اب اس کا حق ضائع نہیں ہوگا۔ کیونکہ اب اس کا مال اس کے پاس گرو ہے لٰہذا اگر وہ اس کا حق ادا نہیں کرے گا تو وہ اس گرو شدہ مال کو فروخت کرکے اپنا حق حاصل کرلے گا۔

۲۔ اس چیز کا بیان جسے رہن رکھا جائے

اس چیز میں چند شرطیں ضروری ہیں۔

۱۔ یہ کہ عین المال ہو جیسے گائے' بھینس' مکان' زمین وغیرہ لٰہذا صرف کسی چیز کی منفعت جیسے گھر کی سکونت یا خادم کی خدمت کو رہن رکھنا صحیح نہیں ہے کیونکہ رہن میں یہ شرط ہے (جیسا کہ آیت مبارکہ میں وارد ہے) کہ وہ "مقبوض" ہو یعنی مرتہن اسے اپنے قبضہ میں لے سکے اور ظاہر ہے کہ قبضہ میں اس چیز کو لیا جاتا ہے جو خارج میں موجود ہو۔ لٰہذا منافع جو تدریجی ہوتے ہیں ان کو قبضہ میں نہیں لیا جاسکتا۔

۲۔ یہ کہ مملوک ہو۔ لٰہذا جو سرے سے قابل ملکیت ہی نہیں جیسے آزاد آدمی اور خمر و خنزیر وغیرہ یا قابل ملکیت تو ہو مگر وہ راہن (گرو رکھنے والے) کی اپنی ملکیت نہ ہو جیسے غیر کا مسروقہ یا مغصوبہ مال تو اسے رہن نہیں رکھا جاسکتا۔

۳۔ اس مال کا قبضہ دینا ممکن ہو۔ لہٰذا بھاگے ہوئے غلام یا ہوا میں اڑنے والے مملوک پرندے کو رہن رکھنا صحیح نہیں ہے۔

۴۔ اس کی بیع و شرا صحیح ہو تاکہ اگر راہن حق ادا نہ کرے تو مرتہن اس "رہن" کو فروخت کرکے اپنا حق وصول کر سکے۔

لہٰذا جس چیز کی خرید و فروخت جائز نہیں جیسے وقف اور خراج والی زمین اسے گرو رکھنا بھی صحیح نہیں ہے۵ معین ہو کیونکہ مجہول چیز کو رہن رکھنا درست نہیں ہے۔

راہن و مرتہن کا بیان

چونکہ رہن ایک معاملہ ہے جس کے فریق، راہن (گرو رکھنے والا) اور مرتہن ہیں (جس کے پاس رہن رکھی جا رہی ہے) اس لئے ان ہر دو میں وہ تمام عمومی شرطیں پائی جانی ضروری ہیں جو اس قسم کے معاملات میں ضروری ہوتی ہیں۔ مثلاً" یہ کہ وہ عاقل ہوں۔ بالغ ہوں اور مختار ہوں اور سفاہت، جنون اور دیوالیہ پن وغیرہ کی وجہ سے اپنے مال میں ممنوع التصرف نہ ہوں۔ پس اگر ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو یہ معاملہ باطل متصور ہوگا۔

رہن کے شرائط اور اس کے احکام کا بیان

مسئلہ ۱۔ چونکہ رہن بھی عقود میں سے ایک عقد ہے اس لئے دوسرے معاملات و عقود کی طرح اس میں بھی ایجاب و قبول ضروری ہے اور ہم کئی بار اس امر کی وضاحت کر چکے ہیں کہ اس کے لئے مخصوص صیغوں کی پابندی ضروری نہیں ہے بلکہ جن الفاظ و عبارات سے اور جس زبان میں بھی یہ مقصد ادا ہو جائے کافی ہے بلکہ بیع و شرا کی طرح یہاں بھی علی الاقوی "معاطاۃ" جاری ہوگا۔

مسئلہ ۲۔ یہ معاملہ راہن کی طرف سے لازم اور مرتہن کی طرف سے جائز ہے لہٰذا راہن کو اس کے فسخ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے ہاں البتہ اگر مرتہن چاہے تو اسے فسخ کر سکتا ہے۔

مسئلہ ۳۔ رہن کی صحت میں یہ شرط ہے کہ راہن رہن کا مرتہن کو قبضہ دے دے اس کے بغیر رہن درست نہیں ہوتی۔ باب التجارۃ میں یہ بات بیان کی جا چکی کہ ہر ایک چیز کے قبضہ لینے دینے کا انداز اور طریقہ جدا جدا ہوتا ہے منقول کا انداز اور ہے اور غیر منقولہ کا اور مکیل و موزون کا طریقہ اور ہے اور معدود کا اور۔ الغرض یہ ایک عرفی چیز ہے جسے سب لوگ جانتے ہیں لہٰذا اس کی مزید وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مسئلہ ۴۔ اگر کوئی شخص کسی ایسی چیز کو کسی شخص کے پاس رہن رکھنا چاہے جو پہلے سے اس کے قبضہ میں ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ چیز جائز طریقہ پر اس کے قبضہ میں ہو۔ جیسے بطور عاریہ' امانت یا اجارہ۔ تو پھر اس سابقہ قبضہ کے کافی ہونے میں کوئی اختلاف یا اشکال نہیں ہے اور اگر وہ سابقہ قبضہ ناجائز طریقہ سے ہو۔ جیسے غصب یا سرقہ وغیرہ۔ تو آیا اس صورت میں وہی سابقہ قبضہ کافی ہے یا جدید قبضہ کی ضرورت ہے؟ اس میں قدرے اختلاف ہے اشہر و اظہر یہ ہے کہ وہی سابقہ قبضہ کافی ہے کیونکہ قبضہ کی جو غرض و غایت ہے وہ حاصل ہے اور پہلے جو قبضہ غیر شرعی تھا اب رہن کے بعد وہی شرعی بن جائے گا۔

مسئلہ ۵۔ مشہور یہ ہے کہ رہن مرتہن کے ہاتھ میں امانت ہوتی ہے لہٰذا اگر وہ اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرے اور پھر رہن تلف ہو جائے تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ ہاں اگر وہ اس کی حفاظت میں تفریط و کوتاہی کرے تو پھر اس کا ضامن ہوگا۔ اس پر اخبار صحیحہ و صریحہ دلالت کرتے ہیں منجملہ ان کے ایک جمیل بن دراج کی صحیحہ ہے جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ فرمایا اگر کوئی شخص کسی کے پاس کوئی چیز رہن رکھے اور وہ (بغیر کوتاہی کے) ضائع ہو جائے تو فھو من مال الراھن و یرجع المرتہن علیہ بمالہ" تو وہ راہن کا مال متصور ہوگی اور مرتہن اپنے حق کا اس سے مطالبہ کر سکے گا۔ (تقیہ) ان اخبار کے بالمقابل جو بعض اثار و اخبار موجود ہیں وہ ماؤل یا تقیہ پر محمول ہیں۔

مسئلہ ۶۔ مشہور یہ ہے کہ رہن کے وہ فوائد جو اس کے رہن رکھنے کے بعد حاصل ہوں۔ اگر وہ متصل ہیں جو رہن سے جدا نہیں ہوسکتے۔ جیسے اس کا موٹاپا یا قد کی طوالت (حیوان میں) تو وہ تو بالاتفاق رہن میں داخل ہیں اور اگر یہ منافع منفصل (جدا) ہوں جیسے بچہ یا پھل (کٹاؤ کے بعد) یا وہ منافع جو انفصال و جدائی کے قابل ہوں جیسے صوف' بال' یا وہ پھل جو ہنوز درخت کے اوپر ہے تو اس کے رہن میں داخل ہونے کے بارے میں اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ یہ بھی اس میں داخل ہیں' مگر شیخ طوسی' علامہ حلی اور ان کے فرزند فخرالمحققین کا موقف یہ ہے کہ یہ رہن میں داخل نہیں ہیں کیونکہ اصل عدم دخول ہے جب تک داخل ہونے کا یقین نہ ہو اگرچہ یہ قول قوت سے خالی نہیں ہے مگر نص کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ مسئلہ اشکال سے خالی نہیں ہے۔

واللہ العالم

مسئلہ ۷۔ قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے کہ راہن کی طرف سے رہن لازم ہے لہٰذا جب تک وہ خود مرتہن کا حق ادا نہ کردے یا اس کی طرف سے کوئی اور شخص ادا نہ کرے یا ادائیگی کی ضمانت نہ دے یا صاحب حق اسے معاف نہ کردے اس وقت تک رہن فک نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ ۸۔ مرتہن کو چاہئے کہ معاملہ کے ضمن میں یہ شرط عائد کرے کہ ضرورت کے وقت (یعنی حق کی ادائیگی کا وقت آجائے اور راہن کے ادا نہ کرنے کی صورت میں) وہ رہن کو فروخت کرسکے گا اور اس طرح اپنے حق کو وصول کرسکے گا اسی طرح اپنی موت کے بعد اپنے وارث یا وصی کے لئے بھی یہ شرط مقرر کرائی جاسکتی ہے اور اگر اس شرط کی تصریح نہ کی جائے تو پھر مرتہن کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اسے فروخت کرسکے۔ کیونکہ جو شخص نہ کسی چیز کا مالک ہو اور نہ مالک کی طرف سے وکیل و مجاز اسے اس میں تصرف کرنے اور فروخت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

ہاں اس شرط کے بغیر صرف دو صورتوں میں اسے یہ حق ہے کہ رہن کو فروخت کرکے اپنے حق کو وصول کرے۔ (۱) ایک تو اس وقت جب اسے راہن کی زندگی میں راہن کے انکار حق کا سخت اندیشہ ہو اور حاکم شرع کے پاس اثبات حق کے سلسلہ میں اس کے پاس کوئی بینہ نہ ہو۔

۲۔ دوسرے راہن کی موت کے بعد جبکہ اس کے ورثہ کے انکار کا ظن غالب ہو اور اس کے پاس اثبات حق کے سلسلہ میں کوئی بینہ و برہان نہ ہو اور اگر اس کے پاس بینہ ہے تو پھر معاملہ کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا۔ بلکہ راہن یا اس کے ورثہ کے انکار کی صورت میں حاکم شرع کے پاس اپنے دعویٰ کو ثابت کرکے حق وصول کرے گا۔ یہ مسئلہ منصوص ہے اس لئے بلا اشکال ہے۔

مسئلہ ۹۔ مشہور یہ ہے کہ راہن یا مرتہن کو ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر رہن میں کسی قسم کا تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں ہے جہاں تک مرتہن کے تصرف نہ کرسکنے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ تو ظاہر ہے کہ وہ مالک نہیں ہے اور کسی چیز کے اس کے پاس رہن ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے لئے اس میں تصرف کرنا بھی جائز ہو اور جہاں تک راہن کا تعلق ہے تو اس کے اس قسم کے تصرفات جو اس چیز کو رہن ہونے سے ہی خارج کردیں۔ جیسے اس چیز کا فروخت کرنا اور اگر وہ غلام یا کنیز ہے تو اسے آزاد کردینا۔ تو یہ تو بالاتفاق ناجائز ہیں باقی رہے وہ تصرفات جو

خلاف شرع ہونے کی وجہ سے باطل متصور ہوگی۔

جیسا کہ عبداللہ بن سنان کی صحیح روایت میں مروی ہے کہ **قضی امیر المومنین علیہ السلام فی کل رھن لہ غلتہ ان غلتہ تحتسب لصاحب الرھن مما علیہ** (تہذیب الاحکام)

اس کا مطلب وہی ہے جو اوپر مذکور ہے۔

اس قاعدہ سے صرف ایک صورت مستثنٰی ہے اور وہ یہ ہے کہ رہن شدہ حیوان از قسم اونٹ وغیرہ سواری کا جانور ہو یا از قسم گائے بکری وغیرہ دودھ دینے والا جانور ہو اور مرتہن اسے اپنے پاس سے چارہ ڈالے تو اس صورت میں وہ اس سواری پر سوار ہو سکتا ہے اور اس حیوان کا دودھ استعمال کر سکتا ہے جیسا کہ ابو ولاد کی صحیح السند روایت میں وارد ہے۔ (الفقیہ، الفروع)

مسائل و احکام: اگر راہن و مرتہن کے درمیان قرضہ وغیرہ کی مقدار میں تنازعہ ہو جائے یعنی راہن کم بتائے اور مرتہن زیادہ تو مشہور یہ ہے کہ قاعدہ کے مطابق مرتہن چونکہ زیادتی کا مدعی ہے لہٰذا گواہ پیش کرنا اس کا وظیفہ ہے پس اگر اس نے گواہ پیش کر کے اپنا دعوی ثابت کر دیا تو فبہا ورنہ راہن قسم کھائے گا اور پھر اس کا قول مقدم سمجھا جائے گا۔ اور اس پر کئی نصوص دلالت کرتے ہیں۔

مسئلہ ۲۔ اگر مالک کہے کہ یہ میری چیز فلاں شخص کے پاس امانت ہے اور وہ شخص کہے نہیں بلکہ رہن ہے اب کس کا قول مسموع ہوگا؟ اس میں شدید اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ مالک کا قول مقدم ہوگا اور بعض روایات سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ رہن کے دعویدار کا قول مقدم ہوگا اسے بھی بعض آثار کی تائید حاصل ہے اس لئے یہ مسئلہ قالب اشکال میں ہے احتیاط کا تقاضا مصالحت ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۳۔ اگر مرتہن کی تفریط و کوتاہی سے رہن تلف ہو جائے تو اس کی قیمت میں راہن و مرتہن کے درمیان اختلاف کی صورت میں اس چیز کی کس دن والی قیمت معتبر ہوگی؟ قبض والے دن کی یا تلف والے دن کی یا ان ہر دو کے درمیان والی سب سے گراں قیمت؟ اس میں اختلاف ہے درمیانہ قول قوت سے خالی نہیں ہے وھوالاحوط

مسئلہ ۴۔ جس طرح سفر میں رہن رکھنا صحیح ہے۔ مذہب شیعہ خیرالبریہ میں اسی طرح حضر کے اندر بھی جائز ہے جیسا کہ اس پر معصومینؑ کے اخبار و آثار دلالت کرتے ہیں نیز تنقیح مناط سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کیونکہ رہن کا اصل مقصد تو اپنے مال کو ضائع ہونے سے بچانے کے

متعلق وثیقہ حاصل کرنا ہے۔ عام اس سے کہ سفر ہو یا حضر آیت مبارکہ میں سفر کی قید تغلیبی ہے جس طرح نماز قصر میں کفار سے خوف کی قید تغلیبی ہے۔ قدتم باب الرهن والحمد لله رب العالمین

باب الاجارة

یا ابت استاجره ان خیر من استأجرت القوی الامین

اجارہ کی تعریف اور اس کا جواز = اجارہ ایک خاص قسم کا عقد ہے جس کا ثمرہ یہ ہے کہ مستاجر منفعت کا معلوم اجرت کے عوض مالک ہو جاتا ہے یہ اجارہ یا تو کسی حیوان ناطق یا صامت کے متعلق ہوتا ہے(جسے عرف عام میں مزدوری پر کام کرنا کہا جاتا ہے) یا کسی مکان و دوکان کے متعلق ہوتا ہے(جسے کرایہ پر مکان یا دکان دینا کہا جاتا ہے)یا زمین وجائیداد کے متعلق ہوتا ہے(جسے پٹہ یا ٹھیکہ پر زمین دینا کہا جاتا ہے)

ارشاد قدرت ہے۔ **فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن** (اگر عورتیں تمہارے بچوں کو دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو)

نیز ارشاد رب العزت ہے۔ **قالت احدیھما یا ابت استأجره ان خیر من استاجرت القوی الامین قال انی ارید ان انکحک احدی ابنتی ھاتین علی ان تأجری ثمانی حجج**

ان دو لڑکیوں میں سے ایک نے کہا اے باپ اسے اجرت پر رکھ لو کیونکہ اچھا اجیر وہ ہوتا ہے جو طاقتور اور امین ہو (جناب شعیبؑ) نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کے ساتھ تمہارا نکاح کردوں گا مگر اس شرط کے ساتھ کہ تم آٹھ سال تک میری مزدوری کرو۔

اور جہاں تک احادیث کا تعلق ہے تو وہ اس سلسلہ میں بکثرت موجود ہیں۔ چنانچہ محمد بن سنان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام موسی کاظم علیہ اسلام سے اجارہ کے بارے میں دریافت کیا۔ **قال صالح لا بأس به** (فرمایا وہ اچھی چیز ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (کتب اربعہ) ہاں البتہ بعض احادیث میں انسان کے اجارہ پر کام کرنے کی کراہت وارد ہوئی ہے جسے محقق فقہاء نے اس بات پر محمول کیا ہے کہ کوئی آدمی اپنے آپ کو تمام اوقات کے لئے اجارہ پر

دیدے اور اپنی ذات کے لئے کچھ بھی وقت باقی نہ رکھے ورنہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام کا اجرت پر کام کرنا قرآن و سنت سے ثابت ہے اور محنت مزدوری کر کے حلال روزی کمانے والے کو روایات میں حبیب خدا کہا گیا ہے۔

اجارہ کا فائدہ = یہ امر شریعت سہلہ کے ان روشن دلائل میں سے ہے جو اس کے منجانب اللہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ کہ اس میں خالق فطرت نے امیر و فقیر بندہ و صاحب الغرض تمام انسانی ضروریات اور تمدنی حالات کا لحاظ کرتے ہوئے اجارہ و عاریہ وغیرہ کو جائز و مشروع قرار دیا ہے کیونکہ ہر شخص کے پاس اپنی ضروریات زندگی موجود نہیں ہوتیں۔ اس لئے شارع نے اس کی ضروریات پوری کرنے کیلئے عاریہ مقرر کیا ہے (جس میں بلا معاوضہ کسی سے کوئی چیز مانگ کر اپنی ضرورت پوری کی جاتی ہے اور اسکے بعد واپس لوٹائی جاتی ہے اور وہ چیز لینے والے کے پاس بطور امانت ہوتی ہے جس پر امانت والے احکام نافذ ہوتے ہیں) اور اجارہ مشروع قرار دیا اس میں اجرت پر کوئی چیز لے کر اپنی ضروریات کی تکمیل کی جاتی ہے اس میں بھی بنا بر مشہور و منصور وہ چیز مستاجر کے پاس بطور امانت ہوتی ہے۔

عقد اجارہ کے صیغے؟ اگرچہ اکثر فقہاء نے اس معاملہ کے صیغوں کے متعلق بڑی بڑی طویل بحثیں کی ہیں۔ مگر ہم سابقہ ابواب میں کئی بار اس بات کی تکرار کر چکے ہیں کہ اس چیز کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ لہٰذا جس زبان میں جن الفاظ کے ساتھ اور جس انداز کے ساتھ یہ مطلب ادا ہو جائے۔ اسی سے یہ عقد واقع ہو جاتا ہے اور اقوی یہ ہے کہ بیع و شرا کی طرح عقد اجارہ میں بھی "معاطاۃ" جاری و ساری ہے۔

اجارہ عقود لازمہ میں سے ہے = اجارہ عقود لازمہ میں سے ہے لہٰذا جب تک ہر دو فریق اقالہ نہ کریں یا ایسے اسباب پیدا نہ ہوں جن کی بناء پر یہ معاملہ توڑا جاسکتا ہو۔ (جنکی تفصیل بعد میں آئے گی) اس وقت تک اسے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ جس پر علاوہ فقہاء کے اتفاق کے حضرت امام حسن عسکریؑ والی وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جو فروع کافی میں محمد بن عیسی یقطینی سے مروی ہے آپؑ نے فرمایا یجب علیہ الوفاء کہ اس پر اس عقد کی وفا واجب و لازم ہے۔

اجارہ کے شرائط یہ شرائط چند قسم کے ہیں بعض کا تعلق معاملہ کرنے والوں سے ہے (جن میں سے مالک کو "موجر" کام لینے والے کو "مستاجر" اور کام کرنے والے کو اجیر (مزدور) اور اس چیز کو جسے اجارہ پر دیا جائے۔ (عین مستاجر بہ کہا جاتا ہے) اور بعض کا تعلق اس چیز سے ہے

جسے اجارہ پر دیا جارہا ہے اور بعض کا تعلق اس منفعت سے ہے جس کیلئے اجارہ کا معاملہ کیا جارہا
ہے اور بعض کا تعلق اجرت کے ساتھ ہے اس طرح مجموعی طور پر یہ شرائط کل دس ہیں۔
موجر و مستاجر کے شرائط موجر اور مستاجر میں وہ تمام شرائط پائے جانے ضروری ہیں جن
کا تذکرہ بیع و شرا میں یا جاچکا ہے جیسے بلوغ، عقل، قصد و اختیار کا ہونا اور بوجہ سفاہت وغیرہ
ممنوع التصرف نہ ہونا ہاں البتہ اگر کسی بچہ کا ولی یا وصی بچہ کے مال کو اجارہ پر دے یا بچہ کو اجیر
(مزدور) بنائے تو صحیح ہے (جبکہ اس میں اس کی مصلحت موجود ہو)
مال مستاجر کے شرائط (۱) جس چیز کو اجرت پر دیا جارہا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ
ہر دو فریق کے نزدیک معین و معلوم ہو خواہ مشاہدہ کے ساتھ اور خواہ وصف بیان کرنے کے
ساتھ۔ تاکہ دھوکہ و فریب لازم نہ آئے مثلاً" اگر کسی مکان یا دکان کا اجارہ ہے تو وہ مکان یا
دکان معین ہونی چاہئے لہٰذا اگر اس چیز کی تعیین نہ کی جائے بلکہ اس طرح کہا جائے کہ میں ان
مکانوں یا دکانوں یا زمینوں میں سے ایک مکان یا ایک دکان یا ایک قطعہ زمین اتنی اجرت پر دیتا
ہوں یا اپنی سواریوں میں سے ایک سواری کرایہ پر دیتا ہوں تو یہ اجارہ صحیح نہ ہو گا۔
(۲) موجر اس مال کے تسلیم کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ لہٰذا بھگوڑے غلام، گم شدہ
گدھے، گھوڑے کو اجارہ پر دینا درست نہ ہو گا۔ اور اگر اس کے ساتھ کوئی ضمیمہ شامل کیا
جائے تو اس کے جواز میں اختلاف ہے ظاہر یہ ہے کہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس قسم کی نص
صرف بیع و شرا کے متعلق وارد ہے۔ (۳) اسی طرح اس معاملہ کی صحت کی یہ بھی شرط ہے کہ
مال سے استفادہ کرنا ممکن ہو لہٰذا اگر کوئی ایسا مکان کرایہ پر دیا جائے جو ناقابل رہائش ہو یا کوئی
ایسی بنجر زمین اجارہ پر دی جائے جو ناقابل کاشت ہو یا اگر گونگے شخص کو پڑھانے اور اندھے کو
مال کی حفاظت کیلئے اجارہ پر لیا جائے تو اس کام کے سفیہانہ اقدام ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ صحیح نہ ہو گا۔
(۴) وہ چیز ایسی ہو کہ اس کا اصل باقی رہے اور صرف اس کی منفعت سے فائدہ حاصل کیا
جاسکے (مخفی نہ رہے کہ عاریہ میں بھی یہی شرط ہے) لہٰذا جو چیز ایسی ہے کہ جب اس سے استفادہ
کیا جائے تو وہ خود ختم ہو جاتی ہے جیسے روٹی، پھل فروٹ و خوردنی و نوشیدنی اشیاء تو اس کا اجارہ
و عاریہ پر دینا صحیح نہ ہو گا۔
منفعت کے شرائط (۱) جس منفعت کا اجارہ کیا جارہا ہے وہ مملوکہ ہو بایں طور کہ جس چیز کی
منفعت کا اجارہ کیا جارہا ہے وہ اصل چیز موجر کی مملوکہ ہو یا موجر خود بطور اجارہ وغیرہ اس

منفعت کا مالک ہو اور آگے اسے اجارہ پر دے دے جبکہ اصل مالک نے اس سے یہ شرط نہ کی ہو کہ وہ صرف بذات خود اس سے استفادہ کرے ورنہ اسے آگے اس چیز کو اجارہ پر دینے کا حق حاصل نہ ہوگا۔

۲۔ یہ منفعت جائز و مباح ہو لہٰذا کوئی دکان اس لئے کرایہ پر دینا کہ اس میں شراب بنائی یا بیچی جائے اور کوئی سواری اس لئے کرایہ پر دینا کہ اس پر شراب لادی جائے اور کسی شخص کو مزدور اس لئے بنانا کہ وہ شراب بنائے یا پلائے جائز نہیں ہے اور اس قسم کا اجارہ باطل ہے۔

۳۔ یہ منفعت معلوم ہو خواہ اس طرح کہ کام کی مقدار معین کر دی جائے جیسے فلاں کپڑے کی سلائی یا فلاں جگہ تک سواری یا اس کام کی مدت مقرر کر دی جائے جیسے ایک ماہ تک سلائی یا ایک ماہ تک سواری یا ایک سال تک سکونت وغیرہ وغیرہ الغرض اگر یہ تعین نہ کی جائے تو اجارہ باطل ہوگا۔

۴۔ اگر کسی چیز کے اندر چند منافع پائے جاتے ہوں جیسے گھوڑا کہ سواری اور بار برداری ہر دو کے کام آتا ہے تو اس کی تعیین بھی ضروری ہے کہ اس سے کون سا فائدہ حاصل کیا جائے گا؟ ہاں اگر اس کے تمام فوائد حاصل کرنے کیلئے اسے اجارہ پر لیا جائے تو پھر تعیین کی ضرورت نہیں ہے۔

<u>اجرت کے شرائط</u> (۱) ہر وہ چیز جو بیع و شرا میں قیمت مقرر ہو سکتی ہے۔ خواہ عین المال ہو یا منفعت وہ اجارہ میں اجرت بھی قرار پا سکتی ہے۔ (۲) البتہ اس میں یہ بھی شرط ہے کہ وہ معلوم و معین ہو خواہ ناپ' تول اور شمار کرنے سے ہو (اگر کیل و موزون اور معدود ہو) یا مشاہدہ سے یا وصف بیان کرنے سے (اگر مذکورہ بالا اقسام سے نہ ہو بلکہ از قسم حیوانات و باغات وغیرہ سے ہو)۔

اجارہ کے احکام و مسائل

مسئلہ ۱۔ اجیر (مزدور) دو قسم کے ہوتے ہیں ایک خاص اور دوسرا عام! اجیر خاص سے مراد وہ شخص ہے جسے خاص مدت میں کام کرنے یا اس طرح خاص کام کرنے کیلئے مقرر کیا جائے کہ اس کام کی ابتداء کا وقت بھی معین ہو اور یہ شرط بھی ہو کہ وہ کام خود کرے گا۔ اور جب تک اس کام سے فارغ نہ ہوگا تب تک کوئی اور کام شروع نہ کرے گا اور اجیر عام سے مراد وہ مزدور ہے جسے

اسطرح پابند نہ کیا جائے بس پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ وہ جب تک پہلے کام سے مکمل طور پر فارغ نہ ہو جائے اس وقت تک مستاجر کی اجازت کے بغیر اجارہ پر کوئی اور کام نہیں کر سکتا بخلاف دوسری قسم کے مزدور کے کہ وہ اس کام کے اثناء میں بھی کوئی دوسرا کام اجارہ پر کر سکتا ہے اس موضوع پر متعدد نصوص و فتاویٰ موجود ہیں۔

مسئلہ ۲۔ اخبار و آثار اور علماٗ ابرار کے اقوال سے جو کچھ واضح و اشکار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اجارہ کا معاملہ ہوتے ہی گو موجر اجرت کا حقدار ہو جاتا ہے۔ مگر جب تک مال مستاجر (اجارہ شدہ چیز) مستاجر کے حوالہ نہ کردے۔ (اگر اجارہ کا تعلق عین کے ساتھ ہو جیسے زمین یا مکان وغیرہ) یا جب تک اجیر کام سے فارغ نہ ہو جائے۔ (اگر اجارہ کا تعلق کسی عمل و کام سے ہو) اس وقت تک اجرت کی ادائیگی لازم نہیں ہوتی البتہ اس کے بعد بلاوجہ تاخیر جائز نہیں ہے۔ چنانچہ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی اجرت ادا کردو(کافی وغیرہ)

مسئلہ ۳۔ ایک شخص نے مکان یا دکان یا زمین مستاجری پر لی ہے یا سواری کیلئے گھوڑا اجارہ پر لیا ہے تو اگر تو موجر نے اس سے یہ شرط مقرر کی ہے کہ بذات خود ان چیزوں سے استفادہ کرے گا تب تو وہ ان چیزوں کو آگے اجارہ پر نہیں دے سکتا اور اگر یہ شرط عائد نہیں کی گئی۔ تو پھر مستاجر کو یہ حق حاصل ہے کہ آگے اسے اجارہ پر دیدے یہاں تین صورتیں متصور ہو سکتی ہیں۔

۱۔ اصل اجارہ کی اجرت کے برابر پر دے۔

۲۔ اس سے کم اجرت پر دے ان ہر دو قسم کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۳۔ اس سے زیادہ اجرت پر دے اس صورت کے جواز کی شرط یہ ہے کہ اس نے اس چیز میں کچھ کام کیا ہو جیسے مثلاً" مکان کی سفیدی کی" ورنہ یہ اضافہ جائز نہ ہو گا اور یہی حکم اس صورت کا ہے کہ جب کسی نہ کسی کام کا اجارہ (ٹھیکہ) لیا ہو اور وہ آگے کم اجرت پر دینا چاہے تو یہ صرف اس صورت میں جائز ہو گا کہ جب اس نے کچھ کام کیا ہو جیسے درزی کپڑے کو خود پیونت کر دوسرے درزی سے کم اجرت پر سلوائے نیز یہ بھی جائز ہے کہ مکان کے ایک حصہ میں خود رہے اور دوسرے حصہ کو آگے کرایہ پر دیدے۔

مسئلہ ۴۔ اگر کسی وجہ سے عقد اجارہ باطل ہو جائے تو دیکھا جائے گا کہ بطلان کا انکشاف اس چیز سے فائدہ اٹھانے یا اجیر کے کام کرنے سے پہلے ہوا ہے (تب تو مستاجر پر کچھ واجب نہ ہو گا) اور اگر یہ انکشاف اجارہ شدہ چیز سے استفادہ کرنے یا مزدور کے کام انجام دے چکنے کے بعد ہو

تو پھر اجرۃ المثل واجب ہو گی خواہ وہ مقررہ اجرت سے زیادہ ہو یا کم یا اس کے مساوی

مسئلہ ۵۔ اجرت طے کئے بغیر مزدور سے کام لینا مکروہ ہے حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **من کان یومن باللہ والیوم الاخر لا یستعملن اجیرا حتی یعلم ما اجرتہ** جو شخص خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ جب تک مزدور سے پہلے اجرت طے نہ کرے اس وقت تک اس سے کام نہ لے (کافی تہذیب)

مسئلہ ۶۔ مشہور یہ ہے کہ اجارہ میں تاخیر جائز نہیں ہے بلکہ اجارہ ہوتے ہی اس کی مدت شروع ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر ہر دو فریق معاملہ کرتے وقت یہ شرط عائد کریں۔ کہ مثلاً" ایک ماہ کے بعد مدت شروع ہو گی تو اس کے جواز وعدم جواز میں شدید اختلاف ہے مگر اظہر جواز ہے اور اگر اتصال و نفصال کی وضاحت کئے بغیر معاملہ کیا جائے تو ظاہر یہ ہے کہ اطلاق کا تقاضا اتصال ہے پس معاملہ ہوتے ہی اسکی مدت شروع ہو جائے گی۔ واللہ العالم

مسئلہ ۷۔ ظاہر یہ ہے کہ سوائے "خیار مجلس" "خیار حیوان" اور "خیار تاخیر" کے باقی جس قدر خیارات ہیں جیسے خیار عیب' خیار غبن خیار شرط اور خیار رویت وغیرہ وہ تمام خیارات اجارہ میں جاری ہوتے ہیں جن کے تمام احکام بیع و شراء کے باب میں بیان کئے جا چکے ہیں

مسئلہ ۸۔ اگر کسی چیز کو (جیسے مکان' زمین یا گھوڑا وغیرہ) اجارہ پر دیئے کے بعد مالک اسے فروخت کر دے تو اس سے سابقہ اجارہ باطل نہ ہو گا زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ وہ مال خریدار کی طرف منتقل ہو جائے گا اور جب تک اجارہ کی مدت ختم نہ ہو گی وہ اس میں تصرف نہیں کر سکے گا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب خریدار کو اس کے اجارہ پر دیئے جانے کا علم ہو اور اگر اسے اس بات کا علم نہ ہو تو پھر اسے اس معاملہ کے فسخ کرنے کا حق حاصل ہو گا۔

مسئلہ ۹۔ ظاہر یہ ہے کہ موجر یا مستاجر کے مرنے سے اجارہ باطل نہیں ہوتا۔ بلکہ مرنے والے کے ورثہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب اجارہ کا تعلق عین مال (جیسے مکان وغیرہ) کے ساتھ ہو اور اگر اس کا تعلق بدنی کام کے ساتھ ہو تو جیر (مزدور) کے مرنے سے بلا اشکال اجارہ باطل ہو جائے گا۔

مسئلہ ۱۰۔ جب موجر وہ چیز مستاجر کے حوالے کر دے جس کا اجارہ ہوا ہے مگر وہ اس سے استفادہ نہ کرے۔ یہاں تک کہ مدت اجارہ ختم ہو جائے تو موجر پوری اجرت کا مستحق ہو گا کیونکہ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں بلکہ تمام تقصیر خود مستاجر کی ہے۔ اور یہی حکم اس

صورت کا ہے کہ جب مزدور اپنے مقررہ وقت میں مقررہ کام کیلئے اپنے آپ کو پیش کرے مگر
مستاجر اس سے کام نہ لے حتی کہ مدت اجارہ ختم ہو جائے۔

مسئلہ ۱۱۔ اگر اجارہ کے بعد وہ چیز جس پر اجارہ ہوا ہے تلف ہو جائے جیسے مکان گر جائے تو اس
کی چار صورتیں ہیں۔

۱۔ قبضہ سے پہلے تلف ہو۔

۲۔ قبضہ کے بعد مگر استفادہ سے پہلے

۳۔ کچھ منفعت حاصل کرنے کے بعد

۴۔ تمام استفادہ کرنے کے بعد پہلی دو قسموں کا حکم یہ ہے کہ ان میں اجارہ باطل متصور ہوگا
تیسری صورت کا حکم یہ ہے کہ جس قدر استفادہ کر چکا ہے اتنی مقدار میں صحیح اور باقی میں باطل
ہو گا اور آخری صورت کا حکم یہ ہے کہ تمام اجرت ادا کرنا لازم ہوگی۔

مسئلہ ۱۲۔ جو شخص کرایہ پر گھوڑا یا گدھا لے اور اس پر زیادہ بوجھ لادے یا انہے آب و دانہ کم
ڈالے یا مقررہ جگہ سے آگے لے جائے اور اس کی وجہ سے جانور تلف ہو جائے۔ یا اس سے
اس کی قیمت کم ہو جائے تو مستاجر اس کی تلافی کا ضامن ہو گا اور آخری صورت میں اس پر اس
سفر کی اس زائد مقدار طے کرنے کی اجرۃ المثل بھی واجب ہو گی جبکہ تلف نہ ہو اور نہ اس میں
کوئی نقص واقع ہو۔ ورنہ اس کی تلافی بھی لازم ہو گی۔

مسئلہ ۱۳۔ جو چیز اپنے اوپر واجب ہو عینی ہو یا کفائی اس کی ادائیگی کیلئے اپنے آپ کو اجیر بنانا
(اجرت لیکر یہ کام کرنا) جائز نہیں ہے (اس کی تفصیل مکاسب محرمہ میں بیان کی جا چکی ہے)

مسئلہ ۱۴۔ اگر کوئی شخص اس شرط پر زمین اجارہ (پٹہ) پر دے کہ اس میں گندم یا جو کاشت کئے
جائیں اور اس کے حاصل میں سے ایک معین مقدار مستاجر ادا کرے گا۔ تو بناء بر مشہور یہ
اجارہ جائز نہیں ہے۔ مگر بعض فقہا کے نزدیک صرف مکروہ ہے لہٰذا احتیاط واجب یہ ہے کہ اس
سے اجتناب کیا جائے اور اگر اس زمین کے علاوہ دوسری جگہ سے حاصل شدہ گندم وجو کے
عوض مستاجری پر دیا جائے تو بناء بر مشہور یہ معاملہ صرف مکروہ ہے۔ (واللہ العالم)

مسئلہ ۱۵۔ مشہور و منصور قول یہ ہے کہ اجارہ شدہ مال مستاجر اور اجیر کے ہاتھ میں امانت ہوتا
ہے لہٰذا اگر اس کی دخل اندازی کے بغیر اور اس کی تفریط و تعدی اور کوتاہی کے بغیر تلف ہو
جائے یا اس میں کوئی نقص و عیب پیدا ہو جائے تو وہ ضامن نہ ہو گا اور اس کا یہ دعوی اس

وقت تک مسموع ہو گا۔جبکہ وہ دیانتدار ہو ورنہ اسے اپنا دعویٰ بینہ و برہان اور قسم سے ثابت کرنا ہو گا اور اگر اس کے کسی اقدام سے وہ چیز تلف ہو جائے یا عیب دار ہو جائے جیسے درزی کپڑا سیتے وقت یا دھوبی کپڑا دھوتے وقت یا زرگر زیور بناتے وقت یا معمار مکان بناتے وقت کپڑے، سونے، چاندی اور مکان کو خراب کر دے تو وہ ضامن ہو گا اگرچہ وہ اپنے فن میں ماہر ہو اور بغیر تفریط و کوتاہی کے خراب کرے احادیث خاندان عصمتؑ سے ایک قاعدہ کلیہ ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ کہ **کل عامل اعطیتہ، اجرا علی ان یصلح فافسد فھو ضامن** (یعنی ہر وہ شخص جسے تم مزدوری دے کر کوئی چیز اصلاح کیلئے دو اور وہ اسے خراب کر دے تو وہ اس کا ضامن ہو گا (کتب اربعہ)

مسئلہ ۱۶۔ اگر قصاب ذبح کرتے وقت حیوان کو غلط ذبح کرے جس سے وہ حرام ہو جائے تو وہ ضامن ہو گا۔

مسئلہ ۱۷۔ اگر ختنہ کرنے والا حد سے زیادہ چمڑا وغیرہ کاٹ دے جس سے بچہ کو نقصان پہنچے یا اس سے اسکی موت واقع ہو جائے تو وہ ضامن ہو گا۔

مسئلہ ۱۸۔ اگر کوئی طبیب یا ڈاکٹر کسی بیمار کا علاج کر رہا ہو اور غلطی سے غلط دوا دے دے جسکی وجہ سے مریض مرجائے تو وہ ضامن ہو گا۔ اگرچہ ماہر ہو جیسا کہ بعض احادیث میں وارد ہے۔ **الطبیب ضامن ولو کان حاذقا**" ہاں اگر وہ ویسے کسی دوا کی تعریف کرے کہ فلاں دوا فلاں مرض کیلئے مفید ہے اور کوئی شخص خود اسے استعمال کرے اور مر جائے یا نقصان اٹھائے تو بنا براقویٰ طبیب ضامن نہ ہو گا اسی طرح اگر طبیب علاج کرنے سے پہلے مریض یا اس کے ولی سے طے کرلے کہ نقصان کی صورت میں وہ ضامن نہ ہو گا اور پھر پوری احتیاط سے علاج و معالجہ کرے مگر پھر بھی مریض کو فائدہ کی بجائے الٹا جان کا نقصان ہو جائے تو اس صورت میں وہ ضامن نہ ہو گا۔

چند نزاعی مسائل کا بیان

مسئلہ ۱۔ اگر موجر و مستاجر کا اصل اجارہ میں جھگڑا ہو جائے یعنی ایک کہے کہ اجارہ ہوا ہے اور دوسرا اس کا انکار کرے تو جب تک مدعی بینہ (دو گواہوں) سے اپنا دعویٰ ثابت نہ کر دے اس وقت تک منکر کا قول قسم کے ساتھ مقدم سمجھا جائے گا کیونکہ اصل اس کے ساتھ ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگر موجر و مالک یہ کہے کہ اجارہ شدہ چیز اسے واپس نہیں ملی اور مستاجر واجیر یہ دعویٰ

کرے کہ اس نے وہ چیز واپس کر دی ہے تو جب تک مستاجر بینہ پیش نہ کرے مالک کا قول قسم کے ساتھ مقدم ہو گا۔

مسئلہ ۳۔ اگر مال مستاجر کے تلف ہونے میں نزاع واقع ہو جائے تو اس کا حکم ابھی اوپر مسئلہ نمبر ۱۵ میں واضح کر دیا گیا ہے وہاں رجوع کیا جائے۔ **واللہ العالم بحقائق احکامہ او نوابہ القائمون مقامہ فی معالم حلالہ وحرامہ۔ تم باب الاجارۃ والحمد للہ رب العالمین۔**

باب المزارعة

انتم تزرعونہ ام نحن الزارعون

مزارعت کا مفہوم اور اسلام میں اس کا مقام

مزارعت کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص کی زمین ہو اور وہ دوسرے شخص کو اس کے حاصل میں سے ایک معین مگر مشاع مقدار پر زراعت کرنے کیلئے دے یہ باتفاق تمام علماء اسلام جائز ہے اور اس کے جواز پر نصوص کثیرہ معتبرہ وارد ہوئے ہیں اور اس کے جواز کا اتفاقی ہونا ان نام نہاد مسلمانوں کے منہ پر زناٹے دار طمانچہ ہے جن کے مذہبی خیالات اغیار سے مستعار ہیں جو دیکھتے ہیں تو غیروں کی آنکھوں سے سنتے ہیں تو غیروں کے کانوں سے اور سوچتے ہیں تو غیروں کے دل و دماغ سے اس لئے وہ مزارعت کو سابقہ مفہوم کے ساتھ ناجائز بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر شخص کو اس قدر زمین اپنے پاس رکھنے کا حق ہے جسے خود کاشت کرسکے اس سے زائد جائز نہیں ہے ایسے لوگوں سے دریافت کرنا چاہئے کہ **اللہ اذن لکم ام علی اللہ تفترون** آیا خدا نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے یا تم خدا پر افترا پردازی کرتے ہو؟ ہم باب الزکوۃ کے ابتدائی مباحث میں اس مسئلہ کی کماحقہ وضاحت کرچکے ہیں کہ اسلام نے سب سے بڑھ کر شخصی ملکیت کی حوصلہ افزائی کی ہے اور اگر بطریق حلال دولت یا زمین حاصل کی جائے۔ اور بجائے حلال صرف کی جائے اور واجبی مالی حقوق ادا کئے جائیں تو اس ملکیت کی شرعاً کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ منجملہ دیگر دلائل کے ایک یہی "مزارعت" اس دعوی کی بین دلیل ہے کہ زمین کو اس قدر وافر مقدار میں ملکیت کے اندر رکھنا جائز ہے کہ اسے پٹہ یا کاشت کے لئے دوسروں کو دیا جائے۔ **وھو المقصود**

مزارعت کے شرائط کا بیان

اس مزارعت کے چند شرائط ہیں جن کے بغیر یہ معاملہ شرعاً صحیح نہیں ہوتا۔

اول۔ یہ کہ مالک مزارع ہر دو عاقل و بالغ رشید و مختار ہوں اور سفاہت وغیرہ کی وجہ سے ممنوع التصرف نہ ہوں۔

دوم یہ کہ زمین کے تمام محاصل سے مالک و مزارع کا بطور مشاع نصفاً یا ایک کا ثلث اور دوسرے کے دو ثلث یا اس سے کم و زیادہ حصہ مقرر ہو لہٰذا اگر وہ اسکے خلاف اس قسم کی کوئی

شرط مقرر کریں مثلاً" کہ جو فصل پہلے پکے گی وہ مالک کی ہوگی اور جو بعد میں تیار ہوگی وہ
مزارع کی یا اس کے برعکس یا فلاں کھیت کی آمدن مالک لے گا اور فلاں کی مزارع یا مالک
مزارع سے یوں کہے کہ تم زمین کاشت کرو۔ اور تم جس قدر چاہو اس کے حاصل میں سے مجھے
حصہ دے دینا تو یہ معاملہ درست نہ ہوگا۔

سیوم۔ مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ مزارعت کی مدت سن و سال کے ساتھ مقرر کی جائے اگرچہ
احادیث اہل بیتؑ سے اس شرط کا واضح طور سے ثابت کرنا مشکل ہے۔ ہاں البتہ بعض اخبار سے
اس کا ترشح ضرور ہوتا ہے مگر ایک تو اس لئے کہ بناء بر مشہور یہ عقود لازمہ میں سے ہے جس کا
تقاضا یہ ہے کہ اس کی مدت معین ہونی چاہئے جس سے پہلے مالک و مزارع معاملہ توڑ نہ سکیں
اور دوسرے اس شرط کی شہرت بھی اتفاق و اجماع کی حد تک ہے اس لئے احتیاط واجب یہی ہے
کہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

چہارم۔ یہ کہ زمین کاشت و زراعت کے قابل ہو۔ لہٰذا اگر زمین سیم یا تھور وغیرہ کی وجہ سے بالکل
ناقابل استفادہ ہو یا زمین تو قابل کاشت ہو مگر پانی کے ناپید ہونے کے سبب سے اس سے فائدہ نہ
اٹھایا جاسکتا ہو تو مزارعت والا معاملہ صحیح نہ ہوگا۔

پنجم۔ یہ کہ جو فصل کاشت کرنا ہے اس کی بھی تعیین کر دی جائے کہ گندم ہوگی یا جو کماد ہوگا یا
کپاس وغیرہ ہاں اگر عادۃً وہاں کوئی فصل کاشت کی جاتی ہو تو پھر اس اطلاق کو اسی پر محمول کیا
جائے گا۔

ششم۔ یہ کہ جو زمین مزارعت پر دی جارہی ہے اس کی تعین کی جائے لہٰذا اگر مالک کے پاس
متعدد زمینیں ہوں اور وہ مزارع سے کہے کہ ان میں سے ایک کی کاشت کرو تو عقد مزارعت
درست نہ ہوگا

ہفتم۔ یہ کہ مالک و مزارع اس بات کی تعیین کریں کہ بیج اور معاملہ و آبیانہ اور کھاد وغیرہ الغرض
زراعت کے جملہ مصارف مالک کے ذمہ ہونگے یا مزارع کے؟ یا ہر دو ملکر ادا کریں گے؟ اور
اس اشتراک کی کیفیت کیا ہوگی یعنی ان کے حصے کیا ہوں گے؟ لہٰذا اگر یہ چیزیں مالک کے ذمہ
کی جائیں تو وہ برداشت کرے گا اور اگر مزارع کے ذمہ لگائی گئیں تو وہ ادا کرے گا اور
اشتراک کی صورت میں بمطابق فیصلہ ہر دو مشغول الذمہ ہوں گے۔

مزارعت کے احکام و مسائل

مسئلہ ۱۔ ایجاب وقبول کے متعلق یہاں بھی تحقیق یہی ہے کہ اس سلسلہ میں مخصوص الفاظ کی ادائیگی ضروری نہیں ہے۔ بلکہ جن الفاظ و عبارات کے ساتھ بھی یہ مطلب و مدعا ادا ہو جائے وہی کافی ہیں۔ بلکہ لفظی ایجاب و قبول کی بجائے عملی ایجاب وقبول کا کافی ہونا بھی قوت سے خالی نہیں ہے۔ اگرچہ اظہر یہ ہے کہ ایجاب لفظی ہونا چاہیئے۔

مسئلہ ۲۔ بنا بر مشہور عقد مزارعت عقود لازمہ میں سے ہے لہٰذا طرفین کی رضامندی کے بغیر اپنی مقررہ مدت سے پہلے اسے کوئی ایک فریق ختم نہیں کر سکتا۔

مسئلہ ۳۔ جو آدمی زراعت کے لئے کسی آدمی کو زمین دے رہا ہے اس کیلئے زمین کا مالک ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اگر وہ پٹہ وغیرہ کی وجہ سے اس کی منفعت کا حق دار ہو تو بھی آگے مزارعت پر زمین دے سکتا ہے۔

مسئلہ ۴۔ مالک و مزارع کے مابین جس فصل کے کاشت کرنے کا معاہدہ ہوا تھا اگر مزارع اس کی خلاف ورزی کر کے کوئی اور فصل کاشت کر دے تو مالک کو اس معاملہ کے فسخ کرنے یا باقی رکھنے کا حق حاصل ہو گا۔ لہٰذا اگر اسے باقی رکھے تو اپنا مقررہ حصہ لے گا اور اگر معاملہ فسخ کر دے تو فصل مزارع برداشت کرے گا اور مالک کو زمین کی اجرۃ المثل ادا کرے گا۔

مسئلہ ۵۔ اگر کسی وجہ سے یہ عقد باطل ہو جائے تو جس کا بیج ہے فصل وہ برداشت کرے گا اور دوسرا اجرۃ المثل کا مستحق ہو گا یعنی اگر بیج مالک کا تھا تو فصل وہ برداشت کرے گا اور مزارع کو اس قدر اجرت دی جائے گی جس قدر اس قسم کا کام کرنے والے مزدور اور مزارع کو ملتی ہے اور اگر بیج مزارع کا تھا تو فصل وہ برداشت کرے گا اور مالک کو اس قدر اجرت دی جائے گی۔ جس قدر عرف میں اس قسم کی زمین پر اس قدر مدت کے لئے دی جاتی ہے۔

مسئلہ ۶۔ اگر مقررہ مدت مزارعت ختم ہو جائے اور ہنوز فصل تیار نہ ہوئی ہو تو مالک کو حق حاصل ہے کہ وہ مزارع سے زمین خالی کرائے۔ یا اجرۃ المثل لے کر یا مفت اس کے تیار ہونے تک فصل کو بحال رہنے دے۔

مسئلہ ۷۔ اگر مزارع جان بوجھ کر بلا عذر کوئی فصل کاشت نہ کرے جبکہ زمین اس کے قبضہ میں ہو تو معاملہ باطل ہو جائے گا اور وہ مالک کو زمین کی اجرۃ المثل ادا کرے گا۔

مسئلہ ۸۔ مالک یا مزارع کے مرنے سے یہ معاملہ باطل نہیں ہوتا بلکہ ان کے وارث اپنے مورث کے قائم مقام متصور ہوتے ہیں۔

مسئلہ ۹۔ جب فصل تیار ہو جائے تو جائز ہے کہ اس کے حاصل کا اندازہ لگا کر ایک فریق دوسرے کا حصہ اپنے پاس سے ادا کرکے تمام فصل کو اپنے قبضہ میں لے لے اور اگر اس اندازہ و تخمینہ میں کچھ کمی و بیشی واقع ہو جائے تو اس سے اس معاملہ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

مسئلہ ۱۰۔ اگر بنجر اور غیر آباد زمین اس طرح مزارعت پر دی جائے کہ مزارع اسے آباد کرے گا اور ایک یا دو سال یا اس سے کم و زیادہ مدت تک اس کا حاصل خود برداشت کرے گا اور بعد ازاں بحصہ مشاع نصف یا ثلث یا ربع وغیرہ پر کاشت کرے گا تو یہ جائز ہے۔

مسئلہ ۱۱۔ اگر مالک و مزارع میں اس طرح نزاع ہو جائے کہ مالک یہ کہے کہ اسکی زمین اس شخص کے پاس بطور مزارعت ہے اور مزارع یہ کہے کہ نہیں بلکہ بطور عاریہ ہے اور کسی کے پاس بینہ (گواہ) نہ ہو۔ تو مشہور یہ ہے کہ قسم کے ساتھ زمین کے مالک کا قول مقدم ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کے عاریۃً دینے کا منکر ہے۔ **وھو ابصر بفعلہ**

مسئلہ ۱۲۔ اگر مدت مزارعت میں نزاع ہو جائے مثلاً" ایک یہ کہے کہ ایک سال کیلئے تھی اور دوسرا کہے کہ دو سال کیلئے تو جو زیادتی کا دعویدار ہے اسے چاہیئے کہ وہ بینہ پیش کرے اور اگر اس کے پاس بینہ نہ ہو تو پھر دوسرا قسم کھائے گا اور اس کا قول مقدم ہوگا اور اگر حاصل کی مقدار میں نزاع واقع ہو جائے کہ نصف نصف ہے یا کم و زیادہ؟ تو بناء بر مشہور جس کا بیج ہے اس کا قول قسم کے ساتھ مقدم ہوگا اور جس کا بیج ہے حاصل بھی اسی کا متصور ہوگا جب تک ناقل کا یقین نہ ہو جائے ہاں اگر دوسرا فریق بینہ پیش کر دے تو پھر اس کا دعوی ثابت ہو جائے گا اور اگر مذکورہ بالا صورتوں میں دونوں فریق گواہ پیش کر دیں تو بینہ اس کا مقدم ہوگا جس کے دعوی کو بینہ کے بغیر نظر انداز کر دیا گیا تھا جو کہ مذکورہ بالا دو صورتوں میں سے پہلی صورت میں زیادتی کا دعویدار تھا اور دوسری صورت میں وہ تھا جس کا بیج نہیں تھا۔

تم باب المزارعۃ والحمد للہ رب العالمین

باب الوکالۃ

(واللہ علی ما نقول وکیل)

شریعت اسلامیہ کے سہل اور فطری ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اس میں ان کاموں

کے اندر جن میں اصل مؤکل کے بغیر بھی کسی کام کا اصل مقصد پورا ہو سکتا ہے جیسے نکاح و طلاق بیع و شرا اور مقدمات و معاہدات وغیرہ ان میں وکالت جائز ہے اور ان میں کسی شخص کو وکیل بنانا مباح ہے ہاں البتہ جہاں اصل مقصد اصل شخص یعنی مؤکل کے بغیر پورا نہ ہو سکتا ہو وہاں وکالت جائز نہیں ہے کیونکہ وہاں وکالت سے اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ جیسے نماز روزہ وغیرہ عبادات شرعیہ کیونکہ یہاں اصل مقصد بندہ کی بندگی اور اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں اپنے خشوع وخضوع کا اظہار ہے جو وکیل کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتا اور یہی کیفیت قسم کھانے کی ہے کیونکہ قسم کھانے کا اصل مقصد قسم کھانے والے شخص کی صداقت و حقانیت کا اظہار ہے اور ظاہر ہے کہ کسی دوسرے شخص کے قسمیں کھانے سے پہلے شخص کی صداقت ثابت نہیں ہو سکتی اور یہی کیفیت اختیاری حالات میں شہادت و گواہی دینے کی ہے۔ کما لا یخفی

الی غیر ذلک من الموارد المختلفة التی یطلع علیها المتتبع الخبیر

وکالت کے شرائط کا بیان

وکیل، مؤکل اور وکالت میں آٹھ شرطیں معتبر ہیں۔

۱۔ دونوں بالغ ہوں (۲) دونوں عاقل ہوں (۳) اپنے قصد و ارادہ سے کام کریں (۴) دونوں بااختیار ہوں لہذا جو شخص عرفاً یا شرعاً ممنوع التصرف ہے جیسے سفیہ، دیوانہ اور نابالغ بچہ وہ وکیل یا مؤکل نہیں ہو سکتا (۵) وکالت کسی شرط کے ساتھ مشروط نہ ہو بلکہ مطلق ہو (۶) وکیل عقلاً و شرعاً اس امر کی انجام دہی پر قدرت رکھتا ہو جس میں اسے وکیل بنایا جارہا ہے۔ (۷) اگر کام ایسا ہے جسے مسلمان کے سوا اور کوئی شخص انجام نہیں دے سکتا۔ جیسے قرآن کی فروخت یا مسلمان کو غلام بنانے کا کام تو اس صورت میں وکیل کا مسلمان ہونا۔ (۸) جس کام میں وکیل بنایا جارہا ہے اس کی تعیین کرنا ورنہ وکالت باطل متصور ہوگی۔

وکالت کے احکام و مسائل

مسئلہ ۱۔ وکالت عقود لازمہ میں سے نہیں بلکہ عقود جائزہ میں سے ہے لہذا وکیل یا مؤکل جب چاہیں اسے ختم کرسکتے ہیں۔

مسئلہ ۲۔ وکالت میں کوئی خاص صیغہ ضروری نہیں ہے بلکہ ہر وہ قول یا فعل جس سے کسی کے

کسی کو وکیل بنانے اور اس کے قبول کرنے کا مطلب واضح ہو جائے وہی کافی ہے۔

مسئلہ ۳۔ جو کام شرعاً" آدمی خود انجام نہیں دے سکتا اس میں کسی کو وکیل بنانا بھی جائز نہیں ہے۔ مثلاً" ایک شخص جو حالت احرام میں ہے چونکہ وہ صیغہ عقد نہیں پڑھ سکتا تو وہ اس کام کے لئے دوسرے کو وکیل بھی نہیں بنا سکتا۔ یا مثلاً" ایک شخص جب خود غلط بیانی نہیں کرسکتا اور جھوٹی شہادت نہیں دے سکتا تو اس میں کسی اور کو اپنا وکیل بھی نہیں بنا سکتا۔ و ھکذا

مسئلہ ۴۔ جس کام کی انجام دہی کے لئے کسی شخص کو وکیل بنایا گیا ہے وہ آگے کسی اور شخص کو وکیل نہیں بنا سکتا۔ البتہ اصل موکل کی اجازت سے ایسا کرسکتا ہے۔

مسئلہ ۵۔ وکیل یا موکل کی موت' دیوانگی یا بے ہوشی سے وکالت ختم ہو جاتی ہے۔

مسئلہ ۶۔ اگر وکیل کے لئے کچھ معاوضہ مقرر کیا جائے تو کام کی انجام دہی کے بعد اس کی ادائیگی ضروری ہو جاتی ہے۔

مسئلہ ۷۔ اگر وکیل کے قبضہ میں موکل کا کچھ مال ہو تو وہ بمنزلہ امین کے ہوگا یعنی اگر وہ مال اس کی تقصیر و کوتاہی کے بغیر تلف ہوگیا تو وہ ضامن نہ ہوگا اور بصورت دیگر وہ ضامن ہوگا۔

مسئلہ ۸۔ اگر وکیل اپنے موکل کی اجازت سے کسی دوسرے شخص کو اپنا وکیل بنائے تو اصل موکل اور پہلا وکیل دونوں اس دوسرے وکیل کی وکالت کو ختم کرسکتے ہیں اور اگر پہلا وکیل مر جائے یا معزول ہو جائے تو اس سے دوسرے وکیل کی وکالت خود بخود ختم ہو جائے گی۔ ہاں البتہ اگر پہلے وکیل نے موکل کی اجازت سے دوسرے شخص کو اپنی طرف سے نہیں بلکہ براہ راست موکل کا وکیل بنایا ہو تو پھر یہ نہ اسے معزول کرسکے گا اور نہ ہی اس کی موت یا معزولی سے اس دوسرے وکیل کی وکالت باطل ہوگی۔

مسئلہ ۹۔ اگر موکل اپنے وکیل کو معزول کردے تو جب تک اسے اس معزولی کی باضابطہ طور پر اطلاع نہ مل جائے اس وقت تک اس کے تصرفات صحیح متصور ہوں گے۔ البتہ جو تصرف وہ اس اطلاع ملنے کے بعد کرے گا وہ باطل سمجھا جائے گا۔

مسئلہ ۱۰۔ وکیل چونکہ بمنزلہ مؤکل کے ہوتا ہے لہذا اس پر اصل مؤکل والے احکام نافذ ہوں گے اور بیع و شرا وغیرہ امور میں مشتری اسی کی طرف رجوع کرے گا۔

تبصرہ

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح و آشکار ہو گئی کہ اگر مندرجہ بالا شرائط و احکام کی پابندی کی جائے اور سب سے بڑھ کر اسکے ذریعے عدالت سے مظلوم کی داد رسی کرائی جائے اور ظالم کو اسکے کیفرکردار تک پہنچایا جائے۔ تو شرعی نقطہ نگاہ سے وکالت اور اسے بطور پیشہ اختیار کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ بعض حالات میں ضروری بھی ہے اور اگر ان قواعد و ضوابط کی پروانہ کی جائے جیسا کہ موجودہ دور کی پدرومادر آزاد وکالت میں بالعموم ہوتا ہے جو دجل و فریب، کذب و افتراء اور الزام و اتہام کا اور ظالم کی اعانت اور مظلوم کے خلاف کام کرنے کا دوسرا نام ہے تو پھر وکالت ناجائز و حرام ہے۔ واللہ سبحانہ العاصم وھو ولی التوفیق

تم باب الوکالۃ والحمد للہ رب العالمین

باب النذر والیمین والعہد

(ویوفون بالنذر ویخافون یوما کان شرہ مستطیرا")

ذیل میں ان میں سے ہر ایک کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔ نذر (منت) کیا ہے؟ یہ محض اللہ کے لئے کسی عمل صالح کی بجا آوری کو اپنے ذمہ لینے کا نام ہے یہ عمل صالح (۱) یا تو کوئی نیکی ہوتی ہے جیسے ان رزقت ولدا فللہ علی کذا (اگر خدا نے مجھے فرزند عطا کیا تو اللہ کیلئے میں فلاں نیک کام کروں گا) (۲) ادائے شکر جیسے ان برئی المریض فللہ علی کذا (اگر میرا مریض شفایاب ہوگیا تو میں اللہ کے لئے فلاں کام کروں گا۔)

(۳) یا زجر و توبیخ ہوتی ہے جیسے ان فعلت محرما فللہ علی کذا اوان لم افعل الطاعتہ' فللہ علی کذا (اگر میں نے کسی فعل حرام کا ارتکاب کیا یا کسی اطاعت کے کام کو ترک کیا تو فلاں کام کروں گا)

(۴) یا محض تبرع ہوتا ہے فللہ علی کذا (میں اللہ کیلئے فلاں کام کروں گا)

نذر کے شرائط دہ گانہ کا بیان

شرعی نقطہ نظر سے نذر میں دس شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ ورنہ وہ نذر صحیح اور شرعی نذر نہ ہوگی ان شرطوں میں سے بعض کا تعلق نذر ماننے والے کے ساتھ ہے اور بعض کا اصل نذر کے ساتھ اور بعض کا منذور (متعلق نذر) کے ساتھ ہے۔

(۱) نذر ماننے والا مسلمان ہو (۲) بالغ ہو (۳) عاقل ہو (۴) مختار ہو مجبور و مکرہ نہ ہو (۵) سفاہت وغیرہ کی وجہ سے ممنوع التصرف نہ ہو (۶) بقصد قربت نذر مانی جائے (۷) اگر نذر ماننے والا غلام ہے یا ایسا لڑکا ہے جس کا والد موجود ہے یا ایسی بیوی ہے جس کا شوہر موجود ہے تو پھر آقا والد اور شوہر کی اجازت ضروری ہے۔ اور اگر یہ لوگ بے اجازت نذر مانیں گے تو ان کے والد آقا اور شوہر کو ان کی نذر توڑنے کا حق حاصل ہوگا۔ (۸) مخصوص صیغہ (للہ علی کذا) احتیاط واجب یہ ہے کہ حتی الامکان یہ صیغہ عربی زبان میں ادا کیا جائے۔ ہاں البتہ بامجبوری اس کے ترجمہ پر اکتفا کیا جاسکتا ہے (۹) جس کام کی نذر مانی جائے اسکی انجام دہی پر آدمی قادر ہو۔ (۱۰) نذر کا متعلق اللہ کی اطاعات ہو جسے محض اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے بجا لایا جائے کیونکہ فقہاء شیعہ کے فتاویٰ اور اہل بیت نبوت کے نصوص اور اس بات پر متفق ہیں کہ نذر (منت) صرف اور

صرف خدا کے ذاتی یا صفاتی نام کے ساتھ صحیح ہے۔ عن الکنانی عن ابیعبد اللہؑ قال سئلتہ عن رجل قال علی نذر قال لیس لشئی حتی یسمی للہ شیئا صیاما او صدقتہ او ھدیا او حجا (الکافی ا لتھذیب)

"کنانی حضرت امام جعفر صادقؑ سے دریافت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا کہ "میں منت مانتا ہوں" یہ منت کیسی ہے؟ فرمایا یہ کچھ بھی نہیں ہے جب تک خدا کا نام لے کر روزہ رکھنے صدقہ یا ہدیہ دینے یا حج کرنے کی منت نہ مانے بنا بریں جو منت حضرت امام حسینؑ یا شہزادہ ابوالفضل العباسؑ کے نام پر مانی جاتی ہے جسے عرف عام میں امام حسینؑ کی نیاز اور حضرت عباس کی "حاضری" کہا جاتا ہے تو اگر اس سے مقصد یہ ہے "اور عموماً" یہی ہوتا ہے اور یہی ہونا چاہئے" کہ اگر خداوند عالم ان ذوات مقدسہ کے وسیلہ سے میرا فلاں کام کر دے تو میں اللہ کے نام پر فلاں نیکی کا کام کروں گا اور اس کا ثواب ان حضرات کی بارگاہ میں ہدیہ کروں گا تو یہ درست ہوگی اور یہ نسبت مجاز ہو گی۔ ورنہ اس کی صحت نہ صرف محل اشکال ہے بلکہ محل منع ہے واللہ العالم والعاصم

نذر کے احکام

مسئلہ ۱۔ جب منت پوری ہو جائے تو منت کے مطابق اس عمل کا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اگر پوری نہ ہو تو وہ عمل واجب نہیں ہوتا خداوندعالم نے اہل ایمان کی یوں مدح فرمائی ہے کہ یوفون بالنذر ویخافون یوما کان شرہ مستطیرا (دھر) وہ نذر کو پورا کرتے ہیں اور اس دن کے شر سے ڈرتے ہیں جن کا شر پھیلا ہوگا۔

مسئلہ ۲۔ منت مانتے وقت اگر فی الواقع وہ کام پہلے ہو چکا ہو جیسے کوئی آدمی یوں منت مانے کہ اگر فلاں بیمار شفایاب ہوگیا تو میں خدا کیلئے فلاں کام کروں گا اور بعد میں معلوم ہوا کہ جب وہ منت مان رہا تھا تو اس وقت بیمار تندرست ہو چکا تھا تو منت کے مطابق عمل کرنا واجب نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۳۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ نذر میں اطاعت و عمل صالح کی بجا آوری ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ کسی واجب یا مستحب کی بجا آوری یا حرام و مکروہ سے اجتناب یا کسی فعل مباح کی بجا آوری ہی ہو سکتی ہے جس کی بجا آوری میں رجحان کا کوئی پہلو پایا جائے لہٰذا اگر کوئی شخص کسی واجب یا مستحب کے ترک کرنے یا حرام و مکروہ کے بجالانے کی منت مانے تو یہ

منت شرعاً درست نہ ہوگی۔

مسئلہ ۴۔ نذر میں جن خصوصیات کا لحاظ رکھا گیا ہو اس کی ادائیگی میں ان کا ملحوظ رکھنا ضروری ہو گا مثلاً اگر یوں منت مانے کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو میں خدا کے لئے فلاں فقیر کو اتنی رقم دوں گا یا فلاں واعظ سے مجلس پڑھواؤں گا یا اتنے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا یا مسجد بنواؤں گا یا کسی مومن کو زیارت یا حج کراؤں گا وغیرہ وغیرہ تو اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا افضل یہ ہے کہ منت نماز و روزہ کی مانی جائے۔

مسئلہ ۵۔ اگر نذر کی مخالفت کی جائے تو بناء بر مشہور قسم والا کفارہ واجب ہوتا ہے جو ایک غلام کا آزاد کرنا یا دس فقراء کو کھانا کھلانا یا دس فقراء کو کپڑا دینا ہے اور اگر اس سے بھی عاجز ہو تو تین روزے رکھے مگر دوسرے قول کے مطابق ایسا شخص ماہ رمضان کا روزہ نہ رکھنے والا کفارہ ادا کرے گا جو کہ ایک غلام کی آزادی یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا یا دو ماہ کے روزے ہیں اشبہ یہ ہے کہ اگر عجز و قصور کی وجہ سے نذر پر عمل نہ کر سکے۔ تو پھر قسم والا کفارہ ادا کرے اور اگر عمداً خلاف ورزی کرے تو پھر ماہ رمضان کے روزہ والا کفارہ ادا کرے۔ واللہ العالم

قسم کا بیان

(لا تجعلوا اللہ عرضتہ لایمانکم)

اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ فلاں کام کو بجالائے گا۔ یا فلاں کام کو ترک کرے گا۔ تو اپنی قسم کے مطابق عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ بشرطیکہ جس کام کے بجالانے کی قسم کھائی جائے۔ وہ حرام یا مکروہ نہ ہو۔ اور جس کے ترک کرنے کی قسم کھائی جائے وہ واجب یا مستحب نہ ہو اور اگر کسی مباح کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی ہے تو پھر عقلاء روزگار کی نظر میں کم از کم اس کے کرنے یا نہ کرنے میں کوئی بہتری کا پہلو ضرور ہونا چاہئے۔

قسم کے اقسام اور ان کے احکام

قسم کی چار قسمیں ہیں

۱۔ لغو جو عموماً بعض لوگ بطور تکیہ کلام ہر ہر بات پر کھاتے ہیں۔

۲۔ جو کسی گذشتہ واقعہ کی پختگی بیان کرنے کی خاطر کھائی جاتی ہے۔

۳۔ قسم مناشدہ جو کسی سے کچھ طلب کرتے وقت اسے دی جاتی ہے کہ تمہیں خدا کی قسم یہ کام کرو

۴۔ قسم عقد جو کہ مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کھائی جاتی ہے چنانچہ پہلی قسم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ **لا یؤاخذ کم اللہ باللغو فی ایمانکم** ویسے اس سے اجتناب کرنا چاہئے اور دوسری قسم کی قسم اگر جھوٹی کھائی جائے تو کھانے والا گنہگار ہو گا۔ اسی لئے اسے "یمین غموس" کہا جاتا ہے جو قسم کھانے والے کو جہنم میں دھکیلتی ہے تیسری قسم کا بھی کوئی اثر نہیں ہے اور نہ ہی یہ منعقد ہوتی ہے ہاں البتہ چوتھی قسم صحیح ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہوتا ہے اور اسکی خلاف ورزی کرنے پر کفارہ عائد ہوتا ہے بشرطیکہ اس کے شرائط پائے جائیں جو ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں۔

قسم کے شش گانہ شرائط کا بیان

اور وہ شرائط چھ ہیں جن میں سے بعض کا تعلق قسم کھانے والے اور بعض کا اس چیز سے ہے جس کے متعلق قسم کھائی گئی ہے۔ (۱) قسم کھانے والا مکلف ہو یعنی بالغ و عاقل ہو اور مختار و با ارادہ ہو' (۲) صیغۂ قسم ادا کیا جائے اور اگر عربی میں قسم کھائی جائے تو حروف قسم واؤ باؤ تاؤ کے ساتھ ہو جیسے واللہ باللہ تاللہ' (۳) والد اپنے لڑکے کو، آقا اپنے غلام کو اور شوہر اپنی بیوی کو منع نہ کرے اور اگر یہ لوگ بلا اجازت قسم کھائیں تو والد، آقا اور شوہر کو ان کی قسم توڑنے کا حق حاصل ہے۔

<u>(توضیح)</u> اگر قسم کے بعد انشاء اللہ بقصد استثناء کہا جائے تو اس سے نہ قسم واقع ہو گی اور نہ کفارہ واجب ہو گا ہاں البتہ اگر بقصد تبرک کہا جائے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

(۴) جس چیز کی قسم کھائی جائے وہ شرعاً" جائز ہو' (۵) وہ چیز قسم کھانے والے کی قدرت میں ہو' (۶) آخری اور اہم شرط یہ ہے کہ یہ قسم خداوند عالم کے ذاتی یا صفاتی یا افعالی ناموں کے ساتھ کھائی جائے جیسے خدا کی قسم رحمن و رحیم کی قسم یا خالق و رازق کی قسم بنابریں ہماری مروجہ قسمیں جو اسلام، قرآن' کعبۃ اللہ الحرام یا دیگر کسی متبرک زمان و مکان یا سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے نام پر کھائی جاتی ہیں وہ بالاتفاق نہ تو منعقد ہوتی ہیں اور نہ ہی جائز ہیں متعدد روایات میں وارد ہے کہ خدا کو حق ہے کہ اپنی جس مخلوق کی چاہے قسم کھائے مگر مخلوق کو یہ حق حاصل

نہیں ہے کہ خدا کے نام کے سوا اور کسی کی قسم کھائے۔ (کتب اربعہ) واللہ العالم

عہد اور اس کے شرائط کا بیان

(واوفوا بالعہد ان العہد کان مسئولا)

عہد یعنی کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا خدا سے عہد و پیمان باندھنا وہ مندرجہ ذیل شرائط کی موجودگی میں لازم ہوتا ہے۔

اور اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ "واوفوا بعہد اللہ اذا عاھد تم"۔ (اللہ کے عہد کو پورا کرو جب عہد کرو) (نحل) واوفوا بالعہد ان العہد کان مسئولا") (عہد کو پورا کرو) (بروز قیامت) عہد کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔

۱۔ عہد کرنے والا مکلف ہو یعنی بالغ و عاقل ہو علاوہ بریں مختار و قاصد ہو لہٰذا اگر صغر سنی یا سفاہت کی وجہ سے ممنوع التصرف ہے یا بلا قصد و ارادہ عہد کرے تو اس پر کوئی اثر مرتب نہ ہو گا۔

۲۔ جس کام کے کرنے یا نہ کرنے کا عہد کیا جا رہا ہے اس میں قسم کے متعلق کی طرح کسی قسم کے شرعی رجحان کا پایا جانا ضروری ہے یعنی وہ امر دینی یا دنیوی اعتبار سے مرجوح نہ ہو بلکہ راجح ہو

۳۔ صیغۂ عربی عہد جاری کیا جائے جو کہ عاھدت اللہ یا علی عہد اللہ ان افعل کذا اوا ترک کذا ہے۔ ہاں البتہ بوقت ضرورت اس کے ترجمہ پر بھی اکتفا کی جا سکتی ہے اور اگر عہد شرعی کی مخالفت کی جائے تو ماہ رمضان کے روزہ والا کفارہ لازم ہو جاتا ہے۔ جو کہ ایک غلام کی آزادی یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا یا دو ماہ کے متواتر روزے رکھنا ہے اور ایک قول کے مطابق قسم والا کفارہ ہے جو بنابر مشہور ایک غلام آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنانا ہے جیسا کہ سطور بالا میں اسکا تذکرہ کیا جا چکا ہے واللہ العالم تم باب النذر والیمین والعہد والحمد للہ رب العالمین۔

باب الودیعہ والامانتہ

(ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا)

انسان چونکہ فطری طور پر مدنی الطبع واقع ہوا ہے اس لئے اسلام نے (جو کہ دین فطرت ہے) ایسے کاموں کی حوصلہ افزائی کی ہے جن سے باہمی بھائی چارہ اور باہمی امداد کی فضا قائم ہوتی ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص اپنا مال حفاظت کی غرض سے کسی کے پاس بطور امانت رکھنا چاہے تو اسلام نے بطور "تعاون علی البر" اس کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ اسکی فضیلت بھی بیان کی ہے۔

ارشاد قدرت ہے۔ **ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا** (سورہ نساء)

خداوند عالم تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل کی طرف لوٹاؤ۔ اس سے علماء اسلام نے یہ بات استنباط کی ہے کہ جب مالک امین سے اپنے مال کا مطالبہ کرے تو اس پر واجب ہے کہ وہ

فورا" واپس کردے۔

حضرت امام زین العابدینؑ سے مروی ہے فرمایا کہ اگر شمر بن ذی الجوشن لعنۃ اللہ وہ خنجر میرے پاس بطور امانت رکھے جس سے اس نے میرے والد ماجد کو شہید کیا تھا تو میں وہ بھی واپس کردوں گا۔ (وسائل الشیعہ)

اسی لئے خداوند عالم نے اہل ایمان کی یوں مدح سرائی فرمائی ہے کہ "**والذین ھم لا ماناتہم وعہد ھم راعون** (مومنون)

مومن وہ ہوتے ہیں جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کی رعایت کرتے ہیں متعدد روایات میں وارد ہے تین باتوں میں نیک اور بد کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ ادائے امانت واجب ہے خواہ نیک کی ہو یا بد کی۔ ایفاء عہد لازم ہے خواہ نیک سے کیا ہو یا بد سے۔ والدین سے نیکی فرض ہے خواہ نیک ہوں یا بد۔ (فلائد الدرر)

امانت کے احکام

مسئلہ ۱۔ امانت میں قولی یا فعلی ایجاب و قبول ضروری ہے جس سے ظاہر ہو کہ ایک شخص بطور امانت اپنا مال دوسرے کے پاس رکھ رہا ہے اور وہ اس پر راضی ہے۔

مسئلہ ۲۔ آیت مبارکہ میں جمع مرکب کا لفظ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امانت گزار اور امانت دار ہر دو کو مکلف یعنی عاقل و بالغ اور مختار ہونا چاہئے۔ لہٰذا اگر کوئی بچہ یا دیوانہ کسی شخص کے پاس یا کوئی شخص کسی بچہ یا دیوانہ کے پاس امانت رکھے تو یہ شرعا" صحیح نہیں ہے اور تلف ہونے کی صورت میں وہ ضامن نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۳۔ اگر امین سے (جس کے پاس مال بطور امانت رکھا گیا ہے) بغیر کوتاہی مال ضائع ہو جائے تو وہ ضامن نہیں ہے ہاں اگر کوتاہی کرے تو پھر ضامن ہوگا اور اگر مالک و امین میں تقصیر و عدم تقصیر میں نزاع ہو جائے تو امین کا قول مقدم ہوگا۔

مسئلہ ۴۔ "ان تؤدوا" کا تقاضا یہ ہے کہ مالک جس وقت اپنے مال کا مطالبہ کرے امین پر واجب ہے کہ بلا عذر تاخیر نہ کرے بلکہ فورا" واپس لوٹائے۔

مسئلہ ۵۔ "الی اھلھا" سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر امانت رکھنے والا دیوانہ ہو جائے یا مرجائے تو امین کو چاہئے کہ وہ مال اس کے ولی اور وارث کو پہنچائے اور اگر وارث ایک سے زائد ہوں اور وہ صرف ایک کے حوالے کردے جس سے دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہو تو وہ اس کا ضامن ہوگا اور اگر امین دیوانہ ہو جائے یا مرجائے تو اس کے ولی کا فرض ہے کہ وہ صاحب مال کو صورت حال کی اطلاع دے یا مال واپس لوٹائے۔

مسئلہ ۶۔ اگر امین بیمار ہو جائے اور مرض الموت کے آثار نمودار ہو جائیں تو اس پر واجب ہے کہ امانت کو اس کے مالک یا اس کے وکیل تک پہنچائے اور اگر ان تک فوراً رسائی ممکن نہ ہو تو اپنے ورثہ کو تفصیلی وصیت کرے تاکہ وہ عنداللہ بری الذمہ ہو جائے۔ واللہ الموفق۔

مسئلہ ۷۔ اگر مالک و امین میں نزاع ہو جائے یعنی مالک کہے کہ مال موجود ہے اور امین کہے کہ تلف ہو گیا ہے یا مالک کہے کہ اس کی حفاظت میں تفریط و کوتاہی کی گئی ہے اور امین اس کا انکار کرے یا مالک کہے کہ وہ چیز نہیں لوٹائی گئی اور امین کہے کہ واپس کردی گئی ہے یا اس کی قیمت میں اختلاف ہو تو اظہر یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں امین کا قول قسم کے ساتھ مقدم ہوگا۔ واللہ العالم۔ **تم باب الودیعۃ والامانۃ والحمد للہ رب العالمین**

باب العاریہ

عاریت کیا ہے؟ ایک شخص کا اپنا مال بلا معاوضہ دوسرے کو استفادہ کے لئے ایک وقت معین کے لئے دینا۔ ظاہر ہے کہ یہ "امر تعاون علی البر" کی ہی ایک قسم ہے جس کا خدائے رحیم نے ازراہ لطف و کرم عمومی طور پر اپنے بندوں کو حکم دیا ہے۔ "تعاونوا علی البر والتقوی" کہ نیکی و پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو مشاہدہ شاہد ہے کہ کائنات کا نظام اس نہج پر چل رہا ہے کہ ہر شخص اپنی تمام ضروریات زندگی کا مالک نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کا دوسروں کے تعاون کا محتاج ہونا۔ عیاں راچہ بیان کا مصداق ہے اس لئے شرع انور نے عاریتہً ایک دوسرے کو مال دینے کے اخلاقی فعل کی ہمت افزائی کی ہے اور اس انسانی ہمدردی کے مظاہرہ اور ضروریات میں ایک دوسرے کے کام آنے کو بہترین عبادت قرار دیا ہے۔ کہ

ع کام آئے دنیا میں انساں کے انسان

عاریہ کے احکام

مسئلہ ۱۔ عاریہ میں کسی خاص صیغہ کا اجرا ضروری نہیں ہے بلکہ بطور "معاطاۃ" اسی غرض سے ایک کا دوسرے کو مال دینا اور لینا جائز ہے۔

مسئلہ ۲۔ عاریہ میں یہ ضروری ہے کہ اصل مال موجود رہے صرف اس کی منفعت سے استفادہ کیا جائے۔ جیسے موٹر یا رہوار سواری کے لئے ٹرک یا گدھا مال برداری کے لئے سوئی یا مشین سلائی کے لئے یا زیورات زیب و زینت کے لئے دینا اور اگر مال ایسا ہو کہ اگر اس سے استفادہ کیا جائے تو وہ ختم ہو جائے گا جیسے کھانے پینے کی چیزیں تو ان کا عاریتہً دینا درست نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۔ معیر (عاریتہً چیز دینے والا) اور مستعیر (عاریتہً لینے والا) میں عاقل و بالغ اور مختار

ہونا ضروری ہے اور معیر کے لئے مال کا مالک ہونا بھی لازم ہے۔

مسئلہ ۴۔ مستعیر بمنزلہ امین کے ہوتا ہے یعنی اگر اصل مال ضائع ہو جائے تو جب تک وہ اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرے اور اس سے استفادہ کرنے میں بھی زیادتی نہ کرے تب تک اسکے تلف ہو جانے کی صورت میں وہ اس کا ضامن نہیں ہوتا ہاں البتہ اگر حفاظت میں کوتاہی کرے یا استفادہ کرنے میں زیادتی کرے تو پھر ضامن ہوتا ہے۔

مسئلہ ۵۔ مالک جب بھی اپنے مال کا مطالبہ کرے مستعیر پر اس کا واپس کرنا واجب ہوتا ہے اور اگر مالک دیوانہ ہو جائے یا مرجائے تو پھر مال کا اس کے ولی یا وارث تک پہنچانا لازم ہے۔

مسئلہ ۶۔ مستعیر کو شرعاً و اخلاقاً یہ حق حاصل نہیں ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر عاریہ لیا ہوا مال آگے کسی اور شخص کو بطور عاریہ دے ہاں البتہ وہ اصل مالک کی اجازت سے ایسا کر سکتا ہے نیز چونکہ یہ معاملہ عقود جائزہ میں سے ہے لہٰذا ہر دو فریق جب چاہیں اسے ختم کر سکتے ہیں اور ہر دو یا ایک فریق کی موت سے بھی یہ معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ۷۔ باہمی نزاع کی صورت میں وہی احکام یہاں نافذ ہوں گے جو امانت کے ساتویں مسئلہ کے ذیل میں مذکور ہیں۔ واللہ العالم

تم باب العاریۃ والحمد للہ رب العالمین

باب الھبہ

وھب لی من لدنک رحمتہ

ھبہ جسے نحلہ "ھدیہ" اور "عطیہ" بھی کہا جاتا ہے۔ جس کے معنی بخشش کے ہیں۔ اور کبھی کبھی اس کا اطلاق "صدقہ" پر بھی کیا جاتا ہے۔ جو بغرض اجر و ثواب فقراء و مساکین اور سائلین کو دیا جاتا ہے۔ جبکہ بالعموم ھبہ و ھدیہ میں یہ چیز پیش نظر نہیں ہوتی بلکہ صرف اظہار محبت، ابراز عقیدت، ازالۂ بغض و نفرت اور موہوب لہ کو مسرور و شاد کام کرنے کی خاطر پیش کیا جاتا ہے۔ روایات میں ھدیہ پیش کرنے اور اس کے قبول کرنے کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے۔ نیز وارد ہے کہ اس سے حقد و کینہ دور ہوتا ہے اور محبت و مودت پیدا ہوتی ہے اور اگر پہلے موجود ہو تو اسمیں مزید اضافہ ہوتا ہے۔

ھبہ کے شرائط کا بیان

اس ھبہ کی چند شرطیں ہیں جن میں سے بعض کا تعلق واھب (ھبہ کرنے والے) سے ہے اور بعض کا موہوب لہ (وہ شخص جسے ھبہ کیا جا رہا ہے) اور بعض کا مال موھوب اور نفس ھبہ سے ہے اور

وہ کل پانچ ہیں۔

۱۔ واہب کا مکلف یعنی عاقل و بالغ ہونا اور اس کے علاوہ قاصد و مختار ہونا اور سفاہت و دیوالیہ پن کی وجہ سے اپنے مال میں ممنوع التصرف نہ ہونا۔

۲۔ موہوب لہ کا یا اس کے وکیل کا یا ولی کا (اگر موہوب لہ صغیرالسن ہو) اسے قبض کرنا۔

۳۔ موہوب (جو چیز ھبہ کی جارہی ہے) کا قابل قبضہ ہونا یعنی عین المال اور موجود ہونا ہاں صرف ایک صورت میں دین کا ھبہ جائز ہے کہ جس سے دین لینا ہے وہ اسے ہی ھبہ کر دیا جائے جو دراصل "ابراء" ہے (یعنی اسے اس حق کی ادائیگی سے بری الذمہ کرنا ہے) اسی لئے اس میں رجوع جائز نہیں ہے۔

۴۔ ایجاب وقبول جن سے یہ مفہوم ادا ہو جائے جن الفاظ سے بھی ادا کیا جائے۔

۵۔ مال موہوب واھب کی ملکیت ہو کیونکہ غیر کے مال کا کسی کو ھبہ کرنا جائز نہیں ہے۔

ھبہ کے مسائل واحکام

مسئلہ ا۔ دراصل ھبہ عقود جائزہ میں سے ہے یعنی واہب کو یہ حق حاصل ہے کہ جب چاہے ھبہ کو ختم کر کے اپنا ھبہ کردہ مال واپس لے لے مگر چند صورتوں میں لازم ہو جاتا ہے۔ اور واہب کو مال واپس لینے کا کوئی حق نہیں رہتا اور یہ کل پانچ صورتیں ہیں۔

(۱) ھبہ معوضہ ہو یعنی واہب نے اس ھبہ کے معاوضہ میں موہوب لہ سے کوئی چیز وصول کی ہو۔

(۲) موہوب لہ سے موہوبہ مال تلف ہو گیا ہو یا موہوب لہ نے بیع و شرا وغیرہ ذرائع سے اسے اپنی ملکیت سے خارج کر دیا ہو۔

(۳) موہوب لہ نے اس میں تصرف کرکے اس کی ہیئت تبدیل کر دی ہے جیسے گندم کا آٹا بنا دیا ہو۔ یا لکڑی کا میز بنا دیا ہو۔

(۴) یہ ھبہ کسی رشتہ دار کو کیا گیا ہو۔ میاں اور بیوی کا بھی یہی حکم ہے۔ اگرچہ ان کا رشتہ سببی ہے نسبی نہیں ہے۔

(۵) ھبہ بقصد قربت یعنی اجر و ثواب کے حصول کی نیت سے کیا گیا ہو۔ ان تمام صورتوں کی نصوص و فتاوی میں تصریح موجود ہے۔ کہ ان حالات میں واہب کو ھبہ کردہ مال کے واپس لینے کا کوئی حق نہیں ہے یعنی یہ ھبہ لازمہ ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگر قبضہ سے پہلے واہب یا موہوب لہ کی موت واقع ہو جائے تو اس سے ھبہ باطل ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ۳۔ اگر ہبہ سے پہلے مال موہوب لہ کے قبضہ میں ہو تو پھر قبض جدید کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ بلکہ وہی سابقہ قبضہ کافی ہوتا ہے۔

مسئلہ ۴۔ جس شخص کی اولاد ایک سے زائد ہو اور وہ اپنی اولاد کو کوئی چیز ہبہ کرنا چاہے تو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ سب کے حق میں مساوات سے کام لے تاکہ ان کے درمیان باہمی نفرت و عداوت اور نفاق و شقاق پیدا نہ ہو۔ اور اس طرح اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں بھی فرق نہ آئے جس سے گھر کے اتحاد کا شیرازہ بکھر جائے۔ ہاں البتہ اگر علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی بناپر بعض کو بعض پر ترجیح دی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مسئلہ ۵۔ چونکہ دوسرے معاملات کی طرح کبھی کبھی لوگ مکرو فریب سے اور بہلا پھسلا کر اور خوشامد برآمد کرکے لوگوں سے مال و جائیداد ہبہ کرالیتے ہیں جس سے صحیح وارثوں کی حق تلفی کے علاوہ خود واہب کا بھی ذاتی طور پر نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے شرع انور نے اسے رجوع کرنے کا حق دیا ہے مگر واہب کو بھی اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ کسی کو کوئی چیز ہبہ کرنے کے بعد بلاوجہ واپس نہ لے کیونکہ یہ بات انسانی مجد شرف کے خلاف ہے

حدیث میں وارد ہے کہ **العائد فی ھبتہ کالعائد فی قیئہ**

"یعنی کسی کو کوئی چیز عطا کرنے کے بعد اسے واپس لینے والا اپنی کی ہوئی قے چاٹنے والے کی مانند ہے" واللہ الموفق۔ **تم باب الھبہ والحمد للہ رب العالمین**

باب الغصب

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل

غصب کا مطلب ہے ناجائز طریقہ سے کسی کے مال یا حق پر تسلط جمانا اور ناجائز قبضہ کرنا اور یہ بات عقلاً" شرعاً" قانوناً" اور رواجاً" حرام و ناجائز ہے۔ اس لئے ایک حکومت عادلہ کا فرض منصبی ہے کہ وہ غاصب کو غصب و تعدی سے اور ظالم کو ظلم و عدوان سے روکے ورنہ ملک میں ظلم کا بازار گرم ہو جائے گا۔ اور انارکی پھیل جائے گی۔ اور کسی شخص کی نہ عزت و ناموس محفوظ رہے گی اور نہ ہی مال و جان سلامت رہیں گے غصب بھی دراصل ظلم کا ایک شعبہ ہے۔ **ولعنتہ اللہ علی الظالمین**

ربّ قدرت ہے۔ **ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل (سورہ نساء)**

ایک دوسرے کا مال باطل اور ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ یہ آیت مبارکہ اپنے عمومی معنی سے غصب کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔

امام زمانہ عجل اللہ فرجہ سے مروی ہے فرمایا۔ **لا یحل لاحدان یتصرف فی مال غیرہ بغیر اذنہ۔** یعنی کسی بھی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر کسی قسم کا کوئی تصرف کرے۔ (قواعد الدین)

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا۔ **من غصب شبراً من الارض طوقہ اللہ من سبع ارضین یوم القیامۃ۔**

جو شخص کسی (پڑوسی وغیرہ) کی ایک بالشت زمین غصب کرے گا تو خدا بروز قیامت اس کے سات طبقوں کو بطور طوق اس کی گردن میں ڈالے گا۔ (وسائل الشیعہ) نیز فرمایا **من اخذ ارضا بغیر حق کلف ان یحمل ترابہا الی المحشر۔** جو شخص کسی زمین پر ناجائز قبضہ کرلے تو مرنے کے بعد) اسے تکلیف دی جائے گی کہ قیامت تک اسکی مٹی اٹھائے (قواعد الدین)

غصب کے مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص کسی کا مال غصب کرے تو اس پر واجب ہے کہ اس کے مالک کو واپس کرے۔ اگر اصل مال تلف ہو جائے تو اگر وہ مثلی تھا اس کی مثل اور "قیمی" تھا تو اس کی قیمت واپس کرے۔

توضیح۔ مثلی اور قیمی کا معیار یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کے ہر جز کی قیمت ایک ہو جیسے گندم و جو وغیرہ اسے مثلی کہا جاتا ہے اور جس کے اجزاء کی قیمت مختلف ہو جیسے گائے بکری وغیرہ کہ ان کے گوشت کی قیمت اور ہے اور چمڑے کی اور تو اسے قیمی کہا جائے گا۔ بنا بریں ظاہر یہ ہے کہ سونا و چاندی بھی مثلی میں شامل ہیں کیونکہ وہ جس قسم سے تعلق رکھتے ہیں ان کی اس قسم کے تمام اجزاء کی قیمت برابر ہوتی ہے (کمالا یخفی)

مسئلہ ۲۔ غصب والے دن سے لیکر تلف والے دن تک اگر اس چیز کی قیمت کم و زیادہ ہوتی رہی ہو تو آیا قیمت ادا کرتے وقت غصب والے دن کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا؟ یا تلف والے دن کی قیمت معتبر ہوگی؟ یا اس دوران جب سب سے زیادہ رہتی وہ ادا کی جائے گی؟ اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے اگرچہ اقوی یہ ہے کہ غصب والے دن جو قیمت تھی وہ ادا کی جائے گی۔ ہاں احوط یہ ہے کہ غصب سے لیکر تلف تک جب سب سے زیادہ تھی وہ ادا کی جائے۔ مخفی نہ رہے کہ جو مال بیع فاسد کے ذریعہ کسی کے قبضہ میں چلا جائے۔ اس کا حکم بھی یہی ہے جو اوپر مذکور ہے۔

مسئلہ ۳۔ اگر امانت یا قرض یا کسی اور ذریعہ سے غاصب کا مال اس آدمی کے ہاتھ لگ جائے جس کا مال غصب کیا گیا ہے تو اسے شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ اپنے مال کی مقدار کے برابر اس

مال سے وضع کرلے اور باقی واپس لوٹا دے جیسا کہ متعدد روایات میں وارد ہے۔

مسئلہ ۴۔ غصب کرنے سے چیز اپنے اصلی مالک کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس ک
واپس کرنا واجب ہے اگرچہ اس کی ہیئت تبدیل ہو گئی ہو جیسے گندم کا آٹا یا آٹے کی روٹی تیار ہ
جائے۔ یا اس کا لوٹانا مشکل ہو جیسے کوئی غصبی میخ کسی کشتی میں لگ جائے یا غصبی لکڑی کس
مکان کا جز بن جائے اگرچہ غاصب کا اس میں نقصان بھی ہو تاہم اصل مال واپس لوٹانا واجب
ہے۔

مسئلہ ۵۔ اگر غاصب غصبی مال میں کوئی ایسا تصرف کرے جس سے اس کی قیمت بڑھ جائے۔
جیسے سونے کا گوشوارہ بنا دے تو اسی حالت میں واپس لوٹائے گا اور وہ اپنے عمل کی اجرت ک
مستحق نہ ہوگا اور اگر مالک یہ کہے کہ اسے اس کی اصلی حالت پر لوٹا کر واپس کرو تو ایسا کرنا پڑے
گا اور غاصب کے عمل سے مال مغصوب کی قیمت کم ہو جائے تو اصل مال واپس کرنے کے ساتھ
اسے کمی کا ارش (تاوان) بھی ادا کرنا پڑے گا۔

مسئلہ ۶۔ اگر کوئی شخص کسی کا مکان غصب کرے تو مکان واپس کرنے کے ساتھ ساتھ مدت
غصب کا کرایہ بھی اسے ادا کرنا پڑے گا اگرچہ اس نے اس مکان میں قیام نہ کیا ہو اور اگر کوئی
کسی کی زمین غصب کرے اور اس میں کوئی فصل کاشت کرے تو وہ فصل غاصب کی ہوگی او
زمین واپس کرنے کے ساتھ اس کی اجرت المثل (کہ اگر اتنی مدت کے لئے زمین ٹھیکہ پر دیجاتی
تو اجرت کس قدر ہوتی؟) بھی ادا کرنا پڑے گی۔ اگر اس کے بعد مالک فصل کے بحال رکھنے پر
راضی نہ ہو تو غاصب کو نقصان برداشت کرنا پڑے گی۔ خواہ قبل از وقت ہی کیوں نہ ہو۔

مسئلہ ۷۔ اگر غصب شدہ مال غاصب سے بذریعہ غصب یا کسی اور طریقہ سے یکے بعد دیگرے
آگے چلا جائے تو مالک کو حق حاصل ہے کہ وہ جس سے چاہے اپنے مال کا مطالبہ کرے لہٰذا اگر
وہ آخری آدمی کی طرف رجوع کرکے اس سے اپنا مال واپس لے لے تو وہ شخص ان لوگوں کی
طرف رجوع کرے گا جنہوں نے دھوکہ سے غیر کا مال اس کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔

مسئلہ ۸۔ غصب کے دوران غصبی مال سے جو متصل بشکل اون وغیرہ یا منفصل بشکل بچہ وغیرہ
تو وہ اصلی مالک کے متصور ہوں گے اور اگر وہ تلف ہو گئے تو غاصب
کو اصل کے ساتھ ان کا مثل یا ان کی قیمت بھی ادا کرنا پڑے گی۔

مسئلہ ۹۔ اگر قیمی یا مثلی کی قیمت (جبکہ مثل میسر نہ ہو) مالک اور غاصب کے درمیان اختلاف
ہو جائے تو اشبہ یہ ہے کہ جو زائد کا منکر ہے اس کا قول قسم کے ساتھ مسموع ہوگا۔

مسئلہ ۱۰۔ اگر غاصب ایک سے زائد ہوں تو اسی نسبت سے اس چیز کے ضامن ہوں گے ش

اگر دو ہیں تو نصف نصف کے اور اگر تین ہوں تو ثلث ثلث کے وھکذا۔ واللہ العالم۔

تم باب الغصب والحمد للہ رب العالمین

باب اللقطہ

تعاونوا علی البر والتقوی

لقطہ کے عمومی معنی ہیں وہ ضائع شدہ مال جس کا مالک معلوم نہ ہو۔ اس کی تین قسمیں ہیں اور ہر ایک قسم کا نام بھی الگ ہے۔

۱۔ ضائع شدہ انسان جسے اصطلاح میں "لقیط" "ملقوط" اور منبوذ کہا جاتا ہے۔

۲۔ عام حیوان جسے "ضالہ" کہا جاتا ہے۔

۳۔ عام ضائع شدہ مال جسے خصوصی معنی میں "لقطہ" کہا جاتا ہے۔

قسم اول کے احکام

لقیط سے وہ طفل غیر ممیز مراد ہے جو کسی کفیل و سرپرست کے بغیر کہیں پڑا ہوا مل جائے۔ اس کی تین صورتیں ہیں یا تو وہ بچہ دارالاسلام سے ملے گا یا اس دارالکفر سے جہیں مسلمان بھی آباد ہیں یا اس دارالکفر سے جہاں کوئی مسلمان موجود نہیں ہے یا اگر ہے تو النادر فی حکم المعدوم کے حکم میں ہے پہلی دونوں صورتوں میں بچہ کو مسلمان اور آزاد تصور کیا جائے گا البتہ تیسری صورت میں اسے غلام بنانا جائز ہے۔ بشرطیکہ اسے اٹھانے والا' بالغ' عاقل' آزاد اور مسلمان ہو۔

دوسری قسم کے احکام:

اگر حیوان کسی آباد مقام اور کسی چراگاہ وغیرہ میں موجود ہے تو اس کا پکڑنا جائز نہیں ہے اگر اسے پکڑے گا تو ضامن ہوگا۔ اور اگر کسی غیر آباد و شاداب جگہ پڑا ہے جہاں نہ پانی ہے اور نہ گھاس مگر وہ قوی الجثہ ہونے کی وجہ سے عام درندوں وغیرہ سے اپنی حفاظت کر سکتا ہے جیسے اونٹ اور بیل وغیرہ تو اس صورت میں بھی اس کا پکڑنا جائز نہیں ہے اور اگر کوئی اسے پکڑے گا تو گنہگار ہوگا اور ضامن ہوگا اور اس کا چارہ وغیرہ اس کے ذمہ ہوگا اور اسے سال بھر تک اعلان کرنا پڑے گا اور اس کے بعد قصد تملک کرکے اپنے پاس رکھے گا یا اسے یا اس کی قیمت کو بطور صدقہ غرباء میں تقسیم کرے گا۔

(تیسری قسم کے احکام و مسائل)

مسئلہ ۱۔ جسے خصوصی معنی میں لقطہ کہا جاتا ہے جو دراصل اس وقت زیر بحث ہے تو اس کے متعلق پہلا حکم تو یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی پڑا ہوا مال مل جائے تو اسے

اٹھانا نہیں چاہئے۔ (کیونکہ یہ مکروہ ہے) اور بہت سی احادیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے نیز ان میں وارد ہے کہ اگر لوگ یہ مال نہ اٹھاتے تو بالآخر اصلی مالک آجاتا اور اسے اٹھا کر لے جاتا۔ (وسائل وغیرہ)

مسئلہ ۲۔ اگر ایسا مال اٹھایا جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو حرم مکہ کے اندرون سے اٹھایا ہے گا یا بیرون حرم سے اور بہر حال یا تو اس کی مالیت ایک درہم (بمقدار ساڑھے تین ماشہ یا تقریباً" بارہ عدد نخود چاندی) سے کم ہوگی یا بمقدار درہم یا اس سے زائد؟ لہٰذا اگر اس کی مالیت درہم سے کم ہے تو پھر کسی اعلان وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے اسے اٹھا کر بقصد ملکیت اپنا مال قرار دیا جاسکتا ہے بعد ازاں اگر مالک پیدا ہوگیا تو دیکھا جائے گا۔ پس اگر عین مال موجود ہے تو اس کے حوالے کردیا جائے اور اگر صرف ہوگیا ہے تو پھر اس کی ادائیگی لازم نہیں ہوگی اور اگر بمقدار درہم یا اس سے زائد ہے تو پورا ایک سال تک مجمع ہائے عام میں اس کا اعلان کرنا یا کرانا پڑے گا لہٰذا اگر دوران سال مالک مل جائے تو اس سے نشانی وغیرہ معلوم کرنے اور اطمینان حاصل کرنے کے بعد مال اس کے حوالہ کردیا جائے اور اگر سال تک مالک نہ مل سکا تو اگر اندرون حرم سے وہ مال اٹھایا تھا تو اس کا حکم یہ ہے کہ یا تو اصلی مالک کی طرف سے بطور صدقہ فقراء میں تقسیم کیا جائے یا حفاظت سے اسے رکھا جائے اور عندالموت اس کے اصل مالک یا اس کے ورثہ تک پہنچانے کی وصیت کی جائے اور اگر بیرون حرم سے اٹھایا گیا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ یا تو مالک کی طرف سے صدقہ دے دیا جائے یا اس کی نیابت میں حفاظت سے رکھا جائے۔ یا بقصد تملک اس نیت کے ساتھ اسے اپنا مال قرار دے دیا جائے کہ جب بھی اصل مالک پیدا ہوگیا تو وہ اصل مال یا اس کا مثل یا اس کی قیمت اسے ادا کردی جائے گی۔

مگر یہ یاد رہے کہ صدقہ دینے کی صورت میں اگر مالک پیدا ہوگیا اور وہ صدقہ دینے پر راضی نہ ہوا تو اسے اس کا مثل یا اس کی قیمت ادا کرنا پڑے گی اور ثواب صدقہ دینے والے کو مل جائے گا اور اگر مالک راضی ہوگیا تو یہ بری الذمہ ہو جائے گا اور ثواب مالک کو مل جائے گا اور اگر مال ایسا ہے جو سال تک باقی نہیں رہ سکتا جیسے پھل فروٹ اور سبزی وغیرہ تو اس کی قیمت مقرر کرکے اٹھانے والا اپنے ذمہ لے لے گا اور مال میں تصرف کرے گا اور قیمت پر اعلان کے احکام نافذ ہوں گے مخفی نہ رہے کہ اعلان وہاں کرانا چاہئے جہاں لوگ زیادہ جمع ہوتے ہیں جیسے جمعہ و جماعات اور بازار وغیرہ کے عمومی اجتماعات اور جس مقام سے مال ملا تھا اس کے قرب و جوار میں ہاں البتہ اس کی کوئی حد بندی نہیں ہے کہ ہفتہ میں کتنی بار یا مہینہ میں کتنی بار اس اعلان کا تکرار کیا جائے اس کا دارو مدار عرف عام پر ہے بس اتنا کافی ہے کہ عرفاً" یہ کہا جائے کہ

فلاں گم شدہ مال کا برابر اعلان ہو رہا ہے وبس۔

مسئلہ ۳۔ جو مال کسی مکان سے ملے اس کی دو صورتیں ہیں اگر مکان آباد ہے تو وہ مال اس کے رہنے والوں کا سمجھا جائے گا اور اگر غیر آباد ہے تو پھر اٹھانے والے کا تصور ہوگا۔

مسئلہ ۴۔ اگر قربانی وغیرہ کے لئے کسی شخص سے کوئی حیوان خریدا جائے اور ذبح کے بعد اس کے پیٹ سے کچھ مال برآمد ہو تو بائع (بیچنے والے) سے دریافت کیا جائے گا پس اگر وہ لاعلمی ظاہر کرے تو یہ مال خریدار کا سمجھا جائے گا ورنہ بائع کا۔

مسئلہ ۵۔ اگر (شخص) بازار یا دریا وغیرہ سے مچھلی خرید کر یا پکڑ کر لائے اور اسکے پیٹ سے کچھ مال برآمد ہو تو وہ اسی شخص کا متصور ہوگا۔

مسئلہ ۶۔ اگر مال اٹھانے والا سال کے دوران میں مرجائے تو اس کے وارث اعلان اور دیگر احکام میں اس کے قائم مقام ہوں گے۔ واللہ العالم

تم باب اللقطۃ والحمد للہ رب العالمین

باب النکاح

(وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم وامائکم)

ضرورت ازدواج اور اس کے فوائد

ازدواج (جو کہ عام حالات میں سنت موکدہ اور بعض خاص حالات میں واجب ہو جاتا ہے) کی ضرورت اور اس کے تمدنی' اخلاقی اور دینی مصالح اس قدر واضح و عیاں ہیں کہ ان کی تشریح و توضیح کی چنداں ضرورت نہیں ہے تمام اقوام عالم کا اس کے حسن و عمدگی پر اتفاق ہی اس کی اچھائی کی کافی شہادت ہے صرف بعض امور کی طرف یہاں اجمالی اشارہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ توالد و تناسل کے بغیر عالم کا انتظام قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لئے خالق فطرت نے مردوں کو عورتوں اور عورتوں کو مردوں کا خلقۃً شیدا بنایا ہے اگر خلقت میں کوئی نقص نہیں تو مرد عورت کے بغیر نہیں رہ سکتا اور عورت مرد کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ ھن لباس لکم وانتم لباس لھن۔ اس اجتماع کے بغیر نہ فطری بے چینی دور ہو سکتی ہے اور نہ ہی صحیح سکون مل سکتا ہے۔ وخلق منھا زوجھا لیسکن الیھا خالق حکیم نے اپنی حکمت کاملہ سے ہم میں جو حیوانی و شہوانی قوتیں ودیعت کی ہیں ان کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے دو ہی طریقے ہیں اول یہ کہ عورتیں مرد کی ہو کر رہیں۔ دوسرے یہ کہ حیوانات کی طرح جنسی تعلقات رکھیں۔ بالفاظ دیگر یا تو ہم جنسی تعلقات کو اس طرح قائم کریں گے کہ اس سے دوسرے بنی نوع انسان کے حقوق پامال نہیں ہوں گے یا

ان تقاضوں کو اس طرح پورا کریں گے کہ جس سے دوسروں کے حقوق پامال ہوں گے اور ان کا ضرور نقصان ہوگا۔ ان دو قسموں میں سے پہلی قسم کا نام ہے نکاح اور دوسری قسم کا نام ہے زنا۔

زنا کے نقصانات

زنا کاری سے اس قدر قبائح و مفاسد و مضرات و نقصانات پیدا ہوتے ہیں جن کا احصاء و شمار نہیں کیا جاسکتا مثلاً" اس سے نسب تلف ہو جاتا ہے' تربیت انسانی کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے رنج و راحت میں باہمی شرکت اور انسانی ہمدردی ختم ہو جاتی ہے وراثت کا سارا نظام ہی مختل ہو جاتا ہے شعوب و قبائل کی تقسیم میں جو مصالح مضمر ہیں وہ نیست و نابود ہو جاتے ہیں حالانکہ یہی مذکورہ بالا امور ہی انسان کی تمدنی و اجتماعی زندگی کی روح رواں ہیں اسی لئے خدائے حکیم فرماتا ہے۔ **لا تقربوا الزنی انہ کان فاحشتہ وساء سبیلا** " (سورہ نور) یعنی زنا و بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ کیونکہ یہ بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے۔

اس پورے مضمون کو مختصر لفظوں میں سمجھنے کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ زنا سے بچنے اور فطری تقاضوں کے پامال نہ ہونے دینے کے طریقہ کار کا نام نکاح ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ **وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ**

نکاح کے فضائل

۱۔ اسی لئے احادیث میں نکاح کرنے کے بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں جن سے اسکے فوائد بھی واضح ہو جاتے ہیں۔ جناب صادق آل محمدؑ اپنے آباؤ اجداد کے سلسلہ سند سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا **ما استفاد امرء مسلم فائدۃ بعد الاسلام افضل من زوجتہ مسلمتہ تسرہ اذا نظر الیھا وتطیعہ اذا امرہا وتحفظہ اذا غاب عنھا فی نفسھا ومالہ** کسی مسلمان نے اسلام کے بعد ایسی مسلمان بیوی سے بہتر اور کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا کہ جب اس کی طرف نگاہ کرے تو وہ (اپنی نیکی اور خوبصورتی کی وجہ سے) اسے خوش کرے جب اسے کوئی حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور جب وہ غائب ہو تو اپنی جان اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔ (وسائل الشیعہ) اس سے ظاہر ہے کہ نکاح سے کس قدر سکون نفس کی دولت ملتی ہے۔

۲۔ نیز فرمایا **تناکحوا وتناسلوا فانی اباھی بکم الامم یوم القیامتہ ولو بالسقط**۔ یعنی نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ۔ کیونکہ میں بروز قیامت دوسری امتوں میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا۔ اگرچہ کوئی ساقط شدہ بچہ ہی کیوں نہ ہو۔ (ایضاً)

۳۔ نیز فرمایا **من تزوج احرز نصف دینہ فلیتق اللہ فی النصف الباقی**۔ یعنی جو شخص

شادی کرلیتا ہے وہ اپنے نصف دین کو تو بچا لیتا ہے اب سے باقی نصف میں خدا سے ڈرنا چاہئے۔ اس سے روشن ہے کہ نکاح سے شیطانی خیالات اور غلط توہمات کا کس قدر قلع قمع ہوتا ہے۔ (ایضاً")

۴۔ نیز یہاں تک فرمایا کہ "رذال موتا کم العزاب" تمہارے بدترین مرنے والے وہ ہیں جو (بلا عذر) شادی کئے بغیر مرجائیں۔(ایضاً")

۵۔ حضرت صادق آل محمدؐ فرماتے ہیں۔ **رکعتان یصلیها المتزوج افضل من سبعین رکعتہ یصلیها اعزب۔** شادی شدہ آدمی کی دو رکعت نماز غیر شادی شدہ کی ستر رکعت سے افضل ہے۔ (وسائل)

اس سے واضح ہے کہ شادی کرنا کس قدر کار ثواب ہے۔

۶۔ پیغمبر اسلامؐ نے یہ فرما کر تو اس کی اہمیت اور بھی واضح کردی کہ **النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔** نکاح میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے روگردانی کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ (مستدرک الوسائل)

نکاح کے معاملہ میں حزم و ہوشمندی کی ضرورت

بڑے دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ نکاح کا معاملہ جس قدر اہم ہے اسی قدر ہمارے لوگ اس کے سلسلہ میں بے احتیاطی برتتے اور سہل انگیزی سے کام لیتے ہیں اس طرح گاؤ اور جینس کے سودے بھی نہیں کئے جاتے جس طرح لوگ بیٹوں، بیٹیوں اور بہنوں بھائیوں کے رشتے طے کرتے ہیں اکثر ماں باپ تو حالات کا مکمل جائزہ لئے اور نشیب و فراز کا تجزیہ کئے بغیر بچپن میں ہی اولاد کو رشتہ نکاح میں پرو دیتے ہیں ایسی اکثر و بیشتر شادیاں بے جوڑ ہونے کی وجہ سے بعد میں خانہ بربادیاں ثابت ہوتی ہیں اس لئے اگرچہ شرعاً" ولی کو یہ حق حاصل ہے مگر تا بامکان اسے اس حق کے استعمال سے پہلو تہی کرنا چاہئے۔ البتہ سن رشد و بلوغ میں قدم رکھنے کے بعد نہ تو اولاد کو اس قدر مطلق العنانی دینا چاہئے کہ وہ اپنے ناپختہ ذہن اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے محض جذباتی رنگ میں کوئی عاجلانہ فیصلہ کرکے کوئی غلط قدم اٹھائیں اور نہ ہی ان پر اس قدر سختی اور جبر کرنا چاہئے کہ وہ بالکل ہی عضو معطل ہو کر رہ جائیں بلکہ (جیسا کہ ہم اولیاء کی بحث میں اس پر مفصل گفتگو کریں گے) اولیاء و اولاد ہر دو کی مکمل رضامندی اور یکرنگی سے یہ اہم معاملہ طے کرنا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شرع انور جس نے حد سے زیادہ پردہ پر زور دیا ہے وہ بھی اس نازک موقع پر لڑکے کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ لڑکی کو بے حجاب دیکھ لے۔ کیونکہ یہ کوئی وقتی معاملہ نہیں بلکہ زندگی بھر کا بندھن ہے اور زن و شوہر کی ناموافقت سے معاشرہ میں اس قدر فتور پڑتا

ہے اور امن و امان اور انتظام کی صورت حال اس قدر تباہ ہوتی ہے کہ اس کا تصور ہی لرزہ بر اندام کرنے کے لئے کافی ہے اس وقت کی معمولی سے چوک اور غفلت زندگی بھر کے روگ اور رونے کا باعث بن جاتی ہے اس لئے عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ازدواج کی اس نئی دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے اس کے تمام نشیب و فراز اور اس کے تمام پہلوؤں پر صرف طائرانہ نہیں بلکہ غائرانہ اور مدبرانہ نگاہ ڈال لی جائے اور اس کے بعد کوئی حتمی فیصلہ کیا جائے۔ واللہ الموفق۔

دنیوی رسم و رواج کی پابندی کی مذمت

عام مسلمانوں میں بالعموم اور پاک و ہند کے مسلمانوں میں ہندوؤں کے قرب و جوار کی وجہ سے بالخصوص نکاح و بیاہ کے سلسلے میں جو غلط رسوم اور حشو زوائد از قسم سہرہ بندی ہاتھ میں گانا باندھنا، لوہے کی چھری یا چھڑی پکڑنا، گھڑولی بھرنا، چوٹی کھولنا اور عورتوں کے فحش گیت گانا، رقص و سرود کی محفلیں جمانا اور ڈھول ڈھمکا بجانا اور جہیز اور کھلانے پلانے کے سلسلہ میں اسراف بلکہ تبذیر کرنا وغیرہ وغیرہ۔ ان بے ہودہ لغویات کا انسداد کرنا عام مسلمانوں کے لئے بالعموم اور اہل علم و ایمان کے لئے بالخصوص اشد ضروری ہے انہی غلط رسوم اور ظاہری نام و نمود کی احمقانہ خواہش نے مسلمانوں کا دیوالیہ نکال دیا ہے اور انہیں معاشی بحران میں مبتلا کردیا ہے اور جو ایسا نہیں کر سکتے ان کی لڑکیوں کی زندگیاں گھر میں بیٹھے بیٹھے تباہ و برباد ہو جاتی ہیں اگر شریعت کے مطابق سادہ طریقہ پر نکاح و بیاہ کیا جائے تو اس سے کم از کم تین فائدے ضرور حاصل ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ خدا خوش ہوگا دوسرے یہ کہ زحمتوں سے چھٹکارا مل جائے گا۔ تیسرے یہ کہ قرضہ وغیرہ کی زیر باری سے نجات مل جائے گی۔ ان امور قبیحہ پر اس سے زیادہ تنقید و تبصرہ ہم اپنی زیر تجویز کتاب اصلاح الرسوم میں کریں گے۔ انشاء اللہ

۶۔ مستحبات نکاح

نکاح سے پہلے، نکاح کے وقت اور اس کے بعد چند امور مستحب ہیں ان کا یہاں اجمالاً بیان کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

پہلا مستحب۔ قبل اس کے کہ کسی خاص عورت کی تعیین اور اس کی منگنی کی جائے جب صرف شادی کرنے کا ارادہ کیا جائے تو مستحب ہے کہ دو رکعت نماز پڑھی جائے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھی جائے۔ **اللھم انی ارید ان اتزوج فقدر لی من النساء اعفھن فرجا و احفظھن فی نفسھا وما لھا واو سعھن رزقا و اعظمھن برکة وقدرلی ولدا طیبا تجعلہ خلفا صالحا فی حیاتی وبعد موتی۔**

دوسرا مستحب۔ شادی کے وقت دعوت ولیمہ کرنا انبیاء مرسلینؑ اور ائمہ طاہرینؑ کا طریقہ ہے جس

کا اہتمام اپنی حیثیت کے مطابق کرنا چاہئے اور اس سلسلہ میں کسی قسم کا اسراف نہیں کرنا چاہئے۔ مخفی نہ رہے کہ یہ دعوت اس مقام کے علاوہ سفر حج سے واپسی پر نیا مکان تعمیر کرنے یا خریدنے کے بعد بچہ کی ولادت اور ختنہ کے وقت بھی مستحب ہے یہ بھی واضح ہو کہ دعوت ولیمہ ایک دن حق۔ دوسرے دن شرافت اور تیسرے دن ریاکاری ہے۔ (جیسا کہ حدیث میں وارد ہے)

تیسرا مستحب۔ افضل یہ ہے کہ دعوت ولیمہ اہل ایمان کو دی جائے۔ ہاں اگر دوسروں کو بھی ان میں شامل کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اور یہ دعوت صرف اغنیاء و امراء تک محدود نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ فقراء و غرباء کو بھی اس میں شامل کرنا چاہئے بلکہ ان کو ترجیح دینا چاہئے۔

چوتھا مستحب۔ نکاح کے وقت اعلان کرنا اور دو گواہ مقرر کرنا سنت موکدہ ہے اگرچہ ہمارے نزدیک یہ صحت نکاح کی شرط نہیں ہے اور نہ ہی واجب ہے کیونکہ قرآن اس سلسلہ میں خاموش ہے اور حدیث سے یہ وجوب ثابت نہیں ہے بخلاف عامہ کے کہ ان کے ہاں مشہور یہ ہے کہ گواہوں کا ہونا صحت نکاح کی شرط ہے ہاں البتہ امام مالک کے نزدیک یہ شرط صحت نہیں ہے۔

پانچواں مستحب۔ نکاح سے پہلے خطبہ پڑھا جائے۔ جو خدا کی حمد و ثناء ذکر شہادتین' محمد و آل محمد علیہم السلام پر درود و سلام اور تقوی و پرہیزگاری اختیار کرنے کی تعلیم و تلقین اور نکاح کرنے کی ترغیب اور اسکی فضیلت پر مشتمل ہو۔

چھٹا مستحب۔ قمر در عقرب میں نکاح کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ چنانچہ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا من تزوج امرأة والقمر فی العقرب لم یر الحسنی۔ جو شخص کسی عورت سے اس حال میں شادی کرے کہ چاند برج عقرب میں ہو تو وہ اس نکاح میں کوئی خیرو خوبی نہیں دیکھے گا۔ (تنبیہ) اسی طرح ایام محاق (قمری مہینہ کے وہ آخری دو یا تین دن جن میں چاند تحت الشعاع ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتا)میں عقد کرنے سے احتراز کیا جائے۔

ساتواں مستحب۔ جس عورت سے نکاح کرنے یا جس لونڈی کے خریدنے کا ارادہ ہو اس کے محاسن کی طرف نگاہ کرنا نہ صرف جائز بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک مستحب ہے تاکہ یہ شخص کسی قسم کے دھوکہ و فریب میں مبتلا نہ ہو سکے۔

آٹھواں مستحب۔ عورت چونکہ اس گلو بند کی مانند ہے جو گردن میں ڈالا جاتا ہے لہذا اسے گلے میں ڈالنے سے پہلے اچھی طرح دیکھ لینا چاہئے کہ وہ گلو بند کیسا ہے؟ اس لئے اس عورت سے ازدواج کیا جائے جس میں وہ صفات محمودہ پائی جائیں جن کا تذکرہ کلام معصومین میں موجود ہے اور اس عورت کے حبالۂ عقد میں لانے سے اجتناب کیا جائے جو صفات مذمومہ کی حامل ہو۔ تفصیل کے طالب حضرات حلیۃ المتقین یا اس کے ترجمہ تہذیب المومنین یا مرآۃ الکمال یا سراج

الشیعہ" وغیرہ کتب کی طرف رجوع کریں۔ اسی طرح لڑکی والوں کو چاہئے کہ وہ بھی اس لڑکے کو ترجیح دیں جو دیندار، با اخلاق، عفیف و نیکوکار اور برسر روزگار ہو۔ واللہ الموفق۔

عورتوں کے اوصاف جمیلہ اور قبیحہ کا بیان

عورتوں کے اچھے اور برے صفات کا جامع خلاصہ یہ ہے کہ بسند معتبر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے فرمایا۔ تمہاری عورتوں میں سب سے بہتر وہ ہے جس کے ہاں اولاد زیادہ پیدا ہوتی ہو۔ شوہر سے محبت زیادہ کرتی ہو اور اس کی خیرخواہ ہو، عفیفہ و پاکدامن ہو اپنے اعزاؤ اقربا میں صاحب عزت ہو اور شوہر کی اطاعت گزار ہو اور جب اسکا شوہر اس سے خلوت کرنا چاہے تو مضائقہ نہ کرے مگر شوہر کو مباشرت کے لئے مجبور بھی نہ کرے۔

اس کے بعد فرمایا کہ تمہاری عورتوں میں سے بدترین عورت وہ ہے جو اپنی قوم میں ذلیل ہو اور اپنے شوہر پر مسلط ہو۔ بچے نہ جنتی ہو، کینہ ور ہو اور بدکاری کی پروا نہ کرتی ہو، جب شوہر موجود نہ ہو تو دوسروں کو دکھانے کے لئے بناؤ سنگار کرتی ہو اور جب شوہر آجائے تو پردہ نشین بن بیٹھتی ہو، شوہر کی بات نہ سنے اور نہ اسکی اطاعت کرے اور جب شوہر اس سے خلوت کرنا چاہے تو تند سواری کی مانند (سرکشی کرے) شوہر کا عذر قبول نہ کرے اور اگر اس سے کبھی کوئی حق تلفی ہو جائے تو اسے کبھی معاف نہ کرے۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا۔ جس عورت کی خواستگاری کی جائے اس میں یہ صفتیں ہونی چاہئیں۔ رنگ گندمی، پیشانی کشادہ، آنکھیں سیاہ، قد میانہ، سرین بھاری پھر فرمایا اگر کسی شخص کو ایسی عورت مل جائے اور وہ اس کا خواستگار بھی ہو مگر مہر کی رقم نہ رکھتا ہو تو زر مہر مجھ سے لے جائے۔ (ایضاً")

نیز عورت دینی لحاظ سے بلند اور دنیوی لحاظ سے اپنے سے پست ہونی چاہئے تاکہ اچھی طرح نباہ ہو سکے اور گھر میں کوئی شور و شرابہ پیدا نہ ہو۔

اسی سابقہ بیان سے یہ بات بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ جن عورتوں میں مذکورہ بالا صفات جمیلہ نہ پائے جائیں بلکہ ان کے برعکس صفات قبیحہ پائے جائیں۔ ان کے ساتھ ازدواج سے اجتناب کرنا چاہئے۔

وہ عورتیں جن سے نکاح کرنا مکروہ ہے

مذکورہ بالا اس اجمالی بیان پر اکتفا نہ کرتے ہوئے یہاں ان چند عورتوں کا صراحتاً" تذکرہ کیا جاتا ہے جن سے عقد نکاح کرنا مکروہ ہے اور وہ تیرہ قسم کی عورتیں ہیں۔ ۱/۲ دایہ اور اسکی

بیٹی سے کیونکہ یہ عقد اس کے احترام کے منافی ہے جو بمنزلہ ماں کے ہے۔

۳۔ باپ کی مطلقہ بیوی کی اس لڑکی سے جو اس طلاق کے بعد دوسرے شوہر سے عقد کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہو۔ ہاں البتہ کسی ایسی لڑکی سے عقد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جسے کی ماں خواستگاری کرنے والے کے باپ کے حبالۂ عقد میں بعد آئے اور یہ پہلے پیدا ہو چکی ہو۔

۴۔ اس عورت سے نکاح کرنا جو لڑکے کی ماں کے اس کے باپ کے حبالۂ عقد میں آنے سے پہلے کسی اور شوہر کی زوجیت میں سوکن رہ چکی ہو۔

۵۔ سوتیلے بھائی کی بہن سے۔ (۶) زانیہ عورت سے اسکے توبہ کرنے سے پہلے۔(۷) ولدالزنا لڑکی سے۔ (۸) پاگل عورت سے۔ (۹) احمق عورت سے کہ بموجب فرمان امیر مومنان علیہ السلام اسکی صحبت بلا اور اولاد ضیاع ہے۔ (۱۰) بدخلق عورت سے اسی طرح بدخلق مرد کو رشتہ دینا بھی مکروہ ہے۔ ۱۱/۱۲ زنجی (حبشی) اور کرد عورت سے۔ (۱۳) اعرابی (بدو) کا مہاجرہ عورت سے نکاح کرنا۔ ان تمام اقسام میں شرعی کراہت کی جو وجہ ہے وہ ارباب عقل و فکر پر پوشیدہ نہیں ہے۔

آنجا کہ عیاں است چہ حاجت بیاں است

نواں مستحب۔ اس لڑکے کو بھی رشتہ نہ دیا جائے جو بدخلق، شارب الخمر اور فاسق و فاجر ہو۔

دسواں مستحب۔ لڑکی کی شادی میں خاص طور پر عجلت سے کام لیا جائے حدیث میں وارد ہے۔ "من سعادۃ الرجل ان لا تطمث فی بیتہ" کسی بھی آدمی کی سعادت مندی اس میں ہے کہ اس کی لڑکی کو اس کے گھر میں حیض نہ آئے۔ یعنی شوہر کے گھر جا کر مکمل بالغ ہو۔ دوسری روایت میں وارد ہے کہ لڑکی بمنزلہ پھل کے ہے کہ جب پک کر تیار ہو جائے تو جلد اسے محفوظ کر لینا چاہئے ورنہ اسے بہت سی چیزیں خراب کر دیتی ہیں۔

گیارہواں مستحب۔ دلہن جب شوہر کے گھر آئے تو ایام سے پاک ہو۔

بارہواں مستحب۔ جب دلہن شوہر کے گھر داخل ہو تو وہ رو بہ قبلہ کھڑا ہو کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھے۔ **اللھم علی کتابک تزوجتھا وفی امانتک اخذتھا و بکلماتک استحللت فرجھا فان قضیت لی فی رحمھا شیئا فاجعلہ مسلما سویا ولا تجعلہ شرک الشیطان۔**

آداب مباشرت

زفاف اور مقاربت کے کچھ مخصوص آداب و مستحبات ہیں جن کا ملحوظ رکھنا انسب ہے اس سلسلہ میں حلیۃ المتقین وغیرہ کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے کہ ان میں یہ امور مکمل

وضاحت کے ساتھ مذکور ہیں ان کا صرف ایک اجمالی خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ پہلے اللہ کا نام لیا جائے تاکہ شرک شیطان سے محفوظ رہے۔

۲۔ اولاد نرینہ صالحہ کی دعا کی جائے۔

۳۔ پہلے دست درازی اور خوش طبعی کی جائے تاکہ عورت اس قدرتی فعل کے لئے آمادہ ہو جائے۔

۴۔ مباشرت کے دوران بات چیت نہ کی جائے۔

۵۔ ہر ماہ کے اول، وسط اور آخر میں مجامعت نہ کی جائے جو کہ اسقاط حمل اور بچہ کی دیوانگی کا باعث ہے ہاں البتہ ماہ رمضان کی پہلی تاریخ اس سے مستثنیٰ ہے۔

۶۔ جس وقت قمر برج عقرب میں، ہو یا تحت الشعاع ہو اس وقت مباشرت نہ کی جائے ورنہ سقط حمل کا اندیشہ ہے۔

۷۔ شب چہار شنبہ میں مجامعت نہ کی جائے۔

۸۔ جہاں کوئی بچہ یا بڑا جاگتا ہو اور میاں بیوی کی آواز اور ان کے سانس کی آواز کے اتار چڑھاؤ کو سن رہا ہو وہاں جماع کرنے سے اجتناب کیا جائے ورنہ بچہ بدکار ہوگا۔

۹۔ رو بقبلہ یا پشت بقبلہ مقاربت نہ کی جائے۔

۱۰۔ شکم پری کی حالت میں جماع نہ کیا جائے جو کہ صحت کے لئے بہت ہی مضر ہے۔

۱۱۔ شب دو شنبہ، سہ شنبہ، پنج شنبہ اور بالخصوص جمعہ اس فطری عمل کے لئے مناسب اوقات ہیں۔

۱۲۔ سورج گرہن کے دن، چاند گہن کی رات، سرخ و سیاہ آندھی اور زلزلہ کے وقت مقاربت کرنے سے احتراز کیا جائے۔

عقد کے سہ گانہ اقسام کا بیان

عقد کی تین قسمیں ہیں۔ عقد دائم عقد منقطع (جسے متعہ بھی کہا جاتا ہے) ملک یمین (جسے کنیز اور لونڈی کہا جاتا ہے۔)

ان ہر سہ اقسام کے جداگانہ احکام

سب سے پہلے عقد دائم کے احکام و شرائط بیان کئے جاتے ہیں بعد ازاں عقد منقطع اور پھر ملک یمین کا اجمالی تذکرہ کیا جائے گا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ عقد نکاح میں لفظی ایجاب و قبول ضروری ہے صرف طرفین کی دلی رضا مندی کافی نہیں ہے اور اس میں چند امور معتبر ہیں۔

شرائط عقد صیغہ عقد میں چند امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ ایجاب و قبول لفظی ہو کیونکہ بعض صیغوں میں اختلاف ہے مگر وہ صیغے جن پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے وہ دو ہیں۔ (۱) زوجت (۲) انکحت۔ لہٰذا انہی پر اکتفا کرنا چاہیے۔ افضل یہ ہے کہ یہ صیغے اس طرح ادا کئے جائیں کہ عورت کہے **زوجتک نفسی علی المہر المعلوم** اور مرد کہے **قبلت التزویج لنفسی علی المہر المعلوم**۔(جبکہ عورت و مرد خود صیغہ نکاح جاری کریں) عورت کا وکیل کہے۔ **زوجت موکلتی موکلک علی المہر المعلوم** اور مرد کا وکیل کہے۔ **قبلت التزویج لموکلی علی المهر المعلوم**۔ (اگر عورت اور مرد کے وکیل الگ الگ ہوں جیسا کہ احوط ہے) یا عورت کا وکیل یوں کہے **زوجت موکلتی موکلی علی المہر المعلوم** پھر خود ہی کہے **قبلت التزویج لموکلی علی المہر المعلوم** (اگر عورت و مرد کا وکیل ایک ہو جیسا کہ علی الاقوی جائز ہے)اور اگر لڑکی اور لڑکے کے باپ کی طرف سے کوئی شخص وکیل ہو کہ صیغہ نکاح جاری کرے تو یوں کہے۔ **زوجت بنت موکلی ابن موکلی علی المہر المعلوم** اور پھر کہے **قبلت التزویج لا بن موکلی علی المہر المعلوم**۔ نیز جہاں جہاں "زوجت" واقع ہوا ہے اس کی جگہ لفظ "انکحت" استعمال کیا جاسکتا ہے اور جہاں جہاں "قبلت التزویج" وارد ہے وہاں "قبلت النکاح" کہا جاسکتا ہے اور عقد متعہ میں زوجت یا انکحت کی بجائے متعت کہا جائے گا صیغہ ہائے عقد کی باقی تفصیلات عام کتب متداولہ میں مذکور ہیں عند الضرورت انکی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ اقوی نہیں تو احوط ضرور ہے کہ بلفظ ماضی صیغہ ہائے ماضی استعمال کئے جائیں۔

۳۔ ان کی ادائیگی کے وقت قصد انشاء کیا جائے یعنی یہ ارادہ کیا جائے کہ اب ان الفاظ کے ذریعے طرفین کو زن و شوہر بنایا جارہا ہے نہ یہ کہ کسی سابقہ واقعہ کی خبر دی جارہی ہے۔

۴۔ یہ صیغے جاری کرتے وقت ان کا مطلب و مفہوم ذہن میں رکھا جائے۔ اگرچہ اجمالاً ہو۔

۵۔ مشہور یہ ہے کہ ان صیغوں کا صحیح عربی میں ہونا ضروری ہے مگر اظہر یہ ہے کہ عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی ان صیغوں کے ترجمہ پر اکتفا کیا جاسکتا ہے۔ ہاں افضل و احوط یہ ہے کہ تا بامکان عربی کو ترجیح دی جائے اور عربی میں پڑھنے کی صورت میں اگر ایسی اعرابی غلطی کی جائے جس سے معنی بدل جاتے ہوں تو عقد باطل متصور ہوگا۔

۶۔ احوط یہ ہے کہ ایجاب و قبول میں عرفی موالات ملحوظ رکھی جائے۔ یعنی درمیان میں غیر معمولی فاصلہ نہ ہو اگرچہ اقوی یہ ہے کہ یہ فاصلہ مضر نہیں ہے۔

۷۔ یہ عقد منجز ہو یعنی کسی شرط کے ساتھ مشروط نہ ہو ورنہ بنابر مشہور عقد باطل متصور ہوگا۔

۸۔ عقد سے پہلے حق مہر کی تعیین کی جائے۔

۹۔ ہونے والے دولہا و دلہن کی ان کے نام یا اشارہ وغیرہ سے تعیین کی جائے۔

۱۰۔ عورت شوہر دار یا عدت طلاق و وفات کے اندر نہ ہو یا نسب یا سبب کی وجہ سے ہونے والے شوہر پر حرام نہ ہو۔

۱۱۔ ایجاب عورت یا اس کے ولی یا وکیل کی طرف سے ہو اور قبول شوہر یا اس کے ولی یا وکیل کی جانب سے ہو۔

۱۲۔ صیغہ عقد جاری کرنے والا اور قبول کرنے والا عاقل' بالغ' قاصد اور مختار ہو کیونکہ دیوانہ' نابالغ بچہ' مدہوش اور مجبور کے کلام و کام کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

۱۳۔ زن و شوہر اس عقد ازدواج پر راضی ہوں۔ لہذا ہر دو یا ان میں سے ایک اگر اس عقد پر راضی نہ ہو تو عقد باطل متصور ہو گا۔

۱۴۔ متعہ میں مدت کا معین کرنا کیونکہ اس کے بغیر متعہ باطل متصور ہو گا۔ ان امور میں سے بعض کی وضاحت آنے والے مباحث میں کی جائے گی۔ انشاء اللہ

۱۵۔ زن و شوہر ایک دوسرے کے کفو ہوں۔

کفایت کی وضاحت

اس امر کے متعلق تو تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ نکاح میں کفایت شرط ہے جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف اس بات میں ہے کہ "کفو" سے مراد کیا ہے؟ لغۃً "کفایت" کے معنی ہیں "تساوی" اور "تماثل" اور شرعاً اس کا مفہوم کیا ہے؟ آیا اس سے مراد اسلام میں مساوات ہے یا ایمان ہیں؟ اس میں اختلاف ہے بعض فقہاء نے علی الاطلاق اسلام مراد لیا ہے اور بعض نے ایمان لیکن سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے اخبار اور علماء ابرار کے افکار کے بحار میں غواصی کرنے سے جو کچھ واضح و آشکار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کفایت سے مراد نہ علی الاطلاق اسلام ہے اور نہ ہی ایمان۔ بلکہ اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر عورت مومنہ ہے تو اس کے کفو میں ایمان معتبر ہے اور اگر مرد مومن ہے تو اس کے کفو میں اسلام کافی ہے خلاصہ یہ کہ مومنہ عورت کا عقد صرف مومن مرد سے ہو سکتا ہے ہاں البتہ مومن مرد کا عقد مومنہ اور مسلمہ ہر دو عورتوں سے ہو سکتا ہے چنانچہ متعدد روایات میں وارد ہے۔ **العارفة لا توضع الا عند عارف** کہ (یعنی مومنہ عورت صرف مومن مرد کے حبالہ عقد میں دیجائے) اور اس منع کی وجہ دوسری روایات میں یہ بیان کی گئی ہے کہ **ان المراة تاخذ من ادب زوجها ویقهر ها علی دینه**۔ (عورت) اپنی طبعی کمزوری کی وجہ سے اپنے شوہر کے ادب (و طریقہ) کو قبول کر لیتی ہے اور شوہر اسے اپنا دین و مذہب اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ (کتب اربعہ' وافی' وسائل وغیرہ)

جیسا کہ روزمرہ کا مشاہدہ شاہد ہے کہ اس قسم کے رشتوں میں اگر عورت مرد کا مذہب قبول نہ بھی کرے جب بھی اکثر و بیشتر شوہر اسے اپنے مذہبی مراسم ادا کرنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ قدم قدم پر روڑے اٹکاتا ہے جس سے باہمی چپقلش اور خانہ جنگی شروع ہو جاتی ہے جس سے گھر کا امن و امان تہ و بالا ہو جاتا ہے اسی لئے حکماء اسلام یعنی سرکار محمد آل محمد علیہم السلام کا فرمان ہے۔ **اذا جاء کم من ترضون خلقه و دینه فز وجوه والا تفعلوه تکن فتنه فی الارض وفساد کبیر**

یعنی جب وہ شخص تم سے رشتہ طلب کرے جس کا خلق وطبیعت اور دین و دیانت تمہیں پسند ہو تو اسے رشتہ دے دو اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ و فساد برپا ہو گا۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ جس کا مذہب پسندیدہ نہ ہو اس کو مومنہ لڑکی کا رشتہ دینا حرام ہے۔

توضیح۔ اگر ایسا عقد واقع ہو جائے تو جہاں اس پر صحیح عقد کے آثار مترتب نہیں کرنے چاہئیں وہاں طلاق حاصل کئے بغیر دوسری جگہ لڑکی کا عقد بھی نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ احتیاطاً پہلے شوہر کے مذہب کے مطابق طلاق حاصل کی جائے پھر کسی کفو یعنی ہمسر مومن مرد سے اس کا عقد کیا جائے
واللہ العالم العاصم

اولیاء عقد کا بیان

اور اس سلسلہ میں چند مسائل ہیں۔

مسئلہ ا۔ باپ اور دادا کو تو بالاتفاق نابالغ لڑکے اور نابالغ لڑکی یا اس دیوانہ پر جس کا جنون بلوغت کے ساتھ متصل ہو (یعنی حالت جنون میں بالغ ہوا) عقد نکاح کی ولایت حاصل ہے یعنی ان کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ جہاں مناسب سمجھیں ان کا عقد نکاح کریں۔ اور ان کا کیا ہوا نکاح ایسا پختہ ہوتا ہے کہ لڑکی میں بالاتفاق اور لڑکے میں بنا بر مشہور و منصور بالغ ہونے اور دیوانگی دور ہونے کے بعد اس عقد کے فسخ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ کتب اربعہ وغیرہ میں اس مضمون کی بکثرت روایات موجود ہیں۔ امام عالیمقامؑ سے دریافت کیا جاتا ہے۔ **الجاریۃ الصغیرۃ یزوجھا ابوھا الھا امر اذا بلغت؟** نابالغ لڑکی کا عقد اس کا باپ کر دیتا ہے کیا بالغ ہونے کے بعد اسے فسخ کا حق ہے؟ امامؑ فرماتے ہیں۔ **لیس لھا مع ابیھا امر۔** اسے باپ کے عقد میں کوئی اختیار نہیں ہے۔

اگر ان روایات کے بالمقابل کوئی روایت ایسی ملتی ہے۔ جس سے ان کا خیار البلوغ ثابت ہوتا ہے وہ بدو وجہ ناقابل عمل ہے اولاً اس لئے کہ جو روایات ان کے خلاف وارد ہیں وہ تعداد میں زیادہ اور سند کے لحاظ سے زیادہ مستند ہیں اور ثانیاً اس لئے کہ ایسی روایات اس صورت پر

محمول کی جاسکتی ہیں کہ ولی شرعی (باپ یا دادا) نے ان کا عقد نکاح اس لڑکے یا لڑکی کے ساتھ کیا ہو جس میں وہ عیوب پائے جاتے ہیں جنکی موجودگی میں عقد کو فسخ کیا جاسکتا ہے جن کی تفصیل بعد ازیں بیان کی جائے گی۔

تبصرہ

موجودہ دور کے بعض فقہاء کے فتاوی میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ باپ دادا کا نکاح اس صورت میں پختہ ہو گا کہ اس میں کوئی مفسدہ نہ ہو۔ اس بات کا احادیث اور علماء متقدمین کے کلام میں کہیں کوئی نام و نشان نہیں ہے۔ اور پھر اس مفسدہ کا کوئی مفہوم بھی مشخص نہیں ہے [illegible] فتدبر

مخفی نہ رہے کہ دادا میں تعمیم ہے کہ قریبی ہو یا دادا کا باپ یعنی پردادا ہو یا اس کا بھی باپ (وھلم جرا") نیز دادا کی ولایت اس امر پر بھی موقوف نہیں ہے کہ باپ مرجائے تو وہ ولی قرار پائے بلکہ باپ کی موجودگی میں بھی اس کی ولایت ثابت ہے اور ان کے باہمی اختلاف کی صورت میں جو پہلے عقد کر دے گا اس کا عقد مقدم ہو گا اور اگر الگ الگ عقد کر دیں تو دادا کا عقد باپ کے عقد پر مقدم سمجھا جائے گا۔

اور باپ دادا کے علاوہ باقی جس قدر رشتہ دار ہیں جیسے ماں 'نانا' بھائی' ماموں اور چچا وغیرہ ان میں سے کوئی بھی شرعی ولی نہیں ہے۔ لہٰذا اگر یہ کسی نابالغ بچہ یا بچی کا نکاح کر دیں تو یہ عقد فضولی متصور ہو گا اور ان کو بلوغت کے بعد اس کے فسخ کرنے کا اختیار ہو گا۔

مسئلہ ۲۔ لڑکا جب بالغ ہو جائے یا لڑکی ایک بار شوہر دار ہونے کے بعد بیوہ یا مطلقہ ہو جائے تو اس سے بالاتفاق باپ دادا کی ولایت ساقط ہو جاتی ہے اور انہیں یہ حق حاصل ہے کہ جہاں چاہیں قانون شریعت کے مطابق نکاح کریں اگرچہ ان کے لئے مستحب اور افضل یہ ہے کہ باپ دادا کے مشورہ سے ایسا قدم اٹھائیں جو کچھ اختلاف ہے وہ اس لڑکی کے بارے میں ہے جو عاقلہ و بالغہ تو ہے مگر ہنوز باکرہ ہے (یعنی شرعاً" شوہر دیدہ نہیں ہے۔ اگرچہ کسی اور سبب سے اس کی بکارت زائل بھی ہو چکی ہو) آیا اس پر باپ دادا کا حق ولایت اب بھی ثابت ہے یا نہ؟ اس میں شدید اختلاف ہے اس سلسلہ میں بڑے قول پانچ ہیں (۱) نابالغی کی طرح اب بھی ولی کی ولایت ثابت ہے۔ (کیونکہ لڑکی کی عقل) ابھی ناپختہ ہے جس کی وجہ سے اس کے غلط فیصلہ کرنے کا زیادہ امکان ہے۔

۲۔ یہ ولایت بالکل ساقط ہے اور وہ بالکل آزاد ہے

۳۔ ولی شرعی اور لڑکی کی ولایت مشترکہ ہے۔

۴۔ عقد دائم میں ولایت ثابت ہے مگر منقطع میں آزاد

۵۔ منقطع میں ولایت ثابت ہے اور دائم میں آزاد ہے۔ ان اقوال میں سے سب سے زیادہ معرکہ الارا پہلے دو قول ہیں اگرچہ اکثر احادیث وفتاوی سے پہلے قول کی قوت ثابت ہوتی ہے مگر احتیاط واجب ایسا ہے کہ تیسرے قول پر عمل کیا جائے کہ ولی شرعی اور بالغہ عاقلہ اور باکرہ لڑکی ہر دو کی باہمی رضا مندی سے عقد کیا جائے جیسا کہ کئی روایات میں وارد ہے کہ **یکون ذلک برضاھا فان لھا فی نفسھا نصیبا**" (یعنی یہ عقد لڑکی کی رضا مندی سے ہونا چاہیے) بناء بریں نہ تو ولی کو یہ حق حاصل ہے کہ لڑکی کی رضا حاصل کئے بغیر کوئی قدم اٹھائے اور نہ ہی لڑکی کو حق پہنچتا ہے کہ اپنے ولی کو اعتماد میں لئے بغیر کوئی اقدام کرے اور اگر کوئی فریق تنہا ایسا قدم اٹھائے تو احتیاط واجب اس میں ہے کہ یا تو وہ دوسرے فریق کی رضا حاصل کرے یا طلاق حاصل کرے۔

مسئلہ ۳۔ مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ جو شخص سفاہت و بے وقوفی کی وجہ سے اپنے مال میں تصرف کرنے کا حق نہیں رکھتا اسے ولی کی اجازت کے بغیر عقد کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ مگر احادیث اہلبیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی ان سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہاں اسراف و تبذیر لازم آتی ہو وہاں وہ ممنوع التصرف ہے مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ جہاں مال کا صرف کرنا واجب یا مستحب ہو۔ وہاں بھی وہ مال صرف نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ عقد کا عمومی استحباب اسے بھی شامل ہے لہذا وہ عقد کر سکتا ہے اور ولی کو چاہیے کہ حق مہر اور نان و نفقہ اس کے حوالے کرے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۴۔ جس آدمی کو باپ یا دادا اپنی صغیر السن اولاد پر وصی مقرر کر جائیں اس کو بھی نکاح وغیرہ کی تولیت حاصل ہے یا نہ؟ اس میں اختلاف ہے اور فقہاء میں تین قول پائے جاتے ہیں۔

اول یہ کہ اسے باپ دادا کی وصایت میں ولایت حاصل ہے دوسرے یہ کہ اسے یہ حق حاصل نہیں ہے تیسرے یہ کہ اگر وصایت میں نکاح کی تولیت کی تصریح موجود ہے تب تو وہ ولی ہے اور اگر یہ تصریح موجود نہیں ہے تو پھر اسے یہ تولیت حاصل نہیں ہے احادیث اہلبیت سے یہی آخری قول ثابت ہوتا ہے چنانچہ آیت مبارکہ (**بیدہ عقدۃ النکاح**) کی تفسیر میں متعدد روایت میں باپ دادا کے ساتھ وصی کا بھی تذکرہ ہے (تفسیر صافی و برہان وغیرہ) **وھو الاقرب واللہ العالم**

مسئلہ ۵۔ منجملہ اولیاء کے ایک آقا و مولی بھی ہے بالاتفاق اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے غلام یا لونڈی کا عقد نکاح کرے۔ عام اس سے کہ یہ غلام و کنیز چھوٹے ہوں یا بڑے عاقل ہوں یا دیوانہ اور غلام و لونڈی کو اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اپنے عقد نکاح کرنے کا شرعاً کوئی حق نہیں ہے۔ کیونکہ مشہور و منصور قول کے مطابق مملوک اور جو کچھ اس کے قبضہ میں ہے۔ اور اس کے منافع سب آقا کی ملکیت ہیں۔

مسئلہ ۶۔ مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ حاکم شرع کو اس شخص پر ولایت حاصل ہے۔ جو حالت جنون میں بالغ ہوا ہو یا جسے فرزانگی کے بعد دیوانگی عارض ہوئی ہے۔ جبکہ صغیر و صغیرہ اور بالغہ عاقلہ باکرہ کے عقد نکاح پر حاکم شرع کی عدم ولایت پر فقہاء کا اتفاق ہے اور حق یہ ہے کہ یہ مزعومہ ولایت ادلہ قطعیہ سے ثابت نہیں ہے اور مقبولۂ عمر بن حنظلہ وغیرہ سے حاکم شرع کی جو ولایت ثابت ہوتی ہے اس سے مراد صرف شرعی احکام بیان کرنااور دینی امور میں فتویٰ دینا ہے وبس واللہ العالم

مسئلہ ۷۔ اگر نابالغ لڑکی یا لڑکے کا عقد ولی شرعی کے علاوہ کوئی اور شخص کر دے۔ یا بالغ و عاقل مرد و عورت کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر کوئی آدمی کر دے۔ یا کوئی لونڈی یا غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کریں تو اسے شرعاً" عقد فضولی کہا جاتا ہے اور اس کی صحت و بطلان میں قدرے اختلاف ہے مشہور یہ ہے (وہو المنصور) کہ یہ عقد نہ تو بالکل باطل ہوتا ہے اور نہ ہی پختہ۔ بلکہ ہوتا تو صحیح ہے مگر متزلزل ہوتا ہے یعنی اگر بلوغت کے بعد لڑکی لڑکا یا بالغ مرد و عورت اس نکاح کی اطلاع ملنے کے بعد اس پر راضی ہو جائیں تو یہ پختہ ہو جاتا ہے اور اگر راضی نہ ہوں تو طلاق کے بغیر ختم ہو جاتا ہے۔ اگرچہ بیع و شرا وغیرہ معاملات میں ہم عقد فضولی کا بطلان واضح و عیاں کر چکے ہیں مگر نکاح کے معاملہ میں اظہر یہ ہے کہ یہ صحیح ہے جیسا کہ نصوص و فتاوی سے ظاہر ہوتا ہے اور روایات اہل بیت میں اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے۔ کہ ایسا کرنے والے نے خدا کی نافرمانی نہیں کی۔ بلکہ ایک بندہ کی مخالفت کی ہے لہذا اس کی حیثیت عدت کے اندر خدا کے منع کردہ نکاح کی نہیں جس کی وجہ عقد باطل ہو جاتا ہے۔ (کتب اربعہ)

مسئلہ ۸۔ اگر کوئی عورت کسی شخص کو اپنے عقد کا وکیل بنائے تو وکیل کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کا عقد اپنے ساتھ کر لے۔ ہاں البتہ اگر عورت نے وکالت میں اس کی وضاحت کر دی ہو کہ تم جس سے چاہو حتی کہ اپنے آپ سے بھی نکاح کر سکتے ہو۔ تو اس صورت میں جائز اور صحیح ہوگا۔

مسئلہ ۹۔ مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ باکرہ لڑکی کی اجازت کے سلسلہ میں اس کی خاموشی کافی ہے۔ بشرطیکہ اس کی خاموشی سے اس کی ناراضگی ظاہر نہ ہوتی ہو۔ کیونکہ شدت حیا کی وجہ سے وہ بول کر اجازت دینے میں خجالت محسوس کرتی ہے۔

بخلاف شوہر دیدہ عورت کے (جو بیوہ یا مطلقہ ہو) کہ وہاں اجازت کے سلسلہ میں قولی صراحت ضروری ہے۔

مسئلہ ۱۰۔ بعض فقہاء نے بیان کیا ہے کہ چار چیزوں کی وجہ سے کسی بھی ولی کی تولیت ختم ہو جاتی ہے۔

۱۔ کفر سے جبکہ وہ بچی بچہ یا مجنون مسلمان ہو۔ جس پر اسے تولیت حاصل ہے۔ کیونکہ کافر مسلمان کا سرپرست نہیں ہو سکتا۔ اور باوجود باپ کے کافر ہونے کے بچہ بچی کا اسلام اس کی ماں یا دادا کی وجہ سے متصور ہو سکتا ہے۔

۲۔ بالغ یا عاقل نہ ہونے کی وجہ سے کیونکہ جو خود مکلف نہیں وہ کسی کا ولی و سرپرست نہیں ہو سکتا۔

۳۔ غلام ہونے سے کیونکہ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جب غلام کو اپنے نفس میں مولی کی اجازت کے بغیر تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں تو دوسروں کی تولیت و سرپرستی کس طرح کر سکتا ہے؟

۴۔ احرام کی حالت میں ہونے سے کیونکہ جو شخص محرم ہے (حالت احرام میں ہے) وہ بالاتفاق نہ خود عقد کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے شخص کا عقد نکاح پڑھ سکتا ہے۔ واللہ العالم

وہ عیوب جن کی وجہ سے نکاح فسخ کیا جا سکتا ہے؟

عقد نکاح چونکہ عقود لازمہ میں سے ہے۔ یعنی ازدواج کی رو سے مرد اور عورت میں گویا ایک قسم کا معاہدہ ہو جاتا ہے جس کی طرفین کو پابندی کرنا لازم ہو جاتی ہے اس معاہدہ کی رو سے ہر دو میاں بیوی اپنے متعلقہ فرائض انجام دیتے ہیں۔ شریعت مقدسہ نے دونوں کے فرائض کی الگ الگ حد بندی کر دی ہے۔ یہ معاہدہ سوائے خاص حالات کے قابل فسخ نہیں ہوتا جسے طلاق کہا جاتا ہے۔ جو مرد کے ہاتھ میں ہے۔ مگر بعض حالات میں مرد اور عورت دونوں کو اس معاہدے کے فسخ کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو مرد یا عورت کی حق تلفی ہوتی۔ جو کہ اسلامی عدل و انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ شریعت مقدسہ نے ان حالات میں میاں بیوی کو فسخ نکاح (جسے خیار الفسخ کہا جاتا ہے) کی اجازت دیکر اپنے عادلانہ و منصفانہ ہونے کا قطعی ثبوت پیش کر دیا ہے۔ وہ حالات کیا ہیں؟ اور کس طرح پیدا ہوتے ہیں؟ یہ چند عیوب و

نقائص ہیں جو کبھی مرد میں پائے جاتے ہیں کہ اس صورت میں عورت کو نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے اور کبھی عورت میں پائے جاتے ہیں اس صورت میں مرد کو فسخ نکاح کا اختیار ہوتا ہے بقدر ضرورت ان ہر دو قسم کے عیوب کی ذیل میں وضاحت کی جاتی ہے۔

مرد کے وہ عیب جن کی وجہ سے عورت کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے؟

اور یہ عیب بناء بر مشہور و منصور چار ہیں۔

اول مجنون ہونا۔ یہ دیوانگی (جس کے مفہوم کی وضاحت کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ وہ عیاں راچہ بیان کی مصداق ہے۔) خواہ عقد سے پہلے موجود ہو یا عقد کے بعد۔ دخول سے پہلے لاحق ہو یا دخول کے بعد۔ نیز جنون مطبق ہو (جو ہر وقت رہتا ہے) یا دوری ہو (جسمیں کبھی افاقہ بھی ہو جاتا ہے) بہرحال جب مرد میں یہ نقص پایا جائے تو عورت کو نکاح کے فسخ کرنے کا حق حاصل ہے اور اس بات پر نصوص و فتاوی میں کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے بلکہ یہ مسئلہ قریباً" اتفاقی ہے۔

دوم۔ خصی ہونا۔ یعنی مرد کے خصے نکال دیئے جائیں یا س طرح کوٹ دیئے جائیں جس سے وہ تولید کے قابل نہ رہے۔ یہ عیب مرد میں اگر عقد سے پہلے موجود ہو۔ اور عورت کو علم نہ ہو تو اس صورت میں سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ عورت نکاح فسخ کر سکتی ہے لیکن اگر عقد کے بعد اور دخول سے پہلے لاحق ہو تو اس میں فی الجملہ اختلاف ہے بہر نوع اگر عقد کے بعد اور دخول سے پہلے پیدا ہو تو اشہر و اظہر یہ ہے کہ اس صورت میں عورت کا خیار الفسخ باقی رہتا ہے۔ اور اگر دخول کے بعد پیدا ہو تو پھر اشبہ یہ ہے کہ عورت کا یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ واللہ العالم

سوئم۔ مقطوع الذکر ہونا جس کی وجہ سے مرد فریضہ مردانگی کی ادائیگی سے بالکل ناکارہ ہو جاتا ہے تو اس کا حکم بعینہ وہی ہے جو خصی کے بارے میں ابھی اوپر مذکور ہوا۔ ہاں البتہ اگر ذکر کا اس قدر حصہ باقی ہو جس سے وہ مقاربت کرنے پر قادر ہو۔ تو پھر عورت کا یہ خیار الفسخ ختم ہو جاتا ہے۔

چہارم۔ نامرد ہونا۔ جس کی وجہ سے آدمی کے عضو مخصوص میں چونکہ انتشار و استادگی پیدا نہیں ہوتی اس لئے وہ وظیفہ شوہری ادا کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ یہ عیب اگر عقد سے پہلے ہو یا عقد کے بعد مگر دخول سے پہلے تو بنا پر مشہور و منصور عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے اور اگر دخول کے بعد یہ عارضہ لاحق ہو تو پھر علی الاشہر الاظہر عورت کا یہ حق ختم ہو جاتا ہے۔ مگر یہ ملحوظ رہے کہ دیگر تمام عیوب میں مرد و عورت کو خود بخود نکاح کے فسخ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے لیکن نامردی کے سلسلہ میں عورت خود بخود عقد کو ختم نہیں کر سکتی بلکہ اسے حاکم شرع کی

طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اس کے پاس جب مرد کا نامرد ہونا ثابت ہو جائے۔ تو وہ اسے ایک سال کی مہلت دے گا (تاکہ وہ علاج معالجہ سے مرض کا ازالہ کر سکے) پس اگر وہ ایک سال کے اندر مقاربت کرنے کے قابل ہو جائے تو فبہا ورنہ ایک سال کے انتظار کے بعد عورت نکاح کو فسخ کر سکتی ہے۔ واللہ العالم

عورت کے وہ عیوب جنکی وجہ سے مرد کو فسخ نکاح کا حق ہے؟

بنا بر تحقیق وہ سات ہیں۔

اول جنون دوم جذام (کوڑھ کا مرض) سیوم برص (پھلبہری) چہارم عفل یا قرن۔ اس مرض میں ایک قسم کا زائد گوشت یا ایک خاص قسم کی ہڈی عورت کی اندام نہانی میں پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کے ساتھ مقاربت اگر نا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو جاتی ہے۔ پنجم افضا (جس میں عورت کے پیشاب اور حیض یا حیض اور پاخانہ کا راستہ ایک ہو جاتا ہے ششم اندھا ہونا۔ ہفتم زمین گیر ہونا یعنی چلنے پھرنے کے قابل نہ ہونا بلکہ بعض اخبار اور علماء اخیار کے فتاوی سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ صرف لنگڑا پن بھی عورت کے ان عیوب میں سے ہے جنکی وجہ سے مرد کو نکاح کے فسخ کرنے کا حق حاصل ہے۔ وھو لا یخلو من قوۃ

ایضاح

مخفی نہ رہے کہ ان عیوب مختلفہ میں سے جن پر نصوص و فتاوی کا اتفاق ہے وہ صرف چار ہیں۔ (۱) جنون' (۲) جذام' (۳) برص اور عفل۔ باقی افراد میں اختلاف پایا جاتا ہے مگر جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہی مشہور و منصور ہے اور بعض افراد ایسے بھی ہیں جو مختلف فیہ ہیں مثلاً" جناب ابن الجنید اور ابن البراج اور بعض دیگر علماء اس کے قائل ہیں کہ جذام' برص' اور اندھا پن مشترکہ عیوب میں سے ہیں لہذا عورت کی طرح اگر یہ عیوب مرد میں پائے جائیں تو عورت کو نکاح کے فسخ کرنے کا حق حاصل ہے اور انہوں نے صحیحہ حلبی کے ساتھ استدلال کیا ہے گو یہ قول مشہور نظریہ کے خلاف ہے مگر بعید نہیں ہے۔ لہذا احوط یہ ہے کہ جب عورت فسخ کرنے پر تلی ہوئی ہو تو مرد اسے طلاق دے کر فارغ کر دے اور عورت کو چاہیے کہ جس طرح ہو سکے مرد کو طلاق پر راضی کرے۔ واللہ العالم

اسی طرح مرد و عورت میں زنا کے مجوز فسخ عیب ہونے کے سلسلہ میں اخبار و فتاویٰ میں قدرے اختلاف ہے مشہور منصور قول یہی ہے کہ یہ عیب ان عیوب میں شامل نہیں ہے۔ جنکی وجہ سے فسخ کیا جا سکتا ہے۔ واللہ العالم

مسائل و احکام

مسئلہ ا۔ عورت والے یہ عیوب مختلفہ یا تو عقد سے پہلے موجود ہوں گے یا عقد کے بعد مگر دخول سے پہلے پیدا ہوں گے یا دخول کے بعد لاحق ہوں گے۔ پس جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے تو وہاں تو بلا اشکال و بلا اختلاف مرد کو یہ حق الخیار حاصل ہے (بشرطیکہ اسے ان عیوب کا عقد سے پہلے علم نہ ہو) اسی طرح جو عیوب نکاح اور دخول کے بعد پیدا ہوں وہاں بھی اتفاق ہے۔ کہ اس صورت میں مرد کو کوئی حق الخیار نہیں ہے ہاں جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف درمیانی صورت کے بارے میں ہے کہ جب یہ عیب عورت میں عقد کے بعد مگر دخول سے پہلے پیدا ہوں۔ اس میں بڑے بڑے قول دو ہیں ایک یہ کہ مرد کو حق خیار الفسخ حاصل ہے اسے جناب شیخ طوسی نے کتاب مبسوط و خلاف میں اختیار کیا ہے دوسرا یہ کہ اسے یہ حق حاصل نہیں ہے اسے ابن ادریس" محقق حلی" علامہ حلیؒ اور اکثر متأخرین نے اختیار کیا ہے اور یہی قول قوی ہے اس کی دو وجہیں ہیں اول یہ کہ نکاح عقود لازمہ میں سے ہے لہٰذا جب تک اس کا کوئی یقینی زائل کرنے والا امر پیدا نہیں ہوگا۔ تب تک اس کے بقا کا استصحاب کیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اس سلسلہ میں جو اخبار وارد ہوئے ہیں۔ اس میں سے اکثر کا مورد پہلی صورت ہے یعنی جبکہ یہ عیوب عقد سے پہلے موجود ہوں بایں ہمہ یہ مسئلہ چونکہ بالکل واضح نہیں ہے لہٰذا اگر اس صورت میں سابقہ مسئلہ کی طرح احتیاط پر عمل کیا جائے تو افضل ہے۔ **لان الا حتیاط سبیل النجاۃ**

مسئلہ ۲۔ ان عیوب کی موجودگی کے باوجود جس فریق کو بھی نکاح فسخ کرنے کا اختیار تھا اگر وہ اس نکاح پر راضی ہو جائے تو پھر یہ خیار ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ۳۔ بناء برمشہور (بلکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے) یہ خیار الفسخ مرد اور عورت کیلئے فوری ہے یعنی جب ان کو ان عیوب کا علم ہو جائے تو فوراً" انہیں اپنے اس حق کا استعمال کرنا چاہئے۔ لہٰذا جو فریق جان بوجھ کر تاخیر کرے گا تو اس کا یہ حق ختم ہو جائے گا۔ ہاں اگر انہیں اس مسئلہ کا علم نہ ہو یا اس عیب کا اثبات حاکم کے پاس مرافعہ کرنے پر موقوف ہو۔ جیسے (نامردی) تو پھر تاخیر سے یہ حق ساقط نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ ۴۔ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ سوائے نامردی کے دوسرے عیوب میں حاکم شرع کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ مرد یا عورت خود نکاح کو ختم کر سکتے ہیں۔ ہاں البتہ اس عیب کے سلسلہ میں حاکم شرع کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے اب اگر تو مرد اپنے اس عیب کا اقرار کرلے تو حاکم اسے ایک سال کی مہلت دے گا۔ پس اگر وہ جماع پر قادر ہو گیا تو فبہا ورنہ عورت نکاح فسخ کر سکے گی۔ اور اگر مرد انکار کر دے تو چونکہ یہ ایک مخفی امر ہے جس پر

گواہوں کے ذریعہ سے (غالباً) اطلاع حاصل نہیں ہو سکتی مگر یہ کہ مریض خود اقرار کرے یا عورت اس کے (کسی سابقہ) اقرار پر بینہ (دو گواہ) پیش کرے۔ اور اگر عورت اس قسم کا بینہ پیش نہ کر سکے تو مرد قسم کھائے گا۔ اور نکاح بر قرار رہے گا۔ اور اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو پھر عورت قسم کھائے گی۔ اور فیصلہ اس کے حق میں کیا جائے گا۔ (فائدہ) بعض اثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ ایسے آدمی کو ٹھنڈے پانی میں کھڑا کیا جائے اگر اس سے اس کا عضو مخصوص سکڑ جائے تو ثابت ہوگا کہ وہ نامرد نہیں ہے اور اگر دراز ہو جائے تو اس کی نامردی ثابت ہو جائے گی۔ اسی طرح اور بھی بعض طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ مگر موجود سائنسی دور میں تو اب یہ مسئلہ کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں رہا ڈاکٹری معائنہ سے چند منٹ میں یہ مرحلہ بڑی خوش اسلوبی سے طے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اگر یہ لڑکی باکرہ تھی تو اس کے ڈاکٹری معائنہ سے بھی یہ گرہ کھل سکتی ہے۔

مسئلہ ۵۔ یہ خیار الفسخ (خواہ مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی جانب سے) طلاق نہیں ہے لہذا اس میں طلاق والے شرائط از قسم صیغہ گواہ اور طہر وغیرہ کی کوئی شرط نہیں ہے۔

مسئلہ ۶۔ جب عورت کے سابقہ عیوب کی وجہ سے مرد نکاح فسخ کرے تو حقیقت حال دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو دخول سے پہلے کرے گا۔ یا دخول کے بعد۔ پہلی صورت میں عورت حق مہر کی مستحق نہیں ہوگی ہاں البتہ دوسری صورت میں وہ مقررہ حق مہر کی مستحق ہوگی۔ لہذا شوہر اسے ادا کرے گا اور پھر عورت کے ـــــــ ولی وغیرہ سے وصول کرے گا جس نے اس شخص کو فریب دے کر اس عیب دار عورت سے اس کا نکاح کیا تھا۔ اور اس کو حقیقت حال سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ اور اگر خود اس عورت نے دھوکا دیا ہو تو وہ حق مہر کی حقدار نہ ہوگی اور اگر وصول کر چکی ہے تو شوہر اس سے واپس لے لے گا۔ اور اگر کسی نے اسے دھوکہ نہیں دیا تو پھر شوہر کسی کی طرف بھی رجوع نہیں کرے گا۔ کما لا یخفی

مسئلہ ۷۔ اگر مرد کے سابقہ عیوب کی وجہ سے عورت نکاح فسخ کرے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں یا تو وہ دخول سے پہلے کرے گی۔ یا اس کے بعد پہلی صورت میں وہ زر مہر کی حقدار نہیں ہوگی سوائے مرد کی نامردی کی صورت کے کہ وہاں وہ نصف مہر کی مستحق ہوتی ہے (کما وردت بہ الروایۃ) اور دوسری صورت میں وہ تمام مقررہ زر مہر کی حقدار ہوگی۔

توضیح

یہ جو بعض اخبار و اثار میں وارد ہے کہ دخول کے بعد مرد کو فسخ کا کوئی حق نہیں ہے اور بعض میں وارد ہے کہ دخول کے بعد بھی اسے یہ حق حاصل ہے۔ تو ان میں درحقیقت کوئی تضاد

نہیں ہے بلکہ ان کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اگر مرد نے باوجود عورت کے اس عیب پر مطلع ہونے کے اس سے مجامعت کی ہے تو اب اسے فسخ کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ اس کا یہ اقدام عملی رضامندی کی علامت ہے اور اگر محض جہالت کی وجہ سے ایسا کیا ہے تو اس سے اس کے حق فسخ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ واللہ العالم

مسئلہ ۸۔ جب میاں بیوی میں ان کے کسی عیب کے بارے میں نزاع پیدا ہو جائے۔ تو جب تک مدعیٔ عیب اسے بینہ (دو عادل گواہوں) سے ثابت نہ کرے اس وقت تک منکر کا قول قسم کے ساتھ مقدم ہوگا اور اگر منکر مدعی کے پاس بینہ نہ ہو اور منکر قسم کھانے سے انکار کرے تو پھر مدعی پر قسم عائد ہوگی۔ پھر اگر اس نے قسم کھائی تو فیصلہ اس کے حق میں کیا جائے گا اور جہاں تک عورتوں کے پوشیدہ عیوب کا تعلق ہے وہ چار عادل عورتوں کی شہادت سے ثابت ہو سکتے ہیں۔ واللہ العالم

"تدلیس اور دھوکہ دہی کا بیان"

تدلیس "دلس" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں تاریکی چونکہ کوئی بھی معاملہ کرنے والا اپنے مال کا عیب چھپا کر یا اس میں وہ خوبی بیان کر کے جو دراصل اسمیں موجود نہیں ہے۔ دوسرے آدمی کو اندھیرے میں رکھتا ہے اس لئے اسے "تدلیس" کہا جاتا ہے جو کہ "عقلاً" و "شرعاً" حرام ہے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو دھوکہ دے۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مستدرک وغیرہ) سابقہ بیان سے ظاہر ہے کہ تدلیس کے معنی عام ہیں جو کہ کسی ایسی صفت کمال کے اظہار (جو کہ فی الواقع موجود نہ ہو) یا کسی عیب کے اخفا ہر دو کو شامل ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ یہ تدلیس اگر ان عیوب کا اخفا کی گئی جن کی وجہ سے نکاح فسخ کیا جا سکتا ہے تو نکاح تو صرف عیوب کی وجہ سے فسخ ہوگا۔ مگر تدلیس کی وجہ سے شوہر ادا کردہ زر مہر دھوکا باز سے وصول کرے گا اور اگر کسی صفت کمال کے غلط اظہار کر کے کی گئی ہے۔ جبکہ وہ صفت اس میں موجود نہ ہو تو اس کی وجہ سے شوہر کو نکاح کے فسخ کرنے کا حق حاصل ہو جائے گا۔ جسے خیار التدلیس کہا جاتا ہے۔ اب ذیل میں تدلیس کے چند مسائل درج کئے جاتے ہیں۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ ایک شخص نے اس شرط پر ایک عورت کے ساتھ عقد کیا کہ وہ آزاد ہے مگر بعد از عقد انکشاف ہوا کہ وہ کنیز ہے تو اگر یہ نکاح اس کنیز کے مالک کی اجازت سے تھا اور اس شخص

کے لئے اس کنیز سے عقد کرنا جائز بھی تھا۔ (یعنی اگر اس کی آزاد بیوی موجود تھی تو اس سے اجازت حاصل کر لی تھی بشرطیکہ پہلے اس کے گھر دو منکوحہ کنیزیں موجود نہ ہوں) تو یہ نکاح صحیح تو ہوگا۔ مگر دھوکا کی وجہ سے شوہر کو اس کے فسخ کا حق حاصل ہوگا۔ خواہ یہ انکشاف دخول سے قبل ہو یا اس کے بعد۔

اور اگر یہ نکاح مالک کی اجازت کے بغیر تھا یا اس شخص کی کنیز کے ساتھ تزویج جائز نہ تھی تو علی الاظہر سرے سے نکاح ہی باطل متصور ہوگا۔ عام فقہاء نے اس صورت کا بھی یہی حکم قرار دیا ہے کہ جب اس قسم کی شرط ضمن عقد میں تو نہ کی گئی ہو مگر عقد سے پہلے عورت نے یا اس کے ولی یا وکیل نے یہ کہا ہو کہ عورت آزاد ہے اور اس شخص نے بھی اسی بناء پر اس سے عقد کیا ہو۔ اور بعد میں معلوم ہو کہ وہ آزاد نہیں تھی بلکہ کنیز تھی۔ اگرچہ اس موضوع کی متعلقہ روایت (ولید بن صبیح والی) سے اس کا استفادہ مشکل ہے لہٰذا احوط یہ ہے کہ بقاء عقد کی صورت میں عقد جدید کیا جائے اور تفریق کی صورت میں صیغہ طلاق جاری کیا جائے۔ (واللہ العالم)

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی آزاد عورت کسی شخص سے اس بناء پر نکاح کرے کہ وہ آزاد ہے مگر بعد میں ظاہر ہو کہ وہ غلام ہے تو اگر یہ نکاح مالک کے اذن سے تھا یا بعد میں اس نے اس کی اجازت دے دی تھی تو نکاح درست ہوگا۔ مگر عورت کو اختیار ہوگا۔ کہ اسے برقرار رکھے یا فسخ کر دے۔ اور اگر عقد مالک کے اذن کے بغیر ہوا۔ اور بعد میں بھی اس نے اجازت نہ دی تو نکاح باطل سمجھا جائے گا۔ باقی رہا مہر کا مسئلہ تو اگر یہ فسخ دخول سے پہلے ہوا ہے تو عورت مقررہ زر مہر کی مستحق نہ ہوگی۔ اور اگر دخول کے بعد ہوا تو اس کی حقدار ہوگی۔ جو مالک کی اجازت کی صورت میں مالک ادا کرے گا اور عدم اجازت کی صورت میں مہر المثل واجب ہوگا۔ جو غلام آزادی کے بعد ادا کرے گا۔

مسئلہ ۳۔ اگر ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ اس شرط پر ازدواج کیا کہ وہ باکرہ ہے مگر بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ باکرہ نہ تھی تو اب دیکھا جائے گا پس اگر یہ ثابت ہو جائے کہ عقد سے پہلے اس کی بکارت زائل ہو چکی تھی۔ (جو کہ عورت کے اپنے اقرار یا چار عورتوں کی شہادت سے ثابت ہو سکتی ہے) تو شوہر کو اس نکاح کے فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اور اگر یہ ثابت نہ ہو سکا بلکہ یہ احتمال ہی قائم رہا کہ ممکن ہے کہ عقد کے بعد چھلانگ لگانے یا کسی اور عارضہ کی وجہ سے بکارت زائل ہوگئی ہو تو مرد کا یہ اختیار ختم ہو جائے گا۔ اب اگر یہ فسخ دخول سے پہلے ہو تو عورت زر مہر کی حقدار نہ ہوگی اور اگر دخول کے بعد ہوا تو پھر دیکھا جائے گا کہ دھوکا خود عورت نے دیا ہے یا کسی اور شخص نے؟ اگر عورت ذمہ دار ہے تو پھر مہر کی مستحق نہ ہوگی اور

اگر کسی اور نے دیا ہے تو یہ تو مہر کی مستحق ہوگی۔ مگر شوہر دھوکا باز سے اپنی رقم وصول کرے گا۔ اور اگر شوہر نے اس عقد کو باقی رکھا تو اسے یہ حق حاصل رہے گا کہ باکرہ اور ثیبہ (غیر باکرہ) کے حق مہر میں جس قدر تفاوت ہے اسی نسبت سے مقررہ حق مہر میں کمی کردے جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۳۔ دو آدمیوں نے دو عورتوں سے شادی کی۔ مگر شب زفاف ایسا اتفاق ہوا کہ دونوں کی بیویاں تبدیل ہوگئیں اس کی بیوی اس کے پاس اور اس کی بیوی اس کے پاس بھیج دی گئی تو یہاں پانچ صورتیں ہیں؟

۱۔ اگر یہ صورت حال محض اشتباہ کی وجہ سے پیش آئی کہ نہ تو گھر والوں نے عمداً ایسا کیا اور نہ ہی میاں بیوی نے۔ اور اس طرح دخول بھی ہوگیا۔ تو انکشاف حال کے بعد فوراً یہ عورت اپنے اصلی شوہر کی طرف لوٹائی جائے گی اور مقررہ حق مہر اس کے ذمہ واجب الادا ہوگا۔ یعنی مقاربت کے بعد اور جس کے ساتھ غلطی سے مقاربت ہوئی ہے اسے مہر المثل ادا کرنا پڑے گا۔ اور جب تک وطی بالشبہ کی عدت نہ گزر جائے۔ اس وقت تک اس کا شوہر اس سے مجامعت نہیں کر سکے گا۔ اور اگر اس اثنا میں شوہر یا زوجہ کی موت واقع ہوگئی تو عورت مقررہ حق مہر کے نصف کی حقدار ہوگی۔ (کما هوا جود القولین فی المسئلہ)

۲۔ اگر ولی نے عمداً ایسا کیا ہے تو پھر اس مہر المثل کی ادائیگی اس کے ذمہ واجب ہوگی۔

۳۔ اور اگر عورتوں کو اس صورت حال کا علم تھا لیکن مردوں کو نہ تھا تو عورتیں زنا کار متصور ہوں گی۔ اور جہاں ان پر زنا کی حد جاری کی جائے گی وہاں وہ مہر المثل کی بھی حق دار نہ ہوں گی۔

۴۔ اگر صورت حال اس کے برعکس ہو یعنی مردوں کو اس صورت حال کا علم ہو اور عورتوں کو کوئی خبر نہ ہو تو اس صورت میں مرد زنا کا متصور ہونگے لہذا ان پر جہاں زنا کی حد جاری کی جائے گی وہاں ان کے ذمہ مہر المثل واجب الادا ہوگا۔

۵۔ اور اگر سب مردوں عورتوں کو حقیقت حال کا علم تھا تو پھر سب زنا کار متصور ہوں گے اور سب پر زنا کی حد جاری ہوگی۔ اور کسی پر مہر المثل واجب نہ ہوگا۔ البتہ حق مہر بہر حال واجب رہے گا۔ واللہ العالم

مسئلہ ۹۔ اور کوئی شخص عقد کے وقت اپنی قوم کچھ اور ظاہر کرے اور عقد کے بعد معلوم ہو کہ اس کی قوم کچھ اور ہے تو عورت کو عقد کے فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے۔

حق مہر کا بیان اور اس کے احکام

چونکہ سابقہ بحث میں بار بار زر مہر کا تذکرہ ہوا ہے تو اب یہ ہے کہ نکاح کے دوسرے متعلقہ مباحث سے پہلے یہاں حق مہر اور اس کے جملہ احکام و مسائل کا تذکرہ کر دیا جائے۔ سو واضح ہو کہ حق مہر سے مراد ہر وہ مال ہے جس کا ایک مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے مالک ہو سکتا ہے خواہ عین ہو یا دین یا کسی زمین یا حیوان یا انسان وغیرہ کی جائز منفعت ہو عورت کو اس سے حاصل ہونے والے تمتعات کے معاوضہ یا کثرت ازدواج یا طلاق کی وجہ سے پیش آنے والے نقصانات کی تلافی اور عورت کے حقوق کے تحفظ کیلئے مردوں پر واجب قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی مقدار کا تعین مرد و عورت یا ان کے اولیاء (جب کہ زوجین صغیرالسن ہوں یا مجنون یا مملوک ہوں) کی صوابدید پر منحصر ہے جو قلت میں کم از کم اس قدر ہونا چاہئے کہ اسے عُرف و عادت میں مال کہا جاسکے (نہ یہ کہ اسے مال ہی نہ کہا جاسکے جیسے کھجور یا انگور یا گندم یا جو کا ایک دانہ) ہاں البتہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر دس درہم سے کم ہو تو مکروہ ہے اور کثرت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے جیسا کہ بکثرت آیات و روایات سے ثابت ہے۔ مگر ایسا بھی نہ ہو کہ صرف غلط نام و نمود کی خاطر اس قدر زر مہر مقرر کیا جائے کہ جس کی ادائیگی جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ مشکل ہو۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ صرف نمائش کے طور پر کئی کئی لاکھ روپے حق مہر مقرر کر دیتے ہیں۔ مگر نیت یہ ہوتی ہے کہ ادا ایک روپیہ بھی نہیں کریں گے۔ حدیث میں ایسے نکاح کو زنا کہا گیا ہے (وسائل الشیعہ) الغرض ہر شخص کو اپنی چادر دیکھ کر اپنے پاؤں پھیلانے چاہئیں۔ البتہ افضل یہ ہے کہ مہرالسنہ پر اکتفا کیا جائے اور اس سے زائد نہ ہو جو کہ پانچسو درہم ہے اور درہم قدیم زمانہ میں خالص چاندی کا ہوتا تھا جس کا وزن بناء بر تحقیق ساڑھے تین ماشہ ہے اس طرح پانچ درہم کی مقدار ساڑھے سترہ سو ماشہ چاندی بنتی ہے جو ایک سو چھیالیس تولہ اور دس ماشہ کے برابر ہے جس کے ایک سیر تین پاؤ ایک چھٹانک اور دس ماشہ بنتے ہیں اس مقدار کی مروجہ قیمت کے مطابق مہر کی مقدار مقرر کرنا چاہئے۔ یہی وہ مقدار ہے جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازدواج کے حق مہر میں مقرر کی تھی اور یہی حق مہر جناب خاتون قیامت سلام اللہ علیہا کا معین کیا گیا تھا اسی مقدار کو روایات اہلبیتؑ میں "مہرالسنہ" اور "السنۃ المحمدیہ" کہا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص عقد نکاح میں حق مہر کا تعین نہ کرے بلکہ صرف یہ کہے کہ میں کتاب خدا اور سنت رسولؐ کے مطابق فلاں عورت سے شادی کرتا ہوں تو تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس عورت کا حق مہر پانچ سو درہم متصور ہوگا اور تہذیب الاحکام میں اس کے متعلق بروایت اسامہ بن حفص امام موسیٰ کاظم

علیہ السلام کا ارشاد بھی موجود ہے۔ فراجع

مسائل واحکام

مسئلہ ۱۔ جب حق مہر عقد میں ذکر کیا جائے۔ تو اس کی فی الجملہ تعیین ضروری ہے اب یہ تعیین خواہ اشارہ سے ہو جیسے یہ کپڑا یہ گھوڑا یہ موٹر یا وصف بیان کرنے سے ہو یعنی اس طرح اس چیز کی توصیف بیان کر دی جائے کہ جہالت رفع ہو جائے یا مشاہدہ سے ہو اگرچہ وہ چیز مکیل و موزوں ہو مگر اسے تولا نہ گیا ہو۔

مسئلہ ۲۔ اگر نقدی کے علاوہ کسی زمین یا مکان یا حیوان یا انسان کی منفعت کو بطور مہر مقرر کیا جائے تو اس کی تعیین بھی ضروری ہے کہ کس زمین کی آمدن کس مکان کا کرایہ کس حیوان کی سواری یا بار برادری اور کب تک؟ یا انسان کی کون سی خدمت مثلاً" کسی صنعت و حرفت یا کسی شرعی علم یا کسی قرآنی سورہ کی تعلیم وغیرہ اور اگر حق مہر بالکل مبہم اور مجہول ہو تو وہ باطل سمجھا جائے گا اور اس کی جگہ مہر المثل کی ادائیگی واجب ہو گی واللہ العالم

مسئلہ ۳۔ مشہور و منصور قول یہ ہے کہ عقد کے واقع ہوتے ہی عورت تمام حق مہر کی مالک بن جاتی ہے۔ مگر اس کی یہ ملکیت مستقر و پختہ دخول کے بعد ہوتی ہے کیونکہ اس سے پہلے یہ امکان باقی رہتا ہے کہ شاید مرد دخول سے قبل طلاق دیدے تو اس سے اس کی مقدار نصف ہو جائے گی نیز اس صورت میں یہ امکان بھی قائم رہتا ہے کہ زوجہ عاقلہ و بالغہ ہونے کی شکل میں شوہر کو اپنا یہ حق مہر معاف کر دے یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں عقد نکاح کی باگ ڈور ہے۔ (**الذی بیدہ عقدۃ النکاح**) جس سے مراد شرعی ولی (باپ یا دادا یا ان کا نامزد کردہ وصی) ہے جیسا کہ متعدد روایات میں وارد ہے اور بناء بر اشہر و اظہر وہ دخول جس سے عورت کی تمام حق مہر پر ملکیت پختہ ہو جاتی ہے اس سے مراد وہ خلوت صحیحہ ہے جس سے غسل واجب ہوتا ہے جس کی تفصیل کتاب کی پہلی جلد میں بضمن موجبات غسل بیان کی جا چکی ہے۔ نہ صرف پردہ لٹکا کر میاں بیوی کا علیحدہ ہونا جیسا کہ بعض فقہاء کا نظریہ ہے۔

مسئلہ ۴۔ چونکہ حق مہر زوجہ کی ملکیت ہے اسی لئے قریباً" تمام قابل ذکر اصحاب نے یہ ذکر کیا ہے کہ عورت کو شرعاً" یہ حق حاصل ہے کہ ازدواج کے بعد اس وقت تک شوہر کو اپنے نزدیک نہ آنے دے جب تک اس سے زر مہر وصول نہ کرلے بشرطیکہ شوہر ادائیگی کی استطاعت رکھتا ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ نکاح از قسم معاوضات ہے اور معاوضات میں ہر فریق کو یہ حق حاصل ہے کہ جب تک دوسرا عوض تسلیم نہ کردے اس وقت تک یہ بھی معوض تسلیم نہ کرے مگر چونکہ یہ مسئلہ نص سے خالی ہے اس لئے اس میں مناقشہ کی گنجائش موجود ہے۔ اسی لئے

صاحب مدارک اور صاحب حدائق وغیرہ بعض محقق فقہاء نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے اور بہت عمدہ لکھا ہے کہ **ان تسلیم الزوجۃ لنفسها حق علیها و تسلیم المهر الیها حق علیه فیجب علی کل منهما ایصال الحق الی مستحقه واذا اخل احد هما بالواجب عصی ولا یسقط بعصیانه حق الآخر۔** یعنی اپنے آپ کو شوہر کے حوالہ کرنا عورت پر فرض ہے اور عورت کو اس کا حق ادا کرنا شوہر پر فرض ہے ہر فرد پر واجب ہے کہ دوسرے کا حق ادا کرے لیکن اگر ایک اپنے حق کی ادائگی میں غفلت کرے (مثلاً" شوہر حق مہر ادا نہ کرے) تو وہ یقیناً" گناہ گار ہو گا (اور عند اللہ جوابدہ) مگر اس سے دوسرے کا فرض تو ساقط نہیں ہوتا (کہ زوجہ بھی اپنے آپ کو شوہر کے حوالے نہ کرے) سرکار آقائے مامقانی نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ **وهو جید کما لا یخفی** بایں ہمہ احوط یہ ہے کہ شوہر کو چاہئے کہ جب تک کوئی مجبوری مانع نہ ہو تو اگر تمام نہیں تو کچھ حق مہر پہلے ادا کر دے یا بطور ہدیہ کچھ پیش کرے۔

مسئلہ ۵۔ اگر مسلمان زن و شوہر ایسی چیز کو مہر قرار دیں جو مسلمان کی ملکیت میں داخل نہیں ہو سکتی جیسے خمر و خنزیر تو یہ حق مہر یقیناً" باطل ہو گا لیکن آیا اس سے عقد بھی باطل ہو جائے گا یا وہ صحیح رہے گا؟ اس میں شدید اختلاف ہے ہاں مشہور یہ ہے کہ عقد صحیح رہے گا اور پھر صحت کی بناء پر حق مہر مہر المثل متصور ہو گا یا اس خمر و خنزیر کی وہ قیمت جو اس کے حلال سمجھنے والوں کے نزدیک معتبر ہے؟ مشہور مہر المثل ہے چونکہ یہ مسئلہ نص سے خالی ہے اس لئے اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ عقلی اعتبارات اور وہمی خیالات سے شرعی احکام ثابت نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر کوئی کافر ایسا حق مہر مقرر کرے اور بعد میں مسلمان ہو جائے تو اگر حالت کفر میں شوہر یہ حق مہر ادا کر چکا ہو تو اب اس کے ذمہ کچھ نہیں ہو گا اور اگر ابھی تک ادا نہیں کیا تھا تو بنابر مشہور خمر و خنزیر کی قیمت ادا کرے گا جیسا کہ کتب اربعہ میں بروایت عبید بن زرارہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی اس مضمون کی ایک حدیث بھی موجود ہے۔

مسئلہ ۶۔ حق مہر شوہر کے ذمہ واجب الادا ہے اور اگر تلف ہو جائے (بشرطیکہ خود زوجہ تلف نہ کرے) تو اگر وہ مثلی تھا تو اس کی مثل اور اگر قیمی تھا تو اس کی قیمت واجب الادا ہو گی۔ اور جب تک یہ مہر مؤجل نہ ہو شوہر پر واجب ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو زوجہ کے حوالے کرے ارشاد قدرت ہے۔ **واتوا النساء صدقاتهن نحلة** ہاں یہ زوجین کو حق حاصل ہے کہ تمام حق مہر معجل قرار دیں یا سب مؤجل یا کچھ معجل ہو اور کچھ مؤجل کیونکہ بموجب میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی یہ ان کا داخلی معاملہ ہے کسی کو اس میں مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے

مسئلہ ۷۔ حق مہر ایجاب و قبول کی طرح نکاح کا ایک رکن نہیں ہے کہ اس کے بغیر نکاح نہ ہو

سکے یہی وجہ ہے کہ سب فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر نکاح میں سرے سے حق مہر کا ذکر ہی نہ کیا جائے یا مجملاً" اسکا تذکرہ کیا جائے اور اس کی مقدار کا تعین شوہر یا زوجہ یا کسی تیسرے شخص کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے تو یقیناً" عقد صحیح ہو گا پہلی قسم کو تفویض البضع اور دوسری قسم کو تفویض المہر کہا جاتا ہے پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ اس میں مہر المثل واجب ہو گا یعنی اس عورت کے خاندان کی دوسری عورتیں جو حسن و جمال، فضل و کمال، عزت و عظمت، باکرہ یا ثیبہ ہونے میں اس جیسی ہیں جو حق مہران کا ہو گا وہی اس کا سمجھا جائے گا اور اگر دخول سے پہلے طلاق واقع ہو جائے تو اس میں شوہر پر اپنی تونگری یا ناداری یعنی اپنی حیثیت کے مطابق زوجہ کو کچھ دے کر رخصت کرنا فرض ہے جسے متعہ کہا جاتا ہے۔

ارشاد قدرت ہے۔ **ومتعو هن على الموسع قدره وعلى المقتر قدره** عام اس سے کہ یہ متعہ کسی مکان یا غلام یا جائیداد کی شکل میں ہو یا نقدی یا کپڑوں کی صورت میں **لا ان الهدايا على مقدار مهد بها**

اور دوسری صورت کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ اگر مہر کا تعین شوہر کے ذمہ ہے تو قلت و کثرت میں اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

۲۔ اگر زوجہ کے ذمہ ہے تو قلت میں تو اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ مگر کثرت میں مہرالسنہ مقرر نہیں کر سکتی اگر زیادہ معین کرے گی تو وہ نافذ نہ ہو گا اور (۳) اگر کوئی ثالث ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہے اس مسئلہ میں نصوص و فتاوی کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مسئلہ ۸۔ قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے کہ بناء بر اشہر واظہر صیغہ عقد کے جاری ہوتے ہی زوجہ حق مہر کی مالک بن جاتی ہے البتہ اس ملکیت کا استقرار دخول کے بعد ہوتا ہے لہذا اگر دخول سے پہلے طلاق واقع ہو جائے تو نصف زر مہر ساقط ہو جاتا ہے مگر اختلاف اور سخت اختلاف اس امر میں ہے کہ اگر دخول سے پہلے شوہر یا زوجہ کا انتقال ہو جائے تو اس سے نصف مہر ساقط ہو جاتا ہے یا پورے حق مہر کی ادائیگی واجب ہوتی ہے؟ اس میں مختلف اقوال و اخبار وارد ہوئے ہیں جو کچھ اخبار مستفیضہ اور اقوال کیثرہ سے ثابت ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس صورت میں نصف حق مہر ساقط ہو جاتا ہے ان احادیث کے بالمقابل جو ایسے بعض روایات وارد ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں پورا مہر واجب الادا ہوتا ہے یہ علاوہ اس کے کہ ان میں بوجہ ضعف سند و قلت عدد پہلی قسم کے روایات کے معارضہ کی تب و تاب نہیں ہے یہ تقیہ پر محمول ہیں کیونکہ اہل خلاف کا نظریہ یہی ہے کہ اس میں پورا حق مہر ادا کرنا واجب ہے واللہ العالم۔

مسئلہ ۹۔ عقد نکاح کے ضمن میں ہر وہ شرط مقرر کرنا صحیح اور واجب العمل ہے جو قانون شریعت

کے مطابق ہو اور مقتضائے عقد کے خلاف نہ ہو اور اگر عقد کے ضمن میں کوئی ایسی شرط مقرر کی جائے جو خلاف شرع ہو جیسے یہ کہ شوہر دوسری شادی نہیں کر سکے گا یا کوئی کنیز نہیں رکھ سکے گا تو اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ شرط باطل ہے لیکن آیا اس سے عقد نکاح بھی باطل ہو جائے گا یا نہ!

اگرچہ دوسرے معاملات میں اس مسئلہ میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے مگر عقد نکاح میں قریباً سب کا اتفاق ہے کہ صرف شرط باطل ہو گی اور عقد صحیح رہے گا اور یہ عقد نکاح کی خصوصیت ہے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ **من اشترط شرطا سوی کتاب اللہ للا یجوزلہ ولا علیہ** یعنی جو شخص کتاب خدا کے خلاف کوئی شرط مقرر کرے وہ نافذ نہ ہو گی خواہ اس کے حق میں ہو یا اس کے برخلاف ہو (تہذیب الاحکام) الغرض یہاں ایسا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ جس کی بناء پر یہ کہا جاسکے کہ جہاں بھی شرط فاسد ہو تو مشروط بھی فاسد ہو جاتا ہے یا اگر شرط فاسد ہو تو مشروط بہرحال صحیح ہوتا ہے بلکہ ہر ہر مسئلہ میں اس کے متعلقہ اقوال و آثار کو دیکھنا پڑتا ہے اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ واللہ الہادی۔

مسئلہ ۱۰۔ اگر نکاح یا متعہ میں کوئی ایسی شرط مقرر کی جائے جو بظاہر مقتضائے عقد کے خلاف ہو مثلاً یہ کہ عورت یہ شرط لگائے کہ مرد اس سے ہمبستری نہیں کرے گا تو آیا یہ شرط اور عقد ہر دو باطل ہونگے یا ہر دو صحیح؟ اس میں اختلاف ہے شیخ طوسیؒ محقق حلی شہید ثانی اور دیگر کئی فقہاء نے کہا ہے کہ شرط اور عقد ہر دو صحیح ہیں۔ **المومنون عند شروطھم لہٰذا** شوہر کو اس شرط پر عمل کرتے ہوئے جماع سے اجتناب اور دوسرے تمتعات پر اکتفا کرنا پڑے گا۔ ہاں اگر بعد ازاں زوجہ خود راضی ہو جائے تو پھر اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کافی اور تہذیب میں اس مضمون کی بعض روایات صادقیہ بھی بروایت سماعہ و عمار وارد ہوئی ہیں اور یہی قول اقرب ہے واللہ العالم۔

مسئلہ ۱۱۔ اگر عقد میں یہ شرط مقرر کی جائے کہ شوہر اپنی زوجہ کو اس کے موجودہ شہر سے کہیں باہر نہیں لے جائے گا تو آیا اس شرط پر عمل لازم ہے یا نہ؟ اس میں فی الجملہ اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ یہ شرط لازم الوفا ہے اور روایات اہلبیتؑ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے۔ **من شرط لا مراتہ شرطًا فلیف لھا بہ لان المومنین عند شروطھم الا شرطا حرم حلالا" او احل حراما"** فرمایا یعنی (جو شخص اپنی بیوی سے کوئی شرط کرے اسے چاہیے کہ اس کو پورا کرے۔ کیونکہ مومنین اپنی شرطوں کے پابند ہوتے ہیں سوائے اس شرط کے جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرے (تہذیب الاحکام) ہاں اگر بعد میں عورت خود وہاں سے نکلنے پر راضی

ہو جائے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۲۔ اگر کوئی شخص اپنے صغیر السن لڑکے کا عقد کرے تو اگر لڑکا اس وقت مال دار ہو تو حق مہر اس کے مال میں واجب ہو گا۔ اور اگر فقیر و نادار ہو تو اس کے باپ پر واجب ہو گا اور اگر وہ ادائیگی سے پہلے مرجائے تو اس کے ترکہ سے زر مہر ادا کیا جائے گا۔ اگرچہ بعد ازاں لڑکا بالغ اور مالدار بھی ہو جائے اس سلسلہ میں اقوال و اخبار میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۳۔ اگر میاں بیوی کے درمیان اصل مہر میں نزاع ہو جائے یعنی بیوی اس کا دعوی کرے اور میاں انکار کرے کہ تیرا کوئی حق مہر میرے ذمہ نہیں ہے تو دیکھا جائے گا کہ یہ نزاع دخول سے پہلے ہے یا بعد ہے اگر پہلے ہے تو بظاہر شوہر کا قول قسم کے ساتھ مقدم ہوگا اور اگر دخول کے بعد یہ جھگڑا پیدا ہو تو بھی بناء بر مشہور اس صورت کا بھی یہی حکم ہے مگر یہ کہ عورت بینہ سے اپنا دعوی ثابت کر دے بہر حال یہ مسئلہ اشکال سے خالی نہیں ہے اور اگر زر مہر کی مقدار میں نزاع ہو مثلاً" مرد کم تسلیم کرے اور عورت زیادہ کا دعوی کرے تو مرد کا قول قسم کے ساتھ مقدم ہو گا ہر دو جگہ اصل برات کا قاعدہ جاری ہو گا مگر یہ کہ عورت بینہ سے اپنے دعوی کو ثابت کر دے۔

مسئلہ ۱۴۔ اگر حق مہر اور اس کی مقدار پر دونوں میاں بیوی کا اتفاق ہو مگر نزاع صرف اس کی ادائیگی یا عدم ادائیگی میں ہو یعنی شوہر یہ کہے کہ اس نے ادا کر دیا ہے۔ اور عورت اس کا انکار کرے تو اگر مرد بینہ سے اپنا دعوی ثابت کر دے تو فبہا ورنہ عورت کا قول قسم کے ساتھ مقدم ہو گا اور مرد کو حق مہر ادا کرنا پڑے گا۔ واللہ العالم۔

وہ عورتیں جن کے ساتھ عقد نکاح حرام ہے اور اس حرمت کے اسباب؟

مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ اس حرمت کے اسباب چھ ہیں بدیں تفصیل (۱) نسب (۲) رضاع (۳) مصاہرت (۴) استیفاء العدد (۵) لعان (۶) کفر

حالانکہ دراصل ان اسباب کی تعداد ان سے کہیں زیادہ ہے جیسا کہ خود انہی حضرات کے کلام کے اندر اس کا سراغ مل جاتا ہے مثلاً" (۷) ایلاء (۸) عدت رجعی کے اندر نکاح مع العلم (۹) شوہر دار عورت سے نکاح کرنا (۱۰) احرام کی حالت میں نکاح کرنا۔ (۱۱) جس عورت کے لڑکے یا بھائی سے لواطت کی جائے اس سے نکاح کرنا۔ (۱۲) اس عورت سے جس کی ماں یا بہن سے زنا کیا جائے۔ (۱۳) اس عورت سے جس سے نو سال کی عمر سے پہلے جماع کرکے اس کا افضاء کر دیا جائے۔ (۱۴) جس عورت کے ساتھ عدت رجعی کے اندر زنا کیا جائے۔ (۱۵)

جمع بین الاختین الی غیر ذلک

ہاں البتہ اگر ان تمام اقسام کو مجازاً" مصاحرت کے ضمن میں لایا جائے جیسا کہ بعض حضرات نے ایسا کیا ہے تو یہ ایراد ختم ہو جاتا ہے اس طرح حرمت کے اجمالاً" کل دو سبب ہوں گے نسب اور سبب البتہ رضاعت نسب میں آجائے گی اور دیگر تمام اقسام سبب میں داخل ہو جائیں گے۔

وھو الاولی

بہر حال یہ کوئی اہم معاملہ نہیں ہے اب ذیل میں ان امور کی بقدر ضرورت وضاحت کی جاتی ہے۔

وہ عورتیں جو نسب و قرابت کی وجہ سے حرام ہیں؟

مذہب اہلبیتؑ کی رو سے شرع اطہر میں جناب آدمؑ سے لیکر حضرت خاتمؐ تک کبھی محرمات سے نکاح روا نہیں ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آئمہ طاہرینؑ سے لوگوں نے نسل آدمؑ کے بڑھنے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ خدا قدیر نے ان کے دو صاحبزادوں میں سے ایک کیلئے جنت سے انسانی شکل میں حور بھیجی جس کا صفاتی نام "نازلہ" تھا اور دوسرے کے لئے جنات میں سے ایک جنیہ بھیجی جس کا نام "منزلہ" تھا اس عقد و ازدواج کے نتیجہ میں ان دو بھائیوں کے ہاں جو اولادیں پیدا ہوئیں وہ چچا زاد تھیں آگے ان کی آپس میں شادیاں ہوئیں جس سے یہ سلسلہ جلیلہ آگے بڑھا (راجع بحار، احتجاج طبرسی وغیرہ) فاضل دمیری نے (جو برادران اہلسنت کے مقتدر عالم ہیں) اپنی کتاب حیواۃ الحیوان مطبوعہ مصر ج ص ۲۱۳ پر اس سلسلہ میں ایک مفصل بحث کی ہے کہ جنیہ سے آدمی کا شرعاً" نکاح ہو سکتا ہے اور اس کے نتیجہ میں اولاد بھی پیدا ہو سکتی ہے فراجع (کذافی اکام المرجان فی احکام الجان)

الغرض جب شریعتیں کمزور ہوئیں اور رفتہ رفتہ لوگوں میں کفر و الحاد بڑھا تو محرمات سے نکاح بھی ہونے لگا مگر جونہی لوگوں میں عقل و شعور بڑھا تو ان کو معلوم ہوا کہ علاوہ اس کے کہ اس میں انتہائی بے شرمی و بے حیائی پائی جاتی ہے زیادہ قریب کی رشتہ داریوں میں شادی بیاہ کرنے سے نسل کمزور ہو جاتی ہے یہ قانون قدرت نباتات تک میں موجود ہے۔ قلم لگانے سے پھل بڑا اور میٹھا ہو جاتا ہے اگر ایک جگہ سے پودا اکھاڑ کر دوسری جگہ لگایا جائے تو پھل زیادہ اور عمدہ ہو جاتا ہے مگر اس سلسلہ میں اسلام کے علاوہ دیگر ملل و مذاہب میں افراط پایا جاتا ہے۔ ہندوؤں میں یہ رسم ہے کہ جن دو خاندانوں کا مورث اعلیٰ ایک ہو۔ ان میں شادی قطعاً" ممنوع سمجھی جاتی ہے اور مجوسیوں میں اور تو اور حتی کہ ماؤں بہنوں اور بیٹیوں سے بھی بیاہ جائز ہے مگر دین اسلام (جو کہ دین فطرت ہے) نے دوسرے شعبہ ہائے حیات کی طرح اس سلسلہ میں بھی اعتدال

کی راہ اختیار کی ہے۔ نہ ہندوؤں کی طرح سختی کی ہے اور نہ مجوسیوں کی طرح ڈھیل دی ہے۔ اس نے چند بہت قریب کی رشتہ داریوں میں نکاح حرام اور باقی میں جائز قرار دیا ہے۔ ان محرمات نسبیہ کی تفصیل سورہ نساء پارہ چار رکوع چودہ میں مذکورہ ہے ارشاد قدرت ہے۔ حرمت علیکم امہا تکم وبنا تکم وعما تکم وخا لا تکم وبنات الاخ وبنات الا خت الا یتہ (مسلمانو! تم پر سات قسم کی عورتیں حرام کی گئیں ہیں۔ ۱) تمہاری مائیں (جن میں دادیاں نانیاں سب شامل ہیں) تمہاری بیٹیاں (جن میں نواسیاں اور پوتیاں تمام داخل ہیں) تمہاری بہنیں) جن میں سگی اور سوتیلی یعنی صرف مادری اورپدری سب مراد ہیں) تمہاری پھوپھیاں) جن میں ماں باپ اور ان کے ماں باپ کی پھوپیاں بھی داخل ہیں) اور تمہاری خالائیں (جن میں ماں' باپ اور دادا دادی 'نانا' نانی کی خالائیں بھی شامل ہیں) اور تمہاری بھتیجیاں اور بھانجیاں (جن میں حقیقی یا سوتیلے بھائی بہن کی اولاد اور آگے ان کی اولادیں سب داخل ہیں) جیسا کہ ہم نے بین السطور میں وضاحت کر دی ہے کہ امہات وبنات وغیرہ نسبی رشتہ داریوں میں عموم و اطلاق پایا جاتا ہے۔ لهٰذا امہات کے اندر دادی نانی پردادی' پرنانی اور جس قدر یہ سلسلہ اوپر چلا جائے کیونکہ یہ سب مائیں ہیں۔ اسی طرح اس بیان سے دوسرے اقسام کے احکام بھی معلوم ہو سکتے ہیں کہ ان میں بھی یہی عموم اور اطلاق پایا جاتا ہے مطلب واضح ہے کہ مردوں پر یہ عورتیں حرام ہیں اور ان عورتوں پر یہ مرد حرام ہیں کیونکہ ایک فریق کے نکاح کی دوسرے کے ساتھ حرمت لا محالہ دوسرے کے اس کے ساتھ حرمت نکاح کو بھی مستلزم ہے۔

توضیح

نسب اور رشتہ داری مقاربت صحیحہ (جو عقد صحیح ملک یمین اور تحلیل کا ثمرہ ہے) سے تو بالاتفاق ثابت ہوتی ہے اسی طرح وطی بالشبہ جو اگرچہ واقع میں شرعاً" صحیح نہیں ہوتی مگر صحیح سمجھ کر کی جاتی ہے جیسے کوئی شخص غلطی سے کسی اجنبی عورت کو اپنی بیوی سمجھ کر یا جس عورت سے شرعاً" عقد نہ ہو سکتا تھا اس سے عقد غلطی سے کر کے مقاربت کرنے کے نتیجہ میں جو اولاد پیدا ہوتی ہے چونکہ وہ حلال زادہ ہوتی ہے اس سے بھی بالاتفاق یہ سلسلہ نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ لهٰذا اس بات پر تو علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ زنا کاری و بدکاری سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔ مگر اس میں اختلاف ہے کہ آیا اس سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے اس پر نسب والے مذکورہ بالا احکام جاری ہوتے ہیں یا نہ ؟ مثلاً" ایک زانی کے زنا کے نتیجہ میں جو لڑکی پیدا ہوئی ہے یہ تو ٹھیک ہے کہ اب شرعاً" یہ شخص نہ اس لڑکی کا باپ ہے اور نہ ہی وہ اس کی شرعی بیٹی ہے تو کیا وہ اس لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے؟ یا اس شخص کا حلال زادہ لڑکا اس لڑکی سے عقد کر سکتا ہے؟ یا اس زانی کا

باپ اس لڑکی سے بیاہ کر سکتا ہے؟ بعض جواز کے قائل ہیں اور بعض نے توقف کیا ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ چونکہ زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا اس لئے نسب کے دوسرے احکام از قسم پردہ، وراثت وغیرہ تو ثابت نہ ہونگے۔ مگر چونکہ یہ لڑکی لغوی اعتبار سے اس شخص کی بیٹی ہے کیونکہ وہ اس کے نطفہ سے متولد ہوئی ہے۔ لہٰذا حرمت نکاح والے نسبی احکام ضرور یہاں نافذ ہونگے لہٰذا اس لڑکی (یا لڑکے) کے ساتھ ہر اس شخص کا نکاح کرنا حرام ہو گا جو شرعی نسب میں حرام ہوتا ہے اور یہی قول احتیاط کے مطابق ہونے کی وجہ سے واجب العمل ہے۔ واللہ العالم

وہ عورتیں جو رضاعت کی وجہ سے حرام ہیں

شریعت محمدیہؐ نے قریبی رشتہ داریوں میں نکاح کرنے کو اس قدر ناپسند کیا ہے یا بالفاظ دیگر ان رشتوں کا اس طرح احترام ملحوظ رکھا ہے کہ رضاعت (دودھ پلانے) سے اس طرح کی جو رشتہ داریاں قائم ہوتی ہیں ان میں بھی نکاح کو جائز قرار نہیں دیا۔ حقیقی ماں باپ کے بعد آدمی پر سب سے بڑا احسان رضائی ماں باپ کا ہے لہٰذا رضائی رشتہ داروں میں نکاح کو حرام کر کے شرع اطہر نے رضاعت کا جو احترام ملحوظ رکھا ہے اس سے اپنی بالغ النظری اور احسان مندی کا ثبوت دیا ہے ارشاد قدرت ہے۔ وامھاتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ (پ نساء ع ۴) (یعنی تمہاری وہ رضائی مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور رضائی بہنیں تم پر حرام ہیں۔

اور روایات مستفیضہ میں وارد ہے یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب کہ رضاعت سے وہ کچھ حرام ہوتا ہے جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتا ہے۔ جس کی تفصیل ابھی اوپر بیان ہو چکی ہے بالکل اسی طرح رضائی رشتہ داری کی وجہ سے جو جو عنوان قائم ہوں وہ بھی حرام ہوں گے لہٰذا جس طرح نسبی ماں بیٹی حرام ہیں اس طرح رضائی ماں بیٹی وغیرہ سابقہ تفصیل کے ساتھ حرام ہیں۔ اس طرح جہاں اس میں وہ سات قسم کی رشتہ داریاں آجاتی ہیں جن کا نسبی محرمات میں تذکرہ کیا جاچکا ہے۔ وہاں وہ سبی رشتہ داریاں بھی شامل ہیں جو مصاحرت کی وجہ سے قائم ہوتی ہیں جیسے ساس، بہو، سسر وغیرہ جسکی تفصیل بعد ازیں آرہی ہے۔ اس مطلب پر صرف یہ مذکورہ بالا عمومی روایات ہی دلالت نہیں کرتے بلکہ خصوصی روایات میں اس کی تفصیلات بھی مذکور ہیں ایسی روایات کا ایک خاصا ذخیرہ کتب اربعہ اور وافی و وسائل وغیرہ میں محفوظ ہے جس سے بشرط ضرورت استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

رضاعت کے شرائط کا بیان

یہ بات ملحوظ رہے کہ ہر قسم کی رضاعت سے یہ حرمت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کے کچھ مخصوص شرائط ہیں جب تک ان کے مطابق یہ رضاعت ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر کوئی شرعی اثر مترتب نہ ہو گا اور وہ شرائط چار ہیں۔

اول یہ کہ وہ دودھ صحیح مباشرت کے نتیجہ میں وجود میں آیا ہو۔ (اور صحیح مباشرت عقد صحیح' خواہ دائمی ہو یا منقطع' ملک یمین اور تحلیل کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے کما تقدم اور وطی باشبہ کا بھی یہی حکم ہے) اس شرط پر نصوص و فتاویٰ کا اتفاق ہے لہٰذا اگر کسی عورت کا دودھ بغیر مباشرت کے خود بخود اتر آئے' یا زنا کے نتیجہ میں آئے تو اس سے شرعی رضاعت ثابت نہ ہو گی۔

دوم۔ یہ کہ ایک مرد عورت کا دودھ ہو اس شرط میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لہٰذا اگر مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) بدل جائے بایں طور کہ جس قدر رضاعت ضروری ہے (جسکی تفصیل آرہی ہے) اسکی کچھ مقدار ایک عورت پلائے اور اس کی تکمیل کوئی دوسری عورت کرے۔ تو اس سے شرعی رضاعت اور حرمت ثابت نہ ہو گی۔ یا جس کا دودھ ہے وہ مرد بدل جائے بایں طور کہ ایک عورت نے جب ایک بچہ کو دودھ پلانا شروع کیا تو اس وقت ایک آدمی کی زوجیت میں تھی بعد ازاں اس سے طلاق حاصل کر لی اور عدت کے بعد دوسرے سے شادی کی. اور اس سے حاملہ ہو گئی اور ولادت کے بعد رضاعت کی باقی ماندہ مقدار کی تکمیل کی بشرطیکہ بچہ نے اس اثنا میں کسی اور عورت کا دودھ نہ پیا ہو بلکہ دوسری غذا پر وقت گزارا ہو اگرچہ یہ فرض بعید ہے) تو اس سے بھی شرعی رضاعت اور اس کے آثار ثابت نہ ہوں گے۔ یا اس طرح بھی اس کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ ایک عورت ایک آدمی کے حبالۂ عقد میں تھی تو ایک بچہ کو دودھ پلایا پھر اس سے طلاق حاصل کر لی یا شوہر کی وفات ہو گئی اور اس عورت نے عقد ثانی کیا۔ اس کے بعد ایک بچی کو دودھ پلایا تو یہ بچہ بچی صاحب لبن کے بدل جانے کی وجہ سے آپس میں رضاعی بہن بھائی نہیں کہلائیں گے اور نہ ہی اس پر شرعی رضاعت والے احکام مترتب ہونگے۔

سوم۔ یہ کہ دودھ پینے والا بچہ دو سال کے اندر ہو۔ لہٰذا اگر دو سال کی عمر کے بعد کوئی بچہ کسی عورت کا دودھ پیئے۔ یا جب دودھ پینا شروع کیا تو اس وقت اس کی عمر دو سال سے کم تھی مگر جب اس شرعی مقدار کی تکمیل کی تو اس کا سن دو سال سے متجاوز ہو چکا تھا تو اس سے نہ شرعی رضاعت ثابت ہو گی اور نہ ہی اس پر کوئی اثر مترتب ہو گا۔ کیونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ **لا رضاع بعد فطام** (دودھ چھڑانے کی مدت (جو کہ دو سال ہے) کے بعد رضاعت نہیں ہے۔ (کافی) ارشاد قدرت ہے۔ **والوالدت یرضعن اولا دھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ** (مائیں اپنی اولاد کو کامل دو سال تک دودھ پلائیں)

چہارم۔ رضاعت کی مقدار مکمل ہو۔ اس بات پر تمام فقہاء جعفریہ کا اتفاق ہے کہ ہر قسم کا دودھ پلانا نشر حرمت کا باعث نہیں ہوتا۔ بلکہ اس میں ایک مخصوص مقدار کی تکمیل ضروری ہے اس مقدار کا تعین تین طرح سے کیا گیا ہے۔

۱۔ اثر کے ساتھ ۲زمان کے ساتھ اور ۳عدد کے ساتھ اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ اثر سے مراد یہ ہے کہ بچہ اس قدر دودھ پیئے کہ اس سے اس کا گوشت اور پوست اگ آئے اور ہڈیاں مضبوط ہو جائیں اب اس کا انحصار تجربہ اور عرف و عادت یا ڈاکٹری تحقیق پر ہے اس سے فیصلہ کیا جائے گا کہ کس قدر دودھ پینے سے یہ اثر مترتب ہوتا ہے!

۲۔ زمان سے مراد یہ ہے کہ کم از کم ایک شب و روز تک بچہ کو جب بھی بھوک لگے تو برابر اس عورت کا دودھ پیتا رہے۔ اس میں یہ کوئی فرق نہیں کہ شب و روز بڑے ہوں یا چھوٹے مذکورہ بالا اثر پیدا ہو یا نہ ہو اور 15 بار کا عدد پورا ہو یا نہ ہو بس جب اس طرح ایک شب و روز پورے ہو جائیں گے تو رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

۳۔ عدد اس میں سخت اختلاف ہے کہ کس قدر عدد معتبر ہے علماء متقدمین میں مشہور یہ ہے کہ مسلسل دس بار سیر ہو کر دودھ پینا کافی ہے اور متاخرین میں یہ مشہور ہے کہ پندرہ بار پینا ضروری ہے اس اختلاف کا سبب دراصل اثار کا ظاہری اختلاف ہے کہ بعض اثار دس پر دلالت کرتے ہیں اور بعض پندرہ پر بہرحال حق اس مسئلہ میں متاخرین کے ساتھ ہے اولاً" اس لئے کہ جو روایات پندرہ بار پر دلالت کرتے ہیں وہ تعداد میں زیادہ اور سند کے اعتبار سے زیادہ مستند ہیں علاوہ بریں دس عدد پر دلالت کرنے والے اثار میں تقیہ کا احتمال قوی ہے کیونکہ بہت سے علماء اہل سنت نے جناب عائشہؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ **کان فی القران عشر رضعات محرمات نسخت تلاوتہ** قرآن میں دس بار دودھ پلانے کا تذکرہ تھا جسکی تلاوت منسوخ ہوگئی (مسلم نسائی' ابن ماجہ) بایں ہمہ احوط یہ ہے کہ اگر صرف دس بار رضاعت ثابت ہو جائے تو اس پر

شرعی آثار مترتب کئے جائیں۔

مخفی نہ رہے کہ اس عدد میں تین چیزوں کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ کمال یعنی ہر بار بچہ سیر ہو کر پیئے۔ (۲) توالی یعنی پیئے در پیئے بوقت ضرورت ایک ہی عورت کا دودھ پیئے اس اثناء میں کسی اور عورت کا دودھ نہ پیئے۔ (۳) پستان سے پینا یعنی بچہ پستان سے منہ لگا کر دودھ پیئے۔ لہٰذا اگر عورت اپنا دودھ دوھ کر اس کے منہ میں یا کسی اور طریقہ سے اس کے پیٹ میں ڈالے تو اس سے رضاعت ثابت نہ ہو گی۔ واللہ الموفق

رضاعت کے مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ جو کچھ قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ رضاعت ثابت ہو جائے تو "مرتضع" (دودھ پینے والا بچہ یا بچی) مرضعہ دودھ پلانے والی عورت اور اس کے شوہر کا رضاعی بیٹا بن جاتا ہے اور وہ اسکے رضاعی ماں باپ بن جاتے ہیں لہٰذا ان ہوتوں پر نسبی رشتہ داری والے تمام احکامات مترتب ہونگے یعنی ان ماں باپ کے اصول یعنی (ماں باپ دادا' دادی' نانا' نانی وھلم جرا") اور "فروع" یعنی اولاد اور اولاد کی اولاد نواسے نواسیاں' پوتے' پوتیاں' وھلم جرا" اور حواشی یعنی (ہم طبقہ جیسے انکے بہن بھائی اور ان کی اولاد) وہ سب اس بچہ پر حرام ہو جائیں گے کیونکہ اس طرح جو اصول ہیں وہ اس کے اجداد و جدات اور جو فروع ہیں (خواہ وہ پہلے پیدا شدہ ہوں یا وہ جو بعد میں پیدا ہونے والے ہوں) وہ اس کے بہن بھائی اور بھانجے بھتیجے اور جو "حواشی" ہیں وہ اس کے اعمام واخوال قرار پائیں گے۔ عام اس سے کہ وہ رشتہ داریاں نسبی ہوں یا رضاعی مگر جہاں تک اس کے رضاعی ماں باپ کا تعلق ہے ان پر صرف یہ دودھ پینے والا یا اس کی اولاد حرام ہو گی (کیونکہ یہ ان کا بیٹا ہے یا مصاہرت میں اس کی بیوی) باقی رہے اس بچہ کے حقیقی اصول (ماں' باپ' دادا' نانا وغیرہ) یا اس کے حقیقی حواشی (بہن بھائی اور انکی اولاد) اور اس بچہ کے رضاعی ماں باپ' ان کے اصول و فروع اور حواشی تو یہ سب آپس میں اجنبی متصور ہوں گے انکی رضاعت سے ان کے رشتوں ناطوں پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ اس قاعدہ کلیہ سے بناء بر مشہور صرف ایک صورت خصوصی نصوص کی وجہ سے مستثنیٰ ہے اور وہ یہ کہ مرتضع (دودھ) پینے والے بچہ کا نسبی باپ مرضعہ یعنی دودھ پلانے والی عورت اور اس کے شوہر کی نسبی یا رضاعی اولاد میں شادی نہیں کر سکتا کیونکہ وہ لڑکیاں اس کے لڑکے کی بہنیں ہونے کی وجہ سے بمنزلہ اس شخص کی اپنی بیٹیوں کے ہیں اس کے علاوہ باقی تمام صورتیں مثلاً" یہ کہ اس بچہ کا رضاعی باپ اس کی حقیقی ماں سے نکاح کرنا چاہے یا اس کے نسبی بھائی بہن اس کے رضاعی بھائیوں بہنوں سے عقد کرنا چاہیں یا اس کا رضاعی باپ اسکی نسبی

بہنوں سے ازدواج کرنا چاہے تو بناء بر اشہر و اظہر قول کے یہ سب صورتیں جائز ہیں۔واللہ العالم

مسئلہ ۲:۔ رضاعت کا اصول یہ ہے کہ وہ جس طرح عقد سے پہلے مؤثر ہوتی ہے اسی طرح عقد کے بعد بھی اثر انداز ہوتی ہے یعنی اگر یہ نکاح کے بعد ثابت ہو جائے تو اس سے سابقہ عقد باطل ہو جاتا ہے مثلاً" اگر کسی آدمی کی ماں مقررہ شرائط کے ساتھ کسی لڑکی کو دودھ پلائے تو وہ لڑکی اسکی رضاعی بہن بن جائے گی یا اس کی دادی کسی لڑکی کو دودھ پلائے تو وہ اس کی رضاعی پھوپھی بن جائے گی یا اس کی نانی کسی لڑکی کو دودھ پلائے تو وہ اس کی رضاعی خالہ بن جائے گی اور اس طرح ان لڑکیوں کے ساتھ اس کا عقد نہیں ہو سکے گا بالکل اسی طرح اگر یہ شخص کسی صغیر السن لڑکی سے عقد کرے اور بعد ازاں اس کی ماں یا دادی یا نانی اس کی اس صغیر السن زوجہ کو دودھ پلا دیں تو اس لڑکی سے اس کا عقد باطل ہو جائے گا۔

مسئلہ ۳:۔ اگر کسی شخص کی ساس اس کی اولاد کو دودھ پلا دے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی بالفاظ دیگر اگر کوئی نانی اپنے کسی نواسے یا نواسی کو شرائط مقررہ کے ساتھ دودھ پلا دے تو اس کی لڑکی اپنے شوہر پر حرام ہو جائے گی کیونکہ اس صورت میں یہ عورت (ساس و نانی) اس شخص کی اولاد کی مرضعہ ہے اور اس کی بیوی اس کی اولاد ہے اور مسئلہ نمبر ایک میں واضح کیا جا چکا ہے کہ دودھ پینے والے بچہ کا باپ دودھ پلانے والی کی اولاد سے شادی نہیں کر سکتا۔ اور مسئلہ نمبر تین میں ابھی ثابت کیا گیا ہے کہ رضاعت جس طرح عقد سے پہلے موثر ہوتی ہے اسی طرح عقد کے بعد بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ لہٰذا اس شخص کا عقد باطل ہو جائے گا ہاں اگر دادی اپنے پوتے یا پوتی کو دودھ پلائے تو اس سے عقد میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔

مسئلہ ۴:۔ اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں ایک بڑی ہو اور دوسری دودھ پینے والی چھوٹی اور بڑی چھوٹی کو دودھ پلا دے تو اس طرح دونوں بیویاں اپنے شوہر پر حرام ہو جائیں گی اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جو دودھ بڑی نے چھوٹی کو پلایا ہے اگر وہ اسی شوہر کا ہے تو چھوٹی اس لئے حرام ہو جائے گی کہ وہ اس رضاعت سے اس شخص کی (سابقہ) بیوی کی (رضاعی) ماں ہے تو اس طرح وہ اس شخص کی ساس بن جائے گی اور واضح ہے کہ بیٹی کے ساتھ عقد ہوتے ہی ساس ہمیشہ کیلئے حرام ہو جاتی ہے اور اگر دودھ کسی اور شخص کا تھا یعنی جب اس سے شادی کی تو وہ بچہ دار تھی تو اب اگر بڑی اس کی مدخولہ ہے تو تب بھی دودھ پلانے سے دونوں حرام ہو جائیں گی یعنی بڑی اس لئے کہ وہ اس شخص کی زوجہ (صغیر) کی رضاعی ماں ہے جو بوجہ رضاعی ساس ہونے کے حرام ہے اور چھوٹی اس لئے کہ وہ مدخولہ بیوی کی (رضاعی) لڑکی ہے جو حرام ہے ہاں البتہ اگر اس آخری رضاعی صورت میں بڑی بیوی مدخولہ نہ ہو تو بڑی تو بہرحال حرام ہو جائے گی کیونکہ وہ اسکو

زوجہ کی ماں ہے مگر چھوٹی کا اگرچہ نکاح تو باطل ہو جائے گا مگر وہ حرام موبدنہ ہو گی کیونکہ اس صورت میں وہ غیر مدخولہ بیوی کی ربیبہ قرار پائے گی جس کے ساتھ بڑی کے اسی حال (غیر مدخولہ ہونے کی شکل میں) مرجانے یا مطلقہ ہو جانے کے بعد دوبارہ عقد کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ ۵۔ اگر رضاعت میں اختلاف واقع ہو جائے تو جب تک شرعی طریقہ سے ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر رضاعت والے شرعی احکام مترتب نہیں ہوں گے اور سابقہ شرائط رضاعت میں سے کسی شرط کے ثبوت میں شک پڑجائے تو تب بھی رضاعت ثابت نہ ہو گی اور اس کے ثبوت کا طریقہ دو عادل گواہوں کی مفصل شہادت ہے یا ایک مرد اور دو عورتیں یا چار عادل عورتوں کی شہادت ہے کیونکہ جہاں جن امور پر مردوں کی اطلاع مشکل ہوتی ہے جیسے بکارت، حیض اور دیگر نسوانی عیوب وغیرہ وہاں شرعاً" تنہا عورتوں کی شہادت کافی ہوتی ہے جیسا کہ متعدد روایات میں وارد ہے کہ **تجوز شهادة النساء فيما لا يستطيع الرجال ان ينظر واليه ويشهدوا عليه** (وسائل)

مسئلہ ۶۔ پہلے مسئلہ میں واضح کیا جاچکا ہے کہ جب شرعی رضاعت ثابت ہو جائے اور اس سے ان سات عنوانوں میں سے کوئی عنوان قائم ہو جائے جو نسب میں حرام ہیں تو رضاعت سے بھی حرمت نکاح ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ **يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب**. لیکن اگر اس رضاعت سے کوئی ایسا عنوان قائم ہو جو ان سات عنوانوں میں سے تو کسی پر منطبق نہیں ہوتا لیکن ہو ایسا کہ اگر نسبی رشتہ داری کی وجہ سے پیدا ہوتا تو ان عنوانوں میں سے کسی کے ساتھ متحد اور لازم ضرور ہوتا تو اس سے حرمت ثابت نہ ہو گی مثلاً" ایک شخص کی عورت اس کے دودھ سے اپنے بھائی کو دودھ پلاتی ہے تو اس طرح وہ لڑکا اس شخص کا رضاعی بیٹا بن جائے گا (جو دراصل اس کا سالہ تھا) اور اس کی بیوی (جو اب اس لڑکے کی رضاعی ماں بن چکی ہے) اس کی بہن ہے اور بیٹے کی بہن بیٹی ہوتی ہے یا ربیبہ اور یہ دونوں حرام ہیں یا ایک شخص کی زوجہ اپنے بھتیجے کو دودھ پلاتی ہے تو وہ لڑکا جو دراصل اس شخص کے سالے کا لڑکا ہے اب اس کا رضاعی بیٹا بن جائے گا اور اس کی بیوی جواب اس لڑکے کی رضاعی ماں بن چکی ہے چونکہ اس لڑکے کی پھوپھی ہے اور بیٹے کی پھوپھی بہن ہوتی ہے جو حرام ہے۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں مگر مشہور و منصور قول یہ ہے کہ اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی سوائے "عموم منزلت" والے قول کے لیکن یہ قول علماء محققین کے نزدیک صحیح نہیں ہے واللہ العالم

(مرضعہ کے آداب)

چونکہ دودھ پلانے کا ذکر آگیا ہے تو ضمناً" ان آداب و سنن کا تذکرہ بھی فائدہ سے خالی

نہیں ہے جن کا دودھ پلانے والی عورت میں مد نظر رکھنا مستحب ہے اور یہ آداب دس ہیں۔ (۱) عورت مسلمان (بلکہ مؤمنہ) ہو۔ (۲) عاقلہ ہو۔ (۳) عفیفہ ہو (۴) خوبصورت ہو اور اوصاف جمیلہ و جلیلہ کی حامل ہو اور (۱) احمق (۲) بد خلق (۳) زناکار (۴) ولد الزنا (۵) اور بد صورت نہ ہو کیونکہ ائمہ اطہارؑ کے آثار، تجربہ کاروں کے اخبار سے یہ حقیقت ناقابل انکار ہے بلکہ روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہے کہ دودھ میں تاثیر ہوتی ہے اور دودھ پلانے والی اور اسکے خاندان کے اخلاق و صفات بلکہ صورت کا بھی بچہ پر بڑا اثر پڑتا ہے چنانچہ حکیم اسلام جناب امیر علیہ اسلام فرماتے ہیں۔ **ولا تسترضعوا الحمقاء فان اللبن يغلب الطباع** (یعنی احمق عورت کا دودھ بچہ کو نہ پلاؤ کیونکہ دودھ طبیعتوں پر غالب آجاتا ہے۔ وسیلۃ النجاۃ)

وہ عورتیں جو مصاہرت کی وجہ سے حرام ہیں

مصاحرت سے مراد وہ تعلق ہے جو عقد نکاح کے بعد میاں بیوی اور ان دونوں کے اعزا واقارب کے درمیان پیدا ہوتا ہے اور حرمت نکاح کا باعث بنتا ہے مخفی نہ رہے کہ اس عقد نکاح کے حکم میں ہے وہ وطی، ملک، لمس اور نظر جو مخصوص طریقہ پر واقع ہو (جسکی تفصیل بعد میں آرہی ہے) اس سلسلے میں خداوندعالم نے پانچ قسم کی عورتیں حرام قرار دی ہیں چار تو اس آیت میں مذکور ہیں ارشاد قدرت ہے۔ **وامهات نسائكم وربائبكم التى فى حجوركم من نسائكم التى دخلتم بهن۔ فان لم تكونوا دخلتم بهن فلا جناح عليكم وحلائل ابنائكم الذين من اصلابكم وان تجمعوا بين الاختين الا ما قد سلف۔**

یعنی تمہاری بیویوں کی مائیں (تمہاری ساسیں) اور جن بیویوں کے ساتھ تم صحبت کر چکے ہو ان کی لڑکیاں تم پر حرام ہیں اور اگر تم نے اپنی بیویوں کے ساتھ صحبت نہ کی ہو تو پھر ان کی گیلز (جھنگ) لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں (تمہاری بہوئیں (تم پر حرام ہیں) اور اس طرح دو بہنوں کے ساتھ ایک وقت میں نکاح کر کے جمع کرنا بھی حرام ہے مگر جو ہو چکا (سو ہو چکا) اور پانچویں کا ذکر اس سے پہلی آیت میں ہے جہاں خالق حکیم فرماتا ہے۔ **ولا تنكحوا ما نكح اباؤكم من النساء الا ما قد سلف انه كان فاحشة ومقتا وساء سبيلا**"

اور جن عورتوں کے ساتھ تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو تم ان کے ساتھ نکاح نہ کرو مگر جو ہو چکا یہ بڑی بے حیائی اور غضب کی بات تھی اور بہت برا طریقہ تھا (س نساء اپ ہم)

قبل از اسلام زمانہ جاہلیت میں نکاح کے متعدد غلط طریقے رائج تھے جن کا اسلام نے استیصال کیا ان سب کی تفصیلات کا بیان کرنا تو باعث طوالت و ملالت ہو گا۔ یہاں ان میں سے صرف

دو غلط طریقوں کی نشاندہی کی جاتی ہے جن کی طرف ان آیات میں اشارات پائے جاتے ہیں۔
۱۔ وہ باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے کیونکہ وہ اسے میت کا ترکہ جانتے تھے اور اس سے نکاح کرنے کا سب سے زیادہ مستحق میت کا بڑا لڑکا سمجھا جاتا تھا اور اگر کسی وجہ سے وہ نہ کرتا تو پھر اس کے چھوٹے بھائی کر لیتے اور اگر وہ بھی نہ کرتے تو مرنے والے کا کوئی اور قریبی رشتہ دار کر لیتا اور وہ اس سلسلہ میں عورت کی رضا مندی بھی ضروری نہ جانتے تھے بجو کوئی اس پر اپنا کپڑا ڈال دیتا وہ اس کے نکاح کا مالک بن جاتا۔ خدائے حکیم نے سابقہ آیت میں اس کی مذمت کی ہے اور اس فعل کو بے حیائی اور باعث غضب الٰہی فعل قرار دیا ہے۔

اس طرح دوسری صورت جو اسلام کے خلاف تھی وہ یہ تھی کہ ایک شخص بیک وقت دو سگی بہنوں کو نکاح میں جمع کر لیتا تھا اور اسے عیب نہیں سمجھتے تھے اسلام نے **وان تجمعوا بین الاختین** کہہ کر اس نکاح کو بھی ہمیشہ کیلئے حرام قرار دے دیا ہے۔

مصاہرت کے مسائل و احکام

مذکورہ بالا اقسام کے ذیل میں مختصر احکام بیان کئے جاتے ہیں تاکہ یہ حقائق بالکل واضح و عیاں ہو جائیں

مسئلہ ۱۔ جو شخص صحیح عقد کے ذریعے خواہ دائمی ہو یا منقطع یا ملک کی وجہ سے کسی عورت سے مقاربت کرے تو اس سے اس عورت کی ماں اور ماں کی ماں (جس قدر بھی یہ سلسلہ اوپر چلا جائے) اور اس کی بیٹی (یا بیٹی کی بیٹی جس قدر بھی یہ سلسلہ نیچے چلا جائے) خواہ اس ازدواج سے پہلے کی پیدا شدہ ہو یا اس سے طلاق لے کر دوسرے سے شادی کرنے کے بعد پیدا ہوئی ہو) حرام ہو جاتی ہیں ان دونوں کی حرمت میں فرق صرف اس قدر ہے کہ بناء بر مشہور و منصور کسی عورت سے نکاح کرتے ہی اس عورت کی ماں (ساس) ناکح پر حرام ہو جاتی ہے خواہ شوہر نے اس سے دخول کیا ہو یا نہ ؟ جیسا کہ آیت مبارکہ میں علی الاطلاق حرمت کا تذکرہ ہے اور اس کے ساتھ دخول وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے اور اسی کے مطابق بہت سے روایات صحیحہ و صریحہ بھی وارد ہوئے ہیں اور اس کے خلاف جو بعض روایات وارد ہوئے ہیں وہ یا تو صحیح نہیں ہیں یا صریح نہیں ہیں مگر اس عورت کی لڑکی اس وقت تک اس کے شوہر پر حرام نہیں ہوتی جب تک اس کے ساتھ دخول واقع نہ ہو۔ جیسا کہ آیت مبارکہ میں صراحت موجود ہے لہٰذا اگر دخول سے پہلے شوہر اسے طلاق دے دے تو پھر اس کی لڑکی سے عقد کر سکتا ہے۔ واضح ہو کہ "ربیبہ" کے ساتھ (گود) میں ہونے کی قید صرف تغلیبی ہے تخصیصی نہیں ہے یعنی غالباً" ایسا ہوتا ہے کہ ربیبہ

لڑکیوں کی پرورش انسان کی گود میں ہوتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو گیلٹر لڑکی گود میں نہ پلی ہو اس کے ساتھ عقد جائز ہو۔ نہیں اس کے ساتھ بھی عقد بہرحال حرام ہے۔

مسئلہ ۲۔ جس عورت کے ساتھ کوئی شخص عقد نکاح کرے دائمی ہو یا منقطع دخول کیا ہو یا نہ وہ عورت اس شخص کے باپ اور اس کے بیٹے پر بالاتفاق حرام ہو جاتی ہے یعنی باپ کی منکوحہ بیٹے پر اور بیٹے کی منکوحہ باپ پر حرام ہے باپ میں دادا پر دادا سب داخل ہیں اور بیٹے میں پوتا اور پڑپوتا سب شامل ہیں خواہ نسبی ہوں اور خواہ رضاعی جیسا کہ آیات و روایات میں یہ تمام اطلاقات بالصراحت مذکور ہیں۔

مسئلہ ۳۔ مملوکہ کینز میں اس حرمت کے لئے مقاربت شرط ہے یعنی باپ کی ملوکہ بیٹے پر اور بیٹے کی مملوکہ باپ پر اس وقت تک حرام نہیں ہوتی جب تک وہ اس کے ساتھ مباشرت نہ کریں کیونکہ ہر چیز میں اصل اباحت ہے جب تک اسکی حرمت کی قطعی دلیل قائم نہ ہو جائے البتہ اس بات کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہے کہ وہ مملوکہ (لونڈی) جو باپ بیٹے کی منظور اور ملموسہ ہو (یعنی باپ یا بیٹے نے اس کنیز کے ان اعضا کو دیکھا ہو یا مس کیا ہو جن کا دیکھنا یا مس کرنا شوہر یا مالک کے بغیر اور کسی کے لئے جائز نہیں ہے) ایک دوسرے پر حرام ہے یا نہ؟ بعض کے نزدیک حرام ہے اور بعض کے نزدیک حلال جو امر اقوال و احادیث پر گہری نظر ڈالنے سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر یہ نظر یا مس شہوت کے ساتھ ہو تو اس سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے ورنہ نہیں جیسا کہ کافی تہذیب اور استبصار میں متعدد روایات کے اندر موجود ہے کہ اذا نظر نظر شہوۃ جب مالک اسے ننگا کر کے بنظر شہوت اس کی طرف دیکھے یا شہوت کے ساتھ اسے بوسہ دے تو اس سے باپ کی مملوکہ بیٹے پر اور بیٹے کی مملوکہ باپ پر حرام ہو جاتی ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۴۔ ایک بہن کی موجودگی میں اس کی دوسری بہن کے ساتھ عقد کرنا دائمی ہو یا منقطع یا نکاح بالملک ہو بہنیں سگی ہوں یا سوتیلی نسبی ہوں یا رضاعی بہرحال حرام ہے اور اگر کرے گا تو علاوہ اس کے کہ وہ فعل حرام کا مرتکب ہو گا۔ یہ دوسرا نکاح باطل متصور ہوگا اور اگر جہالت کی وجہ سے کرے گا تو گنہگار نہ ہوگا مگر نکاح بہرحال باطل ہو گا اور اگر اس صورت میں دوسری کے ساتھ مقاربت بھی ہو جائے تو حرمت ابدی کی وجہ سے ان کے درمیان مفارقت واجب ہوگی اور جب تک اس کی عدت نہ گزر جائے احوط یہ ہے کہ پہلی کے ساتھ مباشرت نہ کرے اور اگر بیٹی کی موجودگی میں اس کی ماں سے نکاح کرے تو اس کا حکم بھی یہی ہے یہ عقد حرام بھی ہے اور باطل بھی ہاں البتہ بہن کے بعد بہن سے عقد کے جواز کی صورت صرف یہ ہے کہ اسکی موجودہ بیوی مرجائے یا اسے طلاق دیدے اور پھر اس کی عدت گزر جائے (بشرطیکہ طلاق رجعی ہو اور اگر بائن ہو تو پھر اس قید کی

کوئی ضرورت نہیں ہے) اور اگر کسی شخص نے ایک عورت سے عقد منقطع (متعہ) کیا ہو اور اب اسکی بہن کے ساتھ متعہ کرنا چاہے تو جب تک پہلی کی عدت ختم نہ ہو جائے یا اسے ہبہ نہ کردے اور پھر بہرحال اس کی عدت ختم نہ ہو جائے تب تک اس کی بہن سے عقد متعہ نہیں ہوسکتا ہے اور اگر ایک ہی صیغہ عقد کے ساتھ دونوں کو حبالہ نکاح میں لے آئے تو ان میں سے آیا ایک کو آزاد کرنا پڑے گا یا دونوں کا نکاح باطل متصور ہو گا اس میں اختلاف ہے اگرچہ متاخرین کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ دونوں کا نکاح باطل سمجھا جائے گا مگر ان کے پاس سوائے عقلی تعلیلات کے کوئی نقلی دلیل نہیں ہے اور جہاں تک نقلی دلیل کا تعلق ہے تو فروع کافی میں بسند صحیح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا **فهو بالخيار يمسك ايتهما شاء ويخلي سبيل الاخرى** کہ ان میں سے جس ایک کو چاہے اختیار کر لے اور دوسری کو آزاد کر دے پھر فرمایا اس شخص کا حکم بھی یہی ہے جو ایک ہی صیغہ کے ساتھ پانچ عورتوں کو حبالۂ عقد میں لے آئے کہ ان میں سے جن چار کو چاہے اختیار کرے اور ایک کو آزاد کر دے **لہذا** یہی قول قوی ہے واللہ العالم۔

مسئلہ ۵۔ آیا دو سید زادیوں کا ایک نکاح میں اکٹھا کرنا جائز ہے یا نہ؟ اس مسئلہ کا متقدمین فقہاء کی کتابوں میں کوئی تفصیلی تذکرہ نہیں ملتا۔ یہ مسئلہ تقریباً تیرھویں صدی سے پیدا ہوا ہے اور جب سے محقق بحرانی اعلی اللہ مقامہ نے اپنی کتاب درر نجفیہ اور حدائق ناضرہ میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس وقت سے یہ مسئلہ معرکۃ الاراء بن گیا ہے اور اس کی وجہ وہ روایت ہے جو تہذیب الاحکام میں مرسلاً اور علل الشرائع میں مسنداً حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا **لا يحل لاحد ان يجمع بين ثنتين من ولد فاطمة ان ذلك يبلغها فيشق عليها قلت يبلغها قال اى والله** (کسی بھی شخص کے لئے حلال نہیں ہے کہ جناب فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی اولاد میں سے دو لڑکیوں کو ایک عقد میں جمع کرے کیونکہ اس کی جناب سیدہ کو اطلاع ملتی ہے اور ان پر یہ بات شاق گزرتی ہے) جناب شیخ حرعاملی قدس سرہ شیخ جعفر بن کمال الدین بحرانی اور حضرت المحقق الربانی الشیخ یوسف البحرانی اس نکاح کی حرمت کے قائل ہیں ایک تو اس لئے کہ حدیث میں لفظ لا یحل وارد ہے دوسرے اس لئے کہ یہ بات مخدومہ عالم کی اذیت کا باعث ہے اور چونکہ ان کی ایذا رسانی حرام ہے **لہذا** یہ عقد حرام ہو گا اگرچہ دوسرے تمام فقہاء نے کراہت کے ساتھ جواز کا فتوی دیا ہے اس لئے حلت و حرمت کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ کہا نہیں جاسکتا اگرچہ ظاہر یہ ہے کہ بناء بر حرمت بھی یہ حرمت تکلیفی ہے (جس کی خلاف ورزی کرنے سے آدمی صرف گنہگار ہوتا ہے) حرمت وضعی نہیں ہے (جس سے عقد کا

بطلان لازم آئے) تاہم احتیاط واجب اس میں ہے کہ ایسا کرنے سے اجتناب کیا جائے اور اگر کوئی ایسا کرے تو اسے چاہئے کہ جو احکام جمع بین الاختین کے مسئلہ نمبر چار میں بیان کئے گئے ہیں ان کے مطابق عمل کرے واللہ العالم۔

مسئلہ ۶۔ آیا پھوپھی اور اسکی بھتیجی اور خالہ اور اسکی بھانجی کے ساتھ بہ یک وقت نکاح ہو سکتا ہے یا نہ؟ اس میں فقہ حنفیہ اور فقہ جعفریہ کے اور بہت سے مسائل کی طرح اختلاف پایا جاتا ہے فقہ حنفیہ میں اسے بدو وجہ علی الاطلاق حرام قرار دیا گیا ہے ایک تو ان کے ہاں حضرت رسول ﷺ کی روایت ہے کہ **لا یجمع بین المراۃ و عمتھا ولا بین المراۃ و خالتھا** (کہ بھتیجی اور پھوپھی اور بھانجی اور خالہ کو ایک عقد میں جمع نہ کیا جائے) دوسرے ان کے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ ہر وہ دو عورتیں کہ اگر ان میں سے ایک مرد ہوتا تو انکا باہمی نکاح نہ ہو سکتا ان کے درمیان جمع کرنا جائز نہیں ہے اور یہاں بھی یہی صورت حال ہے کہ اگر ان میں سے ایک فریق مرد ہوتا تو ان کے باہم ماموں اور بھانجی اور چچا اور بھتیجی ہونے کی وجہ سے عقد حرام ہوتا۔ لہذا یہ نکاح حرام ہے۔ مگر یہ دونوں دلیلیں علیل ہیں جہاں تک حدیث کا تعلق ہے تو یہ صرف ایک فریق کی ہے جو دوسرے کے لئے حجت نہیں ہے اور اگر ہر فریق کی روایت اس کے مخالف کیلئے سند ہو سکتی ہے تو پھر ہمارے ہاں بھی اس سلسلہ میں آنحضرتؐ کی حدیث بایں الفاظ موجود ہے۔ **نہی رسول اللہ عن تزویج المراۃ علی عمتھا وخالتھا اجلا لا للعمتہ والخالتہ فاذا اذنت لی فلک فلا بلس** (علل الشرائع) یعنی آنحضرتؐ نے پھوپھی اور خالہ کی موجودگی میں ان کے احترام کی خاطر ان کی بھتیجی اور بھانجی سے عقد کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اور جب وہ اجازت دے دیں تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے (جیسا کہ فقہ جعفریہ کا یہی فیصلہ ہے)

اور جہاں تک عقلی مفروضہ کا تعلق ہے تو وہ صرف قیاس ہے جس کی کوئی شرعی اساس نہیں ہے قرآن مجید کی سورہ نساء کی وہ آیات جن میں نسبی و سببی محرمات کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے ان کے آخر میں ارشاد قدرت ہے۔ **احل لکم ماوراء ذلکم** یعنی ان عورتوں کے علاوہ باقی تمام عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ (سورہ نساء ع ا پ ۵)

بنابریں جب تک کسی عورت کی حرمت دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے ثابت نہ ہو جائے۔ اس وقت تک اسے حلال ہی سمجھا جائے گا۔

لہذا حقیقت یہ ہے کہ دیگر اختلافی مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی حق فقہ جعفریہ کے ساتھ ہے ہاں البتہ اس میں صرف اس قدر وضاحت کی ضرورت ہے کہ اگر بھانجی یا بھتیجی پہلے عقد میں موجود ہوں اور بعد ازاں آدمی ان کی خالہ یا پھوپھی سے عقد کرنا چاہئے تو بھانجی یا بھتیجی

سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر پہلے خالہ یا پھوپھی حبالۂ عقد میں ہوں اور بعد میں ان کی بھانجی یا بھتیجی سے عقد کرنا چاہے تو ان کے احترام کے پیش نظر ان کی اجازت ضروری ہے۔ پس اگر وہ راضی ہوں تو عقد جائز ہو گا اور اگر ان کی رضا مندی حاصل کئے بغیر بھانجی اور بھتیجی سے عقد کیا گیا تو آیا عقد صحیح ہو گا اور خالہ و پھوپھی کی رضا پر موقوف یا سرے سے باطل ہو گا؟ اظہر یہ ہے کہ عقد باطل ہو گا جیسا کہ علی بن جعفر کی روایت میں اس بطلان کی تصریح موجود ہے (تہذیب الاحکام) اور یہی قول احتیاط کے موافق ہے واللہ العالم۔

مسئلہ ۷۔ منجملہ ان حرام عورتوں کے جن کا تذکرہ صراحۃً قرآن میں موجود ہے ایک شوہردار عورت بھی ہے۔ **والمحصنت من النساء الا ما ملکت ایمانکم کتب اللہ علیکم** (تم پر وہ عورتیں بھی حرام ہیں جو دوسروں کے عقد میں ہیں مگر (وہ شوہردار جو کافروں کے ساتھ جہاد میں تمہاری قبضے میں آئی ہوں یہ خدا کا تحریری حکم ہے) (پ 5 سورہ النساء)

لہٰذا اگر کوئی شخص یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ عورت شوہردار ہے اس سے عقد نکاح کرے تو اس کا یہ عقد نکاح باطل ہو گا اور عورت اس پر حرام موبد ہو جائے گی اور اگر جہالت کی وجہ سے ایسا کرے یعنی اسے یہ معلوم نہ ہو کہ شوہردار سے نکاح حرام ہے یا یہ معلوم نہ ہو کہ یہ عورت شوہردار ہے تو پھر صرف نکاح کرنے سے حرمت ابدیہ لازم نہیں آئے گی البتہ مفارقت واجب ہو گی ہاں اگر اس حالت میں اس کے ساتھ مباشرت کر لی تب وہ عورت اس پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائے گی۔

بعینہ یہی حکم اس شخص کا ہے جو عدت رجعی والی عورت سے نکاح کرے۔ (فتدبر)

مسئلہ ۸۔ اس بات پر تو تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ جو زنا عقد صحیح کے بعد کیا جائے وہ سابقہ حلال نکاح پر اثر انداز نہیں ہوتا جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے **لا یفسد الحرام الحلال** کہ بعد والا حرام پہلے والے حلال کو حرام نہیں کرتا (کتب اربعہ) لیکن اختلاف اس میں ہے کہ آیا سابقہ زنا بعد والے نکاح پر اثر انداز ہوتا ہے اور آیا اس پر مصاہرت والے احکام مرتب ہوتے ہیں یا نہ؟

اشہر واظہر قول یہ ہے کہ ہاں اثر انداز ہوتا ہے جیسا کہ کافی و تہذیب میں بروایت محمد بن مسلم حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ سے دریافت کیا گیا۔ **عن رجل یفجر بامراۃ ایتزوج ابنتھا قال لا**

(کہ ایک آدمی ایک عورت سے زنا کرتا ہے کیا وہ اس کی لڑکی سے عقد کر سکتا ہے؟ فرمایا نہ پھر فرمایا ولکن اذا کانت عندہ امراۃ ثم فجر بامہا او ابنتہا او اختہا لم تحرم علیہ امراتہ الحرام لا یفسد الحلال۔

الغرض جب اس کے پاس بیوی موجود ہو اور وہ اس کی ماں یا بیٹی یا بہن سے بدکاری کرے تو اس سے اس کی بیوی حرام نہ ہو گی۔ کیونکہ (بعد والا) حرام (سابقہ) حلال کو حرام نہیں کرتا لہٰذا اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرے تو اس سے مزنیہ کی ماں اور بیٹی زانی پر حرام ہو جائے گی واللہ العالم۔

مسئلہ ۹۔ جو شخص شوہردار عورت یا عدت رجعیہ والی عورت سے زنا کرے تو اگرچہ اسکے بعد اس کا شوہر مرجائے یا اسے طلاق دیدے مگر بالاتفاق وہ اس زانی پر حرام مؤبد ہو جاتی ہے اور کسی وقت اور کسی صورت میں بھی اس کے عقد میں نہیں آسکتی بخلاف طلاق اور عدت وفات والی عورت یا باکرہ لڑکی کے کہ اگر ان کے ساتھ زنا کیا جائے تو بعد ازاں ان سے نکاح کیا جاسکتا ہے البتہ احوط یہ ہے کہ توبہ کے بعد کیا جائے۔

مسئلہ ۱۰۔ جو شخص کسی لڑکے کے ساتھ لواطہ کرے تو اس فاعل پر اس مفعول کی ماں (جس میں دادی نانی سب داخل ہیں) بہن اور بیٹی (جس میں نواسی پوتی سب شامل ہیں) ہمیشہ کیلئے حرام ہو جاتی ہیں مگر یہ کہ پہلے عقد ہو چکا ہو کیونکہ جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ بعد والا حرام پہلے حلال کو حرام نہیں بناتا البتہ فاعل کی ماں بہن اور بیٹی مفعول پر حرام نہ ہو گی اور یہ مسئلہ اتفاقی ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مخفی نہ ہے کہ حدیث میں لفظ ایقاب استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے دخول اور ظاہر ہے کہ دخول صرف بعض حشفہ کے ادخال پر بھی صادق آتا ہے اگرچہ اس سے غسل بھی واجب نہ ہو نیز بناء بر مشہور اس میں بھی کوئی فرق نہیں ہے کہ فاعل و مفعول ہر دو بالغ ہوں یا دونوں نابالغ ہوں یا ایک بالغ اور دوسرا نابالغ ہو نیز ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم رضاعی ماں بہن اور بیٹی کو بھی شامل ہے۔

مسئلہ ۱۱۔ اگر کوئی محرم حالت احرام میں عقد نکاح کرے تو اس کے اس نکاح کے بطلان پر تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ اس سے حرمت ابدی بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ یا نہ؟ مشہور (اور یہی قول مؤید اور منصور ہے) یہ ہے کہ اگر اس کو اس حرمت کا علم تھا اور اس کے باوجود ایسا اقدام کیا تو وہ عورت اس پر حرام مؤبد ہو جائے گی خواہ دخول کرے یا نہ کرے اور اگر جاہل تھا تو پھر حرام مؤبد نہ ہو گی خواہ دخول کرے یا نہ؟ جیسا کہ جناب زرارہ اور داؤد بن سرحان کی روایت صادقیہ میں یہ تفصیل جمیل مذکور ہے جو فروع کافی اور تہذیب الاحکام میں موجود ہے۔

مسئلہ ۱۲۔ جب تک منکوحہ لڑکی پورے نو سال کی نہ ہو جائے بالاتفاق اس کے ساتھ مباشرت

کرنا حرام ہے اور اگر کوئی شخص اس حکم کی مخالفت کرتے ہوئے ایسا کر گزرے تو اب اس میں اختلاف ہے کہ اس کا حکم کیا ہے؟ بعض نے کہا کہ دخول کرتے ہی وہ اس پر حرام مؤبد ہو جاتی ہے اور نکاح ختم ہو جاتا ہے بعض نے کہا کہ حرام تو ہو جاتی ہے مگر نکاح ختم نہیں ہوتا اور اس پر اس کا نان و نفقہ واجب رہتا ہے اور بعض نے یہ قید لگائی ہے کہ یہ احکام صرف افضاء کی صورت میں عائد ہوتے ہیں یعنی جب مباشرت کی وجہ سے اس کے پیشاب اور حیض کا مسلک ایک ہو جائے یا دوسرے ضعیف قول کے مطابق حیض اور پاخانہ کا مسلک ایک ہو جائے بہر حال تمام اقوال و اخبار دیکھنے کے بعد جو بات واضح و آشکار ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ (افضاء) کے بغیر سوائے فعل حرام کا ارتکاب کرنے کے اور کوئی اثر مترتب نہ ہو گا اور اگر (افضا) ہو جائے تو اس سے گو عقد فاسد نہ ہو گا۔ مگر اس کے ساتھ مباشرت ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائے گی لہذا اگر یہ شخص اسے اپنے پاس رکھے اور تازیست اس کا نان نفقہ ادا کرے تو فبہا ورنہ اگر اسے طلاق دے کر فارغ کر دے تو اس پر اس کی دیت ادا کرنا واجب ہو گی۔ ہاں اگر بلوغ کے بعد یہ صورت حال رونما ہو تو پھر اس پر یہ احکام مترتب نہ ہوں گے۔ واللہ العالم۔

مسئلہ ۱۳ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو (بوجہ گرانی حق مہر وغیرہ) اور بغیر شادی کے قوت شہوانیہ کے غلبہ کی وجہ سے فعل حرام کے ارتکاب کا اندیشہ ہو تو وہ کنیز سے نکاح کر سکتا ہے۔ تاہم اگر صبر کرے تو بہتر ہے جیسا کہ یہ پورا مسئلہ پوری وضاحت کے ساتھ قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ میں مذکور ہے۔ **من لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنت المومنات فمما ملکت ایما نکم من فتیا تکم المومنات۔ الی قولہ۔ ذلک لمن خشی العنت منکم وان تصبروا خیر لکم** (پ ۵ س نساء ع ۱)

"اور جس شخص کو مومن (آزاد) بیبیوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو تو پھر مومن لونڈیاں ہی سہی یہ (یہ لونڈی سے نکاح کرنے کی اجازت) اس شخص کیلئے ہے جس کو گناہ کرنے کا اندیشہ ہو اور اگر صبر کرو تو تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔"

لیکن جو کچھ اختلاف ہے وہ اس صورت میں ہے کہ جب ان دو شرطوں میں سے ایک شرط مفقود ہو اور دوسری موجود تو آیا اس صورت میں کنیز سے نکاح کر سکتا ہے یا نہ؟ اس میں تین قول ہیں۔ (۱) حرمت مطلقہ (۲) جواز مع الکراہت ۳ جس کے پاس آزاد عورت موجود ہو اس پر کنیز سے شادی کرنا حرام ہے۔ ان اقوال میں سے پہلا قول اصح الاقوال ہے جس کی علاوہ ظاہر قرآن کے بہت سی روایات سے بھی تائید ہوتی ہے جن میں مذکور ہے کہ **اذا اضطر الیھا فلا باس** (جب مضطر ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ جس شخص کے حبالۂ عقد میں آزاد

عورت ہو اور اس کی جنسی تسکین کیلئے کافی بھی ہو تو اس کیلئے کنیز سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا اور اگر کرے گا تو عقد باطل ہوگا عام اس سے کہ آزاد عورت اس عقد پر پھر راضی ہو یا ناراض لہٰذا یہ صورت عقد فضولی میں داخل نہیں ہے جیسا کہ حلبی کی روایت میں اس بات کی صراحت بھی موجود ہے کہ من تزوج امتہ علی حرۃ فنکاحہ باطل جو شخص آزاد عورت کی موجودگی میں کنیز سے نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ (فروع کافی)

ہاں البتہ اگر پہلے کنیز گھر میں موجود ہو اور پھر آزاد عورت سے نکاح کرنا چاہے تو بالاتفاق یہ عقد صحیح ہے۔ اب اگر تو آزاد عورت نے سب صورت حال کا علم ہونے کے بعد یہ اقدام کیا ہے تو نکاح پختہ متصور ہوگا اور اگر اسے صحیح صورت حال کا علم بعد میں ہو تو اسے اپنے عقد کے فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ جیسا کہ روایات معتبرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ (تہذیب الاحکام' بحارالانوار وغیرہ)

مسئلہ ۱۴۔ ایک آزاد آدمی کیلئے بیک وقت چار بیویوں سے زیادہ کے ساتھ عقد نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور جب چار موجود ہوں تو جب تک ان میں سے کوئی مر نہ جائے یا کسی کو طلاق دے کر فارغ نہ کردے اور اس کی عدت نہ گزر جائے (جبکہ طلاق رجعی ہو) اس وقت تک کسی اور عورت سے نکاح نہیں کر سکتا اور اگر طلاق بائن ہو تو اس میں اختلاف ہے احوط یہ ہے کہ یہاں بھی عدت کے بعد کرے ہاں البتہ اگر طلاق بائن ایسی ہو کہ "جسکی عدت ہی نہیں ہے جیسے غیر مدخولہ عورت تو طلاق کے فوراً" بعد اور عورت سے نکاح کر سکتا ہے جیسا کہ قرب میں روایت موجود ہے۔ البتہ ملک یمین اور عقد منقطع میں کوئی تعداد معین نہیں ہے اسلام کے یہ وہ کھلے ہوئے حقائق ہیں جن میں کوئی اختلاف نہیں ہے اگر اختصار مانع نہ ہوتا تو یہاں تعدد ازدواج کے جواز اور اس کی معقولیت پر مفصل مضمون حوالہ قرطاس کیا جاتا مگر وقت کی تنگ دامنی اور قرطاس کی کمی کا اجازت نہیں دیتی۔

مسئلہ ۱۵۔ پوری تفصیل تو باب الطلاق میں ذکر کی جائے گی انشاءاللہ یہاں اجمالاً" اس قدر بیان کیا جاتا ہے کہ طلاق کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) طلاق سنی اور (۲) طلاق عدی

۱۔ پہلی قسم سے مراد یہ ہے کہ عورت کو شرعی قانون کے مطابق طلاق دی جائے۔ بعد ازاں رجوع کیا جائے یا نہ اور دخول کیا جائے یا نہ؟

۲۔ اور طلاق عدی سے مراد یہ ہے کہ طلاق کے بعد رجوع کیا جائے۔ اور رجوع کے بعد مباشرت کی جائے پھر طلاق دی جائے پھر رجوع اور رجوع کے بعد مباشرت اور پھر طلاق دی جائے مشہور یہ ہے کہ طلاق سنی ہو یا عدی اگر یکے بعد دیگرے تین بار طلاق دی جائے تو جب

تک درمیان میں محلل نہ آئے تب تک عورت اس شخص پر حلال نہیں ہو سکتی۔ اور اگر محلل کے بعد پھر یہی طلاق در طلاق کا سلسلہ شروع ہو جائے تو چھٹی طلاق کے بعد پھر عورت اس طرح حرام ہو جاتی ہے کہ جب تک دوسرا محلل درمیان میں نہ آئے وہ پہلے شوہر پر حلال نہیں ہوسکتی اور اگر دوسرے محلل کے بعد پھر وہ سابقہ طریقہ شروع کردیا گیا تو نویں بار طلاق کے بعد وہ عورت اس شخص پر حرام موبد ہو جاتی ہے۔

مسئلہ ۱۶۔ لعان (جسکی تفصیل کتاب الطلاق میں بیان کی جائے گی) کے بعد عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو جاتی ہے اور ایلاء میں بھی جب تک قسم کا کفارہ ادا نہ کیا جائے۔ اس وقت تک عورت شوہر پر حلال نہیں ہوتی (تفصیل باب الطلاق میں آرہی ہے)

مسئلہ ۱۷۔ مسلمان عورت کا نکاح بالاتفاق کافر بجمیع اقسامہ کے ساتھ جائز نہیں ہے۔ جن اقسام میں خارجی، ناصبی اور غالی بھی شامل ہیں اسی طرح مسلمان مرد کے کتابیہ عورت کے سوا دوسری ہر قسم کی کافر عورتوں کے ساتھ نکاح کی حرمت پر بھی اتفاق ہے جو کچھ اختلاف ہے وہ کتابیہ (یہودیہ اور نصرانیہ وغیرہ) کے بارے میں ہے اس میں چھ قول ہیں۔ (۱) حرمت علی الاطلاق خواہ دائمی عقد ہو یا منقطع (۲) حلت علی الاطلاق دائمی ہو یا منقطع (۳) دائمی نکاح سوائے اضطرار کے ناجائز اور منقطع بحالت اختیار بھی جائز ہے (۴) عقد نکاح بہر حال ناجائز مگر ملک الیمین کے طور پر جائز ہے۔ (۵) عقد منقطع اور ملک الیمین جائز اور دائمی ناجائز (۶) عقد دائمی و منقطع حالت اضطرار میں دونوں جائز اور حالت اختیار میں دونوں ناجائز اور ملک الیمین کی بناء

پر مقاربت جائز ہے۔ اس اختلاف کا سرچشمہ ظواہر آیات و روایات میں اختلاف اور پھر ان کے سمجھنے سمجھانے میں عقول و افہام اور آراء و نظریات کا تصادم ہے مثلاً" قرآن میں ایک جگہ وارد ہے۔

"ولا تنکحوا المشرکٰت حتی یؤمن" مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک ایمان نہ لے آئیں" (سورہ بقرہ) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے مگر دوسری جگہ وارد ہے۔ **والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم** (مائدہ)

تم سے پہلے جن کو کتاب دی گئی ہے ان کی پیا تما بیویاں تمہارے لئے حلال ہیں۔ اس سے اہل کتاب سے نکاح کا جواز ظاہر ہوتا ہے۔

اب جو حضرات جواز کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ دوسری آیت پہلی آیت کی ناسخ ہے اور جو حرمت کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ پہلی آیت اس دوسری کی ناسخ ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اس دوسری کی ناسخ یہ آیت ہے۔ **ولا تمسکوا بعصم الکوافر** "کافرہ عورتوں کے دامن کو مس نہ کرو) اس سے روایات کے اختلاف کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جن میں ہر قسم کی روایات موجود ہیں۔ بہرحال یہ مسئلہ اجمال و اشکال سے خالی نہیں ہے اگرچہ بہت سی روایات سے علی الاطلاق جواز مترشح ہوتا ہے مگر چونکہ یہ عامہ کے نظریہ کے موافق ہیں لہٰذا اختلاف کی صورت میں قانون درایت کے مطابق ترجیح ان اخبار کو دی جائے گی جو حرمت پر دلالت کرتے ہیں جو خود کثیر التعداد ہیں لہٰذا پہلا قول مرجح ہے اور اسی قول کو جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ" جناب شیخ مفیدؒ" جناب شیخ طوسی اور جناب شیخ یوسف بحرانیؒ نے اختیار کیا ہے اور اس کے بعد تیسرا قول قوت سے خالی نہیں ہے واللہ العالم

مسئلہ ۱۸۰۔ مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ اگر کتابیہ عورت (یہودیہ و نصرانیہ وغیرہ) کا شوہر مسلمان ہو جائے عام اس سے کہ پہلے کتابی ہو یا غیر کتابی اور اس کا یہ اسلام لانا قبل از دخول ہو یا بعد از دخول تو بالاتفاق ان کا سابقہ نکاح بحال رہے گا حتی کہ جو فقہاء ابتداءً کتابیہ کے ساتھ نکاح کو جائز نہیں سمجھتے وہ بھی یہاں استدامتہً" اسکے جواز پر متفق ہیں اور اگر عورت غیر کتابیہ ہو تو اس میں تفصیل ہے کہ اگر اس صورت میں شوہر دخول سے پہلے اسلام لائے تو عقد باطل ہو جائے گا اور اگر دخول کے بعد ایسا اتفاق ہو تو عدت کی میعاد گزرنے تک انتظار کیا جائے گا۔ پس اگر اس

اثناء میں عورت بھی اسلام لے آئی تو ان کا سابقہ نکاح بحال رہے گا۔ ورنہ شوہر کے اسلام کے وقت سے عقد باطل متصور ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی غیر مسلمان مرد کی عورت اسلام لے آئے خواہ کتابیہ ہو یا غیر کتابیہ تو اگر یہ اسلام قبل از دخول ہو تو عقد فوراً" باطل ہو جائے گا اور اگر بعد از دخول ہو تو عدت کی مدت گزرنے کا انتظار کیا جائے گا پس اگر اس اثناء میں شوہر اسلام لے آیا تو ان کا سابقہ عقد باقی رہے گا ورنہ عورت کے اسلام کیوقت سے عقد باطل سمجھا جائے گا نیز ان تمام صورتوں میں اگر یہ جدائی قبل از دخول ہوئی ہے تو عورت علی الاقوی مقررہ حق مہر کی حقدار نہ ہوگی اور نہ ہی اس پر عدت واجب ہوگی اور اگر یہ تفریق بعد از دخول واقع ہوئی ہے تو مقررہ زر مہر کی حقدار ہوگی اور اگر مذکورہ بالا صورتوں میں کوئی شخص چار سے زائد عورتوں کی موجودگی میں اسلام لے آئے تو فقط چار عورتیں رکھنے کا مجاز ہوگا اور باقی کو آزاد کرنا پڑے گا بشرطیکہ جن چار کو رکھ رہا ہے۔ ان سے شرعاً" اس کا عقد جائز ہو یعنی محرمات ابدیہ سے نہ ہوں اور نہ ہی جمع بین الاختین کی مانند عارضی حرمت موجود ہو۔

مسئلہ ۱۹۔ مرتد (دین اسلام کو ترک کر کے کسی اور دین کو اختیار کرنے والے) کی دو قسمیں ہیں مرتد فطری، مرتد ملی مرتد فطری سے مراد یہ ہے کہ جس شخص کا نطفہ اس حالت میں منعقد ہو کہ اس کے ماں باپ دونوں یا ان میں سے ایک مسلمان ہو اور وہ بعد از بلوغ اسلام کو خیرباد کہہ کر کوئی اور دین اختیار کرے اور مرتد ملی سے مراد یہ ہے کہ جس کا نطفہ دو کافر ماں باپ کے ملاپ سے منعقد ہو اور بعد از بلوغ خود اسلام لائے اور بعد ازاں اس سے برگشتہ ہو جائے ان میں سے مرتد فطری کا معاملہ زیادہ سنگین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مرتد ہوتے ہی واجب القتل ہو جاتا ہے۔ اور اگر بعد ازاں توبہ بھی کرے تو ظاہری شریعت کے نقطہ نگاہ سے اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی (اگرچہ بینہ و بین اللہ قبول ہو جاتی ہے) لہٰذا اس کا مال وارثوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اور بیوی عدت وفات گزار کر آزاد ہو جاتی ہے یعنی اگر وہ قتل سے بچ بھی جائے تاہم شرعاً" اسے مردہ تصور کیا جائے گا مگر مرتد ملی کا معاملہ اس سے نرم ہے اسے تین دن تک توبہ کرنے کی مہلت دی جائے گی پس اگر اس اثناء میں توبہ کر لے تو فبہا ورنہ مذکورہ بالا کارروائی کی جائے گی۔ اور اگر مرتد عورت ہو تو خواہ فطری ہو یا ملی اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو توبہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ لہٰذا اگر اس نے توبہ کر لی تو فبہا ورنہ اسے حبس دوام میں رکھا جائے گا اور اگر (خدانخواستہ) میاں بیوی دونوں مرتد ہو جائیں۔ تو ان کے عقد کا حکم یہ ہے کہ ان کا یہ ارتداد خواہ فطری ہو یا

ملی اگر قبل از دخول ہو تو نکاح فوراً باطل ہو جائے گا اور اگر یہ ارتداد دخول کے بعد ہو اور شوہر مرتد فطری ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہے کہ فوراً نکاح باطل ہو جائے گا۔ اور عورت عدت وفات گزار کر آزاد ہو جائے گی اور اگر شوہر مرتد ملی ہو یا مرتد ہونے والی عورت ہو خواہ فطری ہو یا ملی تو عدت طلاق کی مدت گزرنے تک انتظار کیا جائے گا۔ اگر اس اثناء میں مرتد نے توبہ کر لی تو سابقہ نکاح بحال اور قائم رہے گا اور اگر توبہ نہ کی تو ارتداد کے وقت سے باطل متصور ہو گا۔ نیز واضح ہو کہ اگر یہ ارتداد اور نکاح کا بطلان قبل از دخول ہو اور عورت کے مرتد ہونے کی وجہ سے ہو تو عورت حق مہر کی مستحق نہ ہو گی۔ ورنہ نصف زر مہر کی حقدار ہو گی اور اگر بعد از دخول یہ صورت حال درپیش آئی تو عورت پورے حق مہر کی مستحق ہو گی۔ واللہ العالم۔

مخفی نہ رہے کہ کفر و ارتداد والے مسائل کی بعض صورتیں اگرچہ غیر منصوص ہیں جسکی وجہ سے اطمینان قلب حاصل نہیں ہوتا۔ **ولکن هذا هوا لمشهور بن الجمهور کما لا یخفی علی اولی الشعور**

عقد متعہ کا جواز اور اس کے احکام کا بیان

اب جب کہ ہم عقد دائمی اور اس کے احکام کے بیان سے فارغ ہو چکے ہیں تو اب ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ عقد کی دوسری قسم یعنی عقد منقطع (متعہ) کا ثبوت اور اس کے جملہ احکام و متعلقہ مسائل پیش کرتے ہیں۔ واللہ الموفق

(۱) جواز متعہ قرآن کی روشنی میں!

ارشاد قدرت ہے۔ **فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن فریضه** (پ ۵ س نساء ع ۱) یعنی "جن عورتوں سے تم تمتع حاصل کرو ان کا حق مہر بطور فریضہ ادا کرو" قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ابی بن کعب اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے۔ **فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی** جن عورتوں سے تم ایک مقررہ مدت تک تمتع حاصل کرو یعنی متعہ کرو اور عبد بن حمید اور ابن جریر نے مجاہد سے تصریح نقل کی ہے کہ یہاں، تمتع سے نکاح متعہ مراد ہے چنانچہ وہ اس آیت مبارکہ **فما استمتعتم به منهن** کی تفسیریوں بیان کرتے ہیں یعنی نکاح المتعہ (ملاحظہ ہو تفسیر در منثور ۲ ص۱۴۰ طبع مصر) علامہ وحید الزمان اپنے ترجمہ قرآن کی ذیلی تفسیر موسوم بہ تفسیر وحیدی کے حاشیہ نمبر ۶ ص ۱۳ پر تحریر فرماتے ہیں (۱) اکثر علماء نے کہا ہے کہ یہ آیت نکاح متعہ کے باب میں اتری

ہے متعہ شروع اسلام میں جائز تھا۔"

(۲) جواز متعہ احادیث کی روشنی میں

(۱) عمران بن حصین بیان کرتے ہیں۔ نزلت آیۃ المتعۃ فی کتاب اللہ ففعلنا ہامع رسول اللہ ولم ینزل قرآن یحرمہ ولم ینہہ عنہا حتی مات ثم قال رجل برایہ ماشاء قال محمد یقال عمر

یعنی اللہ کی کتاب (قرآن) میں متعہ (کے جواز) والی آیت نازل ہوئی اور ہم نے عہد رسالت میں متعہ کیا پھر نہ تو اس کی حرمت کے بارے میں قرآن نازل ہوا اور نہ ہی آنحضرتؐ نے اپنی وفات تک اس کی ممانعت فرمائی حتی کہ ایک مرد نے اپنی ذاتی رائے سے جو چاہا سو کہہ دیا (یعنی اسے حرام قرار دیدیا) محمد (بخاری) کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ وہ مرد عمر ہے (بخاری ج ۳ ص ۷۱ طبع اول مصر کتاب التفسیر بذیل آیت لا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ رازی نے اپنی تفسیر میں اس راز کے چہرہ سے مزید نقاب کشائی کی ہے لکھتے ہیں۔ عن عمران بن حصین قال ان اللہ انزل فی المتعۃ وما نسخہا بایۃ اُخریٰ وامرنا رسول اللہ بالمتعۃ وما نہانا عنہا ثم قال رجل برأیہ ماشاء یرید ان عمر نہی عنہا (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۹ طبع مصر) اس بیان میں واضح الفاظ میں چند حقائق کا اعتراف کیا گیا ہے (ا) جواز متعہ کی آیت کا نزول (ب) اس آیت کی کوئی ناسخ آیت موجود نہیں ہے (ج) پیغمبر اسلام ﷺ نے صحابہ کو متعہ کرنے کا حکم دیا (د) صحابہ نے حکم خدا اور رسول کی تعمیل میں متعہ کیا (ح) عمر بن الخطاب نے اپنی ذاتی رائے سے خدا و رسول کی حلال کردہ چیز کو حرام کیا (صلائے عام ہے یارانِ نکتہ دان کیلئے!)

(۲) جابر بن عبد اللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ کنا نستمتع بالقبضۃ من التمر والدقیق علی عہد رسول اللہ وعہد ابکر و عمر حتی نہی عنہا عمر فی شان ابن حریث (مسلم ج ۱ ص ۴۵۱ طبع مصر) کہ ہم جناب رسول اللہ خدا، ابوبکر اور عمر کے (اوائل خلافت) کے دور میں (بوجہ غربت) مٹھی بھر آٹا یا کھجور کے عوض متعہ کیا کرتے تھے یہاں تک کہ عمر نے ابن حریث کے واقعہ میں اسکی ممانعت کر دی۔

(۳) جواز متعہ اجماع امت کی روشنی میں

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں۔ ان الامۃ مجتمعۃ علی ان نکاح المتعۃ کان جائزا فی الاسلام ولا خلاف فی الامۃ فیہ یعنی تمام امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ نکاح

متعہ اسلام میں جائز تھا اس حقیقت کے بارے میں امت میں کوئی اختلاف نہیں ہے (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۶ طبع مصر)

(۴) جواز متعہ عقل کی روشنی میں

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اور خالق فطرت جانتا تھا کہ ہر شخص ہر وقت سفر و حضر میں عقد دائمی والی بیوی کو ہمراہ نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی ہر شخص اپنے وسائل کی کمی کی وجہ سے مستقل شادی کر سکتا ہے اس لئے بوجہ غلبہ شہوت اس کے گناہ میں مبتلا ہونے کا شدید خطرہ تھا اس لئے خالق فطرت نے اس گناہ وعصیاں کی روک تھام کیلئے یہ عقد موقت جائز قرار دیا اور اگر حضرت ثانی اسے ممنوع قرار نہ دیتے اور اہل جماعت خدا اور رسولؐ کے ارشادات کو پس پشت ڈال کر اس کی پیروی نہ کرتے تو قیامت تک سوائے کسی شقی و بدبخت کے اور کوئی آدمی زنا نہ کرتا۔

جیسا کہ حضرت امیر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ **لو لا ان عمر نهی عن المتعة مازنی الا شقی** یعنی اگر عمر متعہ کی ممانعت نہ کرتے تو ------- شاذ و نادر کسی شقی کے سوا اور کوئی شخص زنا نہ کرتا (بتفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۶ و درمنثور ج ۲ ص ۱۴۰) ایسا ہی جناب عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے **ما کانت المتعة الا رحمة من الله رحم بها امة محمد ولو لا نهيه عنها ما احتاج الی الزنا الا شقی** (تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۱۴۱ نہایہ ابن اثیر ص ۱۹۳ بذیل لغت شقی)

ایک اہم سوال کا جواب

یہاں پہنچ کر ہر عقل و فکر رکھنے والے قاری کے دل و دماغ میں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن وحدیث اور اجماع و عقل متعہ کے جواز و استحسان پر متفق ہیں تو پھر برادران اسلامی آج کیوں اسے حرام و ناجائز سمجھتے ہیں اور کیوں متعہ کو زنا کہتے اور اس کا نام سنکر کان پکڑتے ہیں؟ سابقہ حقائق پر طائرانہ نگاہ ڈالنے سے اس سوال کا جواب محتاج وضاحت نہیں رہتا۔ بلکہ یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ خدا اور رسولؐ کے فرمان کو پس پشت ڈال کر یہ سب کچھ حضرت عمرؓ کی اندھی تقلید و تاسی میں کیا جاتا ہے اور پہلے پہل خدا اور رسولؐ کی حلال کردہ چیز کو حرام قرار دینے کا سہرا انہی جناب کے سر پر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان جیسا جری وجسور شخص ہی اتنی بڑی جرات و جسارت کر سکتا تھا!

نسخ والے خیال کا ابطال

کچھ لوگ اپنے مذہب کی گرتی ہوئی دیوار کو "نسخ" کا سہارا دینے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں۔ مگر ارباب عقل و علم جانتے ہیں کہ یہ سہارا تار عنکبوت سے بھی زیادہ بودا اور کمزور ہے۔ **وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت** (اسکی چار وجوہ ہیں۔ (۱) ابھی اوپر کئی صحابہ کرام کا یہ بیان حقیقت ترجمان نقل کیا جاچکا ہے کہ خدا نے آیت متعہ نازل فرمائی پھر نہ خدا نے اسے منسوخ کیا اور نہ ہی رسولؐ نے اسے ممنوع قرار دیا (۲) نسخ کے سلسلہ میں جو روایات پیش کی جاتی ہیں اولاً" تو وہ اخبار احاد ہیں (جو زیادہ سے زیادہ مفید ظن ہوتی ہیں) ظاہر ہے کہ ظنی چیز کی وجہ سے قطعی چیز (قرآن و سنت سے ثابت شدہ حقیقت) سے دست برداری اختیار نہیں کی جاسکتی اور ثانیا" خود ان روایات کے اندر تضاد و اختلاف پایا جاتا ہے بعض میں ہے کہ یہ متعہ حجتہ الوداع ۱۰ھ میں منسوخ ہوا اور بعض میں ہے غزوہ تبوک ۹ھ میں اور بعض میں غزوہ اوطاس اور بعض میں غزوہ حنین ۸ھ لکھا ہے اور ایک روایت اسے فتح مکہ ۸ھ کا واقعہ قرار دیتی ہے اور دوسری اسے غزوہ خیبر یا عمرۃ القضاء ۷ھ کا واقعہ قرار دیتی ہے اور بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ متعہ دو مرتبہ حلال ہوا۔ اور دو بار منسوخ ہوا۔ (تفصیلات دیکھنے کے خواہشمند حضرات تفسیر کبیر یا تفسیر نیشا پوری اور مناوی شرح جامع صغیر وغیرہ کتب مبسوطہ کی طرف رجوع کریں۔) یہ باہمی اختلاف وتناقص ان روایات کے بطلان کا سب سے قوی برہان ہے۔ ثالثا" ارشاد قدرت ہے **ما ننسخ من آیتہ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا** کہ جب ہم کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں۔ تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لاتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جواز متعہ والی آیت تو قرآن میں موجود ہے اب اس کی ناسخ آیت کہاں ہے؟ کہا جاتا ہے کہ سورہ موحنون اور سورہ معارج میں ہے (مومن وہ ہوتے ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ سوائے اپنی زوجاؤں کے یا مملوکہ کنیزوں کے ؟ اور متعہ والی عورت نہ زوجہ ہے اور نہ مملوکہ کنیز لھذا وہ حرام ہوگی۔ مگر حسب تحقیق انیق آیت کو ناسخ قرار دینا بدو وجہ باطل ہے۔

اولا" اس لئے کہ متعہ والی عورت کو زوجہ قرار نہ دینا بالکل غلط ہے بلکہ وہ **یقینا**" زوجہ ہے (جیسا کہ متعہ کے احکام کے ذیل میں عنقریب اس کی وضاحت کی جائے گی۔ انشہ) اور ثانیا" یہ آیت اس لئے ناسخ نہیں قرار دی جاسکتی کہ یہ سورہ مومنوں اور سورہ معارج میں ہے جو دونوں مکی ہیں اور متعہ کے جواز والی آیت سورہ نساء میں ہے جو کہ مدنی ہے تو کیا کوئی عقل سلیم رکھنے والا آدمی ایک لحہ کیلئے بھی یہ تسلیم کرسکتا ہے کہ منسوخ ہونیوالی آیت بعد میں نازل ہوئی ہو اور

ناسخ پہلے؟ ان هذا الا اختلاق

حضرت ثانی نے چوراہے پر بھانڈا پھوڑ دیا

جو لوگ حضرت ثانی کی کمزور پوزیشن کو سہارا دینے کی ناکام کوشش میں ادھر ادھر ہاتھ پیر مارتے ہیں اور مذبوحی حرکات کرتے ہیں ان پر یہ مشہور مثل صادق آتی ہے کہ "مدعی سست وگواہ چست' یہ حضرات تو آیت متعہ کو منسوخ قرار دینے کیلئے ناسخ آیت تلاش کررہے ہیں اور حضرت ثانی اپنی زبانی برملا بر سر منبر یہ اقرار و اعلان فرما رہے ہیں۔ کہ **متعتان کانتا مشروعتین فی عہد رسول اللہ وانا انھی عنھما متعۃ الحج ومتعۃ النکاح** دو متعے رسول خدا کے زمانہ میں جائز تھے اور میں انکی ممانعت کرتا ہوں ایک متعہ الحج دوسرا متعہ النکاح (تفسیر کبیرج ۳ ص ۲۸۹) فاضل قوشجی نے شرح تجرید میں بجائے "انھی" کے "احرم" لکھا ہے (یعنی میں انھیں حرام قرار دیتا ہوں) انہی ناقابل انکار حقائق کی بناء پر علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص ۷ ۱۳۶ طبع مصر جدید میں واشگاف الفاظ میں اولیات عمر کے ضمن میں تصریح کی ہے۔ کہ "اول من حرم المتعہ" یعنی عمر پہلا شخص ہے جس نے متعہ کو حرام قرار دیا"

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیرما

الحمد اللہ ان ٹھوس اور ناقابل رد حقائق کی روشنی میں قیامت تک متعہ کی حلیت اور اس کا جواز روز روشن سے بھی زیادہ واضح و آشکار ہوگیا۔ **الا علی اکمہ لم یبصر القمرا**

عقد متعہ کے ارکان اربعہ کا بیان

عقد متعہ کے چار ارکان ہیں جن پر متعہ کی عمارت قائم ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔ (۱) صیغہ (۲) محل (۳) مدت اور (۴) مہر بقدر ضرورت ذیل میں ان ارکان کی وضاحت کی جاتی ہے

رکن اول صیغہ = (۱) تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عقد دائم کی طرح عقد منقطع میں بھی صیغہ جاری کرنا ضروری ہے۔ اور وہ تین صیغے ہیں۔ (۱) انکحت (۲) زوجت (۳) متعت پہلے دونوں صیغے عقد دائم و منقطع میں مشترک ہیں یعنی اگر اس کے ساتھ "مدت" کی قید نہ لگائی جائے تو دائم میں اور اگر یہ قید لگائی جائے تو پھر منقطع میں استعمال ہوتے ہیں البتہ تیسرا صیغہ اسی عقد کے ساتھ مخصوص ہے۔ ایجاب عورت یا اس کے وکیل کی طرف سے اور قبول شوہر یا اس کے وکیل کی طرف سے ہوگا اور۔ اگر عورت و مرد خود صیغہ' عقد جاری کریں تو پہلے عورت یوں

کہے۔ متعتک نفسی بالمبلغ المعلوم اور مرد کہے قبلت المتعۃ لنفسی بالمبلغ المعلوم

(۲) اور اگر دونوں کے وکیل صیغہ جاری کریں تو پہلے عورت کا وکیل کہے۔ متعت نفس موکلتی من موکلک فی المدۃ المعلومۃ بالمبلغ المعلوم اور مرد کا وکیل کہے۔ قبلت المتعۃ لموکلی فی المدۃ المعلومۃ بالمبلغ المعلوم۔

(۳) اور اگر ایک ہی شخص دونوں کا وکیل ہو کر صیغہ جاری کرے تو پہلے یوں کہے۔ متعت نفس موکلتی من موکلی فی المدۃ المعلومۃ بالمبلغ المعلوم اور پھر کہے قبلت المتعۃ لموکلی فی المدۃ المعلومۃ بالمبلغ المعلوم۔

(۴) اور اگر عورت کی طرف سے وکیل ہو اور مرد خود قبول کرے تو پہلے عورت کا وکیل کہے۔ متعتک نفس موکلتی فی المدۃ المعلومۃ بالمبلغ المعلوم اور مرد کہے قبلت المتعۃ لنفسی فی المدۃ المعلومۃ بالمبلغ المعلوم۔

(۵) اور اگر عورت خود مرد کو اپنی طرف سے وکیل مقرر کرے کہ اپنے ساتھ متعہ پڑھ دے تو مرد پہلے یوں کہے۔ متعت نفس موکلتی لنفسی فی المدۃ المعلومۃ بالمبلغ المعلوم۔ اور پھر خود ہی کہے۔ قبلت المتعۃ لنفسی فی المدۃ المعلومۃ بالمبلغ المعلوم۔

رکن دوم محل

یعنی وہ عورت جس سے متعہ کرنا مقصود ہے اس کے متعلق نصوص و فتاوی کا اتفاق ہے کہ ہر وہ عورت جس سے عقد دائمی ہو سکتا ہے اس سے عقد متعہ بھی ہو سکتا ہے اور جس عورت سے نسب یا سبب وغیرہ کی وجہ سے نکاح دائمی نہیں ہو سکتا اس سے متعہ بھی نہیں ہو سکتا ان تمام محرمات کی تفصیل سابقاً" عقد نکاح کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

رکن سوم مدت کی تعیین

اس امر پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ مدت کا اس طرح معین کرنا کہ اس میں کمی یا زیادتی کا احتمال نہ ہو۔ عقد متعہ کی صحت کی شرط ہے۔ لہذا اگر صیغہ متعہ جاری کرتے وقت مدت کا تذکرہ نہ کیا جائے تو بعض فقہاء کے نزدیک سرے سے عقد باطل متصور ہوگا۔ اور بعض کا قول یہ ہے (جسے بعض اخبار و آثار کی تائید بھی حاصل ہے) کہ وہ عقد دائمی قرار پائے گا۔ باقی رہی یہ بات کہ وہ مدت کس قدر ہو؟ اسکی قلت یا کثرت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعین طرفین (زن و شوہر) کی رضامندی پر منحصر ہے۔

رکن چہارم حق مہر

اس بات پر تمام فقہاء عظام کا اتفاق ہے کہ حق مہر کا تذکرہ اس عقد کی صحت کی شرط ہے لہٰذا اگر عقد کے ضمن میں اسے نظر انداز کیا گیا تو عقد متعہ باطل متصور ہوگا۔ بخلاف عقد دائم کے کہ وہ اس کے بغیر بھی صحیح ہوتا ہے۔ اور اس صورت میں مہر المثل ادا کرنا پڑتا ہے باقی رہی حق مہر کی تفاصیل کہ کیا ہو؟ اور کسقدر ہو؟ اس کے متعلق عقد دائمی کے ضمن میں جو حقائق بیان کئے جاچکے ہیں ان کی طرف رجوع کیا جائے خلاصہ یہ کہ ہر وہ چیز جسکی کچھ مالیت ہے اور مسلمان کی ملکیت میں داخل بھی ہو سکتی ہے اسے حق مہر قرار دیا جا سکتا ہے اور قلت و کثرت کی کوئی حد معین نہیں ہے بلکہ اس کی تعیین طرفین کی رضامندی پر منحصر ہے۔ پس جس کم و زیاد مقدار پر وہ راضی ہو جائیں وہی کافی ہے۔

"عقد متعہ کے متعلقہ مسائل و احکام کا بیان"

مسئلہ ۱۔ عقد متعہ کے نتیجہ میں جو اولاد پیدا ہوگی۔ ان کو وہی حقوق حاصل ہونگے جو عقد دائمی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد کو حاصل ہوتے ہیں۔

مسئلہ ۲۔ جب متعہ کی مدت ختم ہو جائے یا شوہر ہبہ کر دے تو عورت اگر اس سن و سال میں ہے کہ جسے حیض آنا چاہئے اور آتا بھی ہو تو بناء بر اشہر و اظہر اس کی عدت دو حیض ہے اور اگر کسی وجہ سے نہ آتا ہو تو پھر پینتالیس دن ہے اس سے قبل دوسری جگہ عقد دائم یا منقطع نہیں کر سکتی ہاں البتہ اگر وہی شخص اس سے دوبارہ متعہ یا عقد نکاح کرنا چاہے تو عدت کے اندر کر سکتا ہے اور اگر اثناء متعہ میں شوہر مرجائے تو اشہر و اظہر قول کی بناء پر اسے عقد دائمی والی عدت یعنی چار ماہ اور دس دن گزارنی پڑے گی اور اگر حاملہ ہو تو پھر ابعد الا جلین (وضع حمل اور چار ماہ و دس دن) میں سے جو زیادہ ہوگی اسکا لحاظ رکھا جائے گا۔

مسئلہ ۳۔ متعہ میں طلاق نہیں ہے بلکہ صرف مدت گزرنے یا ہبہ کر دینے سے میاں بیوی میں جدائی واقع ہو جاتی ہے۔

مسئلہ ۴۔ عقد متعہ میں توارث نہیں ہے یعنی نہ شوہر عورت کی وراثت پاتا ہے اور نہ عورت شوہر کی ہاں البتہ اگر عقد کے ضمن میں وراثت کی شرط مقرر کردیں تو پھر اشہر و اظہر قول کی بناء پر (جیسے بعض نصوص معصومینؑ کی تائید بھی حاصل ہے) وراثت جاری ہوگی۔ مخفی نہ رہے کہ مخالفین نے متعہ میں وراثت کے نہ ہونے کو اس بات کی دلیل قرار دیا ہے کہ متعہ والی عورت

زوجہ نہیں ہے مگر ان کی یہ دلیل بالکل علیل ہے کیونکہ وراثت زوجیت کا وہ جزو لاینفک نہیں
ہے جو اس سے کبھی جدا نہ ہو سکے۔ چنانچہ اگر شوہر مسلمان اور عورت یہودیہ یا نصرانیہ ہو تو
برادران اسلامی کے نزدیک یہ نکاح صحیح ہے مگر یہاں عورت مرد کی وراثت نہیں پاتی۔ (ملاحظہ ہو
الفقہ علی المذاہب الاربعہ طبع مصر)

مسئلہ ۵۔ متعہ میں اگرچہ عورت راضی نہ ہو تاہم "عزل" کرنا (منی کا رحم سے باہر گرانا یا کوئی
دوسرا ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے نطفہ منعقد نہ ہو) جائز ہے کیونکہ متعہ کی اصلی واولی غرض و
غایت بطریق حلال جنسی خواہش کی تسکین ہے افزائش نسل نہیں ہے (اگرچہ یہ اس کی ثانوی
غرض ضرور ہے)

مسئلہ ۶۔ اگر عقد کے ضمن میں عورت یہ شرط مقرر کرے کہ شوہر دیگر تمام تمتعات حاصل
کرے گا مگر اس سے مجامعت نہیں کرے گا تو اس شرط کے مطابق عمل کرنا ضروری ہوگا۔ ہاں
البتہ اگر عورت بعد میں مجامعت پر راضی ہو جائے تو پھر اسکے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مسئلہ ۷۔ متعہ والی عورت سوائے حق مہر کے کسی دوسرے نان و نفقہ کی مستحق نہیں ہوتی۔ ہاں
البتہ اگر وہ عقد کے ضمن میں نان و نفقہ کی شرط مقرر کرے تو عقد و شرط دونوں صحیح ہوں گے
اور پھر شرط کے مطابق شوہر کو نان و نفقہ دینا پڑے گا۔

مسئلہ ۸۔ اگر مرد عورت کو مدت بخش دے تو اگر مقاربت کر چکا ہے تو پھر تمام مقررہ حق مہر اور
اگر ہنوز مقاربت نہیں کی تھی تو پھر اس کا نصف واجب الادا ہوگا۔

مسئلہ ۹۔ بدکار عورت سے متعہ کرنا مکروہ ہے بلکہ افضل یہ ہے کہ عفیفہ، مؤمنہ اور مأمونہ سے
کیا جائے۔

مسئلہ ۱۰۔ اگر ایک مردہ سنت کے احیاء کی نیک نیت سے متعہ کیا جائے تو احادیث اہلبیتؑ میں
اس کے بے پایاں ثواب وارد ہوئے ہیں۔ **وانما الاعمال بالنیات۔ واللہ العالم وهو الموفق
لکل خیر**

عقد کی تیسری قسم ملکیت

او ما ملکت ایمانهم

اس سے مراد مملوکہ کنیزیں ہیں ارشاد قدرت ہے۔ **والذین هم لفروجهم حافظون الا**

علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم (مومنون)

مومن وہ ہوتے ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیبیوں یا اپنے ہاتھ کے مال یعنی لونڈیوں کے" ان مملوکہ کنیزوں سے مراد کفار کی وہ عورتیں ہیں جو صحیح شرعی جہاد کے نتیجہ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں یا جنہیں مسلمان کفار حربی سے خرید کرلائیں یا اس نسل کی خرید و فروخت فرمائیں تو جس شرع اقدس نے انکحت یا متعت کو مقررہ شرائط کے ساتھ تعلق زوجیت کے جواز کا سبب قرار دیا ہے اسی شرع اطہر نے اس قسم کی ملکیت کو بھی اس تعلق کی حلیت کا باعث قرار دیا ہے۔

مملوکہ غلام کنیزوں کے مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ غلام یا لونڈی کو اپنے آقا کے اذن کے بغیر باہم یا کسی اور جگہ عقد و ازدواج کرنے کا حق نہیں ہے اور اگر کریں گے تو عقد باطل متصور ہوگا۔

مسئلہ ۲۔ جس کنیز کی اس کا مالک کسی جگہ شادی کردے تو اس کے بعد مالک کو اس کے ساتھ مقاربت کرنے کا حق باقی نہیں رہتا۔

مسئلہ ۳۔ غلام ماں باپ کی اولاد بھی غلام متصور ہوتی ہے اور اگر ماں یا باپ میں سے ایک آزاد ہو تو پھر اولاد بھی آزاد متصور ہوتی ہے۔

مسئلہ ۴۔ اگر شادی شدہ مملوکہ (کنیز) آزاد ہو جائے تو اسے اپنا نکاح بحال رکھنے یا فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

مسئلہ ۵۔ مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی مملوکہ کے ساتھ مباشرت کسی شخص کے لئے حلال قرار دے جسے تحلیل کہا جاتا ہے کیونکہ مالک کو اپنے مملوکہ مال میں ہر جائز تصرف کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے۔

مسئلہ ۶۔ مملوکہ کنیزوں میں چار کی کوئی حد بندی نہیں ہے بلکہ ایک ہزار یا اس سے زیادہ بیک وقت رکھی جاسکتی ہیں۔ جیسا کہ عقد متعہ میں بھی یہ پابندی نہیں ہے۔

مسئلہ ۷۔ بیک وقت دو بہنیں یا ماں اور بیٹی ایک شخص کی ملکیت میں داخل تو ہو سکتی ہیں مگر اس صورت میں ان سے مباشرت جائز نہیں ہے۔

مسئلہ ۸۔ جس شخص کی طرف کوئی لونڈی کسی جائز ذریعہ سے منتقل ہو۔ خواہ خرید و فروخت سے ہو یا ہبہ و وراثت وغیرہ سے تو اس سے مقاربت کرنے سے پہلے ایک حیض تک اس کا استبراء

واجب ہے تاکہ سلسلہ نسبت خلط ملط ہونے سے محفوظ رہے۔

خاتمۂ باب

باب النکاح کو ختم کرنے سے پہلے یہاں بطور تتمہ یا لاحقۂ باب دو چیزوں کا بیان کرنا ضروری ہے ایک اولاد کے احکام دوسرے نان و نفقہ کا بیان۔ لہٰذا پہلے ذیل میں اولاد کے احکام ذکر کئے جاتے ہیں۔

اولاد کے احکام اور ان کی تربیت کا بیان

اولاد خواہ زوجہ دائمہ کے بطن سے ہو یا زوجہ متمتعہ کے پیٹ سے' کنیز کے بطن سے ہو یا موطوءۃ باشبہ کے شکم سے تین شرطوں کے ساتھ شوہر' مالک یا وطی باشبہ کرنے والے کی سمجھی جائے گی اور وہ تین شرطیں یہ ہیں۔

۱۔ مرد نے عورت کی اندام نہانی میں اس طرح اپنا ذکر داخل کیا ہو جس سے غسل جنابت واجب ہو جاتا ہے۔ ۲۔ دخول اور ولادت کے درمیان اقل حمل کی مدت گزر جائے جو بالاتفاق چھ ماہ ہے۔ ۳۔ انتہائی مدت حمل کے بعد پیدا نہ ہو۔ اب یہ انتہائی مدت حمل کس قدر ہے اس میں اختلاف ہے بعض فقہاء نے نو ماہ' بعض نے دس ماہ اور بعض نے ایک سال قرار دی ہے اور یہی آخری قول قوی ہے جیسا کہ من لا یحضرہ الفقیہ میں حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے۔ فرمایا ادنی ما تحمل المراۃ لستۃ اشھر و اکثر ما تحمل لسنتہ یعنی کم از کم مدت حمل چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ ایک سال ہے" بناء بریں اگر شوہر نے مباشرت ہی نہ کی ہو یا اگر مباشرت تو کی ہو مگر بچہ کی ولادت چھ ماہ سے پہلے صحیح و سالم واقع ہو جائے یا انتہائی مدت حمل گزر جانے کے بعد پیدا ہو تو ان تمام صورتوں میں وہ اولاد اس شخص کی متصور نہیں ہوگی اور اگر مذکورہ بالا تینوں شرطیں پائی جائیں تو پھر اولاد اسی کی متصور ہوگی۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ اگر اس کے باوجود شوہر انکار کرے گا تو عقد دائم میں بغیر "ملاعنہ" کے اس کی نفی نہ ہوسکے گی اور اگر عقد منقطع یا ملک یمین یا وطی باشبہ والی صورت ہو تو پھر انکار کرنے سے علی الاشہر بغیر ملاعنہ کے اولاد کی نفی ہو جائے گی۔ واللہ العالم

ولادت و مولود کے مستحبات کا بیان

بوقت ولادت ضروری ہے کہ صرف عورتیں یا شوہر عورت کی زچگی کے فرائض انجام

دے ہاں مجبوری کے تحت مرد یہ فرائض انجام دے سکتے ہیں۔ لان الضرورات تبیح المحظورات

۱۔ جب بچہ کی ولادت ہو تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے۔

۲۔ نہر فرات کے اس پانی سے جس میں خاک شفا کی آمیزش ہو گھٹی ڈالی جائے اور اگر فرات کا پانی نہ مل سکے تو پھر دوسرے خالص پانی سے گھٹی ڈالی جاسکتی ہے جس میں شہد یا کھجور کی آمیزش ہو۔

۳۔ مولود کو غسل دیا جائے۔

۴۔ کوئی عمدہ سا نام رکھا جائے۔ (اگرچہ افضل یہ ہے کہ ہنوز بچہ شکم مادر میں ہو تو اس کا نام تجویز کردیا جائے) ورنہ ولادت کے بعد ضرور رکھا جائے جسے ساتویں دن تبدیل بھی کیا جاسکتا ہے اور افضل ترین نام وہ ہیں جن سے خدا کی بندگی ظاہر ہوتی ہو۔ اس کے بعد تبرکاً انبیاؑ و آئمہؑ کے اسماء مبارکہ ہیں۔

ساتویں دن کے مستحبات

۱۔ باضابطہ طور پر مستقل نام رکھا جائے۔ ۲۔ مولود کا سر منڈوایا جائے اور اسکے بالوں کے برابر سونا یا چاندی بطور صدقہ دی جائے۔ ۳۔ عقیقہ کیا جائے افضل یہ ہے کہ عقیقہ کے جانور میں قربانی کے جانور والے شرائط کو ملحوظ رکھا جائے اور اولاد نرینہ کے لئے نر اور مادینہ کے لئے مادہ کا انتظام کیا جائے بہتر یہ ہے کہ عقیقہ کا گوشت پکا کر اہل ایمان کو کھلایا جائے اور کم از کم ان کی تعداد دس اور اگر زیادہ ہوں تو بہتر ہے مولود کے والدین یا دیگر اہل و عیال کے لئے عقیقہ کا گوشت کھانا مکروہ ہے۔

۴۔ مولود کا ختنہ کیا جائے اور اگر اس روز نہ بھی کیا جائے تو بلوغ تک ولی پر ختنہ کرنا مستحب ہے اور بلوغ کے بعد خود آدمی پر واجب ہے۔

۵۔ جب بچہ سات برس کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کا زبانی حکم دیا جائے پس اگر پابند ہو جائے تو فبہا ورنہ دسویں سال اسے مار کر نماز پڑھائی جائے تاکہ سن بلوغ میں قدم رکھتے وقت شروع اتور کا پابند ہوچکا ہو۔ الغرض بچپن ہی سے بچہ کی تعلیم و تربیت اسلامی خطوط پر کی جائے تاکہ وہ بڑا ہو کر اپنے خاندان و اسلام کی نیک نامی کا سبب بن سکے۔ واللہ الموفق

رضاعت کے بعض احکام

مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ ماں پر بچہ کو دودھ پلانا فرض نہیں ہے لہذا اگر وہ شوہر سے اجرت کا

مطالبہ کرے تو اس پر اسکی ادائیگی واجب ہے اور رضاعت کی مکمل مدت دو سال ہے چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ **والوالدت یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراداں یتم الرضاعتہ**

ہاں البتہ ضرورت کے تحت اس میں ایک دو مہینہ کا اضافہ بھی جائز ہے اور کم از کم مدت اکیس ماہ ہے جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہے کہ اس سے کم عرصہ دودھ پلانا بچہ پر ظلم ہے ہاں کسی عقلی یا شرعی ضرورت کے پیش نظر اس سے کم مدت پر اکتفا کیا جاسکتا ہے۔

بچہ کی تربیت کا بیان

نصوص و فتاوی سے بالا تفاق ظاہر ہوتا ہے کہ بچہ کی تربیت کرنے کی دو سال تک تو (جو کہ مدت رضاع ہے) ہر حال میں سب سے زیادہ حقدار اس کی ماں ہے حتی کہ اگر طلاق وغیرہ کی وجہ سے زن و شوہر میں مفارقت واقع ہو جائے تو بھی دو سال تک ماں زیادہ حقدار ہے البتہ مدت رضاع کے بعد اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ لڑکے میں دو سال تک اور لڑکی میں سات سال تک ماں زیادہ حقدار ہے اور اسکے بعد باپ کا حق فائق ہے مگر نصوص میں لڑکے اور لڑکی کی یہ تفریق مذکور نہیں ہے بلکہ ان سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علی الاطلاق سات سال تک ماں اولاد کی تربیت کرنے کی سب سے زیادہ حقدار ہے بنابریں تربیت کی مدت علی الاطلاق سات سال ہوگی مگر اس اولویت کی چند شرطیں ہیں۔ ماں مسلمان ہو جبکہ بچہ مسلمان ہو' آزاد ہو' عاقلہ ہو' عقد ثانی نہ کرے ورنہ اسکے عقد ثانی کرنے کی صورت میں والد زیادہ حقدار ہوگا اور اگر باپ مرجائے یا مملوک ہو یا کافر تو پھر ماں بہر حال دوسرے تمام رشتہ داروں پر مقدم سمجھی جائے گی۔ واللہ الموفق

نان و نفقہ کا بیان اور اس کے احکام

نان و نفقہ کے وجوب کے اسباب تین ہیں۔ زوجیت' قرابت اور ملکیت۔ ذیل میں بقدر ضرورت ان ہرسہ اسباب کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

زوجیت = عقد دائمی میں زوجہ کا نان و نفقہ' سکونتی مکان' طعام اور لباس وغیرہ ضروریات زندگی کا انتظام عرف و عادت اور اپنی پوزیشن کے مطابق شوہر پر واجب ہے بشرطیکہ عورت مطیع و فرمانبردار ہو اور اگر وہ وظیفہ زوجیت کو انجام نہ دے یعنی ناشزہ و نافرمان ہو تو پھر شرعاً اس سے اس کا یہ حق ختم ہو جاتا ہے اور اگر نشوز و نافرمانی ترک کرکے فرمانبردار بن جائے تو پھر مستحق ہو جائے گی۔ مگر نافرمانی کے دور کے نان و نفقہ کی بہرنوع حقدار نہ ہوگی۔ مطلقہ رجعیہ کا نان و نفقہ

بھی شوہر کے ذمہ واجب ہے ہاں البتہ طلاق بائن والی عورت نان و نفقہ کی حقدار نہیں ہوتی۔ مگر یہ کہ حاملہ ہو کہ اس صورت میں وضع حمل تک استحقاق رکھتی ہے۔
اور جس حاملہ عورت کا شوہر مر جائے تو اس کے نان و نفقہ کے وجوب میں اختلاف ہے متاخرین میں مشہور یہ ہے کہ اس کا نان و نفقہ واجب نہیں ہے مگر متقدمین میں مشہور یہ تھا کہ اس کے حمل کے حصہ سے اس کا نفقہ ادا کیا جائے گا۔ بہر حال اخبار و آثار اور فقہاء کبار کے انظار و افکار کے اختلاف کی وجہ سے مسئلہ قالب اشکال میں ہے۔ **وان کان القول المشہور بین المتاخرین لا یخلو من قوۃ عجل اللہ فی فرج من بزیل الاشکال والا جمال واللہ العالم بالحال۔**
قرابت = انسان پر اپنے ماں باپ کا (اور ان کے ماں باپ کا خواہ جس قدر اوپر چلے جائیں) اور اولاد کا اور اولاد کی اولاد کا خواہ جس قدر نیچے چلی جائے) نان و نفقہ بدو شرط واجب ہے اول یہ کہ وہ غریب و نادار ہوں اور کمانے سے عاجز ہوں۔ دوم یہ کہ یہ شخص ملی و مالدار ہو اور ان کے اخراجات برداشت کرنے کی بالفعل یا بالقوہ طاقت و استطاعت رکھتا ہو اگرچہ فقہاء کے کلام سے خرچ کرنے کی یہ ترتیب ظاہر ہوتی ہے کہ سب سے پہلے اپنی ذات پر خرچ کرنا لازم ہے پھر اپنی بیوی پر اور اس کے بعد اپنے قرابت داروں پر مگر نصوص سے یہ ترجیح و تقدیم ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس سلسلہ میں سب میں مساوات و برابری ظاہر ہوتی ہے۔ واللہ العالم
ملکیت = مملوک خواہ انسان ہو (جیسے لونڈی اور غلام) اور خواہ عام حیوان ہو بہر حال اس کی خورد و نوش کا تمام خرچہ مالک پر واجب ہے اب اس میں کوئی فرق نہیں کہ مملوک چھوٹا ہو یا بڑا۔ تندرست ہو یا بیمار۔ صحیح ہو یا عیب دار' مدبر ہو یا مکاتب وغیرہ اور اگر مملوک حیوان ہے تو چاہئے کہ اسے چارہ کھلانے میں کوتاہی نہ کی جائے۔ طاقت برداشت سے زیادہ اس پر بوجھ نہ لادا جائے اور اس پر کسی قسم کی زیادتی نہ کی جائے۔ واللہ یحب المحسنین۔

باب الطلاق

یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقو ھن لعد تھن

شرعی طلاق کا مفہوم

جیسا کہ باب النکاح میں واضح کیا جاچکا ہے کہ ازدواج کے ذریعے سے مرد و عورت میں ایک قسم کا معاہدہ ہو جاتا ہے جسکی طرفین کو پابندی کرنی لازمی ہوتی ہے اس معاہدہ کی رو سے ہر

دو فریق اپنے اپنے مقررہ فرائض کی نگہداشت اور ان کی ادائیگی کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور یہ معاہدہ سوائے خاص حالات کے قابل فسخ نہیں ہوتا۔ ہاں خاص حالات میں جیسے یہ کہ مرد و عورت کی طبیعتوں میں سخت اختلاف ہو۔ عورت بد خلق ہو' بد چلن ہو یا اور کسی معقول وجہ سے باہمی نفرت پیدا ہو جائے اور دونوں کی خانگی زندگی اجیرن ہو جائے تو ان حالات میں شریعت مقدسہ نے مرد کو اس معاہدہ کے توڑنے کا حق دیا ہے اسی کا نام "طلاق" ہے الغرض طلاق صرف اس تفریق کا نام ہے جو کسی سخت ناگزیر معاملہ کے وقت شریعت اسلامیہ نے جائز رکھی ہے یہ کہنا غلط ہے کہ اس معاہدہ کے فسخ کا حق صرف مرد کو دیا گیا ہے بلکہ بعض خاص حالات میں شرع انور نے عورت کو بھی حق دیا ہے کہ حاکم شرع کے پاس حاضر ہو کر حق زوجیت کے تعلق کو قطع کر دے۔ ہاں یہ درست ہے کہ مرد کے اختیار کو نسبتاً" زیادہ محکم رکھا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد و عورت کی فطرت یکساں نہیں ہے اسی لئے تمدن و معاشرت میں ہر دو کے حقوق کا درجہ علیحدہ علیحدہ مقرر کیا گیا ہے لہٰذا اگر عورت کے ہاتھ میں زمام طلاق ہوتی تو ایک ایک دن میں دس دس بار طلاق کی نوبت آتی۔

اسلامی طلاق کا دوسرے مذاہب کی طلاقوں سے تقابل

طلاق صرف مسلمانوں میں ہی نہیں بلکہ دنیا کی تمام اقوام میں طلاق کا سلسلہ جاری ہے جب سے کائنات میں شادی بیاہ کا سلسلہ قائم ہے تب سے طلاق کا سلسلہ بھی جاری و ساری ہے اور جب تک دنیا میں انسان آباد رہیں گے اور ان میں شادی بیاہ کا معاملہ قائم رہے گا تو لامحالہ طلاق و تفریق کا سلسلہ بھی ناگزیر طور پر جاری رہے گا۔ ہاں البتہ اسلامی طلاق اور دوسرے ادیان کی طلاق میں فرق یہ ہے کہ وہاں افراط و تفریط ہے اور یہاں حد اعتدال قائم ہے۔ مثلاً" یہودیوں میں بلا وجہ ادنیٰ ادنیٰ سی بات پر طلاق کو روا رکھا گیا ہے اور نصاریٰ میں بجز زنا جیسے گھناؤنے جرم کے ارتکاب کے اور کسی بھی جانی یا مالی مجبوری کے تحت طلاق جائز نہیں ہے اس لئے ان کی عدالتوں میں جب تک ایک فریق دوسرے کی زنا کاری ثابت نہ کرے یا جب تک سائلہ (اگر وہ طلاق حاصل کرنا چاہتی ہے) کسی غیر مرد کے ساتھ اپنی بدکاری ثابت نہ کرے۔ اس وقت تک اس کی حبالۂ عقد سے گلو خلاصی نہیں ہو سکتی۔ زمانہ جاہلیت میں عربوں کے اندر یہ دستور تھا کہ جب وہ بیوی کو ناپسند کرتے تو اسے چھوڑ کر دوسری بیاہ لاتے مگر جس کو چھوڑتے اس کو گھر سے باہر جانے کی اجازت نہ ہوتی بلکہ نوکرانیوں کی طرح گھر کا کام کاج اس سے متعلق ہوتا۔ نتیجہ یہ

نکلتا کہ جو بیوی کل پلنگ کے نیچے پاؤں نہیں رکھتی تھی آج نئی دلہن کے سامنے گھر میں جھاڑو دینا اور برتن صاف کرنا اس کا کام ہوتا۔ کس قدر حوصلہ شکن نظارہ تھا؟ یا آج ہندوؤں میں طلاق کی رسم نہیں ہے مگر ہوتا کیا ہے بیوی سے نفرت ہوئی ادھر دل بہلانے کے لئے شاہدان بازاری یا دوسری قسم کی عورتوں سے ناجائز تعلقات استوار کئے۔ دوسری طرف بیوی ہے جس سے نہ دید نہ شنید۔ بس گھر کی صفائی اور کھانا پکانا اس کا کام گویا کہ بیوی نہ ہوئی۔ ایک لونڈی ہوئی۔ اسی عذاب و عقاب میں اس کی زندگی تباہ ہو جاتی ہے اس کے بالمقابل اسلامی شریعت کے قانون طلاق کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہود کی افراط اور نصاریٰ و ہنود کی تفریط کے بین بین ہے جسے "صراط مستقیم" کہا جاتا ہے یہی اسلامی شریعت کی وہ خصوصیت ہے جو اسے دوسرے شرائع سے ممتاز کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ وہ خالق فطرت کی مقرر کردہ ہے کہ اس میں انسانی فطرت کو پیش نظر رکھ کر احکام وضع کئے گئے ہیں۔

اسلامی طلاق ایک احسان ہے

الغرض اسلام نے طلاق کے احکام میں اعتدال قائم کرکے مردوں پر بالعموم اور عورتوں پر بالخصوص احسان عظیم کیا ہے تاکہ نباہ نہ ہونے کی صورت میں ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کرکے اور عقد ثانی کرکے اپنی زندگی کو خوشگوار بنانے کی کامیاب کوشش کرسکیں یہ میاں بیوی پر کس قدر ظلم عظیم ہوتا۔ اگر باوجود باہمی نفرت و عداوت اور باوصف اندیشہ فتنہ و فساد اور اختلاف طبائع اور اخلاق کی وجہ سے باوجود خطرہ جنگ و جدال و قتل و قتال ان کو زن و شوہر کے تعلق قائم رکھنے پر مجبور کیا جاتا؟ آخر ازدواجی تعلقات زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے ہیں یا زندگی کو خراب و برباد کرنے اور مصیبت میں پڑنے کے لئے۔

لمحۂ فکریہ = ایک نگاہ اس پر بھی ڈالئے کہ چونکہ طلاق اسلامی اصول اخوت و اتفاق واتحاد کے خلاف ہے اس لئے اسلام نے اسے "ابغض الحلال" قرار دیتے ہوئے اس کی روک تھام میں کوئی امکانی دقیقہ فروگذشت نہیں کیا۔

۱۔ ادھر مرد و عورت میں ناچاکی ہوئی ادھر شریعت نے ہر دو کے رشتہ داروں کو حکم دیا کہ بیچ میں پڑ کر صلح کرائیں۔

۲۔ تین طہر میں طلاق دینا مشروع قرار دیا تاکہ اس دوران دونوں کو سوچنے کا موقع ملے اور جلد بازی میں کوئی غلط قدم نہ اٹھائیں۔

۳۔ تیسری طلاق سے پہلے شوہر کو رجوع کا حق دیا تاکہ مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے۔ تو اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔

۴۔ ایام حیض میں طلاق دینے کو ممنوع قرار دیا تاکہ ایام طہر میں میاں بیوی کی باہمی میل ملاقات سے محبت پیدا ہو جائے اور نفرت زائل ہو جائے اور طلاق تک نوبت نہ آئے۔

۵۔ عورت کو ایام عدت شوہر کے گھر گذارنے کا حکم دیا تاکہ دونوں کو اپنے کسی غلط اقدام کی تلافی کرنے کا موقع فراہم کیا جاسکے۔ **الی غیر ذلک من الحکم المضمرة فی احکام الطلاق التی تظهر بالتامل فیها علی الحاذق**

اب ذیل میں طلاق کے ارکان' اقسام اور اس کے جملہ احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

طلاق کے ارکان کا بیان

اور وہ چار ہیں۔ (۱) مطلّق (طلاق دینے والا) (۲) مطلّقہ (جس کو طلاق دی جارہی ہے) (۳) صیغہ طلاق (۴) شہادت (گواہی) ذیل میں بقدر ضرورت ان ارکان اربعہ کی ترتیب وار کچھ توضیح و تشریح کی جاتی ہے۔

۱۔ پہلا رکن مطلّق۔ طلاق دہندہ میں بناء بر مشہور چار شرطیں معتبر ہیں۔ (۱) پہلی شرط بلوغ۔ جس بچہ کی عمر دس سال سے کم ہے اس کی طلاق تو بالاتفاق درست نہیں ہے۔ جس طرح کہ بالغ کی طلاق کی صحت پر سب کا اتفاق ہے ہاں جو کچھ اختلاف ہے وہ دس سال کے طفل ممیز میں ہے کہ آیا اس کی طلاق صحیح ہے یا نہ؟ متاخرین میں مشہور یہ ہے کہ اس کی طلاق صحیح نہیں ہے۔

مگر ابن بابویہؒ' شیخ طوسیؒ' ابن البراجؒ' اور ابن حمزہؒ' اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک اس کی طلاق صحیح ہے اور یہی قول متقدمین میں مشہور ہے۔ زیادہ تر اخبار و آثار سے (جن میں صحیح' حسن اور موثق سب موجود ہیں) اسی قول کی تائید مزید ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ **یجوز طلاق الصبی اذا بلغ عشر سنین۔** (۱) جب لڑکا دس برس کا ہو جائے تو اس کی طلاق صحیح ہے (کافی) نیز انہیں جناب سے مروی ہے فرمایا۔ **یجوز طلاق الغلام اذا کان قد عقل ووصیتہ وصدقتہ وان لم یحتلم** جب لڑکا عقلمند ہو تو اس کی طلاق اور صدقہ اور وصیت صحیح اور نافذ ہے' اگرچہ ہنوز اسے احتلام نہ ہوتا ہو (یعنی بالغ نہ ہو) اور جن روایات میں وارد ہے کہ "**لیس طلاق الصبی بشئی**" کہ لڑکے کی طلاق درست نہیں ہے تو مجمل کو مفصل اور مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے ان سے مراد وہ لڑکا لیا جائے گا جسکی عمر دس سال سے کم ہو یا جو دس سال کا تو ہو مگر ممیز نہ ہو۔ اس طرح دونوں قسم کی روایات پر عمل ہو جائے گا اور کوئی روایت بھی نظر انداز نہیں ہوگی اور اگر متاخرین والے قول پر عمل کیا جائے تو سابقہ روایات کو نظر انداز کرنا پڑے گا۔ **والجمع مہما امکن اولی من الطرح۔** ہاں ہم احوط یہ ہے کہ قول مشہور کے مطابق عمل کیا جائے۔

۲۔ دوسری شرط عقل نصوص و فتاوی کا اس بات پر اتفاق ہے کہ طلاق دہندہ میں عقل شرط ہے۔ لہٰذا مجنون' سکران (مدہوش) اور بے ہوش کی طلاق صحیح نہیں ہے۔ ہاں البتہ جس شخص کا جنون دوری ہو اور افاقہ کی حالت میں طلاق دے تو اس کی طلاق بالاتفاق درست ہے۔

توضیح

ولی شرعی کو نابالغ بچہ کا عقد کر سکتا ہے مگر اس کی طرف سے بالاتفاق طلاق نہیں دے سکتا۔ ہاں البتہ جو لڑکا حالت جنون میں بالغ ہو اس کی طرف سے ولی طلاق دے سکتا ہے بشرطیکہ اس میں مجنون کی مصلحت مضمر ہو۔

۳۔ تیسری شرط اختیار۔ یعنی طلاق دینے والا اپنے عزم و ارادہ سے طلاق دے۔ لہٰذا مجبور و مکرہ (جس کو جان یا مال یا عزت و ناموس کی دھمکی دے کر اس طرح طلاق دینے پر مجبور کیا جائے کہ اس کا اپنا اختیار ختم ہو جائے) کی طلاق صحیح نہیں ہے جس طرح اس کے دوسرے معاملات

درست نہیں ہیں۔

توضیح

یہ جبرو اکراہ اس وقت ثابت ہوتا ہے جب اس میں تین شرطیں پائی جائیں۔ (۱) دھمکی دینے والا بوجہ قہرو غلبہ اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کی قدرت رکھتا ہو۔ (۲) مجبور اپنی کمزوری کی وجہ سے دفاع کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ (۳) دھمکی اس مجبور شخص یا اس کے متعلقین کے لئے ضرر رساں ہو۔

چوتھی شرط قصد = یعنی طلاق دیتے وقت طلاق کا قصد ہو مقصد یہ ہے کہ جس طرح بلا قصد دوسرے تصرفات و معاملات صحیح نہیں ہوتے۔ اسی طرح بلا ارادہ طلاق بھی درست نہیں ہوتی جیسا کہ روایات آل محمد علیہم السلام میں وارد ہے۔ "لا طلاق الا لمن اراد الطلاق" (کہ ارادہ کے بغیر طلاق نہیں ہوتی۔)

توضیح = اگر طلاق دینے والا غائب ہو تو اس کے لئے تو بلا تفاق اپنی طرف سے صیغہ طلاق جاری کرنے کے لئے وکیل بنانا جائز ہے لیکن حاضر کے لئے ایسا کرنے میں فی الجملہ اختلاف ہے اگرچہ مشہور جواز ہے مگر جناب شیخ طوسیؒ اور دوسرے بعض فقہاء اسے ممنوع قرار دیتے ہیں اور اس سلسلہ میں بعض روایات بھی وارد ہوئے ہیں جو "جمعاً بین الاخبار" کراہت پر محمول ہیں تاہم احوط یہ ہے کہ حتی الامکان اس سلسلہ میں وکیل بنانے سے احتراز کیا جائے بلکہ خود شوہر صیغہ طلاق جاری کرے۔ واللہ العالم

دوسرا رکن مطلقہ = جس عورت کو طلاق دی جارہی ہے اس میں پانچ شرطیں معتبر ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ عورت زوجہ ہو۔ لہٰذا جس عورت سے بوجہ ملک یمین مقاربت کی جائے یا اجنبیہ ہو اس کو طلاق نہیں دی جاسکتی۔ (۲) دوسری شرط یہ ہے کہ عقد دائمی ہو۔ لہٰذا متعہ کو طلاق نہیں دی جاسکتی بلکہ متعہ کی مدت ختم ہونے یا اس کے بخش دینے سے خود بخود متعہ ختم ہو جاتا ہے۔

۳۔ **تیسری شرط** = یہ ہے کہ اس طہر میں طلاق دی جائے جس میں شوہر نے اس کے ساتھ مقاربت نہ کی ہو۔ لہٰذا اگر اس طہر میں طلاق دی جائے جس میں شوہر نے بیوی سے مباشرت کی

ہو تو بالا تفاق یہ طلاق واقع نہ ہوگی ہاں البتہ اس شرط سے پانچ قسم کی عورتیں مستثنیٰ ہیں۔

۱۔ صغیرۃ السن۔ (۲) یائسہ (جس کو بوجہ کبر سنی حیض نہ آتا ہو) (۳) حاملہ۔ (۴) مسترابہ (جو عورت اس سن وسال میں ہو جسے حیض آنا چاہئے۔ مگر کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے اسے حیض نہ آتا ہو۔) ہاں بناء بر مشہور مقاربت سے تین ماہ بعد اسے طلاق دی جا سکتی ہے۔ (۵) جس کا شوہر غائب ہو اسکی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔)

۴۔ چوتھی شرط = یہ ہے کہ عورت معین ہو۔ یعنی جب طلاق دینے والے کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اس صورت میں صحت طلاق کی شرط یہ ہے کہ جس زوجہ کو طلاق دینا ہے اسکی پہلے نام یا اشارہ وغیرہ سے تعیین کی جائے اور اگر سب کو خطاب کرکے کہے۔ "احد یکن طالق" تو بناء بر مشہور و منصور طلاق واقع نہ ہوگی۔

۵۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ عورت حیض و نفاس سے پاک ہو بشرطیکہ عورت مدخولہ ہو اور شوہر حاضر ہو۔ لہٰذا اگر غیر مدخولہ ہو یا گو۔ مدخولہ ہو مگر شوہر حاضر نہ ہو بلکہ غائب ہو تو حالت حیض و نفاس میں بھی طلاق درست ہے۔ ان دو صورتوں کے علاوہ اگر عام حالات میں حیض و نفاس کی حالت طلاق دی گئی تو وہ بالا تفاق صحیح نہ ہوگی۔

مسائل = مسئلہ ۱۔ اس بات میں تو کوئی اختلاف و اشکال نہیں ہے کہ جو آدمی غائب ہے اور وہاں سے اپنی زوجہ کی حالت معلوم نہیں کر سکتا تو اس کی طلاق صحیح ہے اگرچہ فی الواقع حالت حیض میں ہی واقع ہو جو کچھ اختلاف ہے وہ اس بات میں ہے کہ اگر شوہر نے عورت کے طہر میں مباشرت کی اور پھر سفر پر چلا گیا تو اب صحت طلاق کے لئے اس کا صرف سفر میں ہونا کافی ہے یا اس قدر مدت تک انتظار کرنا ضروری ہے کہ عورت کی موجودہ حالت کے تبدیل ہونے کا علم یا ظن حاصل ہو جائے۔ یعنی اتنا انتظار کرے کہ عورت معمولاً اس طہر کے بعد حیض دیکھے اور پھر پاک ہو جائے؟ جناب شیخ مفیدؒ جناب سلارؒ جناب ابن ابی عقیل وغیرہم بلا انتظار طلاق کے جواز کے قائل ہیں اور حضرت شیخ طوسیؒ علامہ حلیؒ محقق حلیؒ، ابن ادریسؒ اور دیگر متاخرین نے ایک ماہ سے تین ماہ تک انتظار کرنے والا قول اختیار کیا ہے یہ مسئلہ اگرچہ بوجہ اختلاف اخبار و انظار قابل اشکال میں ہے مگر آخری قول قرین احتیاط ہونے کی وجہ سے اولی

ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ اگر شوہر نے عورت کے ایسے طہر میں سفر اختیار کیا جس میں اس نے مباشرت نہیں کی تھی تو اس صورت میں بلا اختلاف انتظار کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جب چاہے طلاق دے سکتا ہے۔

مسئلہ ۳۔ ایک شخص حاضر ہو کر بھی عورت کے حالات کوائف معلوم نہیں کر سکتا تو وہ بمنزلہ غائب متصور ہوگا اور ایک حالت سفر میں بھی رہ کر بیوی کے تمام حالات و کوائف معلوم کر سکتا ہے تو وہ بمنزلہ حاضر سمجھا جائے گا۔ کما لا یخفی۔

تیسرا رکن صیغہ۔ یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ نکاح کے ذریعہ سے میاں بیوی کے درمیان جو شرعی تعلق قائم ہوتا ہے جب تک اس کے ختم ہونے کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک اس تعلق کو بحال سمجھا جائے گا۔ نکاح کوئی کچا دھاگہ نہیں ہے کہ جو بات بات پر ٹوٹ جائے اور نہ ہی طلاق کوئی بازیچہ اطفال ہے کہ کسی نے "ڈھیلا پھینک دیا" کسی نے "تو مجھ پر حرام ہے" کہہ دیا کسی نے "میں تجھ سے بری و بیزار ہوں" کہہ دیا کسی نے "کاغذ لکھ کر دے دیا" اور کسی نے بحالت غیظاً و غضب "تو مجھ سے جدا ہے" کہہ دیا تو طلاق واقع ہو گئی۔ نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ایک مخصوص صیغہ ہے اور وہ ہے "طالق" جبکہ اس کے ساتھ کوئی لاحقہ شامل کیا جائے۔ جیسے فلانہ (مطلقہ کا نام لیکر) "طالق" یا انت طالق" یا ھذہ طالق" یا اگر شوہر کا وکیل صیغہ طلاق جاری کرے تو وہ یوں کہے "زوجۃ موکلی طالق"

مسائل واحکام

مسئلہ ۱۔ اس بات میں شدید اختلاف ہے کہ آیا عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں بھی طلاق دی جاسکتی ہے یا نہ؟ جناب شیخ طوسیؒ نے نہایہ میں اور جناب ابن براجؒ اور جناب ابن حمزہؒ نے کہا ہے کہ ہر زبان میں ہر اس لفظ سے طلاق واقع ہوسکتی ہے جو عربی کے لفظ "طالق" کے قائم مقام ہو اور جناب شیخ نے اس پر اس عقلی دلیل کہ (باہمی محاورات و مکالمات میں اصل مقصود مطالب و معانی ہوتے ہیں نہ کہ صرف الفاظ و عبارات" کے علاوہ اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آباؤ اجداد طاہرین علیہم السلام کے سلسلہ سند سے حضرت امیر علیہ السلام سے روایت کی ہے فرمایا "کل طلاق بکل لسان

فهو طلاق" "ہر وہ طلاق جو کسی بھی زبان میں دی جائے وہ طلاق ہے" اور جناب ابن ادریس حلیؒ نے کہا ہے کہ بحالت اختیاری عربی کے سوا کسی اور زبان میں جائز نہیں ہے ہاں بصورت اضطرار جائز ہے اور یہی قول متاخرین میں مشہور ہے اور حضرت علامہ حلیؒ نے کتاب مختلف میں ہر دو فریق کے اقوال و دلائل نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔ **ونحن فی هذه المسئلة من المتوقفین** "کہ ہم اس مسئلہ میں توقف کرنے والوں میں سے ہیں" اگرچہ یہ مسئلہ خاصا پیچیدہ ہے اور حضرت علامہ کا توقف بے جا نہیں ہے تاہم شیخ طوسیؒ کا قول بظاہر قوت سے خالی نہیں ہے بایں ہمہ چونکہ ابن ادریسؒ والا قول احتیاط کے مطابق ہے۔ لہٰذا حتی الامکان یہ احتیاط ترک نہ کی جائے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ مشہور و منصور قول یہ ہے کہ "بحالت اختیاری" کتابت اور تحریر سے طلاق واقع نہیں ہو سکتی۔ ہاں اگر کوئی شخص بول نہیں سکتا جیسے گونگا آدمی تو اس کی طلاق کتابت یا' اشارہ وغیرہ سے ہو سکتی ہے جس طرح اس کے دوسرے معاملات کتابت اور اشارات سے واقع ہوتے ہیں اور اسمیں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۔ صیغۂ طلاق کا منجز ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا اگر اسے کسی شرط (جس کا حصول یا عدم حصول مشکوک ہوتا ہے جیسے حاجی یا زائر کا سفر حج و زیارت سے واپس آنا) یا کسی صفت (جسکا حصول یقینی ہوتا ہے جیسے طلوع آفتاب) پر معلق کیا جائے تو طلاق صحیح نہ ہوگی مثلاً" اگر کوئی شخص یوں کہے کہ اگر فلاں حاجی یا زائر سفر حج یا زیارت سے واپس آگیا۔ یا اگر آفتاب نے طلوع کیا تو تجھے طلاق ہے تو یہ طلاق درست نہ ہوگی۔

چوتھا رکن شھادۃ۔ یعنی طلاق کی صحت کا چوتھا رکن یہ ہے کہ صیغۂ طلاق دو عادل گواہوں کے روبرو جاری کیا جائے۔ لہٰذا اگر دو عادل گواہوں کے روبرو طلاق نہ دی جائے تو بالاتفاق یہ طلاق شرعاً" صحیح نہ ہوگی۔ نیز دونوں گواہوں کا بحالت طلاق مجتمع ہونا ضروری ہے لہٰذا اگر وہ یکے بعد دیگرے آئیں تو یہ کافی نہ ہوگا اس شرط پر بھی نصوص و فتاوی کا اتفاق ہے۔

باقی رہی اس بات کی تحقیق کہ عدالت کا مفہوم کیا ہے؟ اس کی وضاحت باب الصلوۃ کے اندر شرائط پیش نماز کے ضمن میں کی جاچکی ہے۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہاں اس

کے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

طلاق کے اقسام کا بیان

سو واضح ہو کہ طلاق کی چار قسمیں ہیں[1] طلاق بدعت' طلاق سنت پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ طلاق بائن' طلاق رجعی اس رجعی کی پھر دو قسمیں ہیں[1] عدی اور[2] غیر عدی۔

ان اقسام اربعہ کی تعریف

ا۔ طلاق بدعت (جسے طلاق بدعی بھی کہا جاتا ہے) وہ ہے جو قانون شریعت کے مخالف ہونے کی وجہ سے باطل ہو اور یہ تین قسم کی طلاق ہے۔ (۱) حیض و نفاس والی عورت کو طلاق دینا جب کہ شوہر حاضر ہو اور زوجہ کی حالت معلوم ہو۔ یا گو غائب ہو مگر زوجہ کی حالت معلوم کر سکتا ہو۔ (۲) یا اس طہر میں طلاق دینا جس میں شوہر نے مباشرت کی ہو جبکہ زوجہ نہ صغیرہ ہو اور نہ ہی حاملہ اور نہ ہی یائسہ ہو۔ (۳) یا بیک وقت تین[1] طلاق دینا کہ پہلی دونوں صورتوں میں طلاق باطل ہوتی ہے اور آخری صورت میں تین طلاقیں واقع نہیں ہوتیں بلکہ صرف ایک طلاق متصور ہوتی ہے۔

(۲) طلاق سنت (جسے طلاق سنی بھی کہا جاتا ہے) وہ ہے جو قانون شریعت اور سنت نبویہ ﷺ کے مطابق ہونے کی وجہ سے صحیح ہو۔ اس کی پہلی قسم طلاق بائن کا مطلب یہ ہے کہ جس میں طلاق کے بعد شوہر رجوع نہ کر سکے اور اس کی چھ صورتیں ہیں۔ (۱) غیر مدخولہ عورت کی طلاق' (۲) نابالغ لڑکی کی طلاق' (۳) یائسہ عورت کی طلاق' (۴) خلع والی عورت کی طلاق' (۵) مبارات والی طلاق۔ (جب تک خلع و مبارات میں خود عورتیں اپنا دیا ہوا مال واپس نہ لے لیں۔

---

[1] طلاق کے بارے میں خداوند عالم کا واضح ارشاد ہے کہ الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان فان طلقها فلا تحل له حتی تنکح زوجا غیره (پ ۲ س بقرہ ع ۱۲) طلاق (جسکے بعد رجوع بھی ہوسکتا ہے) وہ تو دو طلاقیں ہیں (جو دو دفعہ کر کے دی جائیں) پھر (دو طلاقوں کے بعد یا تو) دستور کے مطابق زوجیت میں رکھنا ہے یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دینا" (ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی) مطلب واضح ہے کہ طلاق یکے بعد دیگرے دو بار دینی چاہئے اور درمیان میں رجعت کی گنجائش ہے نہ یہ کہ صرف لفظ طلاق

ورنہ اس صورت میں رجوع ہو سکتا ہے۔ تفصیلات کا انتظار کریں۔ (۶) جس عورت کو اس طرح تین طلاقیں دی جائیں کہ جن کے درمیان دو مرتبہ رجوع کیا گیا ہو۔ (یہ آزاد عورت میں ہے ورنہ کنیز میں ایسی دو طلاقیں جن کے درمیان ایک مرتبہ رجوع کیا گیا ہو۔ بائن متصور ہوتی ہیں۔)

(۳) طلاق رجعی۔ سے مراد وہ طلاق ہے جس میں شوہر رجوع کر سکتا ہے اور وہ ہر وہ طلاق ہے جو نہ بدعی ہو اور نہ بائن۔ اب رہیں طلاق رجعی کی دو قسمیں۔ عدی اور غیر عدی تو طلاق رجعی عدی (جسے طلاق عدہ بھی کہا جاتا ہے) سے مراد یہ ہے کہ مقررہ شرائط کے ساتھ طلاق دی جائے اور عدت ختم ہونے سے پہلے شوہر رجوع کر کے اسکے ساتھ مقاربت کرے پھر دوسرے طہر میں دوبارہ طلاق دی جائے اور عدت کے اندر دوبارہ رجوع کر کے مباشرت کی جائے اور اس سے

بقیہ حاشیہ ص ۲۱۲

دوبار کہہ دیا جائے چنانچہ باغبان شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حین حیات اور عہد ابی بکر اور عمر بن خطاب کی خلافت کے پہلے دو سالوں میں ایسا ہی ہوتا رہا اس کے بعد انہوں نے کسی خاص پولٹیکل وجہ سے یکبارگی دی جانے والی تین طلاقوں کو ان تین طلاقوں کا قائم مقام قرار دے دیا جو تین ماہ کی مدت میں دی جاتی تھیں۔ چنانچہ صحیح مسلم ج ص ۴۷۷ - ۴۷۸ طبع مصر بسند صحیح عبداللہ ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ

کان الطلاق علی عهد رسول اللہؐ و ابی بکر و سنتین من خلافۃ عمر طلاق الثلاث واحدۃ فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فی امر قد کان لهم فیه اناۃ فلوا مضیناه علیهم۔

"جناب رسول خداؐ ابو بکر اور خلافت عمر کے پہلے دو سالوں میں وہ تین طلاقیں جو یکبارگی دی جائیں ایک طلاق سمجھی جاتی تھیں (دو سال کے بعد) عمر بن الخطاب نے کہا لوگوں نے اس معاملہ میں جلد بازی سے کام لیا ہے جس میں ان کو ڈھیل تھی کیوں نہ ہم اسے ان پر نافذ کردیں؟ چنانچہ پھر نافذ کردیا۔" ایسا ہی سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۶ مستدرک حاکم اور اس کی تلخیص ج ۲ ص ۱۹۶ اور مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۳۱۴ میں مذکور ہے۔ اسی واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مشہور مصری ادیب خالد محمد خالد اپنی کتاب "دیمقراطیہ" کے ص ۱۵ میں لکھتے ہیں۔ ترک عمر بن الخطاب النصوص البینۃ المقدسۃ من القران والسنۃ عند ما دعتہ المصلحۃ لذلک فبینما یقسم القران للمولفۃ قلوبهم حظا" من الزکاۃ ویؤدیہ الرسول وابو بکر یاتی عمر فیقول لا نعطی علی الاسلام شیئا" وبینما الطلاق الثلاث فی مجلس واحد یقع واحدا بحکم السنۃ والاجماع جاء عمر فترک السنۃ وحطم القران۔

یعنی حضرت عمر نے مصلحت وقت کے ماتحت قرآن و سنت کے مقدس نصوص اور پاکیزہ ارشادات کو نظر انداز کردیا۔ مثلاً" قرآن زکوۃ میں سے ایک حصہ مؤلفۃ القلوب کے لئے قرار دیتا ہے جناب رسول خدا اور ابوبکر اسے ادا کرتے ہیں مگر عمر یہ کہہ کر اس حصہ کو ختم کر دیتے ہیں کہ "ہم اسلام پر کسی کو کچھ نہیں دیں گے یا ایک وقت میں واقع ہونے والی تین طلاقیں سنت نبویہ" اور اجماع امت مسلمہ کی رو سے ایک طلاق سمجھی جاتی تھیں مگر عمر سنت نبویہ" کو ترک اور قرآن کو روندتے ہوئے (ان کو تین قرار دے دیتے ہیں) (الشیعۃ فی عقائدهم و احکامهم) فاعتبروا یا اولی الابصار (منہ عفی عنہ)

اگلے طہر میں سہ بارہ طلاق دی جائے۔ اب یہ طلاق بائن بن جائے گی اور اب جب تک درمیان میں محلل نہیں آئے گا یہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی۔ اب اگر محلل کے بعد چوتھی اور پانچویں بار بدستور سابق مزید دو بار طلاق دی جائے اور ہر بار رجوع کرکے مباشرت کی جائے۔ تو چھٹی مرتبہ کے بعد پھر اس شوہر پر حرام ہو جائے گی اور بغیر محلل کے اس کے عقد میں نہیں آسکے گی اور اگر محلل کے بعد ساتویں اور آٹھویں بار اسی سابقہ روش و رفتار کی تکرار کی جائے یعنی طلاق اور طلاق کے بعد رجوع اور رجوع کے بعد جماع۔ تو اب اگر نویں بار بھی اس حماقت کا اعادہ کیا گیا یعنی نویں بار طلاق دی گئی تو پھر بالا تفاق یہ عورت اس مرد پر حرام موبد ہو جائے گی اور کبھی اس کے حبالۂ عقد میں نہیں آسکے گی اس تعریف سے معلوم ہوا کہ طلاق عدی کے دو رکن ہیں۔ رجوع اور مباشرت۔ اگر ان میں سے ایک ختم ہو جائے۔ تو پھر طلاق عدی نہیں رہے گی۔

۳۔ طلاق رجعی غیر عدی اس سے مراد یہ ہے کہ عورت کو طلاق دے کر واگزار کردیا جائے یہاں تک کہ اس کی عدت کی مدت ختم ہو جائے۔ اس کے بعد از سر نو اس سے عقد ازدواج کیا جائے۔ پھر دوبارہ طلاق دے دی جائے اور طلاق کے بعد عورت کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے حتی کہ اس کی عدت کی مدت ختم ہو جائے۔ بعد ازاں اس کے ساتھ عقد جدید کیا جائے اور پھر تیسری بار طلاق دی جائے تو اب جب تک درمیان میں محلل نہیں آئے گا۔ یہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہ ہوگی اور اگر محلل کے بعد پھر یہی سابقہ سلسلہ چلتا رہا تو چھٹی طلاق کے بعد پھر محلل کی ضرورت ناگزیر ہوگی اس کے بعد وہ عورت اس کے عقد میں آسکے گی اور اگر پھر یہی کردار ادا کیا گیا تو نویں مرتبہ پھر محلل کی احتیاج ہوگی۔ سابقہ قسم (عدی اور اس قسم (غیر عدی) کے حکم میں یہی فرق ہے کہ وہاں نویں طلاق کے بعد حرمت ابدی آجاتی ہے اور یہاں گو ہر تیسری بار محلل کی ضرورت پڑتی ہے مگر یہاں حرمت ابدی نہیں آتی گو سو بار اسی روش کی تکرار کی جائے۔

توضیح = اگرچہ اس مسئلہ کو اجماع کی حد تک شہرت حاصل ہے کہ اس صورت میں حرمت ابدی نہیں آتی مگر بعض نصوص سے نویں بار کے بعد حرمت ابدی ظاہر ہوتی ہے اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی مطلقہ عورت سے نویں بار طلاق کے بعد عقد کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ واللہ العالم

محلل کے شرائط کا بیان = محلل کی تحلیل میں چار شرطیں ضروری ہیں اس کے بغیر تحلیل مکمل نہ ہوگی۔ بالغ و عاقل ہو، عقد دائمی ہو۔ لہذا ملک یمین، آقا کی تحلیل یا عقد منقطع کافی نہیں

ہے۔ بطریق معہود مکمل مباشرت کی جائے صرف عقد کافی نہیں ہے اور بعد ازاں مقررہ شرائط کے ساتھ طلاق دی جائے اور عدت گزر جائے تب پہلا شوہر عقد کر سکتا ہے۔

رجوع کرنے کی کیفیت اور اس کے شرائط = طلاق کے بعد جو رجوع کیا جاتا ہے (جو کہ قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ **وبعولتھن احق بردھن فی ذلک ان ارادوا اصلاحا** بشرطیکہ بغرض اصلاح ہو (بقصد ضرار نہ ہو) اس میں ضروری ہے کہ (۱) طلاق رجعی ہو (۲) عدت کے اندر ہو (۳) ایسے قول کے ساتھ ہو جس سے طلاق سے رجوع و عدول ظاہر ہوتا ہو جیسے میں اپنی طلاق سے رجوع کرتا ہوں یا مطلقہ کو اپنی زوجیت میں بحال رکھتا ہوں وغیرہ (۴) یا فعل سے ہو، یعنی اپنی مطلقہ کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ کرے جو شوہر اپنی بیوی کے ساتھ کرتا ہے جیسے بوس و کنار اور ہمبستری وغیرہ۔ یہ فعل اس بات کی دلیل ہوگا کہ اس شخص نے اپنی طلاق سے رجوع کرلیا ہے (۵) بشرطیکہ یہ قول یا فعل کسی سہو یا غفلت کا نتیجہ نہ ہو بلکہ اس شخص نے جان بوجھ کر قصد و ارادہ سے ایسا کیا ہو۔ اس سلسلہ میں روایات مستفیضہ وارد ہوئے ہیں چونکہ یہ مسئلہ اتفاقی ہے اس لئے اس میں کلام کو مزید طول دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ واللہ العالم

مسائل = مسئلہ ۱۔ گونگے آدمی کا رجوع کے سلسلہ میں اشارہ کافی ہے جس طرح اس کے دوسرے تمام معاملات اشارہ سے تکمیل پذیر ہوتے ہیں۔

مسئلہ ۲۔ رجوع میں گواہ مقرر کرنا ضروری نہیں ہیں ہاں مستحب ہیں تاکہ نزاع کی صورت میں اس کا خاتمہ کیا جاسکے اور میراث وغیرہ کے سلسلہ میں ممد معاون ثابت ہوں۔

مسئلہ ۳۔ رجوع میں عورت کو عدت کے اندر اطلاع دینا ضروری نہیں ہے اگرچہ افضل یہ ہے کہ اسے اطلاع دے دی جائے۔

مسئلہ ۴۔ اگر عورت عدم اطلاع کی وجہ سے عقد ثانی کرلے اور پہلا شوہر رجوع کا دعوی کرکے اسے شرعاً ثابت کردے تو عورت کا عقد ثانی باطل متصور ہوگا۔ خواہ دخول سے پہلے انکشاف ہو یا بعد ازاں اور اگر سابقہ شوہر شرعی طریقہ سے رجوع کرنا ثابت نہ کرسکا تو پھر عورت کا عقد ثانی درست متصور ہوگا۔ واللہ العالم

مریض کی طلاق کا بیان نصوص و فتاوی اس امر پر متفق ہیں کہ مریض کے لئے زوجہ کو طلاق دینا مکروہ ہے اس لئے کہ اس میں بیوی کے ضرر کا پہلو نمایاں ہے کیونکہ شوہر کی وفات کی صورت میں اسکی میراث سے زوجہ کی محرومی لازم آتی ہے اور موت اگرچہ ہروقت برحق ہے مگر بموجب "المرض برید الموت" مرض کی صورت میں اس کا امکان زیادہ واضح و عیاں ہوتا ہے۔

اور اگر کوئی مریض ایسا کرے تو گو طلاق واقع ہو جائے گی مگر (اس شخص کے عزم و ارادہ کے برعکس) طلاق کے بعد اگر ایک سال تک بھی وہ اس مرض میں مبتلا رہ کر فوت ہو گیا تو عورت اس کی میراث سے حصہ پائے گی۔ خواہ طلاق رجعی ہو اور خواہ بائن بشرطیکہ عورت طلاق کے بعد عقد ثانی نہ کرلے یا جب تک طلاق دہندہ اس مرض سے شفایاب نہ ہو جائے یا مرض ایک سال سے متجاوز نہ ہو جائے اور بناء بر ایک روایت کے ایسی عورت میراث پانے کے بعد چار ماہ اور دس دن تک عدت وفات بھی گزارے گی۔ واللہ العالم

اسی طرح اگر یہ مطلقہ مرگئی تو اس کا شوہر (طلاق دہندہ) بدو شرط اس کی میراث پائے گا۔ (۱) طلاق رجعی ہو (۲) عورت کا انتقال عدت کے اندر ہوا ہو۔ کیونکہ مطلقہ رجعیہ شرعاً" زوجہ کے حکم میں ہوتی ہے۔

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی مریض حالت مرض میں کسی عورت سے نکاح کرے اور پھر اسی بیماری کے دوران مرجائے خواہ اسی بیماری کی وجہ سے مرے یا کسی اور سبب سے تو بالاتفاق نکاح کی صحت دخول پر موقوف ہوگی۔ یعنی اگر نکاح کے بعد شوہر نے اس عورت سے دخول کیا ہے تو نکاح صحیح

متصور ہوگا اور اس پر میراث وغیرہ آثار نکاح مترتب ہوں گے اور اگر دخول کے بغیر مرد کا انتقال ہوگیا تو نکاح باطل تصور کیا جائے گا اور عورت کو اسکی میراث نہیں ملے گی۔

عدت اور اس کے علل و اسباب و تفصیلات اور احکام

مخفی نہ رہے کہ عدت اس مخصوص مدت کو کہا جاتا ہے جو کوئی عورت طلاق حاصل کرنے' مدت متعہ گزرنے یا وطی باشبہ کرنے یا شوہر کی وفات کے بعد گزارتی ہے اور اس کے تین علل و اسباب ہیں۔

اول یہ کہ سلسلہ نسب و میراث خلط ملط نہ ہو جائے۔ کیونکہ اگر طلاق یا وفات کے فوراً بعد عورت عقد ثانی کرنے کی مجاز ہوتی ہے اور نو ماہ کے اندر اندر اس کے ہاں بچہ پیدا ہو جاتا تو اس بات کا فیصلہ نہ ہوسکتا کہ وہ پہلے شوہر کا ہے یا دوسرے کا؟ اس طرح بچہ کا نسب مشکوک ہو جاتا اور جہاں اس کا نسب گڈمڈ ہوتا وہاں میراث کا قاعدہ بھی خراب ہو جاتا اور تقسیم ترکہ کے وقت تنازعہ کھڑا ہو جاتا۔

دوم یہ کہ شوہر کی وفات پر حزن و ملال اور قلبی رنج و کلال کا اظہار کیا جائے جو انسانی طبیعت کا صرف اقتضا ہی نہیں بلکہ کسی بھی آدمی کی انسانیت کا اصلی جوہر و خلاصہ ہے اور یہی غرض و غایت وطی باشبہ اور متعہ کی مدت ختم ہونے میں کار فرما ہے۔ کمالا یخفی

سیوم یہ کہ شاید ایام عدت گزرنے سے پہلے میاں بیوی میں مصالحت ہو جائے اور طلاق کی وجہ سے نہ صرف دو فردوں میں بلکہ دو خاندانوں میں جو نفرت و عداوت پیدا ہوتی ہے (جو منشاء اسلام کے منافی ہے) وہ ختم ہو جائے اور اسکی جگہ مہر و محبت آجائے اور خانہ آبادی کا باعث بن جائے۔

عدت طلاق = طلاق وغیرہ کی عدت کے وجوب پر آیات' روایات اور فقہاء کے ارشادات متفق ہیں۔ (۱) ارشاد قدرت ہے۔ **والمطلقات یتربصن با نفسهن ثلاثته قروء والائی یئسن من المحیض من نسا نکم ان ار تبستم فعد تهن ثلاثته اشهر والائی لم یحضن واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا" یتربصن بانفسهن اربعته اشهر و عشرا" وان طلقتمو هن من قبل ان تمسوهن فما لکم علیهن من عدته۔ تعتد و نها۔** (پ س ع)

(۱) الغرض آزاد عورت کی عدت طلاق جبکہ مدخولہ اور مستقیمۃ الحیض ہو۔ (ایام ماہواری میں کوئی خلل نہ ہو) اور حاملہ بھی نہ ہو۔ تین قرء ہے چونکہ لفظ قراء اضداد میں سے ہے جس کا اطلاق طہر اور حیض ہر دو پر ہوتا ہے اور آیت مبارکہ میں یہی لفظ وارد ہے۔ **لہذا** کچھ اس وجہ سے اور

کچھ اس لئے کہ روایات میں بھی فی الجملہ اختلاف ہے فقہاء کے آراء مختلف ہیں چنانچہ بعض فقہاء نے تین طہر اور بعض نے تین حیض عدت قرار دی ہے۔ ان میں مشہور و منصور قول (جسے روایات کثیرہ معتبرہ کی تائید بھی حاصل ہے) پہلا قول ہے کہ اس سے مراد تین طہر ہیں بناء بریں پہلا طہر وہ ہوگا۔ جس میں طلاق واقع ہوئی ------ دوسرا طہر پہلے حیض کے بعد شروع ہوگا اور تیسرا طہر وہ ہوگا جو دوسرے حیض کے بعد آئے گا پس جب تیسرا حیض شروع ہوگا۔ تو اسکے ساتھ ہی عدت ختم ہو جائے گی اور عورت عقد ثانی کر سکے گی (اگرچہ مباشرت حیض ختم ہونے کے بعد مباح ہوگی) اور اگر کوئی شخص مزید احتیاط پر عمل کرنا چاہے تو تیسرے حیض کے بعد عقد کرے۔

۲۔ اگر عورت مسترابہ ہے یعنی جس کو کسی وجہ سے حیض نہیں آتا حالانکہ وہ اس سن و سال میں ہے کہ جن میں اسے حیض آنا چاہئے تو اس کی عدت تین ماہ ہے جیسا کہ قرآن و حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔

۳۔ حاملہ عورت کی عدت۔ وضع حمل ہے یعنی طلاق کے بعد جب حاملہ کا وضع حمل ہو جائے تو اسی وقت اسکی مدت ختم ہو جاتی ہے اگرچہ حمل سقط ہی ہو جائے۔ اس صورت میں تین ماہ یا تین قرء کی کوئی پابندی نہیں ہے اور اگر دو بچوں سے حاملہ ہے تو جب تک دوسرا بچہ پیدا نہ ہوگا بناء بر مشہور اس وقت تک اس کی عدت ختم نہ ہوگی۔

۴۔ مسترابۃ الحمل جس مطلقہ عورت کا حمل بوجہ حیض نہ آنے کے مشتبہ ہو یا مطلقہ حمل کا دعویٰ کرے مگر اس کی تائید یا رد میں کوئی شاہد موجود نہ ہو تو متعدد روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس صورت میں نو ماہ تک برابر انتظار کیا جائے گا پھر اگر حمل ثابت ہو گیا تو عورت اس کے وضع کا انتظار کرے گی اور اگر حمل ثابت نہ ہوا تو احتیاطاً" مزید تین ماہ گزار کے آزاد متصور ہو گی اور عقد ثانی کر سکے گی۔

(مسائل و احکام)

مسئلہ ۱۔ تین قسم کی زوجاؤں پر عدت طلاق واجب نہیں ہے۔ (۱) صغیرہ (جسکی عمر ہنوز نو سال مکمل نہ ہو) (۲) غیر مدخولہ (جس کے ساتھ شوہر نے بطریق معہود مباشرت نہ کی ہیں۔ (۳) یائسہ (اس سن و سال کی ہو جائے جس میں فطرتاً" عورت کے حیض کی آمد کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے) اور طبعاً" وہ اس وقت تولید کے قابل نہیں رہتی جو بنابر مشہور ہاشمیہ میں ساٹھ برس اور غیر ہاشمیہ میں پچاس برس ہے۔ (واللہ العالم)

مسئلہ ۲۔ وطی بالشبہہ (خواہ موضوع میں شبہہ ہو جیسے اجنبیہ کو زوجہ سمجھ کر یا حکم میں اشتباہ ہو جیسے سائی سے عقد کو جائز سمجھ کر ہمبستری کی جائے) تو اس کی عدت کی مدت اور اس کے احکام

بجز، آزاد عورت کی عدت والے ہیں (جو اوپر مذکور ہوئے۔ لہٰذا ان کے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے) مخفی نہ رہے کہ ایام عدت میں شوہر کیلئے عورت سے مقاربت کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۔ وطی بالشبہ کے مذکورہ بالا احکام اس وقت نافذ ہوں گے کہ جب جہالت مرد کی طرف سے ہو اور اگر مرد کی طرف سے جہالت نہ ہو بلکہ عمداً بدکاری کرے خواہ عورت کو علم ہو یا نہ ہو تو اس صورت میں عدت لازم نہ ہو گی کیونکہ زنا میں کوئی عدت نہیں ہوتی

مسئلہ ۴۔ متعہ والی عورت کی جب عدت ختم ہو جائے تو اگر مستقیمۃ الحیض ہے تو اس کی عدت دو حیض ہے ورنہ پینتالیس دن ہے۔

مسئلہ ۵۔ طلاق دینے والا حاضر ہو یا غائب عدت کی ابتداء بہرحال طلاق کے وقت سے شروع ہو گی نہ کہ اطلاع کے بعد سے

مسئلہ ۶۔ مملوکہ موطوءہ کی عدت طلاق بھی متمتعہ کی مانند ہے یعنی مستقیمۃ الحیض کی صورت میں دو حیض اور مسترابہ ہونے کی صورت میں پینتالیس دن ہے۔

مطلقہ رجعیہ کے احکام؟

چونکہ مطلقہ رجعیہ کی جب تک عدت نہ گزر جائے تب تک وہ زوجہ کے حکم میں ہوتی ہے اس لئے اس پر زوجہ والے احکام نافذ ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ شوہر پر اس کا نان و نفقہ واجب ہوتا ہے اور اس کے لئے سکنی مکان کا انتظام لازم ہوتا ہے اور جب تک کسی "فاحشہ" کا ارتکاب نہ کرے۔ تب تک شوہر کو اسے مکان سے نکالنے اور عورت کو گھر سے نکلنے کا کوئی حق نہیں ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ **ولا تخرجو هن من بيو تهن ولا يخر جن الا ان يأتين بفاحشة مبينة**

فائدہ

احادیث اہل بیتؑ میں اس "فاحشہ" کی تفسیر دو چیزوں سے کی گئی ہے۔ (۱) شوہر کے گھر والوں کو اذیت دے۔ (۲) زنا کاری کرے نیز مطلقہ عورت کیلئے بغیر کسی سخت ضرورت کے گھر سے باہر نکلنا اور بالخصوص باہر رات گزارنا جائز نہیں ہے اور اگر ضرورت کے تحت نکلنا پڑ جائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ نصف شب کے بعد گھر سے نکلے اور فجر سے پہلے یا دوسرے دن اوائل شب میں واپس گھر لوٹ آئے۔ ہاں اگر اس سے ضروری مقصد بر آری نہ ہو سکے تو پھر باہر شب باشی جائز ہے اور مطلقہ کے لئے "حداد" (سوگ) جائز نہیں بلکہ اس کیلئے زیب و زینت کرنا نہ صرف جائز بلکہ انسب و اولی ہے تاکہ شاید شوہر رجوع کرے اور اصلاح احوال کی کوئی صورت نکل آئے۔ **(ان ارادا اصلاحاً" يوفق الله بينهما)**

عدت وفات کا بیان

زوجہ خواہ دائمی ہو یا منقطعہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ' حاملہ ہو یا غیر حاملہ صغیرہ ہو یا کبیرہ' یائسہ ہو یا غیر یائسہ' مطلقہ رجعیہ ہو یا غیر مطلقہ' آزاد ہو یا مملوکہ سب کیلئے عدت وفات ضروری ہے کیونکہ آیات و روایات کا اطلاق ان تمام اقسام کو شامل ہے البتہ اس کی بعض اقسام کی مدت جدا جدا ہے مثلاً" عقد دائمی والی زوجہ کی بالا تفاق اور عقد متعہ والی عورت کی علی الاشہر الاظہر مدت عدت جبکہ آزاد ہو اور غیر حاملہ چار ماہ اور دس دن ہے۔

اور اگر حاملہ ہے تو پھر چار ماہ دس دن اور وضع حمل میں سے جو مدت ابعد (زیادہ) ہو گی اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ یعنی اگر چار ماہ دس دن گزر جائیں اور ہنوز وضع حمل نہ ہو۔ تو وضع حمل کا انتظار کیا جائے گا اور اگر وضع حمل پہلے ہو جائے اور ہنوز چار ماہ دس دن کی مدت ختم نہ ہوئی ہو تو پھر اس کے ختم ہونے تک توقف لازم ہو گا۔

مملوکہ کنیز کی عدت وفات بنا بر مشہور و منصور آزاد عورت کی نصف یعنی دو ماہ پانچ دن ہے مخفی نہ رہے کہ ماہ سے مراد ہلالی ماہ ہے (جو کبھی تیس دن کا ہوتا ہے اور کبھی انتیس دن کا) اس سے عددی ماہ مراد نہیں ہے (کہ اس ہر ماہ پورے تیس دن کا ہوتا ہے اور اس طرح ایک سو تیس دن بنتے ہیں)

حداد کا بیان

حداد سے مراد ترک زینت ہے مقصد یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو بدن یا لباس میں باعتبار عرف و عادت زیب و زینت شمار ہوتی ہو اس کا ترک کرنا ایام عدت میں اس عورت پر واجب ہے جس کا شوہر وفات پا جائے ہاں البتہ غسل کرنے' بالوں میں کنگھی کرنے اور صاف ستھرا لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مسائل

مسئلہ ۱۔ علی الاقوی اس سلسلہ میں کوئی فرق نہیں ہے کہ زوجہ یا زوج صغیر ہو یا کبیر اور زوجہ عقد دائمی والی ہو یا عقد منقطع والی۔

مسئلہ ۲۔ مذکورہ بالا حکم صرف زوجہ کے ساتھ مخصوص ہے باقی رشتہ دار عورتوں کیلئے حداد کا حکم نہیں ہے۔ البتہ تین دن تک ان کیلئے سوگ منانے کا جواز مروی ہے۔ (تہذیب الاحکام)

مسئلہ ۳۔ علی الاشہر الاظہر مملوکہ بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہے جس پر زرارۃ کی صحیح السند

روایت جو امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے دلالت کرتی ہے۔ (کافی) یعنی اس پر حداد واجب نہیں ہے۔

مسئلہ ۴۔ عورت کو اپنے اسی مکان میں عدت گزارنی چاہئے۔ جس میں شوہر کی وفات کے وقت موجود تھی اور بغیر کسی شدید ضرورت کے اس سے باہر نکلنا سخت مکروہ ہے اور اگر کسی سخت ضرورت کے تحت باہر نکلنا پڑے تو پھر اسی طریقہ پر عمل کرے جو مطلقہ رجعیہ کے متعلق اوپر بیان کیا جا چکا ہے (کہ نصف شب کے بعد گھر سے نکلے اور فجر سے پہلے واپس گھر لوٹ آئے یا دوسرے دن اوائل شب میں واپس آجائے)

مسئلہ ۵۔ اگر شوہر کی وفات کے وقت زوجہ حاضر ہو تو پھر اس کی عدت اسکی وفات کے وقت سے شروع ہو گی اور اگر شوہر غائب ہو تو پھر یہ عدت اس وقت شروع ہو گی جب شرعی طریقہ پر عورت کو اس کی موت کی باضابطہ اطلاع ملے گی۔ واللہ الموفق۔

خاتمۃ المطاف مفقود الخبر شوہر کی زوجہ کے احکام

یہ وہ مسئلہ ہے جس میں برادران اسلامی کے ائمہ اربعہ میں دوسرے اکثر مسائل شرعیہ کی طرح سخت باہمی اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ ان کے امام اعظم کا فتویٰ یہ ہے کہ انسان کی جو طبعی عمر ہے اس تک زوجہ اپنے گم شدہ شوہر کی واپسی کا انتظار کرے گی اس کے بعد چاہے تو عقد ثانی کر سکتی ہے (اس صورت میں قبر سے شادی کرنا زیادہ مناسب رہے گی) اور جہاں تک ائمہ اطہارؑ کے اخبار اور فقہاء ابرار کے آراء و انظار کا تعلق ہے تو مجمل کو مفصل اور مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے بعد جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس کا جامع خلاصہ یہ ہے کہ اگر عورت کو گم شدہ شوہر کی زندگی کا یقین ہو تو پھر اسے بمنزلہ حاضر تصور کرے گی اور اگر اس کی موت کا یقین ہو تو پھر عدت وفات گزار کر عقد ثانی کر سکے گی ہاں معرکۃ الاراء شق یہ ہے کہ جب اس کی موت و حیات میں سے کسی کا یقین نہ ہو تو بنا بر مشہور و منصور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر خرچہ کے لئے مفقود الخبر کا مال موجود ہو یا مفقود کا ولی یا وکیل خرچ ادا کرنے پر رضامند ہو تو پھر عورت پر اس وقت تک صبر کرنا لازم ہے جب تک اسکی موت کا یقین نہ ہو جائے اور اگر خرچہ کی کوئی صورت نہ ہو یعنی نہ تو مفقود الخبر کا کوئی مال ہو اور نہ ہی ولی و وکیل اور اگر ہو تو خرچہ ادا کرنے پر آمادہ نہ ہو تو عورت حاکم شرع کی طرف رجوع کرے گی اور وہ چار سال تک گم شدہ کو تلاش کرے گا اس اثنا میں اگر وہ مل گیا تو فبہا ورنہ حاکم اسکے ولی کو (اگر موجود ہو) طلاق دینے کا حکم دے گا اگر اس نے حسب الحکم طلاق دے دی تو فہو المراد ورنہ خود حاکم شرع شوہر کی طرف سے صیغہ طلاق جاری کر کے عورت کو فارغ کر دے گا۔ اور عورت بناء براظہر عدت وفات گزار کر

آزاد ہو جائے گی اور عقد ثانی کر سکے گی اور اگر عدت کے دوران شوہر آگیا تو اسے رجوع کا حق ہو گا اور اگر عدت کے بعد آیا تو پھر وہ اجنبی متصور ہو گا

اعلام

واضح ہو کہ افضل تو یہی ہے کہ چار سال کی یہ تلاش و جستجو حاکم شرع کی طرف رجوع کرنے کے بعد حاکم کے حکم سے کی جائے لیکن اگر رجوع سے پہلے چار سال گزر جائیں اور ان میں گم شدہ کو باقاعدہ تلاش کیا گیا ہو تو ظاہر ہے کہ وہی تلاش کافی سمجھی جائے گی تاہم پہلا قول احوط ہے۔ (واللہ العالم العاصم)

خلع و مبارات کا بیان

فان خفتم ان لا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ

۱۔ خلع و مبارات کے اجمالی شرائط

خلع اور مبارات طلاق بائن کی ہی دو مخصوص قسمیں ہیں اس لئے اجمالاً" اس قدر سمجھ لینا ضروری ہے کہ طلاق کے جو ارکان ہیں از قسم مطلق و مطلقہ وغیرہ وہی ارکان ان کے ہیں اور جو طلاق کی صحت کے شرائط ہیں وہی ان کی صحت کے ہیں جیسے یہ کہ بنابر مشہور طلاق دہندہ بالغ و عاقل یا کم از کم دس سال کا طفل ممیز ہو اور قاصد و مختار ہو اور مطلقہ حیض و نفاس کی حالت میں نہ ہو بلکہ اس طہر میں ہو جس میں شوہر نے اس سے مقاربت نہ کی ہو اور دو عادل گواہوں کے روبروی جائے وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ خلع و مبارات اور عام طلاق میں فرق

عام طلاق اور ان میں ایک فرق تو یہ ہے کہ وہاں شوہر عورت کو ناپسند کرتا ہے اس لئے وہ اسے طلاق دیتا ہے مگر یہاں عورت شوہر کو ناپسند کرتی ہے اس لئے وہ اس سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ عام طلاق فدیہ کے بغیر ہوتی ہے مگر خلع و مبارات میں عورت فدیہ دے کر طلاق حاصل کرتی ہے۔

۳۔ خلع و مبارات کا باہمی فرق

خلع و مبارات میں باہمی تین فرق ہیں۔ (۱) اول یہ کہ خلع میں صرف عورت مرد کو اس کی کسی ذاتی و مستقل خرابی۔ جیسے اس کی بدصورتی یا بد خلقی یا عارضی (یا کسی ناشائستہ حرکت) کی وجہ سے ناپسند کرتی ہے اور مبارات میں زن و شوہر ہر دو ایک دوسرے کو ناپسند کرتے ہیں۔ (۲) دوم یہ کہ خلع میں جو فدیہ عورت پیش کرتی ہے وہ بقدر حق مہر یا اس سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے مگر

مبارات میں یہ ضروری ہے کہ اسکی مقدار حق مہر سے کم یا زیادہ سے زیادہ اسکے برابر ہو۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ خلع میں عورت کی نفرت اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ مذکورہ ذیل کلمات کہنے میں بھی جھجک محسوس نہیں کرتی۔ اس لئے اس کا فدیہ حق مہر سے زائد بھی ہو سکتا ہے۔ بخلاف مبارات کے کہ چونکہ وہاں عورت اس حد تک گستاخی کا ارتکاب نہیں کرتی۔ اس لئے وہاں زر مہر سے زائد فدیہ جائز نہیں۔"

۳۔ سیوم یہ کہ بناء بر مشہور صیغہ مبارات کے ساتھ لفظ طلاق کا ضمیمہ ضروری ہے اور خلع میں یہ ضمیمہ ضروری نہیں ہے (اگرچہ ائمہ اطہارؑ کے اخبار و اثار سے ان دونوں قسموں کے متعلق یہی ثابت ہوتا ہے مگر احوط یہی ہے کہ دونوں میں قول مشہور کی اتباع کرتے ہوئے لفظ طلاق کا ضمیمہ ساتھ ضم کیا جائے)

خلع و مبارات کا مبنیٰ و ماخذ

ان دونوں قسم کی طلاق کا اصل ماخذ وہ ارشاد خداوندی ہے جس میں فرماتا ہے۔ **ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتمو هن شیا الا ان یخافا الا یقیما حدود الله فان خفتم الا یقیما حدود الله فلا جناح علیهما فیما افتدت به۔**

اور جو کچھ تم ان (بیویوں) کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس لینا تمہارے لئے جائز نہیں مگر یہ کہ زن و شوہر کو اس بات کا خوف ہو کہ وہ اللہ کی مقرر کردہ حدوں پر قائم نہیں رہ سکیں گے تو اس صورت میں عورت اگر (اپنی گلو خلاصی کرانے کے لئے) کچھ عوض دے تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

۵۔ طلاق خلع و مبارات کے صیغہ کا بیان

پہلے خلع کے چند خصوصی احکام کا تذکرہ کیا جاتا ہے اس کے بعد مبارات کا خصوصی تذکرہ کیا جائے گا۔ (ا) خلع میں صیغہ ضروری ہے۔ مخفی نہ رہے کہ فقہاء کرام نے خلع کے خصوصی صیغہ میں بہت کچھ موشگافیاں فرمائی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ معاملہ اس قدر سخت نہیں ہے بلکہ ہر وہ لفظ جس سے مطلب ادا ہو جائے۔ اس سے خلع واقع ہو جاتا ہے۔ طلاق خلع میں (جیسا کہ روایات سے ظاہر ہے) عورت مرد کو اس قدر ناپسند کرتی ہے کہ وہ برملا اس سے کہتی ہے۔ "بخدا میں نہ تیری قسم پوری کروں گی۔ نہ تیری اطاعت کروں گی۔ میں تجھ سے غسل جنابت نہیں کروں گی اور تیری اجازت کے بغیر تیرے بستر پر اس کو لٹاؤں گی جسے تو ناپسند کرے گا۔ اس لئے تو یہ فدیہ لے کر مجھے طلاق خلع دیدے" اس کے جواب میں مرد دو عادل گواہوں کے روبرو کہے۔ انت طالق علی کذا۔ (یہاں اس فدیہ کا نام ــــ جو شوہر زوجہ سے لے کر خلع کر رہا ہے

مثلاً" کہے علی الف روپیہ) یا یوں کہے۔ انت مختلعتہ علی کذا یا فلانۃ طالق علی کذا یا یوں کہے خلعتک علی کذا۔

اور طلاق مبارات میں مرد یوں کہے گا۔ بارأتک علی کذا فانت طالق یا یوں کہے بارأت زوجتی لھی طالق۔

۶۔ فدیہ کا بیان

طلاق خلع یا مبارات میں جو فدیہ شوہر کو دیا جاتا ہے اس کے شرائط بعینہ وہی ہیں جو حق مہر کے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کی کچھ مالیت ہو اور شرعاً" مسلمان کی ملکیت میں داخل ہو سکتی ہو عین ہو یا دین بشرطیکہ مشاہدہ کرنے یا اوصاف بیان کرنے کی وجہ سے اجمالاً" اس طرح معلوم ہو جائے کہ جس سے جہالت رفع ہو جائے وہ حق مہر بھی قرار پا سکتی ہے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ا۔ اگر کسی ایسی چیز کو فدیہ قرار دیا گیا جو مسلمان کی ملکیت میں داخل نہیں ہو سکتی۔ جیسے خمر و خنزیر وغیرہ تو طلاق خلع و مبارات باطل متصور ہوں گی۔

مسئلہ ۲۔ اگر خود زوجہ یا اس کا وکیل فدیہ پیش کرے تو اس کی صحت میں تو کوئی کلام نہیں لیکن اگر کوئی اور شخص فدیہ دیکر طلاق خلع یا مبارات کا مطالبہ کرے تو اس کا جواز محل کلام ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۳۔ مرد کے لئے عورت کو فدیہ دے کر طلاق لینے پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے اور اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ فدیہ کا شرعاً" مالک نہ ہوگا اور یہ طلاق بطور خلع و مبارات صحیح نہ ہوگی۔ البتہ دوسرے شرائط کے اجتماع کی صورت میں طلاق رجعی متصور ہوگی۔ ہاں اگر عورت "فاحشہ" کا ارتکاب کرے جس سے ہر قول یا فعل قبیح بالخصوص زنا مراد ہے تو اس صورت میں شوہر کے لئے اس پر سختی کرنا جائز ہے تاکہ وہ فدیہ دے کر طلاق لینے پر رضامند ہو جائے۔ جیسا کہ نص قرآنی میں موجود ہے۔

۴۔ جیسا کہ ابتداء بحث میں بیان کیا جاچکا ہے کہ خلع و مبارات دونوں طلاق بائن کی قسمیں ہیں لہذا مرد کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا کوئی حق نہیں اور نہ ہی اس طلاق کے بعد زن و شوہر ایک دوسرے کی میراث پا سکتے ہیں۔ ہاں البتہ رجوع کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت نے جو فدیہ دیا ہے وہ مرد کی رضامندی سے عدت کے اندر اس سے رجوع کرلے یعنی اسے واپس طلب کرلے تو اس شکل میں یہ طلاق رجعی بن جائے گی اور مرد کو رجوع کا حق حاصل ہو جائے گا اور اس طرح عدت کے دوران دونوں میں سے جو مرگیا دوسرا اس کی میراث کا حقدار بھی ہوگا۔ بشرطیکہ کسی اور وجہ سے رجوع ممنوع نہ ہو۔ (جیسے زوجہ کا صغیرہ یا غیرمدخولہ یا یائسہ ہونا) کہ ان تینوں صورتوں میں رجوع جائز نہیں ہے۔ اس صورت میں اگر عورت فدیہ بھی لے لے تو نہ طلاق رجعی بن سکے گی اور نہ مرد رجوع کر سکے گا۔ فتأمل

مسئلہ ۵۔ اگر عورت فدیہ واپس نہ لے تو پھر نئے حق مہر کے ساتھ عقد جدید کے سوا زن و شوہر کے تعلقات کو بحال کرنے کا اور کوئی طریقہ کار نہیں ہے۔ واللہ العالم

باب الظہار

(الذین یظاہرون منکم من نسائہم ما ھن امہاتہم)

جاہلیت کے زمانہ میں ظہار کو طلاق اور حرمت ابدی کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے بھی گو اس کی حرمت کو بحال رکھا ہے مگر اس کے حکم میں مناسب ترمیم کردی ہے اس کی اصل قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ ہے الذین یظاہرون منکم من نسائہم ما ھن امہاتہم ان امہاتہم الا اللائی ولدنہم وانہم لیقولون منکراً من القول وزوراً (سورہ مجادلہ)

"تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں وہ ان کی مائیں نہیں بن جاتیں ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے یہ بے ہودہ بات کرتے ہیں۔ (کہ بیویوں کو مائیں کہتے ہیں) اور جھوٹ بولتے ہیں"

ظہار کی کیفیت = اسکی کیفیت یہ ہے کہ "مرد اپنی عورت کو ماں کی پشت سے تشبیہ دیتے ہوئے کہے۔ "انت علی کظہر امی" اقرب یہ ہے کہ اگر "ظہر" (پشت) کے علاوہ دوسرے اعضاء جیسے "بطن" (شکم) "ید" (ہاتھ) "رجل" (پاؤں "شعر" (بال) وغیرہ کے ساتھ تشبیہ دی جائے تو اس کا حکم بھی یہی ہے اسی طرح "ام" (ماں) کے علاوہ اگر دوسرے نسبی محارم (جیسے بیٹی، بہن، خالہ و پھوپھی وغیرہ) سے تشبیہ دی جائے تو اس کا حکم بھی یہی ہے بلکہ دوسرے رضاعی محارم میں بھی اس حکم کا جاری ہونا قوت سے خالی نہیں ہے۔ (لقولہ علیہ السلام یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب) البتہ محرمات سببی میں شدید اختلاف ہے اظہر یہ ہے کہ ان کے ساتھ تشبیہ دینے سے ظہار واقع نہیں ہوتی۔

ظہار کا حکم = ظہار فعل حرام ہے جسے خداوند عالم نے "منکر" اور "قول زور" کہا ہے اور جب اپنے مقررہ شرائط کے ساتھ واقع ہو جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ ظہار کرنے سے زوجہ کے ساتھ مباشرت حرام ہو جاتی ہے اور جب مباشرت کا ارادہ ہو تو پہلے کفارہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے جو ایک غلام کا آزاد کرنا ہے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر ساٹھ روزے اور اگر ان کی بھی طاقت نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اور اگر کفارہ ادا کئے بغیر مقاربت کرے گا تو دوسرا کفارہ لازم ہوگا۔

ظہار کے شرائط = ظہار میں چند شرطیں معتبر ہیں جن میں سے بعض کا تعلق "مظاہر" (ظہار کرنے والے شوہر) کے ساتھ ہے اور بعض کا مظاہرہ (اس بیوی کے ساتھ ہے جس سے ظہار کیا جائے) اور بعض کا تعلق اصل ظہار سے ہے سو واضح ہو کہ مظاہر میں وہی شرطیں معتبر ہیں جو

مطلق (طلاق دہندہ) میں معتبر ہیں۔ مثلاً" بالغ (علی المشہور) عاقل اور صاحب قصد و اختیار ہونا اور غیظ و غضب اور سکر و نشہ کی حالت میں نہ ہونا وغیرہ اور مظاہرہ میں وہی شرطیں معتبر ہیں جو مطلقہ میں ہیں مثلاً" منکوحہ ہو۔ حیض و نفاس کی حات میں نہ ہو۔ (جب کہ شوہر حاضر ہو یا ایسا غائب ہو جو اس کی کیفیت معلوم کر سکتا ہے) اور حالت طہر میں ہو بشرطیکہ اس طہر میں شوہر نے اس سے مباشرت نہ کی ہو۔ علاوہ بریں یہاں مزید دو چیزوں کا اضافہ ہے ایک یہ کہ بناء بر اشہر و اظہر عورت مدخولہ ہو اور اگر غیر مدخولہ ہو تو اس سے ظہار و ایلا واقع نہیں ہو سکتی۔ دوسرے یہ کہ بناء بر مشہور و منصور متعہ والی عورت اور مملوکہ کے ساتھ بھی ظہار ہو سکتی ہے۔ نیز صیغہ ظہار کا دو عادل گواہوں کے روبرو جاری کرنا ضروری ہے اس کے بغیر ظہار ثابت نہیں ہوتی۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر عبد (غلام) ظہار کرے تو یہ مقررہ شرائط کے ساتھ واقع ہو جائے گی۔

مسئلہ ۲۔ اگر قسم کے طور پر ظہار کیا جائے جس سے مقصد متعلقہ آدمی کو کسی کار بد سے روکنا یا کسی کار خیر پر آمادہ کرنا ہو۔ غرضیکہ ظہار کو کسی کام کی بجا آوری یا اس کے ترک کرنے کی جزاء قرار دیا جائے۔ جیسے ان کلمت بکرا فانت علی کظھر امی۔ (اگر تو نے بکر سے کلام کیا تو تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مانند ہوگی) یا "ان ترکت الصلوۃ فانت علی کظھر امی" (اگر تو نے نماز ترک کی تو تو مجھ پر میری ماں کی مانند ہوگی) تو ظہار واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ اولاً" تو مخلوق کے لئے سوائے خدا کی ذات کے اور کسی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ ثانیاً" ظہار اس وقت ظہار ہوتی ہے۔ جب الفاظ سے اسی کا قصد کیا جائے نہ کہ قسم کا۔ کما لا یخفیٰ۔

مسئلہ ۳۔ اگر شوہر ظہار کر دینے کے بعد زوجہ کو رجعی طلاق دے کر رجوع کرے تو اس سے کفارہ کا حکم ساقط نہ ہوگا اور مباشرت سے پہلے اسے ادا کرنا پڑے گا۔ ہاں البتہ اگر اس صورت میں رجوع نہ کرے حتی کہ اس کی مدت گزر جائے اور پھر عقد جدید کے ذریعہ اسے حبالہ عقد میں لائے تو اس صورت میں کفارہ کی ادائگی واجب نہ ہوگی۔ جیسا کہ من لا یحضرہ الفقیہ کی صحیح السند روایت باقریؑ سے واضح ہوتا ہے اگرچہ احوط یہ ہے کہ اس صورت میں بھی کفارہ ادا کیا جائے۔ جیسا کہ فروع کافی کی ایک ضعیف السند روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔

مسئلہ ۴۔ مشہور یہ ہے کہ ظہار منجز ہو اگر اسے کسی شرط یا صفت پر معلق کیا جائے تو اس کی

صحت و بطلان میں اختلاف ہے وان کانت الصحۃ لا تخلو من وجہ واللہ العالم

مسئلہ ۵۔ اگر عورت اپنا معاملہ حاکم شرع کے سامنے پیش کرے تو حاکم شوہر کو تین ماہ کی مہلت دے گا کہ یا تو وہ کفارہ ادا کر کے وظیفہ زوجیت ادا کرے یا طلاق دے کر عورت کو آزاد کر دے۔

واللہ العالم وعلمہ اتم و احکم تم باب الظہار والحمد للہ رب العالمین

باب الایلاء

(اللذین یؤلون من نسائہم تربص اربعۃ اشہر)

ایلاء کی حقیقت = زمانہ جاہلیت میں ایلاء بھی ایک قسم کی طلاق تھی مگر شریعت مقدسہ نے اسکو حرام قرار دیتے ہوئے اس کے لئے کچھ خاص احکام مقرر کئے ہیں جن کے دیکھنے سے یقین کامل ہو جاتا ہے کہ یہ شریعت خالق فطرت کی وضع کردہ ہے۔

ایلاء کے معنی ہیں قسم کھانا اور فقہاء کی اصطلاح میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ شوہر قسم کھائے کہ وہ اپنی زوجہ سے مباشرت نہیں کرے گا۔

ایلاء کے شرائط = ایلاء کی صحت چند شرطوں پر موقوف ہے۔ (۱) قسم کھانے والا عاقل و بالغ اور قاصد و مختار ہو۔ (۲) قسم خداوند عالم کی ذاتی یا صفاتی ناموں کی کھائے۔ (۳) اس قسم کھانے سے مقصد عورت کو ضرر پہنچانا ہو۔ (۴) یہ قسم یا تو ہمیشگی کے لئے ہو یا کم از کم چار ماہ سے زائد مدت کے لئے ہو۔ (۵) زوجہ دائمی ہو۔ (۶) اور مدخولہ بھی ہو۔

ایلاء کے مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ ارشاد قدرت ہے۔ **اللذین یولون من نسائہم تربص اربعۃ اشہر فان فاءوا فان اللہ غفور رحیم وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم۔**

جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھائیں ان کو چار مہینہ کی مہلت دی جائے پس اگر اس مدت میں رجوع کرلیں تو خدا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے اور اگر طلاق کا ارادہ ہو تو تب بھی اللہ سننے اور جاننے والا ہے"

اس ارشاد کے مطابق ایلاء کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر عورت اس مصیبت پر صبرو شکر کر کے بیٹھ رہے تو نبھا ورنہ حاکم شرع کی طرف رجوع کرے گی۔ اور وہ (حاکم) اس کے شوہر کو بلا کر دو باتوں میں سے ایک بات پر مجبور کرے گا یا بیوی سے مباشرت کر کے کفارہ ادا کرے یا پھر

اسکو طلاق دے کر ہمیشہ کے لئے فارغ کردے اور اگر وہ ان دو باتوں میں سے کسی بات پر بھی رضامند نہ ہو تو حاکم اسے اس وقت تک قید و بند میں رکھے گا اور اس پر برابر سختی کرے گا جب تک وہ ان دو باتوں میں سے ایک بات پر رضامند نہ ہو جائے۔

مسئلہ ۲۔ قسم کا کفارہ پہلے قسم کے باب میں گزر چکا ہے کہ وہ بنابر مشہور دس آدمیوں کو کپڑا پہنانا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا تین روزے رکھنا۔

مسئلہ ۳۔ اگر ایلاء کے بعد شوہر اپنی بیوی کو طلاق رجعی دے کر رجوع کرے تو اس سے ایلاء کا حکم ختم نہ ہوگا۔ یعنی مقاربت کے بعد کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ ہاں اگر رجوع نہ کرے یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہو جائے یا طلاق بائن دے اور عدت کے بعد عقد جدید کرے تو اس صورت میں ایلاء کا حکم ختم ہو جائے گا۔ واللہ العالم

باب اللعان

(والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم)

لعان کا مفہوم = جب شوہر اپنی زوجہ پر زنا کی تہمت لگائے یا اپنے فراش پر پیدا ہونے والے بچہ کو اپنا بیٹا' بیٹی تسلیم کرنے سے انکار کردے تو اس سے "لعان" (باہمی لعنت کرنے) کی نوبت آتی ہے اور اس لعان کی چند شرطیں ہیں۔

لعان کے شرائط = (۱) شوہر زوجہ کے زنا کے چشم دید ہونے کا دعویٰ کرے اور عورت اس کا انکار کرے۔ (۲) بینہ (دو عادل یعنی گواہ) موجود نہ ہوں۔ (۳) زوجہ دائمی ہو۔ کیونکہ عقد منقطع میں لعان نہیں ہے۔ (۴) مدخولہ ہو۔ (۵) زوجہ گونگی نہ ہو۔ (۶) زن و شوہر عاقل و بالغ ہوں۔ (۷) لعان حاکم شرع (نبی و امام یا ان کے خصوصی یا عمومی نائب) کے سامنے واقع ہو۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ حاکم شرع پشت بقبلہ ہو کر بیٹھے گا اور مرد اس کے دائیں طرف اور عورت اس کے بائیں طرف کھڑی ہوگی اور پھر وہ دونوں کو مناسب وعظ و نصیحت کرے گا اور اس گناہ کی برائی اور خدا کے قہر و غضب کی بڑائی ان پر واضح کرے گا۔

مسئلہ ۲۔ بہتر یہ ہے کہ حتی الامکان لعان عربی زبان میں واقع ہو۔ ہاں البتہ تعذر کی صورت میں اصل مقصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے دوسری زبان میں بھی کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ ۳۔ اس کی کیفیت جیسا کہ قرآن مجید میں صراحۃً مذکور ہے یہ ہے کہ پہلے مرد چار مرتبہ کہے۔ اشہد باللہ انی لمن الصادقین۔ یعنی میں نے جو اس عورت کی طرف زنا کی نسبت دی ہے یا بچہ کی نفی کی ہے میں خدا کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ میں اس میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ ایک بار کہے۔ لعنۃ اللہ علی ان کنت من الکاذبین۔ (اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو) اس کے بعد عورت چار مرتبہ کہے "اشھد' باللہ انہ لمن الکاذبین۔ (میں خدا کو گواہ کرکے کہتی ہوں کہ اس نے میرے یا میرے بچہ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ اس میں جھوٹا ہے) اور پانچویں بار کہے۔ "ان غضب اللہ علی ان کان من الصادقین" (اگر یہ سچا ہے تو پھر مجھ پر خدا کا قہر و غضب نازل ہو۔)

مسئلہ ۴۔ جب اس طرح ملاعنہ واقع ہو جائے تو اس پر چار آثار مرتب ہوں گے۔ (۱) فی الفور

ان کا نکاح فسخ ہو جائے گا۔

(۲) وہ دونوں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے پر حرام موبد ہو جائیں گے۔ (۳) شوہر سے قذف اور عورت سے زنا والی حد ساقط ہو جائے گی۔ (۴) بچہ کی نفی ہو جائے گی۔

مسئلہ ۵۔ اگر لعان کے بعد شوہر اپنے آپ کو جھٹلاتے ہوئے بچہ کا اقرار کرے تو گو بچہ اس کا وارث قرار پائے گا مگر یہ شخص اس بچہ کا وارث نہ بن سکے گا اور نہ ہی اس سے حرمت ابدیہ والے حکم میں کوئی تبدیلی واقع ہو سکے گی۔ البتہ اس حال میں اس پر قذف والی حد جاری نہ ہوگی۔ بخلاف اس کے اگر لعان مکمل ہونے سے پہلے وہ اپنے آپ کو جھٹلائے تو پھر اس پر قذف والی حد جاری ہوگی۔ **واللہ العالم بحقائق الا حکام او نوابہ الثقلون مقامہ' فی معالم الحلال والحرام**

تم باب الطلاق والحمد للہ رب العالمین

باب الوصیتہ

(ولقد وصینا الذین اوتوا الکتاب من قبلکم وایا کم ان اتقوا اللہ)

وصیت کرنے کی تاکید قرآن و سنت کی روشنی میں

وصیت کرنا صحیح اور تندرست آدمی کے لئے مستحب اور مریض کے لئے سنت موکدہ ہے اور جس شخص کے ذمہ خالق یا مخلوق کے کچھ حقوق واجب الاداء ہوں اس پر ان کے بارے میں وصیت کرنا واجب ہے۔ قرآن و سنت میں وصیت کرنے کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے ارشاد قدرت ہے۔

کتب علیکم اذا حضر احد کم الموت ان ترک خیرا" الوصیتہ للوالدین والا قربین بالمعروف حقا علی المتقین فمن بدلہ بعد ما سمعہ فانما اثمہ علی الذین یبد لونہ ان اللہ سمیع علیم فمن خاف من موص جنفا" او اثما فاصلح بینھم فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم۔ (پ ۲ س بقرہ ع ۶)

اے مسلمانو! تمہیں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے پاس موت آئے اور وہ کچھ مال چھوڑے تو ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں کے حق میں واجبی طور پر اچھی وصیت کرے اللہ سے ڈرنے والوں پر یہ حق ہے پھر جو شخص وصیت کو سننے کے بعد اس میں کچھ تغیرو تبدل کرے گا تو اس کا گناہ انہی لوگوں پر ہوگا جو وصیت کو بدلیں گے۔ بیشک خدا سننے اور جاننے والا ہے اور جس شخص کو وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی کی طرفداری یا کسی کو حق تلفی کا خوف ہو اور انکے درمیان صلح کرادے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ "آیت مبارکہ میں لفظ "کتب" وصیت کے وجوب پر دلالت کرتا ہے (جیسا کہ " کتب علیکم الصیام" میں لفظ "کتب" روزے کے وجوب پر دلالت کرتا ہے) اور لفظ للوالدین والاقربین اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وارثوں کے حق میں بھی وصیت کرنا جائز ہے برادران اسلامی آیت وراثت کے ذریعہ اس آیت کو منسوخ قرار دیتے ہوئے ورثہ کے حق میں وصیت کرنے کو جائز نہیں سمجھتے وہ صرف اغیار کے حق میں اسے مباح قرار دیتے ہیں مگر مہابط وحی و تنزل یعنی وہ زوات مقدسہ جن کے گھروں میں قرآن اترا ہے۔ یعنی سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی بیان کردہ تفسیر سے اس آیت کا منسوخ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے اغیار و اقارب ہر دو کے لئے وصیت کرنا صحیح ہے بلکہ ان رشتہ داروں کے علاوہ جن کو وراثت میں سے کچھ حصہ

نہیں ملتا وصیت کرنے کی تاکید مزید وارد ہوئی ہے چنانچہ بعض روایات میں وارد ہے کہ

"جو شخص مرتے وقت اپنے ان رشتہ داروں کیلئے وصیت نہ کرے جن کو وارثت نہیں ملتی تو اس سے اپنے عمل کا خاتمہ گناہ سے کیا ہے۔ (وسائل الشیعہ)

الغرض احادیث میں وصیت کرنے کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے چنانچہ بعض اخبار میں وارد ہے کہ وصیت ہر مسلمان پر فرض ہے (کتب اربعہ) اور بعض آثار میں وارد ہے۔ **ما ینبغی لا مرءٍ مسلم ان یبیت لیلتہ الا و وصیتہ تحت راسہ**

مسلمان کو چاہئے کہ جب رات کے وقت سوئے تو اس کا وصیت نامہ اس کے تکیہ کے نیچے موجود ہو۔ (وسائل ومستدرک)

اور بعض روایات میں یہاں تک وارد ہے کہ **من مات بغیر وصیتہ مات میتتہ جاھلیتہ**

جو شخص وصیت کے بغیر مرجائے تو اسکی موت جاہلیت کی موت ہوتی ہے (ریاض المسائل)

عقائد حقہ کی وصیت

آدمی کو چاہئے کہ دینی عقائد حقہ کے بارے میں حاضرین کو وصیت کرے چنانچہ کتب اربعہ میں مذکور ہے کہ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام اپنے اباء و اجداد کے سلسلہ سند سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا

"جو شخص موت کے وقت اچھی طرح وصیت نہ کرے یہ اس کی مروت و عقل میں نقص متصور ہوگا" عرض کیا گیا۔ یارسول اللہ! مرنے والا کس طرح وصیت کرے؟ فرمایا جب اس کی موت کا وقت قریب ہو۔ اور اس کے پاس لوگ جمع ہوںتو وہ یوں کہے۔ **اللھم فاطر السموت والارض علم الغیب والشھادۃ الرحمن الرحیم اللھم انی اعھد الیک فی دار الدنیا انی اشھد ان لا الہ الا انت وحدک لا شریک لک وان محمدا عبدک ورسولک وان الجنتہ حق والنار حق ۔**

وان البعث حق والحساب حق والقدر والمیزان حق وان الدین کما وصفت **وان الا سلام کما شرعت وان القول کما حدثت وان القران کما انزلت وانک الحق المبین جزی اللہ محمدا خیر الجزاء وحیّ محمدا وال محمد** با... **ثم اللھم یا عدتی عند کربتی ویا صاحبی عند شدتی ویا ولی نعمتی۔ الٰہی** ولا آبائی ولا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین **الشر و ابعد من الخیر فانس فی القبر وحشتی واجعل لی عھدا یوم القاک منشورا"**

ما ابقیتنی ولا تکلنی الی نفسی اقرب من

اسکے بعد جو کچھ وصیت کرنا چاہے وہ کرے فرمایا اس کی تصدیق سورہ مریم میں موجود ہے ارشاد

قدرت ہے۔ لا یملکون الشفاعۃ الا من اتخذ عندالرحمن عھداً۔
یہ ہے میت کا وہ عہد ---- جسکی وجہ سے آدمی شفاعت کرنے کا مستحق ہوتا ہے لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس وصیت کو یاد کرے اور اس کے مطابق عمل کرے۔ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ وصیت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے تعلیم دی اور فرمایا کہ مجھے یہ وصیت رب جلیل کی طرف سے جناب جبرائیلؑ نے بتائی (کتب اربعہ) واللہ الموفق لکل خیر

اثار موت ظاہر ہونے کے بعد واجبات واسعہ مضیق ہو جاتے ہیں۔

وہ واجبات جن کا وقت بناء بر مشہور پہلے وسیع تھا جیسے نماز روزہ وغیرہ واجبات بدنیہ کی قضا (جنکی باب الصلوٰۃ کے باب القضا میں وضاحت کی جا چکی ہے) علامات موت کے ظاہر ہونے کے بعد ان کی ادائیگی کا وقت تنگ ہو جاتا ہے لہٰذا ان کو فوراً بجا لانا چاہئے اور اگر وقت بالکل تنگ ہو اور حالات حاضرہ انکی ادائیگی کی اجازت نہ دیتے ہوں تو پھر ورثہ وغیرہ کو اس بات کی اطلاع دینا اور ادائیگی کی وصیت کرنا واجب ہے۔ اسی طرح اگر اس کے پاس کسی شخص کی کچھ امانت ہو۔ یا عاریہ وغیرہ کا مال ہو یا کسی کا قرضہ اس کے ذمہ واجب الادا ہو اور ادائیگی کا وقت آچکا ہو تو ان سب کی ادائیگی موت سے پہلے واجب ہے اور اگر کسی وجہ سے ادا نہ کر سکے تو پھر ان کی ادائیگی کی وصیت کرنا اور بشرط ضرورت اس پر گواہ مقرر کرنا واجب ہے تاکہ وہ عند اللہ بری الذمہ ہو سکے اسی طرح اگر کسی سے کچھ لینا ہے تو وہ بھی وصیت میں بتا جائے تاکہ ورثہ کی حق تلفی نہ ہو۔

وصیت کے اقسام

فقہاء نے وصیت کی دو قسمیں بیان کی ہیں (۱) تملیکیہ (۲) عہدیہ۔ وصیت تملیکیہ سے مراد یہ ہے کہ کسی اپنے یا بیگانے شخص یا اشخاص کے حق الخدمت کے طور پر یا دوستی و محبت کی بناء پر یا کسی اور وجہ سے اپنے مال کا کچھ حصہ (جو تمام مال کے ایک ثلث سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے) کی اس کیلئے وصیت کی جائے کہ اسکے مرنے کے بعد اسے دیدیا جائے یا عام فقراء و مساکین یا دیگر کارہائے خیر اور صدقات جاریہ کیلئے وصیت کی جائے۔

اور وصیت عہدیہ سے مراد یہ ہے کہ مرنے والا اپنی تجہیز و تکفین اور تدفین کے بارے میں (کہ مثلاً" اسے فلاں جگہ دفن کیا جائے۔ فلاں چیز کا کفن دیا جائے۔ اور فلاں شخص اس کی

نماز جنازہ پڑھائے وغیرہ یا اپنی نماز و روزہ اور حج وغیرہ واجبات کی ادائیگی کے بارے میں وصیت کرے۔

اب ذیل میں ان دونوں قسموں کے ترتیب وار تفصیلی ارکان و احکام بیان کئے جاتے ہیں تاکہ وصیت کے حقائق بالکل واضح وعیاں ہو جائیں۔

وصیت تملیکیہ کے ارکان و احکام کا بیان

اس قسم کے ارکان چار ہیں (۱) صیغہ وصیت (۲) وصیت کرنے والا (۳) موصی بہ وہ مال جسکی وصیت کی جا رہی ہے ۴ موصی لہ (وہ شخص یا اشخاص جن کے لئے وصیت کی جا رہی ہے۔

۱۔ صیغہ وصیت۔ جہاں تک صیغہ وصیت کا تعلق ہے تو اس میں بڑی وسعت ہے۔ وصیت ہر زبان میں اور ہر اس لفظ کے ساتھ تحریری یا تقریری طور پر کی جا سکتی ہے جس سے اصل مطلب ادا ہو جائے اور جو شخص لکھنے اور بولنے سے معذور ہو اس کیلئے اشارہ کافی ہے

۲۔ موصی ۔ موصی میں چھ شرطیں معتبر ہیں۔ (۱) بلوغ بنا بر مشہور وصیت کے نفاذ میں موصی کا بالغ ہونا شرط ہے اس لئے بچہ کی وصیت نافذ نہیں ہے ہاں البتہ دس برس کے طفل ممیز میں فی الجملہ اختلاف ہے اقوی یہ ہے کہ طلاق کی طرح اس کی وصیت بھی نافذ ہے جیسا کہ متعدد اخبار میں وارد ہے۔ **اذا بلغ الغلام عشر سنین جازت وصیتہ**

جب بچہ دس برس کا ہو جائے۔ تو اس کی وصیت نافذ ہوگی بلکہ احوط یہ ہے کہ اگر سات سال کا بچہ اپنے قرابتداروں کیلئے کچھ وصیت کر جائے تو اسے بھی نافذ العمل قرار دیا جائے جیسا کہ بعض نصوص و فتاوی میں مذکور ہے (واللہ العالم)

۲۔ عقل لہٰذا مجنون، بے ہوش اور بوجہ نشہ مدہوش کی وصیت جو بحالت جنون و بے ہوشی و مدہوشی کی جائے وہ وصیت نافذ نہ ہوگی۔ ہاں اگر جنون دوری ہو اور افاقہ کی حالت میں وصیت کرے تو وہ نافذ متصور ہوگی

۳۔ اختیار۔ لہٰذا مکرہ و مجبور کی وصیت اسکے دیگر افعال کی طرح نافذ نہیں ہے۔

۴۔ رشد۔ لہٰذا سفیہ و احمق کی وصیت صحیح نہیں ہے۔

۵۔ حریت لہٰذا غلام کی وصیت درست نہیں ہے۔

۶۔ خودکشی کا مرتکب نہ ہو لہٰذا جو شخص کسی طریقہ سے اپنی ہلاکت کا خود باعث بنے اس کی

کسی قسم کی کوئی مالی وصیت نافذ نہ ہوگی بشرطیکہ خودکشی کا ارتکاب کرتے اور مرتے وقت کرے۔ لیکن اگر اس فعل کا ارتکاب کرنے سے کچھ عرصہ پہلے کرے تو پھر نافذ متصور ہوگی۔ ہاں البتہ وصیت عہدیہ بہر حال جائز ہے۔

۳۔ موصی بہ = موصی بہ میں دو شرطیں معتبر ہیں' اول یہ کہ وہ مال حلال ہو اور اس کی منفعت مقصودہ شرعاً" جائز ہو خواہ عین المال موجود ہو۔ یا متوقع الوجود ہو جیسے حاملہ حیوان یا حاملہ لونڈی کا حمل یا موجودہ عین المال کی متوقع منفعت ہو جیسے موجودہ مکان کا کرایہ لہٰذا اگر کوئی شخص خمر و خنزیر یا آلات لہو کی کسی کیلئے وصیت کرے تو یہ وصیت باطل متصور ہوگی۔ ہاں اگر شراب کا سرکہ بن سکتا ہو اور آلات لہو و لعب توڑنے کے بعد جلانے یا کسی اور جائز کام میں استعمال ہو سکتے ہوں تو پھر یہ وصیت بھی صحیح ہوگی۔

۲۔ یہ کہ وہ مال موصی کے تمام مال کے ثلث ۱/۳ سے زائد نہ ہو بقیہ دو ثلث (۲/۳) مال و جائداد کے متعلق اسے کوئی حق نہیں دیا گیا اس میں نہ وہ کسی صحیح وارث کو محروم کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی خلاف شرع وراثت تقسیم کرنے کی وصیت کر سکتا ہے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ کوئی شخص اگر ثلث سے زیادہ کی وصیت کرے تو زائد مقدار میں وصیت کا نفاذ ورثہ کی رضامندی پر موقوف ہوگا پس اگر وہ راضی ہوگئے تو نافذ ورنہ باطل تصور کی جائے گی اور اگر بعض وارث رضامند ہوں اور بعض راضی نہ ہوں تو راضی ہونے والوں کی نسبت سے صحیح اور باقی مقدار میں باطل متصور ہوگی۔

مسئلہ ۲۔ دراصل ورثہ کی رضامندی موصی کی وفات کے بعد معتبر ہے لیکن اگر اس کی زندگی میں وہ اپنی رضامندی ظاہر کردیں تو بھی کافی ہے اور بعد ازاں ان کو اپنی اس رضامندی سے انحراف کا کوئی حق نہیں ہے اور اگر انحراف کریں تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا

مسئلہ ۳۔ وصیت کرنے والے کے ایک ثلث ۱/۳ مال سے مراد اس مال و جائیداد کا ثلث ہے جو میت کے مالی حقوق واجبہ جیسے قرضہ ادھار پر خریدی ہوئی چیز کی قیمت' زکواۃ خمس' کفارات اور رد مظالم وغیرہ سے باقی بچے کیونکہ یہ حقوق تقسیم مال سے پہلے اصل ترکہ سے ادا کئے جاتے ہیں اس کے بعد وصیت پر عمل درآمد کیا جاتا ہے اور سب کے آخر میں اگر کچھ بچے تو وہ ورثہ

میں تقسیم کیا جاتا ہے اور خیال رہے کہ میت کا کفن سب پر مقدم ہوتا ہے۔ (کذا وردنی النصوص)

مسئلہ ۴۔ جو حج استطاعت کی وجہ سے واجب ہو۔ اس کا حکم بھی قرضہ والا ہے یعنی اس کی ادائیگی کے مصارف اصل ترکہ سے وضع کئے جائیں گے۔

مسئلہ ۵۔ اگر کوئی شخص متعدد و متضاد وصیتیں کرے مثلاً" پہلے یوں کہے کہ میرے بعد میرا یہ گھوڑا زید کو دیدینا بعد ازاں کہے یہ گھوڑا بکر کو دے دینا تو دوسری وصیت کو پہلی کا ناسخ تصور کر کے دوسری پر عمل کیا جائے گا۔ اس طرح اگر پہلے ثلث مال کی وصیت زید کے لئے کرے اور بعد ازاں اسی ثلث کی وصیت عمرو کیلئے کرے تو آخری وصیت پر عمل کیا جائیگا

مسئلہ ۶۔ اگر کوئی شخص متعدد وصیتیں کرے مگر وہ باہم متضاد نہ ہوں تو اگر وہ مالی حقوق کے بارے میں ہوں۔ جیسے یوں کہے۔

میرا فلاں قرضہ ادا کرنا میرا فلاں کفارہ ادا کرنا اور میرے رد مظالم کی فلاں رقم ادا کرنا تو ان سب پر عمل کیا جائے گا۔ اور وہ مالی حقوق اصل ترکہ سے ادا کئے جائیں گے اور اگر بدنی حقوق (جیسے نماز و روزہ وغیرہ) کے بارے میں ہوں مثلاً" یوں کہے کہ میرے دس سال کی نمازیں پڑھوانا اور دس سال کے روزے رکھوانا تو اگر ان وصایا پر عمل درآمد کا خرچ ایک ثلث یا ثلث سے کم ہوا تو پھر تو تمام پر عمل کیا جائے گا۔ اور اگر زائد ہوا تو پھر اگر ورثہ نے اجازت دے دی تو سب پر ورنہ سب وصیتوں میں اسی نسبت سے کمی کی جائے گی!

مسئلہ ۷۔ کارہائے خیر جیسے فقراء و مساکین اور ایتام و بیوگان کی امداد و اعانت کرنے اور صدقات جاریہ جیسے مساجد و مدارس دینیہ کی تعمیر و ترقی اور دیگر رفاہ عامہ کے کاموں کے اجراء کیلئے اپنے مال میں سے کچھ حصہ کی وصیت کرنا مستحب موکد ہے اور افضل یہ ہے کہ یہ وصیت ایک ثلث یا اس سے کم حصہ میں کی جائے

مسئلہ ۸۔ گناہ و عصیاں کے کاموں کیلئے جیسے کفار و مشرکین کی عبادت گاہوں کی تعمیر، کتب ضلال کی نشرواشاعت کفر و باطل کی ترویج و ترقی اور ظالموں اور بے دینوں کی امداد و اعانت کرنے کی وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایسی وصیت کرے گا تو وہ نافذ ------ نہ ہوگی۔

۴۔ موصی لہ = موصی لہ میں یہ شرط ہے کہ وہ موجود ہو۔ لہٰذا اگر کسی ایسے شخص کیلئے وصیت کی جائے جو اس وقت موجود نہیں ہے اگرچہ زمانہ مستقبل میں اس کے وجود کی توقع ہو۔ جیسے

موجودہ اولاد کی اولاد تو یہ وصیت صحیح نہ ہوگی اور حمل کیلئے وصیت صحیح ہے بشرطیکہ وہ زندہ پیدا ہو لہٰذا اگر چھ ماہ سے لیکر اقصائے حمل یعنی ایک سال تک زندہ پیدا ہو تو وصیت جائز ہوگی ورنہ نہیں۔

مسائل واحکام

مسئلہ ۱۔ موصی لہ میں اسلام شرط نہیں ہے۔ بلکہ کافر ذمی کیلئے بھی وصیت جائز ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی شخص بیٹوں اور بیٹیوں کے چچاؤں اور پھوپھیوں کے لئے خالوؤں اور خالاؤں کے لئے کچھ مال کی وصیت کر جائے تو جب تک بعض کو بعض پر ترجیح کا کوئی قرینہ موجود نہ ہو تب تک سب ذکور و اناث کو برابر برابر حصہ دیا جائے گا۔ ہاں اگر کوئی قرینہ موجود ہو جیسے یہ ہے کہ ان کو کتاب اللہ کے مطابق دینا تو پھر ہر مرد کو دوہرا اور ہر عورت کو اکہرا حصہ دیا جائے گا۔

مسئلہ ۳ مشہور یہ ہے کہ وصیت تملیکیہ چونکہ عقود میں سے ہے اس لئے اگر یہ کسی خاص شخص یا مخصوص اشخاص کیلئے ہو تو اس شخص یا ان اشخاص کا اسے قبول کرنا اسکی صحت کی شرط ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ اس کے ثبوت کیلئے اس شخص یا ان اشخاص کا اسے رد نہ کرنا کافی ہے۔ لفظی قبول کی ضرورت نہیں ہے اگرچہ احوط ضرور ہے ہاں اگر وصیت غیر معین افراد کیلئے (جیسے فقراء و مساکین) یا جہات عامہ کے لئے ہو جیسے مدارس و مساجد تو پھر بالاتفاق اس میں قبول کی ضرورت نہیں ہے۔

وصیت عہدیہ اور اس کے ارکان واحکام کا بیان

وصیت کی اس قسم کے ارکان تین ہیں۔ (۱) صیغہ وصیت (۲) موصی (۳) موصی بہ (وہ امور مثل تجہیز و تکفین وغیرہ جن کی وصیت کرنا مقصود ہے) اور اگر ان امور کی بجا آوری کسی خاص شخص کے ذمہ لگائی جائے تو پھر چوتھا رکن (۴) موصی لہ بھی بن جائے گا۔ اور سابقہ بیان میں ان تمام امور کی تشریح مع ان کے شرائط کی توضیح کی جا چکی ہے یہاں ان کے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ نیز واضح رہے کہ وصیت عہدیہ میں بالاتفاق موصی لہ کا قبول کرنا اس کی صحت کیلئے ضروری نہیں ہے۔

وصی اور اس کے شرائط کا بیان

اگر موصی چاہے کہ اپنی وصیتوں پر عمل درآمد کرنے یا اپنے اطفال خورد سال اور ان کے مال و منال کی نگہداشت کیلئے کوئی وصی مقرر کرے تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ آخری صورت میں تو

افضل اور مستحب ہے اور اگر مرنے والا کسی کو وصی مقرر نہ کر جائے تو پھر اطفال خورد سال کی دیکھ بھال حاکم شرع کے متعلق ہوگی اور اگر وہ موجود نہ ہو یا مبسوط الیدنہ ہو تو پھر عادل اہل ایمان کے ذمہ ہوگی۔

بہرحال وصی میں چار شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ (۱) بلوغ جبکہ تنہا ہو ہاں اگر کسی بالغ کے ساتھ دوسرا وصی کسی نابالغ کو مقرر کیا جائے تو صحیح ہے البتہ وہ بلوغ کے بعد دوسرے بالغ ولی کے ساتھ ملکر وصیت کے مطابق عمل درآمد کرے گا۔

(۲) عقل۔ لہٰذا مجنون کو وصی مقرر کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور اگر وصی کے مرنے کے بعد دیوانہ ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔

(۳) اسلام۔ جبکہ موصی اور موصی لہم مسلمان ہوں لہٰذا اگر مسلمان وصی بعد میں مرتد ہو جائے تو اسکی وصایت باطل ہو جائے گی۔

۴۔ دیانت و امانت بعض فقہاء نے عدالت کی شرط عائد کی ہے مگر ظاہر یہ ہے کہ اس کا ثقہ اور امین ہونا کافی ہے اس سے زیادہ کسی شرط پر کوئی قابل اطمینان دلیل موجود نہیں ہے۔ واللہ العالم.

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ ایک سے زائد آدمیوں کو وصی بنانا جائز ہے اور اس صورت میں کوئی شخص بھی تنہا وصیت پر عمل نہیں کر سکے گا۔ بلکہ باہمی صلاح و مشورہ سے عمل کریں گے

مسئلہ ۲۔ وصی بمنزلہ امین کے ہوتا ہے لہٰذا اگر اس کی تقصیر و کوتاہی کے بغیر کچھ مال ضائع ہو جائے تو وہ اس کا ضامن نہ ہوگا۔

مسئلہ ۳۔ جب تک موصی زندہ ہے اس کو اپنی وصیت ختم کرنے یا اس میں ردو بدل کرنے کا حق حاصل ہے اسی طرح وصی کو بھی موصی کی زندگی میں انکار کرنے کا حق حاصل ہے۔

مسئلہ ۴۔ وصی بمنزلہ وکیل کے ہے لہٰذا جس طرح موکل کی اجازت کے بغیر وکیل کو آگے اپنا وکیل بنانے کا حق نہیں ہے اسی طرح موصی کی اجازت کے بغیر وصی کو بھی آگے اپنا کوئی اور وصی بنانے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔

مسئلہ ۵۔ موصی کو وصی پر ناظر و نگران مقرر کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے جو وصی کی کارکردگی

کا جائزہ لیتا رہے۔

مسئلہ ۶۔ ہر جائز وصیت کے مطابق عمل کرنا واجب اور اسمیں کسی قسم کا تغیرو تبدل کرنا حرام ہے جیسا کہ نص قرآنی سے واضح و آشکار ہے۔

منجزاتِ مریض کا بیان

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وصیت تو صرف ایک ثلث میں نافذ ہوتی ہے (اور اگر ثلث سے بڑھ جائے تو وہ اثم واعتداء کی حد میں داخل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ علل الشرائع کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے) لیکن جو کچھ اختلاف ہے۔ وہ مریض کے ان مالی تصرفات میں ہے جو منجز ہوں یعنی وہ تصرفات جو از قسم عطیہ، آزادی غلام ابراء ذمہ اور عادی قیمت سے کم قیمت پر اپنے مال کی بیع و شرا وغیرہ جنہیں وہ مرض الموت میں اپنی موت سے پہلے انجام دے، آیا یہ بھی صرف ایک ثلث تک جائز ہیں۔ یا تمام مال میں روا ہیں؟ یہ مسئلہ قدیم الایام سے فقہاء عظام کے درمیان معرکۃ الاراء چلا آرہا ہے اور اس اختلاف انظار کا ظاہری سبب اس سلسلہ میں وارد شدہ اخبار و آثار کا ظاہری اختلاف ہے اگرچہ اقوی یہ ہے کہ تمام مال میں اس قسم کے تصرفات نافذ ہیں جیسا کہ متعدد روایات میں وارد ہے کہ **صاحب المال احق بمالہ ما دام فیہ شئی من الروح یضعہ حیث یشاء** (کافی تقیہ تہذیب) اور بعض احادیث میں وارد ہے۔ **الانسان احق بمالہ ما دامت الروح فی بدنہ** (کافی) یعنی مالدار اپنے مال کا سب سے زیادہ حقدار ہے جہاں چاہے اسے صرف کرے جب تک اس کے بدن میں روح موجود ہے مگر چونکہ ان کے بالمقابل بعض ایسی روایات بھی موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تصرفات صرف ایک ثلث میں ہونے چاہئیں اس لئے احوط یہ ہے کہ اگر مریض ایک ثلث سے زائد مقدار میں تصرف کرنا چاہے تو اس سلسلہ میں اپنے ورثہ کو اعتماد میں لیکر ان کی رضامندی حاصل کر کے ایسا کرے۔ **واللہ العالم بحقائق الاحکام**

تم باب الوصیۃ والحمد للہ رب العلمین۔

باب المیراث

(واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ)

۱۔ علم میراث کی اہمیت = میراث اسلامی فقہ کا ایک نہایت ہی مہتم بالشان باب ہے اور

اس کے مسائل سے واقفیت حاصل کرنے پر شریعت مقدسہ میں بڑا زور دیا گیا ہے۔ ایک روایت نبویہؐ میں تو یہاں تک وارد ہے کہ فرمایا۔ **تعلموا الفرائض فانها من دینکم و انه نصف العلم۔** فرائض و مواریث کا علم حاصل کرو کیونکہ یہ تمہارے دین میں سے ہے۔ بلکہ یہ علم پورے علم دین کا نصف ہے۔ (ریاض و مستدرک)

قانون وارثت کی قدامت وارثت کا قانون کسی نہ کسی رنگ میں قدیم الایام سے جاری ہے اور اب بھی دنیا کی مختلف اقوام میں ساری ہے بلکہ کئی ایسے نام نہاد مسلمان بھی موجود ہیں جو اپنی جہالت کی وجہ سے غیر اسلامی قوانین وراثت کو اسلامی قانون وراثت پر ترجیح دیتے ہیں۔

اسلامی قانون میراث کا دوسرے قوانین میراث سے تقابلی مطالعہ

حالانکہ اگر مذہبی تعصب و گروہی تحزب سے بالا ہو کر اسلامی قانون وراثت کا دوسرے غیر اسلامی قوانین سے تقابلی مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ اسلام کے علاوہ جس قدر آئین وراثت ہیں وہ افراط و تفریط کی وجہ سے ظلم و بے انصافی پر مبنی ہیں اور ان کے بالمقابل اسلام کا قانون میراث ایک مستحکم اور عادلانہ نظام پر مبنی ہے جو افراط و تفریط کے درمیان صراط مستقیم ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عربوں کا قانون وراثت

مثلاً زمانہ جاہلیت میں عربوں میں یہ قانون تھا کہ عورتوں اور بچوں کو میراث میں سے کچھ نہیں ملتا تھا۔ بلکہ صرف بڑا فرزند میراث کا مالک سمجھا جاتا تھا کیونکہ وہی خاندان کا بازوئے شمشیرزن ہوتا تھا۔ عربوں میں تو جاہلیت کے دور میں یہ قانون تھا۔

انگلستان کا قانون وراثت

مگر انگلستان جیسے ترقی یافتہ ملک میں اس علم و ارتقاء کے دور میں آج بھی جائیداد کے بارے میں یہی قانون رائج ہے کہ وہ میت کے صرف بڑے لڑکے کے نام منتقل ہو جاتی ہے اور اس کے چھوٹے بھائیوں کو اس کا دست نگر بنا کر اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے باپ سے وہی نسبت و قرابت رکھتے ہیں جو بڑا لڑکا رکھتا ہے اس طرح چھوٹی اولاد کی جس طرح حق تلفی ہوتی ہے اور بڑے بھائی جس طرح جائیداد میں بے جا تصرفات کر کے ان کے حقوق کو جس طرح پامال کرتے ہیں وہ عیاں راچہ بیان؟ کے مصداق ہیں الغرض انگلستان کا قانون

زمینداری زمانہ جاہلیت کی یادگار ہے جب کہ اسلام میں بڑا چھوٹا ہر ایک اپنے اپنے حصہ کا مالک و متصرف اور مختار ہے اور یہی عدل و انصاف کا تقاضا ہے کیونکہ بڑوں کی طرح چھوٹوں کو بھی اپنی اپنی تعلیم و تربیت' نشوونما اور مستقبل کو سنوارنے کیلئے مال کی ضرورت ہے۔ انھوں نے بھی بڑے ہو کر زندگی کی ذمہ داریوں کو سنبھالنا ہے۔

ہندوؤں کا قانون وراثت

ہندوؤں میں اگر خاندان مشترکہ ہو تو لڑکیاں یا بیواؤں کو عموماً ترکہ نہیں ملتا اور بیٹے کی موجودگی میں باپ بالکل محروم رہتا ہے اور اگر خاندان تقسیم ہو جائے تو کل کی بیاہی ہوئی کل جائیداد پر قبضہ کر لیتی ہے اور ماں باپ منہ تکتے رہ جاتے ہیں اور ان کے یہاں بہنیں کسی حالت میں وارث نہیں ہوتیں۔

یورپ کا قانون میراث

فرانس میں اقرباء کی موجودگی میں شوہر کو کچھ نہیں ملتا اور انگلستان میں سب کچھ شوہر کو ہی مل جاتا ہے اسی طرح فرانس میں اقرباء کی موجودگی میں زوجہ کو کچھ نہیں ملتا اور یورپ میں اولاد ذکور و اناث کو برابر حصے ملتے ہیں (یعنی منقولہ جائیداد کے کیونکہ غیر منقولہ جائیداداور خطاب کا وارث تو صرف بڑا بیٹا ہوتا ہے) (کتاب الاسلام ص ۲۱/۲۵)

اسلامی قانون میراث کی خصوصیات

ان سب کے برخلاف اسلام میں ذکور و اناث اور صغار و کبار میں سے کسی کو بھی اپنے حق سے محروم نہیں کیا گیا۔ اس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی شریک وراثت قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان کو بھی وراثتی مال کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ اگر ان کا کوئی خبر گیری کرنے والا نہ ہو تو وہ اپنے آپ کو فقر و فاقہ اور بے آبروئی سے محفوظ رکھ سکیں ہاں البتہ اسلام نے دو باتوں کو ملحوظ رکھا ہے ایک یہ کہ اس میں قریب کی موجودگی میں بعید اور اقرب کی موجودگی میں ابعد کو محروم قرار دیا گیا ہے اور عدل و انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کیونکہ فطرت کا اقتضاء یہی ہے کہ جو سب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ (جیسے والدین اور اولاد اور ان کے بعد بھائی بہن وغیرہ) وہی مرنے والے کی زندگی میں بوقت ضرورت سب سے زیادہ اس کی مدد و حمایت کرتے ہیں اور تکلیف و مصیبت میں اسکے بڑے غمخوار اور مشکل میں اس کی

ذمہ داریاں برداشت کرتے ہیں اور وہی سب سے بڑھ کر اس سے محبت و مودت کرتے ہیں۔

ایک ایراد کا جواب

دوسرے اس میں مردوں کو عورتوں سے دوگنا حصہ دیا گیا ہے اس مقام پر کہا جاتا ہے کہ عورتیں طبعاً" کمزور ہوتی ہیں اس لئے اگر ان کو زیادہ نہیں تو کم از کم ان کو مردوں کے برابر تو ضرور حصہ ملنا چاہئے تھا۔ مگر اعتراض کرنے والوں نے اتنا نہیں سوچا کہ اگر مرد کو حصہ زیادہ ملتا ہے تو اس کی ذمہ داریاں بھی تو عورت سے بہت زیادہ ہیں۔ مرد اگر باپ ہے تو بیٹی کی نشوونما اور تعلیم و تربیت کا ذمہ دار ہوتا ہے اور شادی کے اخراجات اٹھاتا ہے اور اگر شوہر ہے تو پہلے زوجہ کا حق مہر ادا کرتا ہے اور پھر عورت کے مکان اور قیام و طعام غرضیکہ اس کے ہر قسم کے نان و نفقہ اور ضروریات زندگی کا کفیل ہوتا ہے اور اگر بیٹا ہے تو اپنی ضیعفہ ماں کے مصارف زندگی برداشت کرتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ مرد کو عورت کی نسبت مال کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ عورتوں کا محافظ و نگہبان مرد ہوتا ہے نیز معاشرے کی زندگی میں بھی زیادہ مفید و کارآمد مرد ہی ہوتا ہے اسی طرح مال و دولت جمع کرنے میں بھی مرد یقیناً" زیادہ موثر اور نمایاں کردار ادا کرتا ہے اس لئے فطرت اور انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ اسے میراث میں سے حصہ بھی زیادہ دیا جائے اسلام نے اسی تقاضائے عدل کی تکمیل کی ہے الغرض اسلامی نظام میراث میں اس بات کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے کہ میت کے مال کو اسکے ان تمام اعزا و اقارب میں متفرق طور پر تقسیم کیا جائے جو اسکی حیات میں اسکی دولت سے متمتع ہوتے تھے یا متمتع ہونے کا حق رکھتے تھے اور اس اصول کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے کہ ایک شخص بہت متمول اور دوسرا بہت زیادہ مفلس نہ بن جائے۔ اس لئے میت کے مال کے بہت سے حصے کر دیئے گئے ہیں تاکہ دولت گردش کرتی رہے اور اس سے بہتوں کا فائدہ ہو۔ جل الخالق

اس تمہیدی بیان کے بعد ہم اصل موضوع کی طرف عنان بیان پھیرتے ہیں۔ واضح ہو کہ یہاں کچھ مقدمات ہیں' کچھ مقاصد اور کچھ لواحق جن کا ذیل میں ترتیب وار تذکرہ کیا جاتا ہے۔

وباللہ الاستعانتہ

مقدمات

مقدمۂ اولیٰ' اسباب و موجبات میراث کا بیان

مخفی نہ رہے کہ شریعت مقدسہ اسلامیہ میں وراثت کے اسباب و موجبات تین ہیں۔

(ا) نسب' (۲) سبب' (۳) ولاء = پس نسب سے میت کے وہ قرابتدار اور رشتہ دار مراد ہیں جو نسبی قرابت داری کی وجہ سے وارثت حاصل کرتے ہیں اور ان کے تین طبقے ہیں۔ (طبقہ اولی) یعنی ماں باپ اور اولاد اور پھر اولاد کی اولاد (تا آخر نیچے کی طرف) (طبقہ ثانیہ) یعنی دادا' دادی' نانا' نانی' پردادا' پردادی' پرنانا' پرنانی (تا آخر اوپر کی طرف) اور بھائی بہن اور ان کی اولاد اور پھر اولاد کی اولاد (تا آخر نیچے کی طرف)

طبقہ ثالثہ = یعنی چچا' پھوپھی' خالو اور خالہ خواہ میت کے ہوں یا اس کے ماں باپ کے اور ان کی اولاد اور پھر اولاد کی اولاد (تا آخر نیچے کی طرف) پہلے طبقہ کو نسب کا "عمود" تیسرے کو "حواشی" کہا جاتا ہے اور دوسرا ان دونوں کے بین بین ہے۔ یعنی کچھ عمود ہے اور کچھ حواشی۔

میراث کا قاعدہ یہ ہے کہ جب تک پہلے طبقہ کا ایک فرد بھی موجود ہوگا اس وقت تک دوسرے طبقہ تک وراثت کی نوبت نہیں آئے گی۔ (بشرطیکہ پہلے طبقہ والا موانع ارث سے خالی ہو) اور جب تک دوسرے طبقہ کا ایک فرد بھی باقی رہے گا اس وقت تک تیسرا طبقہ میراث لینے کا حقدار نہ ہوگا۔ پھر یہ بھی ہے کہ ان تین طبقوں میں سے ہر ہر طبقہ کے اندر مختلف درجات و طبقات و اصناف ہیں جو زیادہ قریبی ہے وہ دوسرے کے لئے مانع ہوتا ہے۔ (الاقرب یمنع الابعد) مثلاً" طبقہ اولی میں اولاد موجود ہے اور اولاد کی اولاد بھی! مگر ظاہر ہے کہ اولاد کی موجودگی میں اولاد کی اولاد کو کچھ نہیں ملے گا۔ اسی طرح دوسرے طبقہ میں دادا و نانا ہیں اور پردادا و پرنانا بھی' مگر واضح رہے کہ دادا و نانا کی موجودگی میں پردادا اور پرنانا کو وراثت نہیں ملتی۔ و ھکذا۔ اسی قاعدہ کی بناء پر ماں اور باپ دونوں کی طرف سے قرابت داروں کی موجودگی میں صرف باپ کے (سوتیلے) قرابتدار کو کچھ نہیں ملتا اس بیان سے عیاں ہے کہ ان طبقات ثلاثہ میں سے پہلے اور دوسرے طبقہ میں دو دو صنفیں ہیں اور تیسرے طبقہ میں صرف ایک صنف ہے۔

۲۔ سبب سے مراد وہ لوگ ہیں جو صرف سببی رشتہ داری کی بناء پر وراثت حاصل کرتے ہیں اور وہ صرف زن و شوہر ہیں۔

۳۔ ولاء سے مراد وہ تعلق ہے جو آقا کو اپنے آزاد کردہ غلام سے' ضامن جریرہ کو اپنے مضمون سے اور امام کو اپنے ماموم سے ہوتا ہے ور اس سے تین قسم کے لوگ مراد ہیں۔ وہ آقا جس نے غلام کو آزاد کیا ہو' (۲) وہ شخص جو کسی شخص کے جرائم کے تاوان ادا کرنے کا ضامن ہو'

(۳) امام وقت خلاصہ یہ کہ جس مرنے والے کا پہلے تینوں طبقات میں سے کوئی وارث موجود نہ ہو تو پھر اس آخری درجہ کے وارثوں کی نوبت آئے گی۔ جن کے پھر ترتیب وار تین طبقے ہیں۔

(۱) اگر یہ آزاد شدہ غلام تھا تو اس کا آزاد کرنے والا آقا اس کا وارث ہوگا اور (۲) اگر وہ نہ ہو تو پھر ضامن جریرہ اس کا وارث قرار پائے گا اور (۳) اگر وہ بھی نہ ہو تو پھر امام عالی مقامؑ وارث متصور ہوں گے۔ (فانہ وارث من لا وارث لہ)

۲۔ مقدمۂ ثانیہ! علم میراث میں فرض اس مخصوص سہم (حصہ) کو کہا جاتا ہے جو کسی وارث کے لئے قرآن مجید میں صراحتہً مقرر ہو اور یہ فرائض منصوصہ کل چھ ہیں نصف، ربع، ثمن، ثلثان، ثلث، سدس اسکی تفصیل درج ذیل ہیں۔

۱۔ نصف (آدھا) = تین قسم کے لوگوں کا حصہ ہے (۱) ایک لڑکی (جبکہ لڑکا موجود نہ ہو)، (۲) ماں باپ کی طرف سے ایک سگی بہن یا صرف باپ کی طرف سے سگی بہن (جبکہ بھائی موجود نہ ہو)، (۳) شوہر (جبکہ بیوی کی اولاد نہ ہو)

۲۔ ربع (چوتھا حصہ) دو قسم کے لوگوں کا حصہ ہے (۱) زوجہ جبکہ شوہر کی اولاد ذکور و اناث نہ ہو، (۲) شوہر جبکہ زوجہ کی کوئی اولاد ذکور یا اناث موجود ہو۔

۳۔ ثمن (آٹھواں حصہ) یہ صرف ایک قسم کا حصہ ہے اور وہ ہے زوجہ جبکہ شوہر کی اولاد ذکور یا اناث (یا اولاد کی اولاد) موجود ہو۔ پس اگر صرف ایک زوجہ ہوئی تو پھر تمام آٹھویں حصہ کی مالک ہوگی اور اگر ایک سے زیادہ ہوئیں تو پھر وہ اس حصہ میں برابر کی شریک ہوں گی۔

۴۔ ثلثان (دو تہائی حصہ) دو قسم کے لوگوں کا حصہ ہے (۱) دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں جبکہ کوئی بیٹا موجود نہ ہو، دو یا دو سے زیادہ پدری و مادری یا صرف پدری سگی بہنیں جبکہ بھائی موجود نہ ہو۔

۵۔ ثلث (ایک تہائی) یہ دو قسم کے لوگوں کا حصہ ہے (۱) ماں کا جبکہ مرنے والے کی کوئی اولاد ذکور یا اناث یا بھائی بہن موجود نہ ہوں، (۲) صرف ماں کی طرف سے سگے بہن بھائی جبکہ متعدد ہوں۔

۶۔ سدس (چھٹا حصہ) تین قسم کے لوگوں کا حصہ ہے (۱) باپ کا جبکہ میت کی اولاد ذکور یا اناث موجود ہو، (۲) ماں کا جبکہ میت کے باپ کے علاوہ اس کی اولاد ذکور یا اناث یا اس کے دو بھائی یا ایک بھائی اور دو یا چار پدری و مادری یا صرف پدری سگی بہنیں موجود ہوں، (۳) صرف ماں کی طرف سے ایک سگا بھائی یا ایک بہن موجود ہو (ان حصص کی تفصیلات بعد میں بیان کی

جائیں گی)

۳۔ **مقدمۂ ثالثہ** = وراثت حاصل کرنے کی کیفیت کے اعتبار سے وارثوں کی پانچ قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کے وہ لوگ ہیں جو صرف فرض (جسکی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے) کی وجہ سے وراثت حاصل کرتے ہیں اور وہ زوجہ ہے جو کہ ہمیشہ شوہر کی اولاد کی موجودگی میں آٹھواں اور اولاد کی عدم موجودگی کی صورت میں چوتھا حصہ پاتی ہے۔

۲۔ **دوسری قسم** جو ہمیشہ فرض کی وجہ سے وراثت پاتی ہے مگر کبھی اس کے علاوہ "رد" کی وجہ سے بھی حاصل کرتی ہے۔ (یعنی فرض حاصل کرنے کے بعد جب ترکہ باقی بچ جائے اور اس فرض حاصل کرنے والے سے بڑھ کر میت کا اور کوئی قریبی رشتہ دار موجود نہ ہو تو پھر باقی ماندہ ترکہ اسی فرض حاصل کرنے والے رشتہ دار کو دے دیا جاتا ہے اسے "رد" کہا جاتا ہے جیسے ماں جو میت کی اولاد کی موجودگی میں چھٹا اور عدم موجودگی میں تیسرا حصہ بالفرض حاصل کرتی ہے اور کبھی فرائض سے باقی ماندہ ترکہ بالرد بھی حاصل کرتی ہے یا جیسے شوہر جو زوجہ کی اولاد کی موجودگی میں چوتھا اور عدم موجودگی میں نصف بالفرض حاصل کرتا ہے اور کبھی باقی ماندہ ترکہ بالرد بھی حاصل کرتا ہے جبکہ اس کی زوجہ کا سوائے امام کے اور کوئی وارث نہ ہو۔

۳۔ **تیسری قسم** وہ ہے جو کبھی فرض اور کبھی قرابت کی وجہ سے وراثت حاصل کرتی ہے جیسے باپ جو کہ میت کی اولاد کی موجودگی میں بالفرض (چھٹا حصہ) اور عدم موجودگی میں (تمام ترکہ) بالقرابتہ حاصل کرتا ہے یا جیسے بیٹی یا بیٹیاں جو بیٹے کی موجودگی میں بالقرابتہ (للذکر مثل حظ الانثیین) اور عدم موجودگی میں بالفرض (نصف اور باقی نصف بالرد) پاتی ہیں یا ایک یا ایک سے زائد پدری یا مادری یا صرف پدری سگی بہنیں جو بھائی کی موجودگی میں بالقرابتہ (چھٹا حصہ) اور بھائی کی عدم موجودگی میں بالفرض (دو ثلث) لیتی ہیں۔

۴۔ **چوتھی قسم** وہ ہے جو صرف قرابت کی وجہ سے وراثت حاصل کرتی ہے جیسے بیٹا اور پدری و مادری یا صرف پدری سگے بھائی، دادا، نانا اور چچا اور ماموں۔

۵۔ **پانچویں قسم** وہ ہے جو نہ بالفرض میراث حاصل کرتی ہے اور نہ بالقرابتہ بلکہ صرف ولاء کی وجہ سے حاصل کرتی ہے جیسے غلام کا آزاد کرنے والا آقا ضامن جریرہ اور امام علیہ السلام۔

۴۔ **مقدمۂ رابعہ عول اور تعصیب کا بطلان**

جب ایک سے زائد وارث جمع ہوں تو اس کی کئی صورتیں ہیں۔ (۱) یا تو سب کے سب صاحبان

فروض ہوں گے۔ (۲) یا ان میں سے کوئی بھی صاحب فرض نہ ہوگا۔ (۳) یا بعض صاحب فرض ہوں گے اور بعض غیر صاحب فرض تو پہلی صورت میں جبکہ تمام صاحبان فرض ہوں (جنکے حصے قرآن مجید میں مقرر ہیں) تو اب حقیقت حال تین حال سے خالی نہ ہوگی۔ (۱) یا تو ان کے حصے میت کے کل ترکہ کے مساوی و برابر ہوں گے' یا (۲) اس سے زیادہ ہوں گے' یا (۳) اس سے کم ہوں گے' پس پہلی شق کی مثال یہ ہے کہ مرنے والا ماں باپ کے علاوہ دو لڑکیاں چھوڑ جائے کہ یہاں فرائض اصل فریضہ کے مساوی ہیں کیونکہ یہاں دو ثلث لڑکیوں کے اور دو سدس (جو کہ ایک ثلث کے مساوی ہوتے ہیں) اس کے ماں باپ کے ہیں اور دوسری شق کی مثال یہ ہے کہ مرنے والی ایک شوہر' چند لڑکیاں اور ایک ماں چھوڑ جائے کہ اس صورت میں شوہر کا چوتھا۔ ماں کا چھٹا اور لڑکیوں کا دو تہائی حصہ ہے ظاہر ہے کہ یہاں حصے زیادہ ہیں اور فریضہ (ترکہ) کم ہے یا اسی سابقہ مثال میں میت کے باپ کا اضافہ کر لیجئے تو شوہر کا ربع ماں باپ کے دو سدس اور لڑکیوں کے دو ثلث یہاں بھی حصے زیادہ ہیں اور فریضہ کم ہے۔ اسی چیز کو میراث میں "مسئلہ عول" کہا جاتا ہے حضرت عمر کی تقلید و تاسی میں برادران اسلامی یہ کہتے ہیں کہ یہاں جو کمی ہے وہ تمام صاحبان فرض پر ان کے فرض (حصہ) کے مطابق وارد ہوگی چنانچہ عبداللہ بن عباس کا قول ہے۔ **اول من اعال الفرائض عمر** یعنی جس نے سب سے پہلے مواریث میں عول اختیار کیا وہ عمر بن الخطاب ہیں (مستدرک حاکم ج ۴ ص ۳۴۰) اور تیسری شق کی مثال یہ ہے کہ جیسے مرنے والا ایک ماں اور ایک بیٹی چھوڑ جائے۔ یا صرف ایک بیٹی چھوڑ جائے کہ پہلی صورت میں ماں کا فرض چھٹا حصہ اور بیٹی کا فرض نصف ہے اور دوسری صورت میں بیٹی کا فرض صرف نصف ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں فروض (حصے) کم ہیں اور فریضہ (اصل ترکہ) زیادہ ہے۔ اسے باب المیراث میں مسئلہ تعصیب کہا جاتا ہے یہاں برادران اسلامی یہ زائد مقدار عصبہ (وارثان باز گشت) کو دلاتے ہیں جیسے اس آخری شق میں میت کا بھائی موجود ہو (جو کہ دوسرے طبقہ سے تعلق رکھتا ہے یا میت کا چچا موجود ہو (جو کہ تیسرے طبقہ سے تعلق رکھتا ہے) تو یہ لوگ اسے میراث دلواتے ہیں مگر فقہ جعفریہ میں عول و تعصیب دونوں باطل ہیں وہ ذات ذوالجلال جو ٹیلۂ عالج کی ریت کے ذروں کی مقدار کو جانتی ہے کیا اسے میراث کی مقدار کا علم نہیں ہے؟ وہ ذات یقیناً" جانتی ہے کہ وراثت میں عول و تعصیب نہیں ہو سکتی۔ اس لئے دوسری شق میں (جس میں عول کا گمان کیا جاتا ہے) وہ کمی صرف بعض فروض پر وارد ہوگی نہ کہ تمام پر چنانچہ اس شق

کی مثال میں نقص صرف لڑکیوں پر وارد ہو گا شوہر اور ماں (یا ماں باپ ہر دو) اپنا مکمل حصہ پائیں گے کیونکہ ہماری فقہ میں ورثہ کے اجتماع کی صورت میں اسے مقدم سمجھا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مقدم قرار دیا ہے اور اسے موخر سمجھا جاتا ہے جسے خداوند عالم نے موخر قرار دیا ہے (اور اس تقدیم و تاخیر کا معیار یہ ہے کہ ہر وہ وارث جس کا حصہ قرآن میں مقرر ہو اور اگر کسی وجہ سے اسے وہ حصہ نہ مل سکے تو اس کے متبادل اس کا دوسرا حصہ مقرر ہو جیسے ماں کہ اولاد موجود نہ ہو تو ثلث اور اگر موجود ہو تو سدس یا شوہر کہ بیوی کی اولاد نہ ہو تو نصف اور اگر ہو تو ربع یا زوجہ کہ اگر شوہر کی اولاد نہ ہو تو ربع اور اگر ہو تو ثمن پاتی ہے اسے مقدم سمجھا جائے گا اور جس کا پہلا حصہ تو مقرر ہو لیکن اگر کسی وجہ سے اسے وہ حصہ نہ مل سکے تو اس کا دوسرا حصہ معین نہ ہو۔ بلکہ صرف اسے باقیماندہ مال دیا جائے تو اسے موخر سمجھا جائے گا جیسے بیٹیاں اور بہنیں جن کو بیٹا یا بھائی کی عدم موجودگی میں دو دو ثلث ملتے ہیں۔ لیکن اگر بیٹا یا بھائی موجود ہو تو پھر ان کا فرض معین نہیں ہے اس لئے مذکورہ بالا شق میں صرف لڑکیوں پر نقص وارد ہو گا نہ کہ شوہر پر اور نہ ماں باپ پر بلکہ وہ اپنا پورا حصہ حاصل کریں گے اور جو کچھ باقی بچے گا وہ لڑکیوں کا مال ہوگا۔ کما لا یخفیٰ

اور تعصیب والے مسئلہ میں وراثت کے مسلمہ اصول **واولوا لارحام بعضہم اولی ببعض فی کتاب اللہ** اور بموجب **الاقرب یمنع الابعد** نزدیکی قرابتدار کی موجودگی میں دور کے عصبہ (وارثان باز گشت) کو کچھ نہیں ملے گا۔ لہٰذا مذکورہ بالا مثال میں ماں بیٹی یا صرف بیٹی کی موجودگی میں میت کے بھائی یا چچا وغیرہ محروم الارث متصور ہوں گے اور باقیماندہ ترکہ انہی صاحبان فروض کو ان کے حصوں کی مقدار کے مطابق قرابت قریبہ کی وجہ سے بالرد دیا جائے گا لہٰذا سابقہ مثال میں ماں اور بیٹی ہر دو کی موجودگی میں باقیماندہ سدس دونوں کو بالنسبتہ اور صرف بیٹی کی موجودگی میں باقیماندہ تمام نصف اسی کو بالرد دیا جائے گا اور اگر وارثوں میں سے بعض صاحبان فرض ہوں اور بعض کا فریضہ مقرر نہ ہو۔ تو پھر صاحبان فرض اپنا فریضہ لے لیں گے اور باقی ماندہ ترکہ دوسرے ورثہ کو دے دیا جائے گا۔[۱]

---

[۱] اہلسنت کی کتب معتبرہ سے مسئلہ عول و تعصیب میں ہمارے مسلک حق کی تائید مزید ہوتی ہے چنانچہ مستدرک حاکم ج ۴ ص ۳۴۰ طبع حیدر آباد دکن کتاب الفرائض میں حضرت عبداللہ بن عباس سے بسند صحیح منقول ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ اول من اعال الفرائض عمر و ایم اللہ لو قدم من قدم اللہ واخر من اخر اللہ ما

مقدمہ خامسہ موانع ارث کا بیان

یعنی وہ چیزیں کہ اگر کسی وارث میں پائی جائیں تو وہ مرنے والے کی وارثت حاصل نہیں کر سکتا اور وہ تین ہیں کفر قتل اور غلامی ان امور کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے۔ (۱) کافر۔ کافر بجمیع اقسامہ اگرچہ کافر بظاہر اسلام کا دعوی کرتا ہو جیسے حربی ہو یا ذمی خارجی ہو یا ناصبی' غالی ہو یا مرتد۔ پھر مرتد فطری ہو یا ملی بہرحال کافر مسلمان کی وراثت حاصل نہیں کر سکتا۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر مرنے والے کا قریبی وارث کافر ہو اور دور والا مسلمان تو یہ کافر باوجود قریبی ہونے کے دور والے مسلمان کو شرعاً" وراثت سے نہیں روک سکتا۔

مسئلہ ۲۔ کافر اس صورت میں کافر کا بھی وارث نہیں بن سکتا جبکہ مرنے والے کا کوئی مسلمان وارث موجود ہو۔ اگرچہ وہ اس کافر کی نسبت بعید ہو۔

مسئلہ ۳۔ اگر میراث کی تقسیم سے قبل کافر مسلمان ہو جائے تو اگر دوسرے ورثہ کا ہم طبقہ ہے تو ان کے ساتھ وراثت میں شریک ہو گا اور اگر ان سے اولی ہوا تو پھر تمام میراث حاصل کرے گا۔ اور اگر تقسیم کے بعد اسلام لایا تو پھر محروم الارث متصور ہو گا۔

مسئلہ ۴۔ جب مرنے والا کافر اور اس کا وارث بھی سوائے کفار کے اور کوئی نہ ہو تو پھر کافر ہی کافر کا وارث قرار پائے گا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۸

عالت فریضۃ فقیل ایھا قدم وایھا اخر فقال کل فریضۃ لم یھبطھا اللہ عزو جل من فریضۃ الا الی فریضۃ فھذا ما قدم اللہ عزو جل کالزوج والزوجۃ والام وکل فریضۃ اذا زالت عن فرضھالم یکن لھا الا ما بقی فتلک التی اخر عزو جل کالا خوات والبنات فاذا اجتمع من قدم اللہ عزو جل فمن اخر بدئی بمن قدم فاعطی حقہ کاملا فان بقی شئی کان لمن اخر۔ یعنی سب سے پہلے جس نے فرائض میں عول کیا وہ عمر ہے بخدا اگر وہ خدا کے مقدم کردہ کو مقدم اور خدا کے موخر کردہ کو موخر کرتے تو کبھی کسی فریضہ میں عول لازم نہ آتا (بعد میں مقدم و موخر کا وہی معیار بیان کیا گیا ہے جو ہم اوپر مقدمہ رابعہ میں بیان کر چکے ہیں یہاں تک کہ کہا) جب مقدم و موخر جمع ہو جائیں تو ابتدا مقدم سے کی جائے گی اور اسے اس کا پورا حق (حصہ) دیا جائے گا اور باقی جو کچھ بچے گا وہ موخر کا حق ہو گا یہی فقہ جعفریہ کا قانون ہے جسکی حقانیت کی شہادت اغیار بھی دے رہے ہیں والفضل ماشہدت بہ الاعداء اور دوسرے مسئلہ تعصیب کے متعلق کتاب میزان الاعتدال شعرانی ج ۲ ص ۱۰۳ طبع مصر اور کتاب الرحمہ عثمانی ص ۱۱ مطبوع بہامش المیزان شعرانی ج ۲ میں لکھا ہے قال ابو حنیفہ و احمد للام الفرض والباقی بالرد للبنت النصف بالفرض والباقی بالرد کہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ ماں کو (چھٹا) حصہ بالفرض اور باقی بالرد اور بیٹی کو نصف حصہ بالفرض اور باقی بالرد ملے گا اور یہی موقف فقہ امامیہ کا ہے جسکی امام ابوحنیفہ و امام احمد حنبل تصدیق کر رہے ہیں (منہ عفی عنہ)

۲۔ قتل = قاتل جبکہ عمداً" وظلماً" اپنے مورث کو قتل کر دے تو وہ مقتول کی وراثت حاصل نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر عمداً" قتل نہ کرے بلکہ خطا" کرے جیسے پرندہ کو بندوق مارے اور اتفاقاً" مورث کو لگ جائے اور وہ مر جائے۔ یا ظلماً" قتل نہ کرے بلکہ بحق کرے جیسے قصاص میں یا اپنی جان و مال اور عرض و ناموس کی حفاظت کرتے ہوئے اسے قتل کرے تو یہ قتل وراثت حاصل کرنے سے مانع نہ ہوگا اور وہ قتل جو شبیہ بعمد ہو جیسے کوئی کسی کو بلا ارادہ قتل مارے پیٹے اور وہ مضروب مر جائے تو اس میں اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ وراثت کے سلسلہ میں اس کا حکم قتل خطا والا ہے یعنی یہ وراثت سے مانع نہیں ہے۔ اگرچہ دیت کے وجوب میں قتل عمد کی مانند ہے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ قتل کی ان تمام شقوں میں جہاں قاتل مقتول کا وارث بن سکتا ہے اس سے مراد دیت (خون بہا) کے علاوہ میت کا دوسرا ترکہ ہے اور جہاں تک دیت کا تعلق ہے تو اس کا قاتل بہر حال وارث نہ ہوگا۔

مسئلہ ۲۔ قاتل دور والے وارث کا مانع نہیں بن سکتا۔ لہٰذا اگر قاتل اپنے باپ کو عمداً" قتل کر دے تو یہ تو باپ کا وارث نہ ہوگا لیکن اگر اس کا لڑکا موجود ہے تو وہ دادے کا وارث ہوگا۔ اور اگر پہلے طبقہ میں کوئی اور وارث نہ ہو تو دوسرے طبقہ والے بھائی بہن یا تیسرے طبقہ والے چچے اور خالو وغیرہ وارث قرار پائیں گے۔

مسئلہ ۳۔ اگر قاتل کے سوا مقتول کا اور کوئی وارث نہ ہو تو پھر امام اس کے وارث ہونگے اور ان کو تعاطیے قصاص یا دیت کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہوگا مگر بنا برا شہرو اظہر انہیں معاف کرنے کا حق نہیں کیونکہ یہ حق صرف شرعی وارث کو ہے جیسا کہ کتب ثلاثہ میں ایک روایت صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہے۔ (وہوا عرف بتکلیفہ منا)

مسئلہ ۴۔ دیت مقتول کے دیگر اموال کی طرح سمجھی جائے گی اس سے پہلے اسکے قرضے اور دیگر مالی حقوق ادا کئے جائیں گے اس کے بعد میت کی وصیت پر عمل کیا جائے گا۔ اور باقی ماندہ قانون شرع کے مطابق ورثہ میں تقسیم کی جائے گی مگر مادری رشتہ دار محروم الارث متصور ہونگے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں نصوص صحیحہ صریحہ موجود ہیں۔ جن سے عمومات وراثت کو تخصیص دی جائے گی۔ واللہ العالم

(۳) غلامی

غلام جب تک غلام ہے نہ یہ کسی کا وارث بن سکتا ہے۔ اور نہ کوئی اور اس کا وارث بن سکتا ہے (اگرچہ وہ آزاد ہی ہو) بلکہ اس کا جو کچھ مال و متاع ہے وہ بوجہ ملک نہ بسبب وراثت اس

کے مولا و آقا کا ہے۔

مسائل و احکام

اگر کسی مرنے والے کا وارث غلام بھی ہو اور آزاد بھی تو شرعاً اس کا وارث آزاد متصور ہوگا اگرچہ دور کا رشتہ دار ہو نہ کہ غلام اگرچہ قریبی رشتہ دار ہو۔

مسئلہ ۲: اس سلسلہ میں ام ولد، مدبر (جسے مالک کہے تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہوگا) اور مکاتب جس سے آقا اس کی قیمت طے کرکے کہے کہ تو اسے ادا کرکے آزادی حاصل کر سکتا ہے) خواہ مشروط ہو (کہ ایک روپیہ بھی باقی رہ گیا تو بدستور غلام رہے گا) یا مطلق (کہ جس قدر ادا کرتا جائے گا۔ اتنا آزاد ہوتا جائے گا) جبکہ اس نے ہنوز کچھ بھی قیمت ادا نہ کی ہو ورنہ آزادی کی نسبت سے وارث بن سکے گا۔

مسئلہ ۳۔ اگر مورث کے مرنے کے بعد غلام آزاد ہو جائے۔ تو اس کا حکم کافر والا ہے۔ جبکہ اسلام لے آئے یعنی اگر تقسیم ترکہ سے پہلے آزاد ہو جائے۔ تو دوسرے ورثہ کے ساتھ شریک ہوگا۔ (اگر ان کا ہم طبقہ ہوا) یا تمام وارثت تنہا حاصل کرے گا۔ (اگر ان سے مقدم ہوا) اور اگر تقسیم کے بعد آزاد ہوا تو پھر اسے کچھ نہیں ملے گا۔

مسئلہ ۴: اگر مرنے والے کا سوائے غلام کے اور کوئی وارث نہ ہو۔ تو پھر اس کے آقا کو قیمت عادلہ پر اس کے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اور پھر اسے خرید کر آزاد کیا جائے گا۔ تاکہ میراث کا وارث بن سکے اور قیمت ترکہ سے ادا کی جائے گی اور اگر ترکہ کم ہوا تو اہل خیر سے معاونت طلب کی جائے گی۔ ان ضروری مقدمات سے فارغ ہونے کے بعد اب اصل مقاصد شرع کئے جاتے ہیں۔ واللہ الموفق

مقاصد

طبقہ اولیٰ یعنی والدین اور اولاد کی میراث کا بیان

اس طبقہ کی میراث کی تفصیل بقدر ضرورت یہ ہے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر میت کا صرف باپ موجود ہو تو تمام مال کا وارث صرف وہی ہوگا۔ اور اگر صرف ماں ہو تو صرف یہی تمام مال کی وارث ہوگی۔ مگر اس طرح کی ثلث کی بالفرض اور باقی کی بالرد۔ اور اگر ماں اور باپ دونوں موجود ہوں۔ تو دو ثلث کا وارث باپ ہوگا اور ایک ثلث کی وارث ماں ہوگی۔

مسئلہ ۲۔ اگر میت کا بیٹا موجود ہو تو وہ بلا شرکت غیرے تمام مال کا وارث ہو گا اور اگر ایک سے زائد ہوں تو پھر وہ سب بحصہ مساوی تمام مال و جائیداد کے وارث ہوں گے

مسئلہ ۳۔ اگر مرنے والے کی صرف ایک بیٹی موجود ہو تو تمام مال و جائیداد کی وارث وہی ہوگی مگر اس طرح کہ نصف کی بالفرض اور باقی کی بالرد اور اگر دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو بھی تمام مال کی وارث وہی ہوں گی۔ لیکن اس طرح کہ دو ثلث کی بالفرض اور باقی کی بالرد اور بحصہ مساوی

مسئلہ ۴۔ جب بیٹا اور بیٹی یا بیٹے اور بیٹیاں جمع ہیں تو ایک بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ ملے گا۔ **یوصیکم اللہ فی اولاد کم للذکر مثل حظ الانثیین**

مسئلہ ۵۔ جب میت کے ماں باپ کے علاوہ میت کا ایک بیٹا بھی موجود ہو تو قاعدہ کے مطابق ماں باپ میں سے ہر ایک کو ایک ایک سدس (مجموعاً ایک تہائی) چھٹا حصہ اور باقی (دو تہائی) اس کے ایک بیٹے کو ملے گا اور اگر ایک سے زیادہ بیٹے ہوئے تو وہ ان کو بحصہ مساوی ملے گا۔

مسئلہ ۶۔ اگر ماں باپ کے ساتھ میت کی ایک بیٹی بھی ہو تو قاعدہ کے مطابق ماں باپ میں سے ہر ایک کو ایک ایک سدس (مجموعاً ایک تہائی) چھٹا حصہ اور لڑکی کو نصف بالفرض ملے گا اور اس طرح ایک سدس باقی بچ جائے گا تو اس کو وارثوں پر ان کے حصص کے مطابق رد کیا جائے گا یعنی اس کے پانچ حصے کر کے دو حصے والدین کو اور تین حصے لڑکی کو دیئے جائیں گے اس طرح والدین میں سے ہر ایک کو تمام مال کا پانچواں حصہ بالفرض والرد اور باقی لڑکی کو بالفرض و بالرد ملے گا۔

مسئلہ ۷۔ جب ماں باپ کے ساتھ دو یا دو سے زائد بیٹیاں موجود ہوں تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو ایک ایک سدس (چھٹا حصہ اور یہ ہوا کل ایک ثلث) اور بیٹیوں کو بحصہ مساوی دو ثلث ملیں گے

مسئلہ نمبر ۸۔ اگر میت کا وارث، تنہا باپ یا تنہا ماں ہو اور اس کے ہمراہ میت کی ایک بیٹی ہو تو علی القاعدہ باپ یا ماں کو ایک سدس (چھٹا حصہ) اور بیٹی کو نصف بالفرض ملنا چاہئے، مگر اس طرح جو ایک سدس زائد بچتا ہے اسے مسئلہ ۶ کے مطابق رد کیا جائے گا۔ اس طرح ماں یا باپ کو بالفرض والرد وراثت کا پانچواں حصہ اور باقی ماندہ لڑکی کو بالفرض والرد ملے گا۔

مسئلہ ۹۔ اگر تنہا ماں یا تنہا باپ کے ساتھ میت کی دو یا دو سے زائد بیٹیاں موجود ہوں تو علی القاعدہ باپ یا ماں کو چھٹا حصہ اور بیٹیوں کو دو تہائی ملنا چاہئے مگر باقی ماندہ چھٹے حصے کو مسئلہ نمبر ۶ کی طرح ان پر رد کرنے سے ماں کو بالفرض والرد پانچواں حصہ اور باقی تمام بالفرض وبالرد بیٹیوں کو ملے گا۔

مسئلہ ۱۰۔ مذکورہ بالا صورتوں میں اگر مرنے والے کی زوجہ یا مرنے والی کا شوہر بھی شامل ہو تو میاں بیوی تو بہرحال اپنا حصہ پائیں گے یعنی اگر شوہر ہے تو وہ اپنی متوفیہ زوجہ کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں نصف اور ہونے کی شکل میں ربع اور اگر زوجہ ہے تو اپنے متوفی شوہر کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں ربع اور ہونے کی صورت میں ثمن پائے گی اور اگر کبھی نقص وارد ہوا (جیسے مسئلہ نمبر۶ میں یا مسئلہ نمبر۹ میں دیگر ورثہ کے ساتھ شوہر شامل ہو جائے یا مسئلہ نمبر۷ میں دیگر ورثہ کے ساتھ زوجہ شریک ہو جائے) تو وہ نقص بیٹی، بیٹیوں پر ہوگا اس سے والدین یا زوجین کے حصہ پر کوئی زد نہیں پڑے گی۔ جیسا کہ مقدمہ خاص میں مسئلہ "عول" کے ضمن میں اس کی وضاحت کی جاچکی ہے۔

مسئلہ ۱۱۔ مذکورہ بالا صورتوں میں جہاں جہاں ماں کا حصہ ایک ثلث ہے یا جہاں ایک سدس تھا مگر رد کے بعد خمس (پانچواں حصہ) ہوگیا یہ صرف اس صورت میں ہے کہ جب کوئی "حاجب (مانع)" نہ ہو ورنہ حاجب کی موجودگی میں اس کا صرف ایک سدس (چھٹا حصہ) ہوگا نہ ثلث ہوگا اور نہ خمس اور وہ حاجب میت کے بھائی بہن ہیں لیکن چند شرطوں کے ساتھ۔ (۱) دو یا دو سے زائد بھائی یا ایک بھائی اور دو بہنیں یا چار یا چار سے زائد بہنیں ہوں، (۲) یہ بھائی ماں باپ دونوں طرف سے یا صرف باپ کی طرف سے سگے ہوں، (۳) یہ بھائی بہن کافر، (مرنے والے کے) قاتل یا غلام نہ ہوں، (۴) میت کا باپ بھی موجود ہو۔ لہٰذا اگر ان چار شرطوں میں سے ایک بھی نہ پائی گئی تو پھر یہ حاجب نہیں بن سکیں گے۔ مخفی نہ رہے کہ ان کے حاجب ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ میت کے ترکہ میں سے ان کو کچھ حصہ ملے گا۔ نہیں ایسا نہیں ہے ماں باپ یا اولاد کی موجودگی میں بھائی بہنوں کو (جو دوسرے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں) ہرگز کچھ نہیں ملتا۔ مگر یہ میت کی ماں کے لئے حاجب و مانع ہوتے ہیں کہ ان کی موجودگی میں اسے ایک سدس سے زائد حصہ نہیں مل سکتا۔

مسئلہ ۱۲۔ جب میت کی صلبی اولاد موجود نہ ہو تو پھر اولاد کی اولاد (پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں) یا ان کی بھی عدم موجودگی میں ان کی اولاد (پڑپوتے، پڑپوتیاں و ھلمّ جرّا) اپنے آباء کی قائم مقام متصور ہوں گی۔

مسئلہ ۱۳۔ مذکورہ بالا مسئلہ میں اگر صرف لڑکے کی اولاد ہو تو تمام جائیداد انہیں یا اگر صرف لڑکی کی اولاد ہو تو پھر تمام جائیداد انہیں مل جائے گی اور پھر وہ آپس میں قانون شرع کے مطابق تقسیم کریں گے۔ یعنی اگر تمام لڑکے ہوئے یا تمام لڑکیاں تو بحصہ مساوی اور اگر کچھ لڑکے اور کچھ لڑکیاں ہوئیں تو لڑکے کو دوہرا اور لڑکی کو اکہرا حصہ ملے گا اور اگر مرنے والے کے لڑکے اور

لڑکی ہر دو کی اولاد موجود ہوئی تو پھر لڑکے کی اولاد کو (اگرچہ وہ لڑکیاں ہوں) لڑکی کی اولاد سے (اگرچہ وہ لڑکے ہوں) دوگنا حصہ ملے گا۔ کمالا یخفی۔

مسئلہ ۱۴۔ مرنے والے کی چند چیزیں ایسی ہیں جن میں قانون تقسیم وراثت جاری نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ میت کی اولاد ذکور میں سے صرف بڑے لڑکے کو واجباً" بلا معاوضہ دی جاتی ہیں اور اسے فقہی اصطلاح میں "حبوہ" کہا جاتا ہے اور وہ چند چیزیں یہ ہیں۔ (۱) وہ قرآن جس کی مرنے والا تلاوت کرتا تھا' (۲) وہ گھوڑا جس پر وہ سوار ہوتا تھا' (۳) وہ انگوٹھی جسے وہ ہاتھ میں پہنتا تھا' (۴) وہ تلوار یا کوئی دوسرا ہتھیار جس سے وہ لڑتا تھا' (۵) وہ لباس جسے وہ زیب تن کرتا تھا۔ مخفی نہ رہے کہ اگر سب سے بڑی اولاد لڑکی ہو تو پھر اس سے چھوٹے لڑکوں میں سے جو لڑکا بڑا ہوگا وہ حبوہ کا حقدار ہوگا اور بڑے ہونے کا معیار علی الاشہر الاظہر یہ ہے کہ جس کی ولادت پہلے ہو۔ لہذا دو جڑواں بچوں میں سے بڑا اسے سمجھا جائے گا۔ جو ان میں سے پہلے عالم دنیا میں قدم رکھے گا نہ وہ جو بعد میں پیدا ہوگا (کما قیل انہ اول علوقتہ) اور اگر بڑے لڑکے ایک سے زائد ہوں جو مختلف بیویوں کے بطن سے بیک وقت پیدا ہوئے ہوں تو پھر وہ ان چیزوں کو بحصۂ مساوی باہم تقسیم کریں گے۔

مسئلہ ۱۵۔ اگرچہ والدین اور اولاد کی موجودگی میں دادا دادی اور نانا نانی کو کچھ نہیں ملتا مگر میت کے والدین کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنے اپنے والدین کو ترکہ کا چھٹا حصہ بطور طعام دیں مگر بنابر مشہور' دو شرطوں کے ساتھ ایک یہ کہ میت کی اولاد نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ خود والدین کا حصہ سدس سے زائد ہو۔ واللہ العالم

مسئلہ ۱۶۔ چونکہ اولاد کی موجودگی میں یتیم پوتوں کو کچھ نہیں ملتا اس لئے دادا کو چاہئے کہ ان یتیموں کو اپنے حین حیات میں کچھ حصہ دے جائے یا ان کے لئے کچھ وصیت کر جائے تاکہ اس کی موت کے بعد وہ بالکل بے سہارا یا اپنے چچاؤں کے رحم و کرم پر نہ رہ جائیں اور محروم الارث ہونے کی وجہ سے نان جویںہ کے محتاج نہ ہو جائیں۔ واللہ الموفق۔

دوسرے طبقہ یعنی اجداد وجدات اور بھائی بہنوں کی میراث کا بیان

مخفی نہ رہے کہ مقدمہ اولی میں ثابت کیا جاچکا ہے کہ میراث کا تمام نظام اولویت پر قائم ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ **واولو الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ** اور اسی سے یہ قاعدہ ماخوذ ہے کہ "الاقرب یمنع الابعد" بنابریں جب تک طبقہ اولی کا ایک فرد بھی باقی رہے گا۔ اس وقت تک دوسرے طبقہ کے وارثوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ ہاں جب طبقہ اولی کی کوئی فرد موجود نہ ہوگی۔ تب طبقہ ثانیہ تک نوبت پہنچے گی اور درج ذیل تفصیل کے مطابق وہ میراث حاصل کریں

گے اور دوسرے طبقہ میں چونکہ دادا' دادی' نانا' نانی اور انکی عدم موجودگی میں پردادا' پردادی' پرنانا' پرنانی (و ھکذا جس قدر یہ سلسلہ اوپر چلا جائے) اور بھائی بہنیں اور ان کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد یا اولاد کی اولاد (و ھکذا خواہ جس قدر یہ سلسلہ نیچے چلا جائے) اب یہاں صورت حال تین حال سے خالی نہیں ہے یا تو تنہا دادا و نانا وغیرہ وارث ہوں گے اور میت کا کوئی بھائی بہن نہ ہوگا یا صرف بھائی بہنیں وارث ہوں گے اور کوئی دادا نانا وغیرہ موجود نہ ہوگا یا دونوں قسم کے وارث موجود ہوں گے۔ ذیل میں ان تینوں شقوں کی میراث کی تفصیل جدا جدا درج کی جاتی ہے۔

اجداد وجدات کی میراث کا بیان

مسئلہ ا۔ اگر میت کا وارث صرف دادا یا صرف نانا ہو یا صرف دادی یا نانی ہو تو میت کا تمام مال و اسباب اسے ہی ملے گا۔

مسئلہ ۲۔ جب صرف دادا دادی دونوں موجود ہوں تو دادا کو دوہرا اور دادی کو اکہرا حصہ ملے گا اور جب صرف نانا نانی موجود ہوں تو تمام جائیداد دونوں کو برابر برابر ملے گی۔

مسئلہ ۳۔ جب دادا دادی اور نانا' نانی مشترکہ طور پر وارث ہوں تو ایک ثلث نانا نانی کو ملے گا (جسے وہ بحصہ مساوی باہم تقسیم کریں گے) اور باقی ماندہ (دو ثلث) دادا دادی کو ملیں گے (جس کو وہ باہم بطریق مذکور تقسیم کریں گے (یعنی دادا کو دادی سے دوگنا حصہ ملے گا۔)

بھائی بہنوں کی میراث کا بیان

مسئلہ ا۔ اگر میت کا صرف ایک سگا بھائی وارث ہو تو مرنے والے کا (تمام) مال و اسباب اسی کو ملے گا اور اگر صرف ایک سگی بہن وارث ہو تو ساری منقولہ و غیر منقولہ جائیداد اسی کو ملے گی۔ مگر اس طرح کہ نصف بالفرض اور نصف بالرد۔

مسئلہ ۲۔ ایک سے زائد سگے بھائی وارث ہوں تو سب مال سب کو بحصہ مساوی ملے گا۔

مسئلہ ۳۔ جب دو یا دو سے زائد سگی بہنیں وارث ہوں تو سب ترکہ ان کو بحصہ مساوی ملے گا مگر دو ثلث بالفرض اور باقی بالرد۔

مسئلہ ۴۔ جب سگے بھائی بہن جمع ہوں تو بھائی کو بہن سے دوگنا حصہ ملے گا۔

مسئلہ ۵۔ پدری و مادری (سگے بھائی) کی موجودگی میں صرف پدری بھائی محروم الارث متصور ہوگا۔ ہاں البتہ سگے بھائی کی عدم موجودگی میں یہ اس کا قائم مقام ہوگا۔

مسئلہ ۶۔ جب میت کا صرف ایک مادری بھائی یا مادری بہن وارث ہو تو تمام مال اسکو ملے گا مگر

ایک سدس بالفرض اور باقی بالرد اور اگر ایک سے زائد مادری بھائی بہن وارث ہوں۔ تب بھی تمام ترکہ انہی کو ملے گا مگر ایک ثلث بالفرض اور باقی بالرد جسے سب بھائی بہن برابر برابر تقسیم کریں گے اور اگر صرف ایک پدری بھائی یا پدری بہن ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہے کہ تمام ترکہ کا وارث وہی ہوگا ہاں اس صورت میں جب بھائی بہن دونوں جمع ہوں تو بھائی کو بہن سے دوگنا حصہ ملے گا۔

مسئلہ ۷۔ جب تین قسم کے بھائی بہن جمع ہوں' (۱) پدری و مادری' (۲) صرف پدری' (۳) صرف مادری تو صرف پدری بھائی یا بہن کو تو کچھ نہیں ملے گا۔ (جیسا کہ مسئلہ نمبر ۵ میں واضح کیا جاچکا ہے کہ پدری و مادری بھائی کی موجودگی میں صرف پدری بھائی محروم الارث ہوتا ہے) باقی رہے صرف مادری بھائی بہن تو اگر وہ صرف ایک بہن یا ایک بھائی ہو تو اسے ایک سدس اور اگر ایک سے زائد ہوں تو انہیں ایک ثلث ملے گا۔ (جسے وہ باہم بحصہ مساوی تقسیم کریں گے) اور باقی ماندہ تمام ترکہ پدری و مادری بھائی یا بہن یا بھائی بہنوں کو ملے گا جو اس طرح باہم تقسیم کریں گے کہ بھائی کو بہن سے دوگنا حصہ ملے گا۔

مسئلہ ۸۔ اگر صرف ایک پدری اور دوسرے صرف مادری بھائی بہن جمع ہوں تو جو صرف پدری بھائی ہے وہ پدری و مادری بھائی کے قائم مقام ہوگا اور پھر اسی تفصیل کے ساتھ ترکہ تقسیم کیا جائے گا جو ابھی اوپر مسئلہ نمبر ۷ میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ ۹۔ جب ایک پدری بہن مادری بہن یا مادری بھائی کے ساتھ جمع ہو تو مادری بہن یا مادری بھائی کو مال کا چوتھا حصہ ملے گا اور باقی تین حصے پدری بہن کو ملیں گے اور اگر دو پدری بہنیں ایک مادری بہن یا ایک مادری بھائی کے ساتھ جمع ہوں تو ترکہ پانچ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا۔ تین حصے پدری بہنوں کو اور دو حصے مادری بہن یا بھائی کو ملیں گے۔

مسئلہ ۱۰۔ بھائی بہن کے وارث بننے کی تمام مذکورہ بالا صورتوں میں جب میت کا شوہر یا اسکی بیوی بھی شامل ہوں تو وہ اپنا مقررہ حصہ یعنی شوہر نصف اور بیوی ربع حاصل کرے گی اور اگر اس اجتماع کی بعض صورتوں میں نقص وارد ہوا تو وہ پدری و مادری یا صرف پدری بھائی بہنوں پر وارد ہوگا۔ میاں بیوی یا مادری بہن بھائیوں پر اسکی زد نہیں پڑے گی۔ جیسے پدری و مادری یا صرف پدری دو بہنیں اور دو بہنیں یا دو بھائی صرف مادری ہوں اور ان کے ساتھ شوہر یا زوجہ بھی ہو۔ تو اس صورت میں ایک ثلث مادری بہنوں یا بھائیوں کا ہے اور دو ثلث پدری و مادری یا صرف پدری بہنوں کے تو اس طرح ترکہ تو تمام ہوگیا اور شوہر یا زوجہ کے لئے کچھ نہیں بچے گا۔ یا جیسے مرنے والی صرف ایک پدری و مادری یا صرف پدری بہن اور دو مادری بہنیں یا ایک بھائی

اور ایک شوہر چھوڑ جائے تو اس صورت میں نصف شوہر کو اور نصف پدری مادری یا صرف پدری بہن کو مل جائے گا اور مادری بہنوں یا بھائیوں کے لئے کچھ نہیں بچے گا تو ان تمام صورتوں میں شوہر و زوجہ اور مادری بہن بھائی اپنا تمام حصہ لیں گے اور جو نقص وارد ہوگا وہ صرف پدری و مادری یا صرف پدری بہن بھائیوں پر وارد ہوگا۔ (کما تقدم تفصیلہ)

مسئلہ ۱۱۔ بھائی بہنوں کی اولاد یعنی بھتیجے بھانجے اپنے والدین کی عدم موجودگی میں اپنے والدین کے قائم مقام ہوں گے اور اوپر جو مختلف انفرادی و اجتماعی صورتیں بیان کی گئی ہیں ان کے مطابق وراثت تقسیم ہوگی الغرض' بھائی کی اولاد کو بمنزلہ بھائی کے اور بہن کی اولاد کو بمنزلہ بہن کے تصور کیا جائے گا اور پھر جس طرح کے سگے یا سوتیلے بھائی بہن ہوں گے۔ انہی کے مطابق اولاد کے ساتھ سلوک کیا جائے گا اور اسی کے مطابق باہم وراثت تقسیم کریں گے۔ سابقہ مسائل کو سمجھ لینے کے بعد یہاں ان کا اجراء مشکل نہیں ہے۔ فتدبر و تشکر۔

بھائی بہن اور جدو جدہ کی اجتماعی میراث کا بیان

جب میت کے جدو جدہ اور بھائی بہن مجتمع ہو جائیں تو جد کو بمنزلہ بھائی اور جدہ کو بمنزلہ بہن تصور کیا جائے گا مگر فرق صرف اس قدر ہے کہ پدری جدو جدہ یعنی دادا دادی کو بمنزلہ پدری و مادری یا پدری بہن بھائی اور مادری جدو جدہ یعنی نانا نانی کو بمنزلہ مادری بہن بھائی کے سمجھا جائے گا اور تقسیم کے سلسلہ میں اس کے مطابق کارروائی کی جائے گی۔ مثلاً" اگر صورت حال یہ ہو کہ ادھر دادا یا دادی ہو اور ادھر پدری و مادری یا صرف پدری بھائی ہو تو جائیداد برابر تقسیم کریں گے اور اگر ادھر دادا و دادی ہر دو ہوئے اور ادھر بہن بھائی بھی دونوں ہوتے تو ترکہ نصف نصف

تقسیم ہوگا اور پھر یہ آپس میں اس طرح تقسیم کریں گے کہ مرد کو عورت سے دوگنا ملے گا اور اگر یہی کیفیت نانا نانی اور مادری بہن بھائی کو پیش آئی تو وہ بھی جائیداد برابر حاصل کریں گے یعنی نصف نانا نانی اور نصف مادری بہن بھائی لیں گے مگر بعد ازاں نانا نانی اور بہن بھائی بھی آپس میں بحصہ مساوی تقسیم کریں گے اور اگر "دادا" دادی اور نانا نانی اور بہن بھائی کچھ پدری اور کچھ مادری جمع ہوگئے تو نانا نانی اور مادری بہن بھائیوں کو ایک ثلث (جسے وہ باہم بحصہ مساوی تقسیم کریں گے) اور دادا دادی اور پدری بہن بھائیوں کو دو ثلث ملیں گے (جسے وہ باہم اس طرح تقسیم کریں گے کہ مرد کو عورت سے دوگنا حصہ ملے گا۔)

اسی بیان سے دوسری تمام مشترکہ صورتوں کا حکم بھی معلوم ہوسکتا ہے۔ کما لا یخفی
مخفی نہ رہے کہ دادا دادی اور نانا نانی کی عدم موجودگی میں ان کے والدین یعنی میت کے پردادا و پردادی اور پرنانا اور پرنانی کا حکم اپنی اولاد یعنی دادا دادی اور نانا نانی والا ہوگا۔ نیز بہن بھائیوں کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد کے ساتھ اجداد وجدات کی مشترکہ میراث کی وہی کیفیت ہوگی جو بہن بھائیوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ (کما مر ذکرہ آنفاً)

طبقہ ثالثہ چچاؤں، خالاؤں اور پھوپھیوں اور خالاؤں کی میراث کا بیان

مسئلہ ۱۔ جب تک پہلے یا دوسرے طبقہ سے تعلق رکھنے والا ایک وارث بھی موجود ہے تب تک تیسرے طبقہ تک نوبت نہیں پہنچے گی۔ ہاں جب پہلے طبقہ کا کوئی وارث نہیں رہے گا تو پھر دوسرے طبقہ تک نوبت پہنچے گی اور جب دوسرے طبقہ کا کوئی ایک فرد بھی موجود نہ ہوگا۔ نہ دادا نہ دادی، نہ نانا نہ نانی، نہ پردادا نہ پردادی، نہ پرنانا نہ پرنانی (وھکذا) نہ بھائی نہ بہن اور نہ ان کی اولاد اور نہ اولاد کی اولاد (و ھکذا) تب تیسرے طبقہ کی نوبت آئے گی۔

چچاؤں اور پھوپھیوں کی میراث

مسئلہ ۲۔ جب میت کا وارث صرف ایک چچا ہو (سگا ہو یا سوتیلا) تو تمام جائیداد کا وارث وہی ہوگا اور اگر دو یا دو سے زائد چچا ہوں تب بھی سب مال انہی کا ہوگا جسے وہ باہم برابر برابر تقسیم کریں گے اور اگر صرف ایک پھوپھی وارث ہو تو تمام ترکہ اسی کو ملے گا اور اگر دو یا دو سے زائد پھوپھیاں ہوں تو سب مال انہی کا ہوگا۔ جسے وہ برابری کی بنیاد پر تقسیم کریں گی۔

مسئلہ ۳۔ اگر میت کے چچے اور پھوپھیاں ہر دو موجود ہوں۔ خواہ ماں باپ دونوں کی طرف

سے سگے ہوں یعنی مرنے والے کے باپ کے سگے بھائی بہن ہوں یا صرف باپ کی طرف سے سگے ہوں تو چچا کو پھوپھی سے دوگنا حصہ ملے گا اور اگر صرف ماں کی طرف سے سگے ہوں تو آیا آپس میں برابر برابر تقسیم کریں گے یا مرد کو دوگنا حصہ ملے گا؟ اس میں دو قول ہیں اقرب یہ ہے کہ اس صورت میں برابر برابر تقسیم کریں گے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۴۔ جب تین قسم کے چچے اور پھوپھیاں جمع ہو جائیں۔ بعض میت کے سگے (پدری و مادری) چچا ہوں، بعض صرف پدری اور بعض صرف مادری تو پدری و مادری کی موجودگی میں صرف پدری (چچا یا پھوپھی) کو تو کچھ نہیں ملے گا۔ (البتہ سگے کی عدم موجودگی میں یہ اس کے قائم مقام ہوں گے۔) لہٰذا وارث صرف پدری و مادری اور صرف مادری ہوں گے۔ بایں تفصیل کہ اگر مادری (چچا یا پھوپھی) ایک ہوئی تو اسے کل مال کا ایک سدس (چھٹا حصہ) اور اگر ایک سے زائد ہوئے تو ان کو ایک ثلث ملے گا۔ (جسے آگے مرد و عورت باہم برابر برابر تقسیم کریں گے) اور باقی مال (۵/۶ یا ۲/۳ حصہ) سگے چچا و پھوپھی کو ملے گا پس اگر ایک ہی چچا یا ایک ہی پھوپھی ہوئی تو فبہا ورنہ تعدد اور اختلاف صنف کی صورت میں مرد کو عورت سے دوگنا حصہ ملے گا۔

خالوؤں اور خالاؤں کی میراث

مسئلہ ۱۔ اگر صرف ایک سگا یا سوتیلا ماموں یا خالہ وارث ہو تو تمام مال اسی کو ملے گا اور اگر ماموں اور خالہ ہر دو جمع ہوں یا کئی ماموں اور خالائیں جمع ہوں تو سب میں بحصہ مساوی مال تقسیم کیا جائے گا۔ (بشرطیکہ سب کی رشتہ داری کی نوعیت ایک ہو۔ یعنی سب پدری و مادری ہوں یا سب صرف پدری یا سب صرف مادری ہوں اور اگر نوعیت میں اختلاف ہوا تو اس کا حکم ذیل میں آرہا ہے)

مسئلہ ۲۔ اگر کچھ ماموں یا خالائیں سگی ہوں یعنی میت کی ماں کے سگے بھائی بہن ہوں اور کچھ صرف پدری اور کچھ صرف مادری تو اس صورت میں صرف پدری ماموں یا خالہ تو محروم الارث متصور ہوں گے۔ باقی رہے صرف مادری تو ان کو مندرجہ ذیل طریقہ پر حصہ ملے گا یعنی اگر صرف ایک سوتیلا ماموں یا ایک سوتیلی خالہ ہوئی تو اسے کل مال کا ایک سدس (چھٹا حصہ) اور اگر ایک سے زائد ہوئے تو انہیں ایک ثلث ملے گا جسے وہ باہم بحصہ مساوی تقسیم کریں گے اور باقی ماندہ

(۵/۶ یا ۲/۳) پدری و مادری خالوؤں اور خالاؤں کو ملے گا اور اگر وارث صرف ایک خالو یا خالہ ہوئی تو فبہا ورنہ علی المشہور مرد عورت باہم برابر برابر تقسیم کریں گے۔

چچا اور ماموں اور پھوپھی و خالہ کی مشترکہ میراث کا بیان

مسئلہ ا۔ جب میت کے چچے اور ماموں جمع ہو جائیں تو خالوؤں کو ایک ثلث اور چچاؤں کو دو ثلث ملیں گے اور یہی حکم پھوپھی اور خالہ کے اجتماع کا ہے کہ پھوپھی کو دو ثلث اور خالہ کو ایک ثلث ملے گا۔

مسئلہ ۲۔ جب چچے اور پھوپھیاں بھی متعدد ہوں اور ماموں اور خالہ بھی متعدد تو اگر سب کی قرابت کی کیفیت ایک ہو (یعنی سب سگے یا سب سوتیلے یعنی صرف پدری یا صرف مادری ہوں تب تو معاملہ صاف ہے کہ ماں کے رشتہ داروں کو (یعنی ماموؤں اور خالاؤں کو) ایک ثلث ملے گا۔ جسے وہ باہم برابر برابر تقسیم کریں گے اور باپ کے رشتہ داروں کو (یعنی چچاؤں اور پھوپھیوں کو) دو ثلث ملیں گے (جسے وہ اس طرح سے تقسیم کریں گے کہ مرد کو عورت سے دوگنا حصہ ملے گا) اور اگر قرابت کی کیفیت مختلف ہوئی یعنی کچھ چچے سگے ہوئے اور کچھ صرف پدری اور کچھ صرف مادری اسی طرح ماموں بھی کچھ سگے ہوئے اور کچھ صرف پدری اور کچھ صرف مادری تو اس صورت میں صرف پدری چچا یا ماموں تو محروم الارث متصور ہوں گے اور جو ماموں یا خالہ صرف مادری ہوں گے ان کو ثلث کا سدس (چھٹا حصہ) ملے گا (اگر صرف ایک ماموں یا ایک خالہ ہوئی) اور اگر ایک سے زائد ہوئے تو پھر ان کو اصل ترکہ کے ایک ثلث کا ثلث ملے گا (جسے وہ باہم برابر برابر تقسیم کریں گے) اور باقی ماندہ ترکہ چچاؤں اور پھوپھیوں میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ جو صرف مادری ہیں ان کو چچاؤں کے حصہ کا سدس (اگر ایک ہو) یا اس کا ثلث (اگر متعدد ہوں) ملے گا۔ (جسے وہ برابر برابر تقسیم کریں گے) اور باقی ماندہ سگے چچاؤں اور پھوپھیوں کو ملے گا۔ جسے وہ تفاضل کی بنیاد پر تقسیم کریں گے یعنی مرد کو دوہرا اور عورت کو اکہرا حصہ ملے گا۔

مسئلہ ۳۔ تمام سابقہ صورتوں میں اگر میت کے زن و شوہر بھی دوسرے ورثہ کے ساتھ شامل ہوں تو ان کو ان کا مکمل حصہ ملے گا اور نقص کی صورت میں ان پر نقص وارد نہ ہوگا۔ (کما تقدم)

چچاؤں اور خالوؤں کی اولاد کی میراث کا بیان

جب تک چچا یا ماموں یا خالہ اور پھوپھی زندہ ہیں اس وقت تک ان کی اولاد کی وراثت کی نوبت نہیں آئے گی۔ ہاں البتہ ان کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد اپنے والدین کے قائم مقام ہوگی اور چچا کی اولاد کو بمنزلہ چچا' عمہ کی اولاد کو بمنزلہ عمہ اور خال و خالہ کی اولاد کو بمنزلہ خال و خالہ تصور کرکے اسی طریق کار کے مطابق مال ورثاء ان میں تقسیم کیا جائے گا۔ جسکی تفصیل سطور بالا میں بیان کی جاچکی ہے۔ سابقہ قانون سے صرف ایک صورت مستثنیٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ جب ایک طرف میت کے سگے (پدری و مادری) چچا کا لڑکا ہو اور دوسری طرف میت کا صرف پدری سوتیلا چچا ہو تو ان کے اجتماع کی صورت میں میراث صرف سگے بھتیجے کو ملے گی اور سوتیلا چچا محروم الارث متصور ہوگا۔ اس پر نصوص صحیحہ موجود ہیں اور جب میت کے چچا یا ماموں موجود نہ ہوں اور نہ ان کی اولاد موجود ہو تو پھر مرنے والے کے باپ کے چچا یا ماموں یا عمات و خالات وارث متصور ہوں گے۔

سببی میراث یعنی زن و شوہر کی میراث کا بیان

اگرچہ مذکورہ بالا مباحث میں زن و شوہر کی میراث کے مسائل ضمناً" بیان ہوچکے ہیں تاہم یہاں سببی میراث کی اہمیت کے تحت علیحدہ مستقل عنوان کے ذیل میں اس کی مزید وضاحت کی جاتی ہے اور اس سلسلہ میں ایک اہم اختلافی مسئلہ پر بھی فی الجملہ تبصرہ کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ ۱۔ اگر مرنے والے کی اولاد یا اولاد کی اولاد موجود نہ ہو تو پھر اس کی عقد دائمی والی زوجہ کو میراث میں میت کے مال کا چوتھا حصہ ملتا ہے اور اگر اولاد یا اولاد کی اولاد موجود ہو تو پھر آٹھواں حصہ اب اگر زوجہ ایک ہے تو وہ اس چوتھے یا آٹھویں حصہ کی تنہا وارث ہوگی اور اگر دو یا تین یا چار ہوئیں تو وہ اس حصہ (ربع یا ثمن) کو بحصہ مساوی باہم تقسیم کریں گی۔

مسئلہ ۲۔ اگر مرنے والی زوجہ کی کوئی اولاد ذکور یا اناث یا اولاد کی اولاد موجود نہ ہو تو پھر شوہر اسکی نصف مال و جائیداد کا وارث ہوتا ہے اور اگر اولاد ہو تو پھر اسے ایک چوتھائی حصہ ملتا ہے۔

مسئلہ ۳۔ جب کسی عورت کا وارث سوائے اس کے شوہر کے اور کوئی نہ ہو تو بناء بر مشہور و منصور تمام ترکہ وہی شوہر حاصل کرے گا یعنی نصف بالفرض اور نصف بالرد اور اگر مرد کا سوائے اس کی بیوی کے اور کوئی وارث نہ ہو تو ربع تو وہ بالفرض حاصل کرے گی۔ مگر باقی کے بالرد

حاصل کرنے میں اختلاف ہے ائمہ اطہارؑ کے زیادہ تر اخبار و آثار سے یہی واضح و آشکار ہوتا ہے کہ اس کا حصہ وہی ربع ہے اور باقی مال امام کا ہے ہاں البتہ اگر عورت مرد سے نسبی قرابت رکھتی ہو تو پھر اس قرابت کی وجہ سے بالرد باقی ماندہ مال کی وارث ہوگی۔

مسئلہ ۴۔ طلاق رجعی والی عورت عدت کے ایام میں زوجہ کے حکم میں ہوتی ہے لہذا اگر اس اثناء میں اس کو طلاق دینے والا شوہر مر جائے تو وہ اس کی میراث حاصل کرے گی اور اگر مطلقہ مر جائے تو اس کا شوہر اسکی وراثت حاصل کرے گا۔

مسئلہ ۵۔ اگر کوئی شخص اپنی مرض الموت میں کسی عورت کو طلاق دے (طلاق خواہ بائن ہو اور خواہ رجعی) تو اگر شوہر ایک سال تک بھی اس مرض میں مبتلا رہ کر مر جائے تو مطلقہ تین شرطوں کے ساتھ اسکی وراثت حاصل کرے گی۔ اول اینکہ شوہر کی وفات اسی مرض سے اور وہ بھی ایک سال کے اندر واقع ہو دوم اینکہ خلع و مبارات نہ ہو۔ سیوم

اینکہ عورت نے عقد ثانی نہ کر لیا ہو۔ اور اگر خود عورت کی خواہش پر شوہر نے اسے طلاق دی ہو۔ تو اس صورت میں عورت کے اسکی میراث پانے میں اشکال ہے۔ واللہ العالم۔

مسئلہ ۶۔ اگر کوئی شخص مرض الموت میں کسی عورت سے عقد نکاح کرے تو اس عقد کی صحت دخول پر موقوف ہو گی یعنی اگر شوہر نے اس سے دخول کیا تو عقد صحیح ہو گا اور بیوی اسکی وراثت حاصل کرے گی۔ اور اگر وہ شخص دخول سے قبل مر گیا تو عقد باطل متصور ہو گا۔

مسئلہ ۷۔ شوہر تو عورت کی ہر قسم کی جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ میں سے میراث حاصل کرتا ہے۔ مگر زوجہ فقہاء امامیہ کے نزدیک مشہور و منصور قول کی بنا پر خواہ ذات الولد ہو یا غیر ذات الولد بہرحال جائیداد غیر منقولہ میں سے کسی چیز کی کسی طرح وارث نہیں ہوتی۔ نہ عیناً" اور نہ قیمتہ" اور جہاں تک مکانات اور دیگر اشجار و باغات کا تعلق ہے تو نہ ہوبہ بنا ئیکے بلکہ اور درختوں کی لکڑی یا ان کی قیمتکی تو وارث ہو گی مگر عین المال کی وارث نہ ہو گی۔ اور یہی وہ مسئلہ ہے جس کے متعلق فقہ جعفریہ کو مطعون کیا جاتا ہے کہ وہ نص قرآنی "ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد وان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم (پ س ع) کے خلاف ہے۔

اس موضوع پر اہل حق کی طرف سے تحریراً" و تقریراً" بہت کچھ لکھا اور کہا جا چکا ہے۔ ہم خود آج سے قریباً" پندرہ سولہ سال قبل المبلغ سرگودھا کے ایک پورے شمارہ میں ایک طویل علمی و تحقیقی مقالہ سپرد قلم کر کے اس موضوع پر مکمل سیر حاصل بحث کر کے ہر قسم کے قیل و قال کا خاتمہ کر چکے ہیں۔ اس وقت نہ تو وہ شمارہ پیش نگاہ ہے اور نہ ہی یہاں تفصیل سے اس موضوع پر بحث کرنے کی کتاب کے صفحات میں گنجائش ہے۔ اس لئے بڑے اختصار کے ساتھ یہاں دو چار چیزیں پیش کی جاتی ہیں اولاً" یہ کہنا کہ فقہ جعفریہ کا یہ مسئلہ نص قرآنی کے خلاف ہے اس وقت درست ہو سکتا ہے کہ آیت میں وارد شدہ لفظ "ما" (ولھن الربع مما ترکتم) کا عموم کے لئے وضع ہونا مسلم ہو۔ جو کہ ممنوع ہے حقیقت یہ ہے کہ اس میں کوئی عموم نہیں ہے بلکہ اس میں ابہام پایا جاتا ہے۔ اور یہ قضیہ جزئیہ کے حکم میں ہے اور اس کا ثبوت علاوہ نحویوں کے اقوال کے خود قرآن مجید کے اندر موجود ہے خداوند عالم عام اہل اسلام کو خطاب کر کے فرماتا ہے۔ و علمکم مالم تکونوا تعلمون (پ س ع) خدا نے تمہیں وہ کچھ پڑھایا ہے جو کچھ تم نہیں جانتے تھے کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ما چونکہ عموم کیلئے ہے۔ اس لئے ہر شخص علم کلی کا مالک ہے۔ حاشا وکلا۔ لہذا وہ احادیث جن میں یہ مذکور ہے کہ زوجہ غیر منقولہ جائیداد کی وارث

نہیں ہوتی وہ اس ابہام و اجمال کی رافع اور اس آیت میں جو مقصود خداوندی ہے اسکی شارح ہیں قرار پائیں گی۔

ثانیاً" اگر بالفرض (اور فرض محال محال نباشد) اس لفظ "ما" میں عموم تسلیم بھی کر لیا جائے تو جب مہابط وحی وتنزیل اور جو بنص قرآنی "**ثم اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا من عبادنا**" اور تشریح رسول آخرالزمان یعنی سرکار محمد و آل علیہم السلام کے احادیث صحیحہ میں یہ موجود ہے کہ عورت کو شوہر کی غیر منقولہ جائیداد میں سے کچھ نہیں ملتا جیسا کہ صادقین" سے مروی ہے فرمایا۔ **لا ترث النساء من عقار الارض شیئا**" یا فرمایا "**ان المراۃ لا ترث من ترکۃ زوجھا من تربتہ دار او ارض الا ان یقوم الطوب والخشب فتعطی ربعھا او ثمنھا** (وسائل الشیعہ وغیرہ) خلاصہ یہ کہ عورتیں شوہروں کی زمین کی وارث نہیں ہوتیں۔ البتہ مکان کے ملبہ کی قیمت سے وراثت حاصل کرتی ہیں تو یہ احادیث اس عموم قرآنی کی مخصص متصور ہوں گی اور برادران اسلامی کے نزدیک یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ احادیث صحیحہ سے عموم قرآن کو تخصیص دی جاسکتی ہے (ملاحظہ ہوں کتب اصول فقہ جیسے اصول شاشی اور مسلم الثبوت وغیرہ)

ثالثاً" یہ مسئلہ عقل سلیم کے مطابق بھی ہے کیونکہ جس طرح جائیداد دو قسم کی ہوتی ہیں پختہ (غیر منقولہ) اور غیر پختہ (منقولہ) اسی طرح رشتے بھی دو طرح کے ہوتے ہیں پختہ (نسبی) اور غیر پختہ (سببی) ظاہر ہے کہ عورت کا شوہر سے یہی آخری عارضی سببی رشتہ ہوتا ہے۔ لہذا جن لوگوں (قرابتداروں) کا رشتہ پختہ اور مستقل ہے ان کی میراث بھی تمام جائیداد میں سے ہے اور جن کا رشتہ عارضی اور غیر مستقل ہے ان کی میراث بھی عارضی اور غیر پختہ مال میں سے ہے یہ دلیل خود اخبار اہل بیت" سے مستنبط ہے۔ چنانچہ جناب محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ عورت کو زمین میں سے کچھ حصہ نہیں ملتا تو میں نے عرض کیا اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ فرعی چیزوں سے تو میراث پاتی ہے مگر اصلی اور مستقل جائیداد سے نہیں پاتی۔ فرمایا۔ اس کی شوہر سے کوئی ایسی نسبی قرابت داری نہیں ہے۔ جس سے میراث پائے بلکہ وہ ان لوگوں (شوہر کے خاندان والوں) پر عارضی سببی طور پر وارد ہوئی ہے اسلئے وراثت بھی فرع سے حاصل کرتی ہے اور اصل سے کچھ نہیں پاتی (وسائل الشیعہ) بخلاف شوہر کے کہ وہ چونکہ بیوی کا قیم و نگران ہوتا ہے اور اس کے نان و نفقہ اور اس کی دیگر تمام ضروریات زندگی کا کفیل و نگہبان ہوتا ہے اس لئے وہ اس کے تمام ترکہ سے وراثت حاصل کرتا ہے

رابعا"۔ اگر بیوی کو جائیداد غیر منقولہ میں سے حصہ دیا جائے تو اس سے کئی قسم کے فتنے و فساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے مثلا" ہو سکتا ہے کہ وہ جائداد حاصل کرنے کے بعد فاعل مختار ہونے کی وجہ سے شوہر کے خاندان کے کسی دشمن سے شادی کر لے اور اس شخص کو اس خاندان کا شریک جائیداد بنا دے جس کے دیکھنے کے بھی وہ روادار نہیں ہیں اور عین ممکن ہے کہ اس سے فتنہ و فساد اور باہم بغض و عناد پیدا ہو۔ اس لئے خالق فطرت نے پہلے ہی اس امر کا سدباب کر دیا تاکہ اس خرابی کی نوبت ہی نہ آئے یہ دلیل بھی آل رسولؐ کے ارشادات سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "**انما صار هذا كذالكؔ. تتزوج المراة فتجی زد جها او ولده من قوم اخرين فيزاحم قوما اخرين في عقاريم**" (وسائل الشیعہ) عورت کو اس لئے جائیداد غیر منقولہ سے محروم رکھا گیا ہے تاکہ اس کا (دوسرا) شوہر یا اس کی اولاد جو کسی اور قوم سے ہوں۔ وہ آکر پہلے شوہر کی قوم سے مزاحمت نہ کریں۔ **ان فی ذالک کفایتہ لمن لہ' ادنی درایتہ**

ولا والی میراث کا بیان

میراث کا آخری اور تیسرا سبب (ولا) ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں جیسا کہ مقدمہ خامسہ میں بیان کیا جا چکا ہے یہاں بڑے اجمال و اختصار کے ساتھ ان ہر سہ اقسام کا بیان اور انکے متعلقہ احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) ولا عتق کا بیان

جب کوئی آزاد کردہ غلام مرجائے اور سوائے اس کے آزاد کرنے والے کے اور کوئی اس کا وارث نہ ہو تو وہ آزاد کرنے والا شخص تین شرطوں کے ساتھ اس کا وارث ہو گا۔
اول یہ کہ اس نے محض قربتہ" الی اللہ اسے آزاد کیا ہو۔ (دوم اسکی جنایت و جرم کے تاوان ادا کرنے سے بیزاری ظاہر نہ کی ہو۔ سیوم یہ کہ اس آزاد کردہ غلام کا نزدیک یا دور کا کوئی قرابتدار موجود نہ ہو لیکن اگر اس شخص نے کسی کفارہ یا نذر وغیرہ کے طور پر واجبا" آزاد کیا ہو یا اس کی جنایت سے بیزاری ظاہر کی ہو یا غلام کا کوئی نسبی رشتہ دار موجود ہو تو ان تمام صورتوں میں وہ شخص اسکی وراثت حاصل نہیں کر سکے گا ہاں البتہ وہ شوہر یا زوجہ کی موجودگی میں ان شرطوں کے ساتھ میراث حاصل کر سکتا ہے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ا۔ اگر آزاد کرنے والے ایک سے زائد ہوں تو وہ سب میراث کے حقدار ہوں گے اور برابر کے حصہ دار ہونگے۔

مسئلہ ا۔ اگر آزاد کرنے والا مرد ہو مگر موجود نہ ہو تو وراثت کا حق اس کے باپ اور اس کی اولاد ذکور کی طرف منتقل ہو جائے گا اور اگر آزاد کنندہ عورت ہو اور موجود نہ ہو تو پھر یہ حق اس کے بھائیوں اور داداؤں اور ان کے بعد چچاؤں کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ (جنہیں عورت کا عصبہ کہا جاتا ہے) کسی کی طرف منتقل نہ ہوگا۔

(۲) ضامن جریرہ کی وراثت کا بیان

یہ ایک قسم کا معاہدہ ہے جو اس طرح دو شخصوں کے درمیان قائم کیا جاتا ہے۔ کہ اگر ان میں سے ایک سے کوئی جنایت صادر ہو گی۔ تو وہ اس کے تاوان کی ادائیگی کا ضامن ہو گا اور یہ اس کے عوض اسکی موت کے بعد اس کا وارث ہو گا اس عقد کا ایجاب اس طرح ہے کہ پہلے وہ

شخص کہے کہ میں تجھ سے یہ معاملہ کرتا ہوں کہ تو میری جنایت کا ضامن ہو گا اور اس کے عوض تو میری وراثت حاصل کرے گا اور اس کے بعد دوسرا کہے گا کہ میں اسے قبول کرتا ہوں۔ ضامن جریرہ کی عدم موجودگی میں یہ وراثت اس کے ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوتی اور یہ معاہدہ صرف اس صورت میں صحیح ہوتا ہے کہ جب اس شخص کا نہ کوئی نسبی رشتہ موجود ہو اور نہ ہی کوئی آزاد کرنے کا حق ولا رکھنے والا ہو افضل یہ ہے کہ شاہدین عادلین کی موجودگی میں یہ معاہدہ کیا جائے تاکہ نزاع کی صورت میں اس کا خاتمہ کیا جا سکے۔

(۳) امام کی میراث کا بیان

جس شخص کا کوئی نسبی اور سببی اور ولائی (از قسم آزاد کنندہ وضامن جریرہ) کوئی بھی ولی و وارث نہ ہو تو اس کی وراثت امام وقت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے جو اسے مناسب مصارف میں کرتے ہیں جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ **"الامام وارث من لا وارث لہ"** اور غیبت امامؑ کے زمانہ میں فقہاء کا یہ فتویٰ ہے کہ یہ حق امامؑ کے نائب عمومی یعنی فقیہ جامع الشرائط کی طرف منتقل ہوتا ہے جو اسے غریب و نادار شیعیان حیدر کرارؑ میں صرف کریں گے۔ **واللہ العالم عجل اللہ تعالیٰ فرج ولیہ القائم لیوضح لنا المعلم۔**

لواحق

ولد الملاعنہ، ولد الزنا، حمل اور مفقود الخبر کی میراث کا بیان

(۱) قبل ازیں لعان کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے کہ لعان کے بعد نہ وہ بچہ اپنے باپ اور اس کی طرف سے دوسرے رشتہ داروں (چچاؤں وغیرہم) کا وارث بنتا ہے اور نہ وہ اس کے وارث بنتے ہیں مگر جبکہ لعان کے بعد باپ اپنی تکذیب کرے کہ اس صورت میں لڑکا اپنے باپ کا وارث بنے گا مگر باپ بہرحال اس کا وارث نہ بن سکے گا ہاں البتہ اس کی ماں اور اس کی طرف سے رشتہ دار (بھائی بہنیں اور ماموں وغیرہ) اور اس کی زوجہ (اگر لڑکا ہے) یا اس کا شوہر۔ (اگر یہ لڑکی ہے) اور اس کی اولاد اس کے وارث بنیں گے اور وہ ان کا وارث بنے گا۔

(۲) اور جہاں تک ولد الزنا کا تعلق ہے تو چونکہ اس سے نسب (ولدیت، ابوت، اور امومت) ثابت نہیں ہوتا اس لئے نہ زانی (جو کہ بظاہر اس کا باپ ہے) اور نہ زانیہ (جو بظاہر اس کی ماں ہے) اور نہ ان کے ذریعہ سے رشتہ دار بننے والے (بھائی اور بہنیں اور ماموں وغیرہ) اس کے

وارث قرار پائیں گے۔ اور نہ یہ ان کا وارث قرار پائیگا ہاں اگر بطریق شرع انور اس کا عقد ہو جائے تو اس کی زوجہ یا شوہر ایک دوسرے کے وارث بنیں گے۔ نیز اس کی اولاد اس کی وارث بنے گی اور وہ ان کا وارث بنےگا

(۳) حمل (اگرچہ اپنے مورث کی موت کے وقت صرف رحم مادر میں نطفہ ہو) وارث ہو گا بشرطیکہ زندہ متولد ہو۔ اگرچہ کامل (چھ ماہ کا) نہ ہو اور اگر ایک بار زندہ پیدا ہونے کے بعد فوراً مرجائے تو وہ اپنے مورث کا وارث قرار پائے گا۔ اور اس کا ترکہ اس کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اور پھر اس کی موت کے بعد اس مولود کے ورثہ کو ملے گا۔

نیز ---- اس کی ولادت سے قبل احتیاطاً دو لڑکوں کا حصہ رکھ کر باقیماندہ ترکہ دوسرے ورثہ میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اب اگر دو لڑکے پیدا ہوئے تو فبہا ورنہ اگر صرف ایک لڑکا پیدا ہوا یا دو لڑکیاں پیدا ہوئیں یا ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ تو باقی ماندہ حصہ دوسرے ورثہ میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

(۴) مفقودالخبر۔ شوہر کا مسئلہ باب الطلاق میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ کہ اقوی یہ ہے کہ (حاکم شرع کے پاس مرافعہ کے بعد اس کے حکم سے یا اس کے بغیر بھی علی الاقرب) چار سال تک اس کی تلاش کی جائے گی۔ اور اگر اس اثناء میں نہ مل سکا۔ تو اسے مردہ تصور کر کے حاکم اسکی زوجہ کو اس کے ولی سے طلاق دلا کر یا اگر ولی نہ ہو تو خود طلاق دے کر فارغ کر دے گا۔ اور وہ عدت وفات گزار کر فارغ البال ہو جائے گی اور اس طرح چار سال کے بعد اس شخص کی وراثت ورثہ میں قانون شریعت کے مطابق تقسیم کر دی جائے گی۔ اور اس کے وہ مورث جو اس چار سال کے اندر مرے ہوں گے وہ شرعاً ان کی میراث حاصل کرے گا۔ اور اس مدت کے بعد مرنے والوں کی وراثت حاصل نہ کر سکے گا واللہ العالم

دریا وغیرہ میں ڈوب کر یا دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مرنے والونکی میراث کا بیان

اگر نسبی یا سببی مورث اور وارث جیسے باپ بیٹا اور میاں بیوی ڈوب کر یا دب کر مر جائیں اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ پہلے کس کی موت واقع ہوئی اور بعد میں کون مرا تو علی القاعدہ تو اس مسئلہ کا بظاہر حل یہ تھا کہ تقارن (اکٹھی موت واقع ہونے) کی صورت میں کوئی بھی کسی کا وارث نہ بنتا اور تقدم و تاخر کا علم ہونے کی صورت میں متاخر وارث قرار پاتا اور اشتباہ کی صورت میں قرعہ اندازی کی جاتی ، اور اس کے ذریعے سے متقدم و متاخر کا ظاہری فیصلہ کیا

جاتا مگر وارثان شریعت نے ان دو موضوعات میں یہ حکم صادر فرمایا ہے کہ پہلے دونوں کو ان کے قدیم مال میں سے ایک دوسرے کا وارث قرار دیا جائے گا۔ اور پھر ان کے زندہ ورثہ کو وہ ترکہ مل جائے گا۔ نیز یہ باہمی توارث تازہ وارثت میں حاصل کردہ مال میں جاری نہ ہوگا۔ مثلاً " باپ بیٹا ڈوب کر مرگئے تو پہلے باپ کو مردہ تصور کرکے اس کے بیٹے کو اس کا وارث قرار دیا جائے گا۔ اور بعد ازاں پہلے بیٹے کو مردہ تصور کرکے باپ کو اس کے سابقہ ملکیتی مال کا وارث تصور کیا جائے گا۔ (نہ اس کا جو اب لڑکے کو باپ کی میراث سے ملا تھا) یا اس کے برعکس پہلے بیٹے کو مردہ تصور کرکے اس کے باپ کو اس کا وارث تصور کیا جائے گا۔ اور پھر بیٹے کو۔ اور یہی طریقہ کار میاں بیوی اور دوسرے قرابتداروں میں جاری کیا جائے گا۔ اور پھر وہ مال ان کے زندہ وارثوں کو ان کے حصص کے مطابق مل جائے گا۔ مگر اس کی تین شرطیں ہیں۔

۱۔ ان دونوں مرنے والوں یا ان میں سے ایک کا کچھ مال ہو۔

۲۔ ان دونوں مرنے والوں کے درمیان کوئی نسبی یا سببی رشتہ داری ہو جس کے باعث وہ ایک دوسرے کے وارث بن سکیں۔

۳۔ کسی کی موت کے تقدم یا تاخر یا تقارن کا علم نہ ہو سکے۔ چونکہ سابقہ مباحث میں حصص کی تفصیل گزر چکی ہے اس لئے یہاں اس کے تکرار و اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ انہی سابقہ قواعد و قوانین کا یہاں اجراء کیا جائے گا۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر ڈوبنے یا دبنے کے علاوہ کسی اور طرح سے .ن موت کا اتفاق ہو جیسے جلنے یا قتل ہونے کی صورت میں تو آیا اس کا حکم بھی یہی مذکورہ بالا ہے یا نہ؟ اس میں اختلاف ہے اقرب یہ ہے کہ یہاں یہ حکم جاری نہ ہوگا۔ کیونکہ سابقہ حکم جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ خلاف ضابطہ ہے لہذا صرف اس کے مقام نص پر اکتفا کی جائے گی۔ بنابریں اگر تقارن کا علم یا احتمال ہوا تو توارث ثابت نہ ہوگا۔ اور اگر ایک کی موت کی تاریخ کا علم ہوا تو دوسرے کو بطور استصحاب اس وقت زندہ تصور کرکے اس کا وارث فرض کیا جائے گا۔ اور اگر یہ بھی معلوم نہ ہو سکا تو پھر قرعہ کے مطابق کاروائی کی جائے گی۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ مسلمان سبب فاسد (جیسے باطل نکاح) کی وجہ سے وراثت حاصل نہیں کر سکتا۔ مگر بعض اوقات نسب فاسد کی وجہ سے حاصل کر سکتا ہے۔ جیسے وطی بالشبہ کے نتیجہ میں پیدا ہونے

والی اولاد کہ وہ اپنے والدین کی وارث بھی ہوتی ہے۔ اور مورث بھی بشرطیکہ دونوں طرف سے شبہ ہو ورنہ جس کو علم ہو گا اس پر زنا والے احکام مترتب ہوں گے۔ اور جس طرف جہالت ہوگی وہاں وطی با شبہ والے احکام نافذ ہوں گے۔ کما لا یخفی۔

خنثیٰ کی میراث کا بیان

اگر خنثیٰ میں صرف آلات رجولیت پائے جائیں۔ (اگرچہ ناکارہ) تو اسے وارث وغیرہ احکام شرعیت میں مرد تصور کیا جائے گا اور اگر صرف آلات انوثیت پائے جائیں (گو بے کار ہوں) تو پھر اسے عورت تصور کیا جائیگا اور یہ تو واضح ہے ہاں البتہ جو کچھ اشکال ہے وہ صرف خنثی مشکل میں ہے کہ اسے کیا سمجھا جائے؟ اور خنثی مشکل وہ ہوتا ہے جسمیں مرد اور عورت دونوں کے آلات پائے جائیں (اگرچہ بیکار ہوں) احادیث میں اس کی صنف معلوم کرنے کیلئے چند معیار مقرر کئے گئے ہیں مثلاً (۱) جس آلہ سے پہلے پیشاب آئے اسے اسی صنف سے سمجھا جائے گا (۲) اور اگر دونوں سے یکبارگی پیشاب آنا شروع ہو تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ آخر میں ختم کس آلہ سے ہوتا ہے تو اسے اسی صنف کے ساتھ ملحق کیا جائے گا۔ اور اگر اس طرح امتیاز حاصل نہ ہو سکے کیونکہ دونوں آلوں سے شروع بھی ایک ساتھ ہو اور ختم بھی ایک ساتھ۔ تو پھر دوسرے علامات (۳) جیسے حیض آنے یا (۴) داڑھی اگنے سے معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اگر کسی طرح بھی اس کی صنف معلوم نہ ہو سکے تو اسے آدھا مرد اور آدھی عورت تصور کر کے اسے مرد و عورت کے حصہ کا نصف نصف دیا جائے گا مثلاً اگر اس کے ساتھ ایک مرد ہے تو ترکہ کے سات حصے کر کے اسے تین اور مرد کو چار حصے دیئے جائیں گے اور اگر اس کے ساتھ عورت ہے تو مال کے پانچ حصے کر کے اسے تین اور عورت کو دو حصے دیئے جائیں گے۔ اور اگر مرد و عورت دونوں اس کے ہمراہ ہوئے تو جائیداد کے نو حصے کر کے مرد کو چار عورت کو دو اور اسے تین حصے دیئے جائیں گے۔ **واللہ العالم اونوا به القائمون مقامه فی الحلال والحرام تم باب المیراث والحمد للہ رب العالمین۔**

باب الصید والذباحہ

وماعلمتم من الجوارح مکلبین تعلمونهن مما علمکم الله

شریعت مقدسہ اسلامیہ کے قانون کی رو سے شکار کی دو قسمیں ہیں۔ جائز اور ناجائز۔ بالفاظ دیگر شکار کی ایک قسم وہ ہے جو شرعی ضرورت کے تحت ہے اور دوسری وہ ہے جو شرعی ضرورت کے تحت نہیں ہے بلکہ لہو ولعب کے تحت واقع ہے اس دوسری قسم میں تازی کتوں وغیرہ سے خرگوش وغیرہ کا شکار کرنا یا کتوں اور بندوقوں سے سور وغیرہ کا شکار کرنا (بشرطیکہ اس کی تباہ کاریوں کی وجہ سے اس کا ہلاک کرنا مقصود نہ ہو) جس طرح عام عیاش لوگ بطور شغل اور بطور وقت گزاری شکار کھیلا کرتے ہیں اور پہلی قسم سے مراد وہ شکار ہے جو اس وحشی و جنگلی مگر حلال گوشت جانور یا پرندے کا ہو جس پر قابو پانا مشکل ہوتا ہے عام اس سے کہ اپنے کھانے کے لئے ہو یا بطور ذریعہ معاش کے ہو۔ ظاہر ہے کہ حلال گوشت حیوان کا گوشت بغیر تزکیہ کے جائز نہیں ہوتا اور تزکیہ کبھی شکار کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور کبھی ذبح کے ساتھ اور کبھی نحر وغیرہ کے ساتھ اور پھر یہ شکار کبھی سدھائے ہوئے شکاری کتے کے ذریعے ہوتا ہے اور کبھی شکاری پرندے یعنی باز و شکرہ وغیرہ سے اور کبھی شکاری آلہ کے ساتھ اب ذیل میں ان تمام اقسام کی بقدر ضرورت وضاحت کی جاتی ہے۔

شکاری کتے کے ساتھ شکار کرنے اور اسکے شرائط کا بیان؟

مخفی نہ رہے کہ جس طرح شرعی طریقہ پر ذبح یا نحر کرنے سے حلال گوشت کا گوشت کھانا حلال ہوتا ہے اسی طرح مقررہ شرائط کے ساتھ سدھائے ہوئے کتے کے مارے ہوئے حیوان کا گوشت بھی حلال ہوتا ہے یعنی اس کا شکار کو زخمی کرنا بمنزلہ ذبح کے ہوتا ہے اور وہ شرائط کل آٹھ ہیں۔

۱۔ حیوان وحشی ہو جیسے ہرن، نیل گائے اور بزکوہی وغیرہ الغرض اہلی نہ ہو اور اگر اہلی وحشی بن جائے تو اس کا حکم بھی وحشی والا ہوگا اور اگر وحشی اہلی بن جائے تو وہ اہلی کے حکم میں داخل ہو جائے گا۔

۲۔ کتا سدھایا ہو اور اس کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ جب اسے شکار پر چھوڑا جائے تو حملہ کر دے اور جب روکا جائے تو فوراً رک جائے اور اسے شکار کو کھانے کی بھی عادت نہ ہو بلکہ

اسے مالک کیلئے پکڑے اور روکے رکھے ہاں اگر کبھی کبھار اس کے خلاف کرے تو اس سے اسکے سدھائے ہوئے ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۳۔ چھوڑنے والا مسلمان ہو یا پھر مسلمان کے حکم میں ہو جیسے مسلمان کا طفل ممیز۔ لہٰذا کتابی یا غیر کتابی کافر یا بظاہر مسلمان کہلانے والا مگر دراصل کافر جیسے ناصبی خارجی اور غالی وغیرہ تو اسکے چھوڑے ہوئے کتے کا شکار جائز نہ ہوگا۔

۴۔ چھوڑتے وقت خدا تعالیٰ کا نام لیا جائے لہٰذا اگر عمداً" یا جہلاً" اللہ کا نام نہ لیا جائے تو اس شکار کا کھانا جائز نہ ہوگا ہاں اگر نسیاناً" رہ جائے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے اور احتیاط واجب یہ ہے کہ لفظ اللہ کے ساتھ کوئی تعظیمی لفظ بھی شامل کیا جائے جیسے بسم اللہ۔ الحمد للہ۔ اللہ اکبر۔ صرف لفظ اللہ پر اکتفا کرنے میں اشکال ہے اور یہی حکم ذبح اور نحر کا ہے فلا تغفل۔

۵۔ اسے بغرض شکار چھوڑا جائے لہٰذا اگر خود بخود چھوٹ جائے یا کسی دشمن یا درندہ وغیرہ کے لئے چھوڑا جائے اور وہ اتفاقاً" شکار کو پکڑے تو اس کا مارا ہوا شکار حلال نہ ہوگا۔

۶۔ حیوان کی موت کتے کے زخم لگانے کی وجہ سے واقع ہو لہٰذا اگر اس کی ٹھوکر سے یا اس کے گلہ دبانے سے یا دوڑ کی تھکاوٹ سے اس کی موت واقع ہو جائے تو اس کا کھانا جائز نہ ہوگا۔

توضیح

مخفی نہ رہے کہ جس جگہ کتا حیوان کو زخم لگائے اس مقام کا پاک کرنا واجب ہوتا ہے۔

۷۔ کتا چھوڑنے والا زندہ شکار پر نہ پہنچ سکے۔ یا اگر پہنچے تو اسے ذبح کرنے کی مہلت نہ مل سکے۔ یعنی شکار پہلے مرجائے ورنہ اگر وہ اس وقت پہنچے جبکہ ابھی وہ زندہ ہو اور اسے ذبح کا وقت بھی مل جائے تو پھر اسے ذبح کرنا واجب ہوگا اور اس کے بغیر اس کا کھانا جائز نہ ہوگا بلکہ اگر وہ اس حالت میں مرگیا تو وہ مردار متصور ہوگا۔

۸۔ شکار کے مارنے میں کسی کافر کا کتا یا اس مسلمان کا کتا شریک نہ ہو جس نے اسے چھوڑتے وقت بسم اللہ نہ پڑھی ہو ورنہ ان کا مشترکہ مارا ہوا شکار حلال نہ ہوگا۔ ویسے چھوڑنے والے اور چھوڑے ہوئے کتے میں وحدت شرط نہیں ہے۔ لہٰذا اگر چند آدمی مل کر ایک کتا چھوڑ دیں یا ایک آدمی یا چند آدمی کئی کتے چھوڑیں تو دوسرے شرائط کی موجودگی میں یہ شکار حلال متصور ہوگا۔

شکاری پرندہ یعنی باز و شکرہ وغیرہ کے ساتھ شکار کرنیکا بیان

ان کے ساتھ شکار کرنے کا شرعی قانون یہ ہے کہ ان کا مارا ہوا حلال گوشت پرندہ حلال نہیں ہے اگرچہ انہیں بسم اللہ پڑھ کر بھی چھوڑا جائے۔ بلکہ وہ جواز صرف نص قرآنی "کلب معلم" کے ساتھ مخصوص ہے ارشاد قدرت ہے۔ یسئلونک ماذا احل لھم قل احل لکم الطیبات وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ واتقوا اللہ ان اللہ سریع الحساب۔ (پ ٦ ع ٥ س مائدہ)

"اے نبیؐ! لوگ تم سے دریافت کرتے ہیں کہ کون سی چیز ان کے لئے حلال کی گئی ہے تو ان سے کہہ دو کہ تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کردی گئی ہیں اور شکاری جانور جو تم نے شکار کے لئے سدھائے ہوئے اور جو طریقے خدا نے تمہیں سکھائے ہیں ان میں سے کچھ تم نے ان جانوروں کو بھی سکھا دیئے ہوں تو یہ جانور جس شکار کو تمہارے لئے پکڑیں (اور ذبح کرنے سے پہلے مرجائیں) تم اسے کھا سکتے ہو۔ ہاں جانور چھوڑتے وقت خدا کا نام لے لیا کرو اور خدا سے ڈرو کہ وہ جلد حساب لینے والا ہے۔"

ہاں البتہ ان کے شکار کے پرندہ کے حلال ہونے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ باز وغیرہ چھوڑنے والا زندہ شکار پر پہنچ جائے اور اسے شرعی طریقہ کے مطابق ذبح کرے ورنہ اگر اس کے پہنچنے یا اس کے ذبح کرنے سے پہلے شکار مرگیا تو وہ مردار متصور ہوگا جیسا کہ اس پر نصوص و فتاوی کا اتفاق ہے۔

آلہ شکار کے ساتھ شکار کرنے کا بیان

جس حیوان یا پرندہ کا شکار کسی آلہ کے ساتھ کیا جائے اور وہ حیوان یا پرندہ مرجائے تو آئمہ اطہار علیہم السلام کے اخبار اور فتاوے علمائے کبار کے مطابق دو شرطوں کے ساتھ اس کا کھانا حلال ہوتا ہے۔ اول یہ کہ وہ آلہ قاطع ہو (کند نہ ہو) دوم یہ کہ نوکدار ہو جس میں اپنے نوکیلے پن کی وجہ سے شکار میں گھسنے کی صلاحیت موجود ہو جیسے تلوار، تیر، خنجر اور نیزہ وغیرہ۔ ہاں یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ آلات لوہے ہی کے ہوں بلکہ اگر کسی اور دھات جیسے سونا، چاندی اور پیتل وغیرہ سے بنائے گئے ہوں تب بھی ان سے کیا ہوا شکار جائز ہوگا لیکن اگر وہ آلہ نوکدار نہ ہو اور نہ اس میں شکار میں نفوذ (گھسنے) کی صلاحیت ہو بلکہ مارنے والے کی طاقت کی وجہ سے نفوذ کرے جیسے غلیل کا چھوٹا ڈھیلا یا پتھر یا چھڑی یا جال وغیرہ جو نہ قاطع ہیں اور نہ ہی نوکدار تو

ان کے ذریعے کیا ہوا شکار بغیر شرعی ذبح کے حلال نہ ہوگا۔

بنابریں موجودہ دور میں بندوق کے ذریعہ مارے ہوئے شکار کے حلال ہونے میں اشکال ہے کیونکہ گولی کے اندر جو چھرے ہوتے ہیں گو وہ لوہے ' قلعی یا سکہ کے ہوتے ہیں اور نخود کی طرح فی الجملہ مخروطی شکل کے بھی ہوتے ہیں۔ مگر وہ تیر کی طرح نوکدار نہیں ہوتے اور نہ ہی ان میں نفوذ کی صلاحیت ہوتی ہے اگر وہ شکار کے جسم میں نفوذ کرتے ہیں تو بارود کے زور کی وجہ سے۔ اگرچہ بعض اعلام نے اس شکار کے حلال ہونے کو غیر بعید قرار دیا ہے جو واقعاً" بعید نہیں ہے مگر احتیاط واجب اس میں ہے کہ باز و شقرہ کے شکار کی طرح یہاں بھی صرف شرعی طریقہ پر ذبح کرنے پر اکتفا کیا جائے واللہ العالم۔

مچھلی و ٹڈی کے تذکیہ کا بیان

مچھلی کا تذکیہ دو طرح سے ہوتا ہے اول یہ کہ اسے زندہ حالت میں پانی سے پکڑا جائے اور وہ باہر آکر مرے دوم یہ کہ پانی سے باہر آنے اور مرنے سے پہلے اسے قبضہ میں لیا جائے ہاں البتہ ہر دو صورت میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اسے ہاتھ سے پکڑا جائے یا جال وغیرہ جیسے آلہ سے۔ مخفی نہ رہے کہ مچھلی کے تذکیہ میں پکڑنے والے کے اسلام یا اللہ کے نام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی کافر اسے پانی سے زندہ پکڑے اور وہ بعد ازاں مر جائے تو یہ ہر اس شخص کیلئے حلال ہو گی جسے ذاتی طور پر علم ہو کہ کافر نے اسے پانی سے زندہ پکڑا ہے ہاں اگر وہ مردہ شکل میں کافر کے ہاں موجود ہو تو اگرچہ کافر یہ کہے کہ اس نے اسے زندہ پکڑا ہے تو اسے حلال متصور نہیں کیا جائے گا۔

ہاں البتہ اگر یہ علم ہو کہ وہ مچھلی پہلے مسلمان کے قبضہ میں تھی اور اس کے بعد کافر کی طرف منتقل ہوئی ہے تو اسے حلال تصور کیا جائے گا۔ اور ٹڈی کا تذکیہ یہ ہے کہ اسے ہاتھ سے یا کسی آلہ سے زندہ پکڑا جائے مچھلی کی طرح اس کے تذکیہ میں پکڑنے والے کے اسلام اور اللہ کے نام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ واللہ العالم۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ آلہ شکار کے ساتھ شکار کرنے کی صورت میں ان تمام شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے جو اوپر کلب معلم کے ساتھ شکار کرنے کے سلسلہ میں ذکر ہو چکی ہیں مثلاً" یہ کہ شکار کرنے والا

مسلمان ہو۔ تیر وغیرہ چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے۔ تیر اندازی وغیرہ بغرض شکار ہو اور شکار کی موت آلہ شکار کی طرف منسوب ہو وغیرہ۔

مسئلہ ۲۔ بناء بر مشہور و منصور اگر کلب کے علاوہ کسی اور حیوان جیسے شیر، چیتا اور بھیڑیا وغیرہ کو شکار کیلئے سدھایا جائے تو اس پر کلب معلم والے احکام کا اطلاق نہ ہو گا۔ بلکہ یہاں باز اور شکرہ وغیرہ کے ساتھ شکار کرنے والے احکام نافذ ہوں گے یعنی اگر شکاری زندہ شکار پر پہنچ گیا اور اسے ذبح کر لیا تو اسے حلال سمجھا جائے گا ورنہ حرام

مسئلہ ۳۔ جس طرح غیر ماکول اللحم مگر طاہر العین حیوان (وہ حیوان جس کا گوشت حرام اور جسم پاک ہے جسے شیر چیتا وغیرہ) کا نام خدا لے کر چھری وغیرہ سے تذکیہ ہو سکتا ہے (جسکی اس کتاب میں کئی جگہ وضاحت کی جاچکی ہے) اور اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا کرنے سے اس حیوان کا جسم مرنے کے بعد بھی بدستور سابق پاک رہتا ہے اس طرح اس کے چمڑے وغیرہ سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ گو اس کا گوشت پھر بھی حرام ہی رہتا ہے۔ اسی طرح کلب معلم کے ذریعہ اس جانور کا شکار کر کے بھی اس کا تذکیہ کیا جاسکتا ہے۔ ہاتھی، ریچھ، بندر یا وہ حیوانات جو زیر زمین رہتے ہیں۔ جیسے سانپ اور سوسمار وغیرہ اگر یہ خون جہندہ رکھتے ہیں تو طبعی موت مرنے سے یہ نجس متصور ہوں گے۔ اور اگر ذبح یا شکار سے ان کا تذکیہ کیا جائے تو ان کے قابل تذکیہ ہونے اور اس سے ان کے جسم کے پاک ہونے میں اشکال ہے۔

مسئلہ ۴۔ آلہ شکار والا شکار بھی صرف وحشی جانور یا وحشی پرندے کے ساتھ مختص ہے۔ عام اس سے کہ وہ حیوان یا پرندہ بالا صالہ وحشی ہو۔ یا عارضی طور پر وحشی بن گیا ہو لہٰذا اہلی جانور یا اہلی پرندہ کا اس سے شکار جائز نہیں ہے۔

مسئلہ ۵۔ جو شخص کسی وحشی و جنگلی جانور کو جس طرح بھی قبضہ میں لے وہ شرعاً اس کا مالک بن جاتا ہے۔ ہاں البتہ اگر وہ کسی کا مملوکہ ہو تو پھر شکار وغیرہ کے ذریعہ اس پر قبضہ کرنے سے وہ قابض کی ملکیت میں داخل نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ ۶۔ حلال گوشت وحشی جانور یا وحشی پرندہ کا شکار کرنے سے اس کا گوشت اس وقت حلال ہوتا ہے جبکہ وہ جانور دوڑنے یا وہ پرندہ اڑنے کے قابل ہو لہٰذا اگر ہرن کے اس بچہ کا جو بھی دوڑ نہیں سکتا یا کبوتر کے اس بچہ کا جو ہنوز اڑ نہیں سکتا شکار کیا جائے تو اس سے اس کا گوشت کھانا جائز نہ ہو گا۔

حیوان یا پرندے کے ذبح کرنے کا طریقہ

حیوان یا پرندہ کے ذبح کرنے کی آٹھ شرطیں ہیں ان کے بغیر نہ ذبیحہ کا جسم پاک ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کا گوشت کھایا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ ذبح کرنے والا مسلمان یا بحکم مسلمان میں ہو (جیسے مسلمان کا طفل ممیز) لہٰذا کافر کتابی ہو یا غیر کتابی یا جو بحکم کافر میں ہے جیسے ناصبی' خارجی اور غالی اسکے ہاتھ کا ذبیحہ جائز نہیں ہے ہاں مسلمان میں یہ کوئی قید نہیں ہے کہ مرد ہو یا عورت بالغ ہو یا نابالغ اندھا ہو یا بینا عالم ہو یا جاہل اور وقت ذبح پاک ہو یا ناپاک بہرحال اس کا ذبیحہ حلال ہے۔

۲۔ آلہ ذبح لوہے کا ہو ہاں اگر لوہے کا آلہ موجود نہ ہو اور اس کے دستیاب ہونے تک حیوان کے مرجانے کا اندیشہ ہو تب کسی بھی تیز چیز جیسے شیشہ' پتھر وغیرہ سے ذبح کرنا جائز ہے جس سے ذبیحہ کی چار رگیں کٹ جائیں۔

۳۔ زیر گردن سے اس طرح ذبح کیا جائے کہ اس کی چار بڑی رگیں قطع ہو جائیں یعنی حلقوم جس سے سانس آتا جاتا ہے اور وہ دو بڑی رگیں جو حلقوم کے دونوں جانب واقع ہیں اور وہ رگ جو حلقوم کی پشت پر واقع ہے جسے "مری" کہا جاتا ہے جس سے چارہ اور پانی اندر جاتا ہے اور ان چاروں رگوں کے صحیح کٹنے کی علامت یہ ہے کہ ذبح کے بعد "گھنڈی" سر کی طرف ہو اور اگر گھنڈی بدن کی طرف ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ چاروں رگیں صحیح طور پر قطع نہیں ہوئیں لہٰذا اس صورت میں حیوان حرام متصور ہو گا۔

۴۔ گردن کے نیچے سے ذبح کیا جائے لہٰذا اگر پس گردن سے ذبح کیا جائے تو جائز نہ ہو گا۔

۵۔ ذبح کرتے وقت حیوان کا منہ' شکم اور پاؤں قبلہ کی طرف ہوں لہٰذا اگر بحالت اختیاری جان بوجھ کر ایسا نہ کیا جائے تو جانور حلال نہ ہو گا ہاں ذبح کرنے والے کا رو بقبلہ ہونا شرط نہیں ہے اگرچہ احوط یہی ہے۔ ہاں البتہ اگر جہالت یا نسیان یا اضطرار کی وجہ سے ایسا نہ کیا جاسکے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۶۔ ذبح کرتے وقت خداوند عالم کا نام لیا جائے (جس کی تفصیل اوپر شکار کے ضمن میں بیان ہو چکی ہے) الغرض بسم اللہ کہہ دینا کافی ہے اور گونگے آدمی کی بسم اللہ اس کی زبان کی حرکت اور انگلی کا اشارہ متصور ہوگی۔

۷۔ ذبح کے وقت حیوان کچھ حرکت کرے خواہ دم ہلائے یا ٹانگ کھینچے یا آنکھ گھمائے جو اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ حیوان ذبح کے وقت زندہ تھا اور اگر حیوان ایسی کوئی حرکت نہ کرے تو پھر اسے حرام تصور کیا جائے گا۔

۸۔ ذبح کے وقت معمول و متعارف کے مطابق خون جوش مار کر نکلے لہٰذا اگر سرے سے خون نہ نکلے یا قطرہ قطرہ ہو کر نکلے تو حیوان حلال متصور نہ ہو گا۔

اونٹ کے نحر کرنے کا طریقہ

تمام حیوانات میں سے صرف اونٹ ایک ایسا جانور ہے جسے "نحر" کرنا ضروری ہے۔ اور اگر نحر کی بجائے اسے ذبح کیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے جس طرح دوسرے حلال گوشت حیوانات کو ذبح کی بجائے اگر نحر کیا جائے تو وہ حرام ہو جاتے ہیں اور نحر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کو رو بقبلہ کھڑا کر کے یا دونوں پاؤں کو گھٹنوں سے باندھ کر یا رو بقبلہ بٹھا کر یا لٹا کر نحر کرنے والا اس کی دائیں طرف کھڑا ہو کر یا بیٹھ کر چھری یا نیزہ یا کسی اور تیز حربہ کو اس کے اس گڑھے میں پیوست کرے جو سینہ اور گردن کے درمیان ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ حسب سابق ان تمام شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے جو ابھی اوپر ذبح کے سلسلہ میں بیان کی جا چکی ہیں۔

ذبح اور نحر کے احکام و مسائل؟

مسئلہ ۱۔ اگر کسی حلال گوشت حاملہ مادہ کو ذبح کیا جائے تو جو بچہ اس کے پیٹ میں ہے دو شرطوں کے ساتھ اس کا تذکیہ بھی ہو جائے گا ایک یہ کہ بچہ کی خلقت مکمل ہو چکی ہو اور اس کے جسم پر بال اور اون اگ چکی ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ شکم مادر سے مردہ برآمد ہو اور اگر زندہ برآمد ہو تو پھر وہ ذبح کے بغیر حلال نہ ہو گا۔

مسئلہ ۲۔ جو گوشت یا چربی یا چمڑا وغیرہ کسی مسلمان سے لیا جائے یا مسلمانوں کے بازار میں اسکی خرید فروخت ہوتی ہو (خواہ مجہول الحال کے ہاتھ میں ہی ہو) اسے مذکی اور حلال و پاک تصور کیا جائے گا مگر یہ کہ ذاتی طور پر اس کے غیر مذکی ہونے کا علم ہو۔ اور اگر یہ چیزیں کسی کافر سے لی جائیں یا کافروں کے بازار میں ان کی خرید و فروخت ہو رہی ہو۔ تو ان کو حرام و نجس سمجھا جائے گا اگرچہ وہ ان کے مذکی ہونے کی شہادت بھی دیں مگر یہ کہ ذاتی طور پر علم ہو کہ یہ اشیاء کافر کے قبضہ میں آنے سے پہلے مسلمان کے قبضہ میں تھیں بنابریں مچھلی کا وہ تیل جو بلاد کفر سے آتا ہے

اس کے اجتناب لازم ہوگا بالخصوص جبکہ یہ بھی معلوم نہ ہو کہ وہ ماکول اللحم مچھلی کا ہے یا غیر ماکول اللحم کا واللہ العالم۔

مسئلہ ۳۔ اگر کوئی حیوان کنوئیں وغیرہ میں گر جائے یا اس طرح دیوار یا چھت کے نیچے آجائے کہ اس کا بطریق معلوم ذبح کرنا یا نحر کرنا ممکن نہ ہو تو پھر اگر تلوار، نیزہ اور چھری وغیرہ سے اسکے جسم کے کسی حصہ سے اس طرح زخم لگایا جائے جس سے اس کی موت واقع ہو جائے تو وہ حلال متصور ہوگا۔

مسئلہ ۴۔ بناء بر مشہور و منصور حیوان میں حیواۃ مستقرہ شرط نہیں ہے۔ بلکہ صرف اتنا کافی ہے کہ ذبح کے وقت زندہ ہو اور اسکی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ ذبح کے بعد وہ کچھ حرکت کرے یا اس کا خون دھار مار کر نکلے۔

ذبح و نحر کے آداب و وظائف

ذبح و نحر کے کچھ مستحب و مکروہ آداب و وظائف ہیں جن کا ملحوظ رکھنا مناسب ہے جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

ذبح یا نحر کے مستحب آداب کا بیان

اور یہ کل پانچ ہیں۔

(۱) بھیڑ، بکری کے اگلے دونوں پاؤں پچھلی ایک ٹانگ کے ساتھ باندھے جائیں اور دوسری ٹانگ کو آزاد چھوڑا جائے اور گائے بھینس میں چاروں پاؤں کو کس کے باندھا جائے اور صرف دم کو آزاد چھوڑ دیا جائے اور اونٹ کو کھڑا رکھا جائے اور اگلے دونوں پاؤں گھٹنوں کے ساتھ باندھ دیئے جائیں اور پرندے کو ذبح کے بعد آزاد چھوڑ دیا جائے تاکہ خوب پھڑ پھڑائے اور اس طرح سب ضروری خون نکل جائے۔

(۲) ذبح یا نحر کرنے والا روبہ قبلہ ہو۔

(۳) ذبح یا نحر سے پہلے حیوان کو پانی پیش کیا جائے۔ (یعنی اسے پیاسا ذبح نہ کیا جائے)

(۴) ذبح کے مقدمات (از قسم مذبح کی طرف لے جانے، پاؤں باندھنے اور زمین پر لٹانے وغیرہ) سے لیکر ذبح یا نحر تک حیوان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ برتا جائے۔ تاکہ اسے کم سے کم اذیت ہو، اس لئے مستحب ہے کہ آلۂ ذبح تیز ہو تاکہ ذبیحہ کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔

(۵) جب تک بھیڑ بکری کی روح نہ نکل جائے اس وقت تک ان کی اون نہ اکھیڑی جائے۔

مکروہ آداب کا بیان

اور یہ کل سات ہیں۔

۱۔ جانور کی روح نکلنے سے پہلے اس کا سر تن سے جدا کرنا بلکہ بعض فقہاء تو اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ لیکن اگر غفلت یا چھری کی زیادہ تیزی کی وجہ سے ایسا ہو جائے تو پھر حرام یا مکروہ نہیں ہے۔

۲۔ روح نکلنے سے پہلے چمڑا اتارنا۔

۳۔ روح خارج ہونے سے پہلے ریڑھ کی ہڈی کو شگافتہ کر کے اس سے حرام مغز نکالنا۔

۴۔ چھری کو حلقوم کی پشت سے داخل کر کے اس کے نیچے سے نکالنا جس سے حلقوم اوپر سے قطع ہو جائے۔ کیونکہ مذکورہ بالا امور سے حیوان کو اذیت ہوتی ہے۔

۵۔ رات کے وقت یا بروز جمعہ زوال سے پہلے ذبح یا نحر کرنا ہاں البتہ ضرورت کے تحت ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۶۔ اس حیوان کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا جس کی خود پرورش کی ہو۔

۷۔ کسی حیوان کے روبرو دوسرے حیوان کو ذبح یا نحر کرنا۔

تم باب الصید والذباحۃ والحمد للہ رب العالمین۔

باب الاطعمہ والاشربہ

(کلوا واشربوا ولا تسرفوا)

اسلام کے ایک مکمل ضابطہ حیات ہونے کی بین دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں انسانی زندگی کے ہر ہر شعبہ کے متعلق، خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی تمدنی ہو یا معاشرتی سیاسی ہو یا دینی و مذہبی جامع ہدایات اور زریں نصائح موجود ہیں جن پر عمل درآمد کر کے انسان سعادت دارین اور فلاح کونین حاصل کر سکتا ہے انہی شعبہ ہائے حیات میں سے ایک اہم شعبہ انسانی خورد و نوش کا بھی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس مادی زندگی کا عام مطمع نظر اور ماحصل ہی عام لوگوں کی نگاہ میں یہی خورد و نوش ہے تو اسلام نے اس کے متعلق کچھ قواعد و ضوابط، کچھ قوانین

وآئین اور کچھ آداب و وظائف کچھ محرمات اور کچھ واجبات کچھ مستحبات اور کچھ مکروہات مقرر فرمائے ہیں جن پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے کے بعد یہ یقین کامل حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ دین اسلام خالق انام کا ہی مقرر کردہ ہے

(ان الدین عند اللہ الاسلام)

قبل اس کے کہ خورد و نوش کے آداب بیان کئے جائیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کھائے جانے والے بحری و بری حلال و حرام پرندوں اور حیوانوں کے نام بیان کر دیئے جائیں۔ سو مخفی نہ رہے کہ تین قسم کے جانور کھائے جاتے ہیں۔(۱) بحری جانور۔ (۲) بری چوپائے۔ (۳) پرندے۔ ذیل میں بقدر ضرورت ان سب اقسام کے بالوضاحت احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

سمندری حیوان کا بیان

ارشاد قدرت ہے۔ وھو الذی سخر البحر لتاکلوا منہ لحما طریا (پ ۱۴ ع ۸ س نحل)

اور وہی (قادر مطلق) خدا ہے جس نے دریا کو تمہارا مطیع بنا دیا ہے تاکہ تم (مچھلیوں کی وجہ سے) تازہ گوشت کھاؤ) نیز ارشاد قدرت ہے "احل لکم صید البحر وطعامہ متاعا لکم وللسیارۃ" (دریائی شکار اور اس کا طعام تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے تاکہ تمہیں اور دوسرے مسافروں کو فائدہ پہنچے) اگرچہ دریا و سمندر میں خالق کائنات کی بیسیوں قسم کی مخلوقات پائی جاتی ہے مگر عترت اطہار کے متواتر اخبار اور علماء امامیہ کے اجماعی آثار سے جو کچھ واضح و آشکار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ تمام بحری جانوروں میں سے صرف چھلکا دار مچھلی حلال ہے بلکہ جو شکل و صورت ہو، جو قد و قامت ہو جو نام اور اسکی جو کیفیت و نوعیت ہو بس جس مچھلی پر چھلکا ہے وہ حلال ہے اور جس پر چھلکا نہیں وہ حرام ہے۔ اور بعید نہیں ہے کہ آیت مبارکہ میں "لحما" کی تنکیر (کہ کوئی ایک گوشت) اسی طرف اشارہ ہو اور اگر قرآن مجید میں عموم تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ بالاتفاق روایات صحیحہ سے عموم قرآن کو تخصیص دی جا سکتی ہے جیسا کہ علاوہ دوسری کئی آیات کے ایک آیت ہمارے متعلقہ مسئلہ سے متعلق ہے جس میں خداوند عالم نے تین چار چیزوں کی حرمت بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ "واحل لکم ما وراء ذلکم" ان کے علاوہ جو کچھ ہے وہ تمہارے لئے حلال ہے۔ حالانکہ باتفاق فریقین بیسیوں چیزیں اور بھی حرام ہیں فلا تغفل نیز جس مچھلی پر چھلکا نہیں ہوتا (جسے ہمارے عرف میں ملی مچھلی کہا جاتا ہے) یہ خدا کی مسخ شدہ مخلوق ہے جس کا جرم یہ تھا کہ

"ڈاڑھی منڈواتے تھے اور مونچھوں کو تاؤ دیتے تھے اور اس کے نتیجہ میں لی مچھلی کی شکل میں مسخ ہوگئے۔ (اصول کافی) اور روایات میں وارد ہے کہ تمام مسوخات حرام ہیں(وسائل الشیعہ) الغرض چھلکے دار مچھلی کے علاوہ باقی ہر قسم کی مچھلی اور سب دریائی جانور از قسم مینڈک اور کچھوے وغیرہ حرام ہیں۔

بہائم یا خشکی کے جانوروں کا بیان

ان میں سے جو اہلی جانور حلال ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) اونٹ' (۲) گائے' بھینس' (۳) بھیڑ بکری' دُنبہ وغیرہ اور جو وحشی ہیں ان میں سے "بز کوہی" نیل گائے اور ہرن و بارہ سنگے وغیرہ ہیں اور گھوڑا خچر اور گدھا مکروہ جانور ہیں باقی حیوانات میں سے کتا و خنزیر کی حرمت تو خیر اجماعی ہے ان کے علاوہ ہر قسم کے درندے جیسے شیر چیتا بھیڑیا اور گینڈا وغیرہ حرام ہیں اسی طرح گیدڑ لومڑ بجو اور بلی وغیرہ بھی حرام ہیں نیز تمام مسوخات بھی حرام ہیں اور وہ بنابر مشہور کل تیرہ ہیں۔

مسوخات کا بیان

(۱) ہاتھی (جو کہ ایک لوطی مرد تھا)

(۲) ریچھ (جو کہ بدکار عورت تھی جو مردوں کو گناہ کی دعوت دیتی تھی)۔

(۳) خنزیر (یہ نصاریٰ کی ایک قوم تھی جس نے جناب عیسیٰؑ سے نزول مائدہ کی استدعا کی اور جب ان کی استدعا پر خدا نے مائدہ نازل کیا تو ان کا انکار اور بڑھ گیا)

(۴) بندر۔ یہ یہود کی ایک قوم تھی جس نے خدائی ممانعت کے کے باوجود یوم السبت (سنیچر کے دن) مچھلیوں کا شکار کیا۔

(۵) جریث۔ (ایک دیوث مرد تھا جو لوگوں کو اپنی اہلیہ کے ساتھ زنا کرنے کی دعوت دیا کرتا تھا)

(۶) سوسمار(گوہ)(ایک بدو آدمی تھا جو راستہ میں حاجیوں کے مال کی چوری کیا کرتا تھا۔)

(۷) وطواط۔ چور تھا جو کھجور کے درختوں پر چڑھ کر کھجوریں چرایا کرتا تھا۔

(۸) دعموص (یہ چغل خور آدمی تھا وہ چغل خوری کرکے دوستوں میں جدائی ڈال دیتا تھا۔)

(۹) بچھو (یہ بدزبان تھا جس کی زبانی سے کوئی بھی نہیں بچتا تھا)

(۱۰) عنکبوت (خیانت کار عورت تھی جو اپنے شوہر کی خیانت کرتی تھی)۔

(۱۱) خرگوش (یہ ایک عورت تھی جو حیض و نفاس کا غسل نہیں کرتی تھی۔

(۱۲) سہیل (یہ ایک رشوت خور مرد تھا)

(۱۳) زہرہ (بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے بعض کی زوجہ تھی جس کا نام ناہیل تھا جس پر ہاروت و ماروت فریفتہ ہوئے تھے۔) (خصال شیخ صدوقؒ) مخفی نہ رہے کہ حضرت شیخ صدوقؒ نے سہیل و زہرہ کے متعلق وضاحت کی ہے کہ یہ دو دریائی جانور ہیں ان سے آسمانی ستارے مراد نہیں ہیں۔ (خصال شیخ صدوق۔ ص ۹۰/۸۹) پھر متعدد روایات میں وارد ہے کہ مسوخات کا کھانا حرام ہے۔ حرم اللہ و رسولہ المسوخ جمیعا۔ (وسائل الشیعہ)

اگرچہ جو قومیں مسخ ہوئیں وہ تین دن سے زیادہ دنیا میں نہیں رہیں بلکہ وہ سب نیست و نابود ہوگئیں اور ان کے بعد خداوند عالم نے ان کی ہم شکل مخلوق خلق کی اور ان کا حکم (حرمت) ان کے لئے بھی برقرار رکھا (خصال ص ۸۹ طبع ایران) اسی طرح تمام حشرات الارض از قسم سانپ بچھو گوہ کیڑے مکوڑے کچھوے چوہے نول چھپکلی مکھی مچھر جوئیں اور جونکیں وغیرہ حرام ہیں۔

بعض اور قرآنی حرام جانوروں کا بیان

مذکورہ بالا محرمات کے علاوہ قرآن مجید سے بعض اور حرام جانوروں کا بھی سراغ ملتا ہے مگر ان میں سے اکثر کی حرمت اصلی نہیں بلکہ عارضی ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ **حرمت علیکم المتیتہ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ والمنخنقتہ والموقوذۃ والمتردیتہ والنطیحہ وما اکل السبع الا ما ذبحتم وما ذبح علی النصب وان تستقسموا با لازلام ذلکم فسق** (پ ۶ س مائدہ ع ۵) تم پر درج ذیل چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں۔ (۱) مرا ہوا جانور (۲) خون اور (۳) سور کا گوشت (ان تینوں کی حرمت تو ذاتی ہے) (۴) جو جانور خدا کے علاوہ کسی اور بت وغیرہ کیلئے ذبح کیا گیا ہو' (۵) جو گلا گھٹنے سے مر گیا ہو' (۶) جو چوٹ لگنے سے مر گیا ہو' (۷) جو بلندی سے گر کر مرا ہو' (۸) جو سینگ لگنے سے مرا ہو' (۹) اور وہ جانور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو۔ مگر جس کے مرنے سے پہلے تم حلال کر لو کہ وہ حرام نہیں۔ (۱۰) اور جو کسی تھان پر چڑھا کر ذبح کیا گیا ہو اور یہ بھی ممنوع ہے کہ ساجھے کے جانور کا گوشت (جوئے کے طور پر تیروں (کے پاسوں سے) تقسیم کرو۔ آخری نو (۹) قسم کے جانوروں کی حرمت عارضی ہے)

خلاصہ کلام یہ کہ ہر وہ حلال گوشت حیوان جو شرعاً مقرر کردہ شرائط کے تحت ذبح نہ کیا جائے اس کا کھانا اور کھلانا بھی حرام ہے۔

اسی طرح ہر وہ حلال گوشت حیوان یا پرندہ جو اس قدر انسانی پاخانہ کھائے کہ اس سے اس کا گوشت و پوست اگ آئے تو اس سے اس کا گوشت حرام ہو جاتا ہے اور جب تک اس کا استبراء نہ کیا جائے (جس کا طریقہ اس کتاب کے باب الطہارت میں گزر چکا ہے) اس وقت تک اس کا گوشت حلال نہیں ہوتا (یعنی حرام غذا روک کر اونٹ کو چالیس دن اور گائے بھینس کو تیس دن بھیڑ بکری کو دس دن۔ بطخ کو پانچ دن۔ مرغ کو تین دن اور مچھلی کو ایک شب و روز تک پاک غذا کھلائی جائے) اور اسی طرح جس ماکول اللحم جانور کے ساتھ کوئی انسان منہ کالا کرے تو اس سے اس کا اور اسکی نسل کا گوشت اور دودھ حرام ہو جاتا ہے اور اسے ذبح کر کے اس کا گوشت نذر آتش کرنا لازم ہوتا ہے اسی طرح اگر کوئی حلال جانور خنزیر کا اس قدر دودھ لئے کہ اس کا گوشت و پوست اگ آئے تو وہ اور اس کی نسل حرام ہو جاتی ہے اور اگر اتنی مقدار سے کم پئے تو سات دن تک اس کو پاک چارہ کھلانے سے اس کا استبراء ہو جاتا ہے۔ یہ حکم صرف خنزیر کے دودھ کے ساتھ مخصوص ہے جبکہ دودھ پینے والا جانور چھوٹا ہو اور منہ لگا کر تھنوں سے پئے' خلاصہ بحث یہ ہے کہ **احل لكم الطيبات وحرم عليكم الخبائث** (خدائے حکیم نے تمام طیبات کو حلال اور تمام خبائث کو حرام قرار دیا ہے)

ارشاد معصومینؑ کی روشنی میں خبیث ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے انسانی طبیعت نفرت کرے اور جس کے استعمال سے انسانی صحت تباہ و برباد ہو جیسے زہر یا مرد و عورت کے سلسلہ تولید کو ختم کرنے والی اور حمل ساقط کرنے والی دوائیں وغیرہ وغیرہ اور ان کے علاوہ جو کچھ ہے وہ طیبات میں داخل ہے۔

حلال جانور کے حرام اجزاء کا بیان

مخفی نہ رہے کہ حلال حیوان کی پندرہ چیزیں حرام ہیں۔ (۱) اگر زندہ حیوان سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر جدا کیا جائے جیسے دنبہ کی لاٹ تو وہ نجس اور حرام ہوگا۔ (۲) خون (۳) گوبر (۴) ذکر (۵) خصیہ (۶) فرج (۷) بچہ دانی (۸) تلی (۹) مثانہ (۱۰) پتہ (۱۱) حرام مغز جو پشت کی ہڈی میں ہوتا ہے۔ (۱۲) خرزہ (سوراخ) جو دانہ نخود کے برابر وسط دماغ میں ہوتا ہے۔ (۱۳) دو زرد پٹھے جو سر کے نیچے سے دم تک حرام مغز کے ارد گرد ہوتے ہیں۔ (۱۴) حدقہ چشم (آنکھ کی پتلی) (۱۵) غدود (وہ گول گرہیں جو گوشت میں ہوتی ہیں)۔

حلال و حرام پرندوں کا بیان

پرندوں میں عام اس سے کہ اہلی ہوں یا وحشی درج ذیل پرندے حلال ہیں۔ (۱) کبوتر بجمیع اقسامہ (۲) قمری (فاختہ) بجمیع اقسامہ (۳) چڑی بجمیع اقسامہ (جن میں بلبل بھی داخل ہے۔) (۴) لالی بجمیع اقسامہ (۵) تلیر و تیتر بجمیع اقسامہ (۶) بٹیر بجمیع اقسامہ (۷) مرغابی بجمیع اقسامہ (۸) کبک بجمیع اقسامہ (۹) مرغ بجمیع اقسامہ (۱۰) قطا

ان کے علاوہ جو مشہور پرندے حرام ہیں وہ یہ ہیں

(۱) گدھ (۲) شاہین (۳) کوا (۴) چمگادڑ (۵) مور (۶) باز (۷) ہنس (۸) طوطا (۹) مینا حرام ہیں۔ حرام خور پرندے (جن کا حرام خوری کی وجہ سے گوشت و پوست اگ آئے کہ جب تک ان کا استبراء نہ کیا جائے ان کا کھانا حلال نہیں ہوتا)

مکروہ پرندے

بناء بر مشہور مندرجہ ذیل پرندے مکروہ ہیں۔ (۱) صرد (لٹو) (۲) صوام وہ پرندہ جو دراز گردن ہوتا ہے اور کھجور پر رہتا ہے' (۳) شقراق (روم۔ شام) عراق میں ہوتا ہے اور سانپ کھاتا ہے۔ (۴) خطاف (۵) ہُد ہُد (۶) قبرہ (چنڈول) اگرچہ ان کی کراہت میں کلام کی گنجائش ہے مگر احوط یہی ہے کہ ان کے کھانے سے اجتناب کیا جائے۔

توضیح

حرام جانور اور پرندہ اور نجس العین اشیاء کے علاوہ ہر متنجس چیز حرام ہے (جب تک اسے پاک نہ کر لیا جائے) اور مٹی (سوائے سید الشہداء کی خاک شفاء کے جو بقدر نخود بغرض شفاء استعمال کی جاسکتی ہے) بھنگ اور چرس۔ خون اور شراب منی' پیشاب اور تمام مضر صحت اشیاء بھی حرام ہیں۔ اس سلسلہ میں اب تک کی سابقہ تمام تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ بحری و بری اہلی و وحشی حیوان اور پرند وغیرہ میں سے سب حلال ہیں سوائے درج ذیل کے کہ یہ حرام ہیں۔ (۱) نجس العین کلب و خنزیر (۲) درندے (۳) وہ مچھلی جس پر چھلکا نہ ہو (۴) سوائے چھلکادار مچھلی کے باقی تمام دریائی جانور (۵) مسوخات (۶) حشرات الارض' (۷) وہ خبیث چیزیں جن سے انسانی طبیعت نفرت کرے جیسے چمگادڑ اور جوئیں' جونکیں وغیرہ۔ (۸) حرام خور حیوان' (۹) جس حیوان سے انسان نے وطی کی ہو' (۱۰) جس حیوان نے خنزیر کا دودھ پی کر پرورش پائی ہو' (۱۱)

حلال جانور کے بعض مخصوص اجزاء' (۲) جو چیز نجس ہو جائے (جب تک اسے پاک نہ کیا جائے' (۳) وہ مخصوص پرندے جن کے نام اوپر مذکور ہیں' (۴) شراب و بھنگ چرس وغیرہ ہر مضر صحت چیز واللہ العالم۔

مسائل واحکام

مسئلہ ا۔ جس جانور یا پرندے کے حلال یا حرام ہونے پر نص موجود ہو اس کا معاملہ تو بے اشکال ہے لیکن جس کے بارے میں کوئی نص موجود نہ ہو تو اس کے متعلق احادیث میں علامات بیان کئے گئے ہیں۔ ان کو مدنظر رکھ کر ان کے حلال یا حرام ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ مثلاً" جانور میں یہ ضابطہ ہے کہ جس حیوان کے ناخن اور دو لمبے دانت ہوں وہ حرام ہے اور جو ایسا نہیں وہ حلال ہے اور پرندے میں دو

علامتیں ہیں۔

(۱) صفیت و دفیف، یعنی جو پرندہ اڑتے وقت پر جما کر اڑے وہ حرام اور جو پر مار کر اڑے وہ حلال متصور ہوگا اور اختلاف کی صورت میں صفیت یا دفیف میں سے جو اکثر پر عمل کیا جائے گا اور تساوی کی صورت میں احتیاطاً اس سے اجتناب کیا جائے گا۔

(۲) جس پرندہ میں درج ذیل تین چیزوں سے کوئی ایک نہ ہو وہ حرام سمجھا جائے گا اور جس میں ان میں سے کوئی ایک پائی جائے وہ حلال متصور ہوگا اور وہ تین چیزیں یہ ہیں۔

(۱) حوصلہ (پوٹا) جس میں وہ دانے جمع ہوتے ہیں جو پرندہ کھاتا ہے جو حلق کے پاس ہوتا ہے۔

(۲) قانصہ (پھٹی) (پوٹے کے بعد اس میں غذا تحلیل ہوتی ہے) (۳) صیصہ (خار) (جو ایک کانٹا سا پرندہ کی ٹانگ کی پچھلی طرف ہوتا ہے) اور اگر کہیں ان دو قسم کی علامتوں میں اختلاف پیدا ہو جائے یعنی صفیت و دفیف کے لحاظ سے کچھ ظاہر ہو اور قانصہ وغیرہ کے اعتبار سے کچھ اور آشکارا ہو تو ظاہر یہ ہے کہ دفیف و صفیت کا اعتبار مقدم ہوگا۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ انڈے پرندے کے تابع ہوتے ہیں۔ (یعنی حلال پرندہ کا انڈہ حلال اور حرام کا حرام متصور ہوگا) اور اگر کسی انڈے کے متعلق یہ معلوم ہو سکے کہ وہ حلال پرندہ کا ہے یا حرام کا تو اس کے معلوم کرنے کے دو معیار مقرر کئے گئے ہیں۔ ۱) جو سخت ہو وہ حلال اور جو نرم ہو وہ حرام ہوگا۔ (۲) جسکے دونوں سرے برابر ہوں وہ حرام اور جس کا ایک سرا بڑا اور دوسرا چھوٹا ہو وہ حلال سمجھا جائے گا۔ احوط یہ ہے کہ ہر مشتبہ انڈا سے اجتناب کیا جائے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۳۔ حرام چیز کو بطور دوا و علاج استعمال کرنے میں فی الجملہ اختلاف ہے اقوی یہ ہے کہ جائز نہیں ہے کیونکہ خدا نے حرام میں شفا رکھی ہی نہیں ہے۔ (جیسا کہ حکماء اسلام یعنی آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے ارشادات میں وارد ہے)

مسئلہ ۴۔ اگر کوئی شخص بھوک و پیاس کی شدت سے ہلاکت کے دہانہ پر پہنچ جائے تو وہ حرام چیز کی اتنی مقدار استعمال کر سکتا ہے جس سے جان تلف ہونے سے بچ جائے۔ مگر دو قسم کے لوگوں کے لئے یہ رعایت نہیں ہے۔ (۱) باغی (۲) عادی۔ نصوص و فتاویٰ سے ان کے جو معنی ظاہر ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ باغی سے مراد وہ شخص ہے جو امام برحق کے خلاف خروج کرے یا لہوی شکار کے لئے گھر سے نکلے اور عادی سے مراد وہ شخص ہے جو چوری یا ڈاکہ زنی کے لئے گھر سے

نکلے۔

مسئلہ ۵۔ جن لوگوں کا سورہ نور کی آیت مبارکہ میں تذکرہ کیا گیا ہے ان کے گھروں سے بغیر ان کی اجازت کے انسان معمول کے مطابق کھاپی سکتا ہے جب تک ان کی ناپسندیدگی کا علم یا ظن قریب بعلم حاصل نہ ہو جائے اور وہ یہ ہیں۔ ماں۔ باپ۔ بھائی۔ بہن۔ چچا۔ پھوپھی۔ ماموں۔ خالہ۔ مخلص دوست و مؤکل (جس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہو اور ان کے ساتھ زن و شوہر اور اولاد کو بھی ملحق کیا گیا ہے کہ زن و شوہر ایک دوسرے کے ہاں اور والدین اپنی اولاد کے ہاں عرف و عادت کے مطابق کھاپی سکتے ہیں۔

کھانا کھانے کے آداب

اس سلسلہ میں جامع ترین حدیث وہ ہے جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آباء و اجداد طاہرینؑ کے سلسلہ سند سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت فرمائی ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت امیر علیہ السلام کے نام وصیت میں فرمایا۔ یا علیؑ دستر خوان کے متعلق ایک مسلمان آدمی کو بارہ خصلتیں معلوم ہونی چاہئیں۔ جن میں سے چار فرض، چار سنت اور چار ادب میں پہلی چار یہ ہیں۔ (۱) جو کچھ کھا رہا ہے اس کی معرفت حاصل کرنا کہ حلال ہے یا حرام ؟ (۲) کھانے سے پہلے اللہ کا نام لینا۔ (۳) کھانے کے بعد حمد و شکر بجا لانا۔ (۴) راضی برضاء الٰہی رہنا اور دوسری چار یہ ہیں۔ (۱) بائیں پاؤں پر زور دے کر بیٹھنا۔ (بطور تشہد بیٹھنا اولیٰ ہے) (۲) تین انگلیوں سے کھانا۔ (۳) اگر کھانے والے ایک سے زائد ہوں تو اپنے سامنے سے کھانا (۴) دائیں ہاتھ سے کھانا اور تیسری چار یہ ہیں۱۔ لقمہ چھوٹا توڑنا۲۔ لقمہ کو خوب چبانا (کیونکہ معدہ کے دانت نہیں ہیں) (۳) لوگوں کے چہروں پر کم نظر ڈالنا۔ (۴) دونوں ہاتھ دھونا۔ یہ کل ۱۲ ہیں۔ (خصال شیخ صدوقؒ **ونوادر من لا یحضرہ الفقیہ**) مخفی نہ رہے کہ اگر چند قسم کا کھانا سامنے چنا جائے تو ہر قسم پر علیحدہ بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔ نیز کھانا کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھوں کا دھونا مستحب ہے جس سے رزق میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور افلاس دور ہوتا ہے مگر پہلے ہاتھوں کا خشک کرنا مکروہ اور بعد میں مستحب ہے اس کے علاوہ اور بھی چند مستحبات ہیں جو یہ ہیں۔ (۱۳) کھانا کھانے کے بعد انگلیوں کا چاٹنا (جو ہضم میں ممد ہے) (۱۴) کھانے کے بعد خلال کرنا (تاکہ دانتوں میں روٹی کے ریزے رہ جانے کی وجہ سے دانتوں کی کوئی

بیماری پیدا نہ ہو۔ (۱۵) دستر خوان سے گرے ہوئے ریزوں کا جمع کر کے کھانا' ہاں اگر صحراء میں روٹی کھائی جائے تو پرندوں اور جانوروں کے لئے ان کا چھوڑ دینا مستحب ہے۔ (۱۶) کھانے کی ابتداء و انتہاء نمک کے ساتھ کرنا کہ اس میں ستر بیماریوں کی شفا ہے۔ (۱۷) پھل فروٹ کو کھانے سے پہلے دھونا تاکہ اس کی ظاہری کثافت دور ہو جائے۔ (۱۸) کھانے کے بعد چت لیٹ کر دائیں پاؤں کو بائیں پاؤں پر رکھنا۔ بالخصوص دن کے کھانے کے بعد (کہ اس سے غذا جلد ہضم ہوتی ہے۔ (۱۹) اگر ضیافت ہو تو میزبان کا سب سے پہلے شروع کرنا اور سب کے آخر میں ختم کرنا (تاکہ دوسروں کو کھانے میں شرم محسوس نہ ہو) (۲۰) دستر خوان پر زیادہ دیر بیٹھنا کہ وہ وقت عمر میں شمار نہیں ہوتا۔ (۲۱) صرف صبح و شام غذا کھانا اور درمیان میں کچھ نہ کھانا تاکہ معدہ پر زیادہ بوجھ نہ پڑے اور بیماری پیدا نہ ہو۔ بالخصوص شام کے کھانے کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے۔ خواہ روٹی کا ایک لقمہ یا پانی کا ایک گھونٹ ہی کیوں نہ ہو۔ (۲۲) جب بھوک لگے تو دسترخوان پر بیٹھا جائے۔ اور ابھی کچھ اشتہائی باقی ہو تو ہاتھ کھینچ لیا جائے چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ امام حسنؑ سے فرمایا۔ بیٹا! چار چیزوں پر عمل کرو تاکہ کبھی طبیب کے محتاج نہ ہو۔

۱۔ دستر خوان پر اس وقت بیٹھو جب بھوک لگی ہو۔ (۲) اس وقت اٹھو جب ابھی کچھ بھوک باقی ہو۔ (۳) لقمہ کو خوب چباؤ۔ (۴) سونے سے پہلے بیت الخلاء جاؤ۔ (معراج السعید) (۲۳) کھانے کے بعد کلی کرنا تاکہ گندہ دہنی اور دانتوں کی بیماری پیدا نہ ہو۔ (۲۴) کھانے سے پہلے میزبان سب سے پہلے ہاتھ دھوئے اور کھانے کے بعد سب سے آخر دھوئے تاکہ اوروں کو کھانے اور ہاتھ دھونے میں دقت نہ ہو۔ نیز سب ایک برتن میں ہاتھ دھوئیں تاکہ سب کے اخلاق نیک ہوں۔ (۲۵) داہنے ہاتھ سے کھانا کہ اس میں خیر و برکت ہے۔ (۲۶) جوتے اور موزے اتار کر کھانا کہ موجب راحت پا ہے۔ (۲۷) اگر نوکر و غلام موجود ہوں تو ان کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کہ اس میں تواضع ہے (۲۸) کھانا کھانے سے پہلے اور اس کے بعد آئمہ طاہرینؑ سے منقول شدہ دعائیں پڑھنا جو بکثرت ہیں۔ مختصر یہ کہ جب دستر خوان بچھایا جائے تو بسم اللہ پڑھی جائے اور جب کھانا شروع کیا جائے تو پڑھا جائے۔ بسم اللہ علی اولہ و آخرہ اور جب دستر خوان اٹھایا جائے تو کہا جائے۔ الحمد للہ۔ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا کہ جس کھانے کے اول میں خدا کا نام لیا جائے اور اختتام پر اس کی حمد و ثناء کی جائے (قیامت کے دن) اس کھانے کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔ (حلیۃ المتقین) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے

کہ جو شخص (پہلا) لقمہ اٹھاتے وقت یہ پڑھے۔ بسم اللہ والحمد للہ رب العالمین۔ تو قبل اس کے کہ وہ لقمہ اس کے منہ میں پہنچے۔ خدا اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ (ایضاً") حضرت امام زین العابدینؑ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ کھانا کھانے کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ **الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وکفانا وایدنا واوانا وانعم علینا وافضل الحمد للہ الذی یطعم ولا یطعم۔** (سراج الشیعہ)

(۲۹) کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھو کر منہ پر ملنا کہ اس سے چہرہ کے داغ دور ہوتے ہیں اور روزی بڑھتی ہے بعد ازاں خشک کرنا۔ (۳۰) کھانا کھاتے وقت حاضرین محفل کو کھانے کی دعوت دینا کیونکہ خدا ایسا کرنے والوں سے روز قیامت کی تلخی دور کرتا ہے۔ (ایضاً")

کھانا کھانے کے مکروہات

(۱) شکم پری کی حالت میں کھانا۔ (۲) شکم سیر ہو کر کھانا کہ اس سے مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ شکم پری ہر بیماری کی جڑ اور گرسنگی ہر دوا کی سرتاج ہے۔ (۳) بہت گرم کھانا کھانا کہ اس سے برکت جاتی رہتی ہے۔ (۴) روٹی اور پانی پر پھونک مارنا کہ اس سے جراثیم پھیلتے ہیں۔ (۵) جب روٹی سامنے رکھ دی جائے تو اور کھانے کی انتظار کرنا اور شروع نہ کرنا۔ (۶) چھری کانٹا سے روٹی کاٹنا کہ یہ دشمنان خدا کا طریقہ ہے۔ (۷) روٹی کو (سالن کے) برتن کے نیچے اور برتن کو اس کے اوپر رکھنا۔ (۸) ہڈی کے اوپر والے گوشت کو اس طرح کھانا کہ ہڈی پر کچھ باقی نہ رہ جائے۔ (۹) پھل کو چھلکا اتار کر کھانا کیونکہ پھل کی زیادہ تر طاقت تو اس کے چھلکا میں ہوتی ہے۔ (۱۰) فروٹ کا کچھ حصہ کھا کر باقی پھینک دینا کہ یہ اسراف میں داخل ہے۔ (۱۱) روٹی کھاتے وقت دوسرے لوگوں کے چہروں کی طرف نگاہ کرنا۔ (۱۲) رات کا کھانا ترک کرنا۔ (۱۳) شارع عام میں راہ چلتے کھانا۔ (۱۴) دوسروں کے آگے سے اٹھا کر کھانا۔ (۱۵) ایسی ثقیل و سنگین غذا کھانا جو بدہضمی کا باعث ہو۔ (۱۶) تنہا کھانا کھانا۔ (۱۷) کھانے پینے کے برتن کا کھلے منہ رکھنا۔ (۱۸) دسترخوان یا طعام پر پاؤں رکھنا کہ یہ کفران نعمت کے مترادف ہے۔

پانی پینے کے آداب

(۱) دن کو کھڑے ہو کر اور رات کو بیٹھ کر پینا ہضم طعام میں مد ہے اور کھانے کے کچھ دیر بعد پینا۔ کیونکہ درمیان میں پینے سے ہضم کچا ہو جاتا ہے۔ (۲) پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا اور پینے کے بعد الحمد للہ کہنا۔ (۳) پانی پینے کے بعد حضرت امام حسینؑ اور انکے اعزا و اصحاب کے قاتلوں پر لعنت کرنا کہ اس سے ایک لاکھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ایک لاکھ برائیاں مٹا دی جاتی ہیں اور لاکھ درجے بلند ہوتے ہیں۔ (الحدیث) بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے۔ **صلوات اللہ علی الحسین و اھلبیتہ واصحابہ ولعنتہ اللہ علی قتلتہ الحسین واعدائہ** (ارکان الرسالہ) (۵) تین بار وقفہ کرکے پینا۔ (۶) دائیں ہاتھ سے پینا۔ (۷) پیتے وقت آئمہ طاہرینؑ سے منقول شدہ دعائیں پڑھنا۔ (۸) پیاسوں کو پانی پلانا بڑا کار ثواب ہے حدیث میں وارد ہے کہ پانی تھوڑا تھوڑا اور گھونٹ گھونٹ مزے لے کر پیو اور ایک ہی مرتبہ نہ پیو۔ ایسا کرنے سے درد جگر اور درد شکم پیدا ہوتا ہے۔

منہ عفی عنہ

لے انورین کھاتے وقت پیٹ کے تین حصے کرنے چاہییں (۱) ایک کھانے کیلئے (۲) ایک پینے کیلئے (۳) ایک سانس لینے کیلئے

پانی پینے کے مکروہات

(۱) بہت زیادہ پانی پینا کہ اس سے بہت زیادہ امراض پیدا ہوتے ہیں۔ (۲) مرغن غذا کے فوراً بعد پینا کہ اس سے بیماری پیدا ہوتی ہے۔ (۳) بائیں ہاتھ سے پینا۔ (۴) رات کو کھڑے ہو کر پینا۔ (۵) جہاں سے لوٹا یا برتن ٹوٹا ہوا ہو وہاں سے پینا۔ (۶) پانی میں پھونک مارنا۔ (۷) اولہ کھانا۔ یا اس کا پانی پینا کہ وہ قہر خدا کی علامت ہے (اعاذنا اللہ منہ)

تم باب الا طعمہ والا شربہ والحمد للہ رب العالمین۔

باب القضاء

(انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ولا تکن للخائنین خصیما)

اسلام صرف روحانیت کی تعلیم و تلقین کیلئے ہی نہیں آیا بلکہ دین و دنیا کے تمام انفرادی و اجتماعی مسائل حل کرنے کے لئے آیا ہے صرف دنیوی زندگی کو لے لیجئے اس کے ان گنت مسائل ہیں۔ مثلاً" یہ کہ انسانی برادری کا قیام کس طرح ہو؟ طبقاتی تفاوت کو کس طرح ختم کیا جائے؟ عالمگیر اقدار کو کس طرح اجاگر کیا جائے؟ ظلم و جور اور فتنہ و فساد کا کس طرح خاتمہ کیا جائے۔؟ افراد اور مجتمع کے حقوق کی نگہداشت کس طرح کی جائے؟ انفرادی و اجتماعی نزاعات کس طرح مٹائے جائیں؟ ہر انسان کی ضروریات زندگی کس طرح پوری کی جائیں؟ انسان سے خوف جان و مال و آبرو کو کس طرح دور کیا جائے؟ اور کس طرح نظام عدل و انصاف قائم کیا جائے۔؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان مسائل کو حل کرنا اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنا عین عبادت ہے یہ بات محتاج وضاحت نہیں ہے کہ انسانی معاشرہ میں قدم قدم پر لوگوں میں باہمی اختلافات و نزاعات پائے جاتے ہیں اور انہی تنازعات کو نمٹانے اور مقدمات کو فیصل کرانے کے لئے آئے دن لوگ عدالتوں کی خاک چھانتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر مسلمان بحیثیت مسلمان زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ وہ اپنے انفرادی و اجتماعی معاملات کا فیصلہ قانون خدا اور اس کی شریعت حقہ کے مطابق کریں۔ اسلام اس دوغلی پالیسی اختیار کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ زبان سے تو اعلان کیا جائے خدائے دو جہاں پر ایمان کا اور زندگی کے معاملات طے کریں غیر الہی قانون کے مطابق ------ اسلام میں اس تضاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ خداوند عالم نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا ہے۔ **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون ---- الظالمون ---- الفاسقون** (المائدہ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶) جو لوگ خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں ------ ظالم ہیں ------ فاسق ہیں ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ **الم تر الی الذین یزعمون انھم امنو بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان یتحا کموا الی الطاغوت وقد امر وان یکفروا بہ** (النساء ۶۰)

اے رسول! کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعوی تو یہ کرتے ہیں کہ ہم اس کتاب پر ایمان لائے جو تم پر نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی ہیں لیکن وہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے معاملات کا فیصلہ طاغوت (ابلیس) سے کرائیں حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ طاغوت کا انکار کریں۔" ظاہر ہے کہ یہاں طاغوت سے مراد وہ حاکم ہے جو قانون خدا کے سوا کسی دوسرے باطل قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو۔ نتیجہ یہ کہ جو عدالت طاغوت کی حیثیت رکھتی ہو اپنے معاملات فیصلے کے لئے اس کے پاس لے جانا کھلم کھلا بے ایمانی ہے اس لئے ارشاد قدرت ہے۔ **وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما**" (پ س ع) اے نبی! تیرے پروردگار کی قسم یہ دعویداران ایمان اس وقت تک مومن نہیں بن سکتے جب تک اپنے تمام نزاعات میں تمہیں اپنا حاکم تسلیم نہ کریں اور پھر تم جو بھی فیصلہ کردو۔ اس سے کسی قسم کی کوفت محسوس نہ کریں بلکہ اسے اس طرح تسلیم کریں جس طرح تسلیم کرنے کا حق ہے۔" اس لئے حکام جور کی طرف رجوع کرنا حرام اور ان کے فیصلہ سے مال حاصل کرنا بھی حرام ہے۔ اگرچہ آدمی حق پر ہی کیوں نہ ہو۔ اسی بناء پر فقہی کتابوں میں "باب القضاء" کا عنوان قائم کرکے بحث کی جاتی ہے کہ جس حاکم کی طرف رجوع کیا جائے وہ کیسا ہونا چاہئے؟ اس کے صفات کیا ہوں؟ اس کے آداب کیا ہیں؟ اس کی عدالت کی نوعیت کیا ہے؟ دعوی پیش کرنے اور اس کے فیصل کرنے کا طریقہ کار کیا ہے؟ مدعی اور مدعا علیہ کے احکام کیا ہیں اور اقرار و انکار کے مسائل کیا ہیں؟ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور اور ان کے بعد کچھ عرصہ تک قضاء کا عہدہ کوئی جداگانہ عہدہ نہ تھا۔ وہی دینی و دنیوی احکام کی تعلیم و تلقین کرتے تھے اور وہی ان کا اجراء و نفاذ فرماتے تھے وہی نماز پڑھاتے اور وہی جنگی احکام صادر کرتے تھے پہلے پہل بنی امیہ کے دور میں یہ محکمے جدا جدا ہوئے اور عدالتی کاروائی کے لئے "قاضی القضاۃ" اور ان کے ماتحت قاضی اور ان کی مدد کے لئے مفتی مقرر کئے گئے۔

بہرحال اسلام کے احکام قضا بھی اس بات کی بین دلیل ہیں کہ اسلام اور مسلمان دنیا میں حاکم بن کر رہنے کے لئے ہیں نہ کہ محکوم بن کر۔ واللہ الموفق

عہدہ قضا کی اہمیت و نزاکت

قضاوت کا عہدہ بہت اہم اور نازک ہے دراصل یہ عہدہ نبی و امام یا پھر ان کی نیابت میں

ان کے نائب خاص یا عام کا ہے اسی لئے حضرت امیر علیہ السلام نے شریح قاضی کو مسند قضا پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر فرمایا تھا۔ "یا شریح! قد جلست مجلسا لا یجلسه الا نبی او وصی او شقی۔ اے شریح! تو ایسی جگہ پر بیٹھا ہے کہ یہاں بیٹھنے والا نبی ہوتا ہے یا وصی (جو نبی کی شرع کے مطابق فیصلہ کرتا ہے) یا پھر شقی و بد بخت ہے (کافی و تہذیب)

حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **القضاة اربعة، ثلاثة فی النار و واحد فی الجنة، رجل قضی بجور وهو یعلم فهو فی النار۔ ورجل قضی بجور وهو لا یعلم فهو فی النار ورجل قضی بالحق وهو لا یعلم فهو فی النار ورجل قضی بالحق وهو یعلم فهو فی الجنة۔** (خصال شیخ صدوق و وسائل) قاضی چار قسم کے ہیں تین جہنم میں جائینگے اور صرف ایک جنت میں جائے گا (۱) وہ قاضی جو جان بوجھ کر ظلم و جور کا فیصلہ کرے وہ جہنم میں جائے گا۔ (۲) وہ قاضی جو جہالت کی وجہ سے جور کا فیصلہ کرے وہ بھی جہنم میں جائے گا۔ (۳) وہ قاضی جو گو حق کا فیصلہ کرے مگر اسے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ حق ہے وہ بھی جہنم میں جائے گا۔ (۴) وہ قاضی جو حق کا فیصلہ کرے اور وہ جانتا ہو کہ یہ حق ہے صرف وہ جنت میں جائے گا۔ اس لئے قاضی کے تقرر میں بڑے حزم و احتیاط کی ضرورت ہے محض دستار فضیلت کا باندھ لینا یا کسی درس گاہ سے علم و فضل کی سند کا حاصل کر لینا اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہونے کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ اس میں چند مخصوص صفات کا پایا جانا ضروری ہے ذیل میں قاضی کے انہی شرائط و صفات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

قاضی کے وہ شرائط و صفات جو اسمیں پائے جانے چاہئیں

(۱) بلوغ (۲) عقل (۳) مردانگی (۴) ایمان (۵) حلال زادگی (۶) عدالت (۷) رشد (۸) عادی ضبط و حفظ (۹) فتوی دینے کی مکمل اہلیت و لیاقت (۱۰) اذن معصوم! بنا بریں نابالغ مجنون، عورت اور جو عقائد حقہ ایمانیہ نہیں رکھتا اور حرام زادہ، فاسق و فاجر، سفیہ (جسے اپنے نفع و نقصان کا احساس نہ ہو) کثیر النسیان اور جو جامع الشرائط مجتہد یا محدث نہیں ہے۔ اور جسے خصوصی یا عمومی طور پر نبی یا امام معصوم کی طرف سے قضاوت اور فیصلہ کرنے کا اذن نہ ہو اس کا مسند قضاوت پر بیٹھنا صحیح نہیں ہے۔

موجودہ دور کے لوگوں کی شرعی تکلیف

موجودہ دور میں جبکہ امام العصر پردہ غیبت میں روپوش ہیں۔ فقیہ جامع الشرائط کی قضاوت اور اس کا فیصلہ صحیح ہے کیونکہ اسے صحیح عمومی نیابت امام کا شرف حاصل ہے اور اسی وجہ سے اسے عمومی اذن معصوم بھی حاصل ہے جیسا کہ مقبولہ عمر بن حنظلہ میں صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **ينظر ان من كان منكم قدروى حديثنا ونظر في حلالنا و حرامنا وعرف احكامنا فليرضوا به حكما" فاني قد جعلته عليكم حاكما" فاذا حكم بحكمنا فلم يقبل منه فانما استخف بحكم الله وعلينا رد والراد علينا الراد على الله وهو على حد الشرك بالله**

دونوں (جھگڑا کرنے والے) تم میں سے اس شخص کو دیکھیں جو ہماری حدیث کا راوی ہمارے حرام و حلال پر نگاہ رکھنے اور ہمارے احکام کا جاننے والا ہے اس کو اپنا حاکم تسلیم کرلیں۔ کیونکہ میں نے اسے تم پر حاکم مقرر کردیا ہے پس جب وہ ہمارے حکم کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کا وہ فیصلہ قبول نہ کیا جائے تو اس رد کرنے والے نے خدا کے حکم کو خفیف سمجھا ہے اور ہم پر رد کیا ہے اور ہم پر رد کرنے والا ایسا ہے جیسے خدا پر رد کرنے والا اور ایسا شخص مشرک ہے (اصول کافی) یا جیسے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ کی توقیع مبارک میں وارد ہے۔ **واما الحوادث الواقعة فارجعوا فيها الى رواة احاديثنا فانهم حجتي عليكم وانا حجة الله۔**

ہماری غیبت کبریٰ کے دور میں تمہیں جو حوادث و مسائل پیش آئیں ان میں ہماری احادیث کے راویوں کی طرف رجوع کرنا کیونکہ وہ میری طرف سے تم پر حجت ہیں اور میں (ان پر) حجت خدا ہوں (احتجاج طبرسی)

علاوہ بریں قاضی میں کن صفات جلیلہ اور ملکات نبیلہ کا پایا جانا ضروری ہے اس سلسلہ میں جناب امیر علیہ السلام کے اس عہد نامہ سے چند جملے پیش کئے جاتے ہیں جو آپ نے جناب مالک اشتر کے نام لکھا تھا۔ اسمیں آپ فرماتے ہیں۔ **اختر الفضل رعيتك في نفسك ممن لا تضيق به الامور ولا تمحكه الخصوم ولا يتمادى في الزلة ولا يحصر من الفيئ الى الحق اذا عرفه ولا تشرف نفسه على طمع ولا يكتفي بادني فهم دون اقصاه واو قفهم في الشبهات واخذهم بالحجج واقلهم تبرما بمراجعة الخصم واصبرهم على تكشف الامور واصرمهم عند اتضاح الحكم ممن لا يزدهيه اطراء ولا يستميله اغراء واولئك قليل۔**

"پھر لوگوں میں انصاف قائم کرنے کیلئے ایسے لوگ (قاضی) منتخب کرو۔ جو تمہاری نظر میں سب سے افضل ہوں جو معاملات کے ہجوم سے تنگ دل نہ ہوتے ہوں۔ جنہیں مخالف دھوکہ نہ دے

سکیں جو اپنی غلطی پر اڑے نہ رہتے ہوں اور حق ظاہر ہو جانے کے بعد باطل سے چپٹے نہ رہتے ہوں۔ جو دنیا کے مال و منال کے طماع نہ ہوں جو اپنے فیصلوں میں معمولی فکر پر اکتفا نہ کرتے ہوں بلکہ انتہائی غور و فکر کرنے والے ہوں شکوک و شبہات پر سب سے زیادہ رکنے والے ہوں دلائل و براہین کو سب سے زیادہ اہمیت دینے والے ہوں فریقین سے بحث و تمحیص میں اکتا جانے والے نہ ہوں معاملات کی تہ تک پہنچنے کی تکلیف پر سب سے زیادہ صبر کرنے والے ہوں اور حقیقت حال واضح ہو جانے کے بعد بے باک ہوں۔ یہ ایسے ہوں کہ جنہیں نہ تو تعریف و توصیف بے خود کرتی ہو اور نہ فریب کاری و چاپلوسی (باطل کی طرف) مائل کر سکتی ہو۔ مگر ہاں ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں اس کے بعد حکیم الامت امامؑ نے جناب مالک اشتر کو قاضیوں کے بارے میں بڑی زریں نصیحت فرمائی ہے فرماتے ہیں۔ "ثم اکثر تعاھد قضائہ وافسح لہ فی البذل ما یزیل علتہ و تقل معہ حاجتہ الی الناس واعطہ من المنزلۃ لدیک مالا یطمع فیہ غیرہ من خاصتک لیأمن بذلک اغتیال الرجال لہ عندک فانظر فی ذلک نظرا" بلیغا" فان ھذا الدین کان اسیرا" فی ایدی الاشرار یعمل فیہ بالھوی و تطلب بہ الدنیا۔

اپنے قاضیوں کے فیصلوں کی جانچ پڑتال کرتے رہو۔ اور کھلے دل سے ان کی مالی امداد کرو۔ تاکہ ان کی ضرورتیں پوری ہوں۔ اور ان کو کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے اور ان کو اپنے دربار میں وہ مرتبہ و مقام دو کہ تمہارے کسی خاص درباری کو اس کی طمع نہ ہو۔ تاکہ کسی کو ان کو نقصان پہنچانے کی ہمت نہ ہو سکے۔ اور وہ ہر قسم کے خوف سے محفوظ ہو کر اپنا کام کر سکیں۔ اس بات کی طرف خاص توجہ دو کیونکہ یہ دین شریر لوگوں کے ہاتھوں میں پڑ گیا تھا جو دین کے نام پر اپنی خواہشات پر چلتے اور دنیا کماتے تھے (نہج البلاغہ ج ۲)

دو اختلافی مسئلوں کا حل

جناب امیر علیہ السلام کے اس کلام معجز نظام سے دو اختلافی مسئلوں کا حل بھی معلوم ہو گیا۔ ایک یہ کہ قاضی کو معاوضہ دینا جائز ہے یا نہ؟ دوسرے یہ کہ قاضی کیلئے اعلم و افضل ہونا ضروری ہے یا نہ؟ پس ظاہر ہو گیا کہ بطور گزارہ الاؤنس اس کی معقول خدمت کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری بھی ہے تاکہ وہ مرفہ الحال اور فارغ البال ہو کر اپنے فرائض کو انجام دے سکے اور یہ کہ کم از کم اپنے علاقہ کے لوگوں سے افضل و اعلیٰ ہونا چاہئے تاکہ قطع خصومت میں اس کا فیصلہ موثر ہو۔ اس کتاب کی پہلی جلد کے مقدمہ میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ کہ صرف یہی وہ

مقام ہے جہاں قاضی و حاکم کے لئے احادیث میں لفظ "اعلم" وارد ہوا ہے کیونکہ قاضی و حاکم کا کام لوگوں کے معاملات کے فیصلے کرنا اور مقدمات و نزاعات نمٹانا ہے اس لئے اس کا افضل و اعلم ہونا ضروری ہے تاکہ سب لوگ اس کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر سکیں اور ہر قسم کی قیل و قال اور چون و چرا کا خاتمہ ہو سکے اور مسئلہ تقلید کا اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ قطع نظر قیاس کے باطل ہونے کے یہ قیاس مع الفارق ہے۔ جو اس کے قائل لوگوں کے نزدیک بھی باطل ہے۔ واللہ الموفق

مفتی اور قاضی میں فرق

مفتی اسے کہا جاتا ہے جو کلی یا جزئی احکام شرعیہ کی تبلیغ کرے کلی جیسے ہر وہ عقد جو بالغ و عاقل راشد اور مختار سے صادر ہو وہ نافذ ہے اور جزئی جیسے یہ عقد خاص صحیح ہے اور قاضی (حاکم) اسے کہا جاتا ہے جو کسی مخصوص واقعہ میں الزامی حکم صادر کرے جو بالعموم باہمی نزاع کا نتیجہ ہوتا ہے۔

قاضی کے اقسام

قاضی کی دو قسمیں ہیں (۱) قاضی منصوب و مقرر (۲) اور قاضی تحکیم جسے مدعی اور مدعاعلیہ دونوں مل کر باہمی رضامندی سے اپنے تنازعہ کے خاتمہ کے لئے مقرر کریں اور بناء بر تحقیق اس قسم میں اجتہاد و استنباط کے ملکہ کا پایا جانا ضروری نہیں ہے جیسا کہ معتبرہ ابی خدیجہ اور صحیحہ حلبی وغیرہ سے ظاہر ہے۔ واللہ العالم

قاضی کے فرائض و وظائف

بنا بر مشہور قضاوت واجبات کفائیہ میں سے ہے پس جس شخص میں مذکورہ بالا شرائط پائے جائیں اور اسے اپنے متعلق اطمینان ہو کہ وہ اس کے وظائف ادا کر سکے گا۔ اس کے لئے اس عہدہ کا قبول کرنا مستحب ہے ہاں البتہ اگر نبی یا امام کسی آدمی کو حکماً" اس عہدہ کیلئے نامزد کر دیں تب اس پر اس کا قبول کرنا واجب ہو جاتا ہے اور حاکم کے یہ وظائف چار قسم کے ہیں (۱) واجب (۲) مستحب (۳) حرام (۴) مکروہ جن کی بقدر ضرورت ذیل میں وضاحت کی جاتی ہے۔

واجبات حاکم = حاکم کے واجبات یہ ہیں۔ (۱) خداوند عالم کے قرآن اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان کے مطابق فیصلہ کرے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی

امت کو ہر قسم کی ضلالت و گمراہی سے بچانے اور انہیں صراط مستقیم پر چلانے کے لئے صرف دو چیزیں چھوڑ کر گئے ہیں ایک قرآن دوسرا اپنی عترت اہل بیتؑ کا فرمان۔ اپنی ذاتی رائے و قیاس اور خود ساختہ قواعد پر عمل نہ کرے خدا فرماتا ہے۔ **ان الظن لا یغنی من الحق شیئا**" ظن کبھی حق سے بے نیاز نہیں کرسکتا اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ **ایاکم والظن فان الظن اکذب الکذب**" ظن و گمان سے پرہیز کرو کیونکہ سب سے بڑا جھوٹ ظن ہے۔ (وسائل الشیعہ باب القضاء) اور رائے اور قیاس کے بارے میں حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "**لا رای فی الدین**" یعنی دین کے معاملہ میں کسی شخص کو ذاتی رائے دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ نیز فرمایا "**لا تقس فی الدین فان امر اللہ لا یقاس و سیاتی اقوام یقسون وھم اعداء الدین**" دین میں قیاس نہ کرو کیونکہ خدا کے حکم میں قیاس نہیں کیا جاسکتا اور عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو دین میں قیاس کریں گے۔ وہ دین کے دشمن ہوں گے۔" الغرض حق و باطل کے باہمی امتیاز کا میزان قرآن اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کا فرمان ہے اور اگر احادیث میں اختلاف ہو جائے تو ان کی صحت و سقم معلوم کرنے کا معیار کلام پروردگار ہے ارشاد قدرت ہے۔ **اللہ الذی انزل الکتاب بالحق والمیزان** (پ ۲۵ س شوریٰ) "خدا وہ ہے جس نے قرآن کو حق اور میزان کے ساتھ نازل کیا ہے۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ **ان علی کل حق حقیقتہ وعلی کل صواب نورا فما وافق کتاب اللہ فخذوہ وما خالف کتاب اللہ فدعوہ**۔

یعنی ہر حق پر حقیقت اور ہر صحیح پر نور ہوتا ہے پس (جو حدیث) قرآن کے موافق ہو اسے لے لو اور جو قرآن کے مخالف ہو اسے ترک کردو۔ (کافی، وسائل الشیعہ)

الغرض قرآن و حدیث سے حاصل کردہ علم و یقین پر عمل کرے اور بغیر علم و یقین کے کوئی فیصلہ نہ کرے ارشاد قدرت ہے۔ **ولا تقف ما لیس لک بہ علم** (پ ۱۵ س اسرا) جس چیز کا علم نہ ہو اس کی پیروی نہ کرو اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ **من افتی الناس بغیر علم لعنتہ ملائکۃ السماء والارض**" جو شخص علم کے بغیر لوگوں کو فتویٰ دیتا ہے اس پر زمین و آسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ (وسائل الشیعہ)

خلاصہ یہ کہ **مالم یخرج من ھذا البیت فھو باطل**۔ جو چیز خانوادہ رسولؐ کے گھر سے نہ نکلے وہ باطل ہے۔ (ایضاً")

ارشاد قدرت ہے۔ **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاؤلئک ہم الکافرون**۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **من حکم فی درہمین بغیر ما انزل اللہ عزو جل فھو کافر باللہ العظیم**۔

جو شخص صرف دو درہموں میں خدا کے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ کرے وہ کافر ہے۔ **(ایضا")**

۲۔ جو کوئی اس کے پاس مقدمہ لے آئے سفید ہو یا سیاہ۔ امیر ہو یا فقیر۔ یگانہ ہو یا بیگانہ' دوست ہو یا دشمن بلکہ کافر ہو یا مسلمان الغرض سب کے ساتھ عدل و انصاف کرے حتی کہ سلام' کلام' جلوس' قیام' مکان اور نگاہ و ابتسام خلاصہ یہ کہ ہر قسم کے اکرام و احترام میں ہر دو فریق سے مساوی سلوک کرے۔ ارشاد قدرت ہے۔ **لا یجر منکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی** (پ س ع) کیونکہ **یبقی الملک مع الکفر ولا یبقی مع الظلم**۔

"عدل و انصاف سے زمین و آسمان اپنے اپنے مرکز و محور پر قائم ہیں اگر دنیا سے عدل کا بالکل خاتمہ ہو جائے تو نظام کائنات درہم و برہم ہو کر رہ جائے۔"

۳۔ جب ایک فریق کا برحق ہونا واضح و آشکار ہو جائے خواہ دوسرے فریق کے اقرار سے یا بینہ و برہان سے تو پھر اس کے حق میں فیصلہ کرے اور دنیا کا کوئی طمع و لالچ اور دنیا کی کوئی قوت و طاقت اسے برحق فیصلہ صادر کرنے سے نہ روک سکے۔

۴۔ جب ایک فریق عدالت میں حاضر ہو تو دوسرے فریق کو بھی وہاں طلب کرے ہاں اگر اس کے پاس کوئی معقول عذر ہو جیسے بیماری یا پردہ دار عورت ہو تو وہاں ثقہ آدمی بھیج کر ان کا بیان لے سکتا ہے یا قلمبند کرا سکتا ہے۔

مستحبات حاکم

قاضی و حاکم کے لئے جو چیزیں مستحب ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) فیصلہ نافذ کرنے سے پہلے فریقین کو صلح کرنے کی ترغیب دینا۔

(۲) گواہی کے وقت گواہوں کو الگ الگ رکھنا اور شہادت کے وقت طلب کرنا۔

(۳) مسائل مشتبہ میں مشورہ کے لئے اہل علم و فضل کو حاضر کرنا۔

(۴) اگر ہر دو فریق خاموش ہو جائیں تو ان کو یا مدعی کو کلام کرنے کا حکم دینا۔

(۵) اگر فیصلہ کرانے والے لوگ زیادہ ہوں تو جو پہلے آئے اس کا فیصلہ پہلے کرنا۔

(۶) اگر بیک وقت دو شخص دعویٰ دائر کریں تو ان میں سے جو دائیں طرف موجود ہو اسے پہلے کلام کرنے کا موقع دینا وغیرہ۔

محرمات حاکم

قاضی پر چند امور حرام ہیں۔

(۱) فریقین میں سے کسی سے رشوت لینا چنانچہ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **الرشا فی الحکم ھو الکفر باللہ** "یعنی فیصلہ کرنے پر رشوت لینا کفر ہے۔ (وسائل الشیعہ) بہرکیف یہ وہ مقام ہے جہاں بالاتفاق رشوت لینا اور دینا حرام ہے۔

۲۔ فیصلہ کرنے میں ظلم و بے انصافی کرنا چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ **لعنۃ اللہ علی الظالمین** اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ **ان لسان القاضی بین جمرتین من النار حتی یقضی بین الناس فاما الی الجنۃ واما الی النار**

قاضی جب تک فیصلہ نہ کرے تب تک اس کی زبان، جہنم کے دو انگاروں کے درمیان رہتی ہے اب یا تو جنت میں جائے گی۔ (اگر برحق فیصلہ کرے گا) یا جہنم میں جائے گی۔ (اگر غلط فیصلہ کرے گا) (ایضاً)

۳۔ گواہ کی گواہی میں روڑے اٹکانا یا اس کو گواہی سے منحرف کرنے کی کوشش کرنا یا اس کو گواہی پر اکساتے ہوئے لقمہ دینا۔ یہ سب چیزیں قاضی کے لئے حرام ہیں بلکہ اسے چاہئے کہ جب تک گواہ گواہی دیتے رہیں وہ پورے سکوت و صموت کے ساتھ ان کی شہادت کی سماعت کرے۔

ہاں البتہ اگر کوئی اقرار کرنے والا اللہ کے حق میں کوتاہی کا اقرار کر رہا ہو تو اسے حیل و حجت سے اقرار کی تکمیل سے روکنے میں کوئی مضائقہ نہیں تاکہ وہ حد شرعی سے بچ جائے۔

مکروہات حاکم

چند چیزیں قاضی کے لئے مکروہ ہیں۔ (۱) غیظ و غضب۔ (۲) شدت بھوک و پیاس۔ (۳) غم یا مسرت کے غلبہ۔ (۴) مرض اور نیند کی زیادتی کے وقت غرضیکہ ہر ایسی حالت میں فیصلہ کرنا جبکہ اس کی طبیعت حاضر نہ ہو بلکہ مشوش و پریشان ہو بلکہ اس وقت فیصلہ کرے جب طبیعت حاضر ہو اور ان مذکورہ بالا عوارض سے عاری ہو۔

دعویٰ کی کیفیت اور اس کے ارکان کا بیان

دعویٰ کے ارکان چار ہیں۔ مدعی' مدعا علیہ' مدعی بہ اور ادعا۔ (۱) مدعی اسے کہتے ہیں جس کا قول خلاف اصل ہو یا جس کی دست برداری سے دعویٰ ختم ہو جائے اور جس کا شرعی وظیفہ بینہ (گواہ) پیش کرنا ہے۔ (۲) اور مدعا علیہ (جسے منکر بھی کہا جاتا ہے) وہ ہے جس کا قول اصل کے مطابق ہو اور جسکی دست برداری سے دعویٰ ختم نہ ہو اور جس کا شرعی وظیفہ انکار کی صورت میں قسم کھانا ہے۔ (۳) مدعا بہ یعنی جس چیز کا دعویٰ کیا جائے۔ اس میں ایک شرط تو یہ ہے کہ شرعاً" اس کی ملکیت جائز ہو۔ لہٰذا چونکہ خمر و خنزیر وغیرہ نجس العین چیزیں ایک مسلمان کی ملکیت میں داخل نہیں ہوسکتیں اور قرآن اور مسلمان غلام کافر کی ملکیت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اگر کوئی مسلمان خمر یا خنزیر کا یا کوئی کافر قرآن یا مسلمان غلام کی ملکیت کا دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ مسموع نہ ہوگا اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ چیز مجہول مطلق نہ ہو بلکہ فی الجملہ معلوم ہو اور (۴) ادعا (دعویٰ کرنے) کی یہ شرط ہے کہ وہ جزم و یقین کے ساتھ کیا جائے۔ (کہ مثلاً" میں نے فلاں شخص سے اتنے روپے لینے ہیں) محض ظن یا وہم و گمان کی بناء پر نہ ہو (کہ میرا خیال ہے کہ میں نے فلاں سے فلاں چیز لینی ہے) ورنہ ایسا دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا۔

قضاوت کے موازین شرعیہ کا بیان

ذاتی علم کے مطابق فیصلہ کرنا۔ شرعاً" قضاوت کے معیار و میزان پانچ چیزیں ہیں (۱) علم و یقین۔ (۲) اقرار و اعتراف (۳) بینہ و برہان (۴) حلف و قسم (۵) شاہد و یمین اب ذیل میں ان مجمل امور کی تفصیل اور ان کے موقع و محل کی وضاحت کی جاتی ہے۔ (۱) حاکم (خواہ وہ نبی و امام ہو یا دوسرا جامع الشرائط قاضی) کو کسی واقعہ کے متعلق خواہ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے اپنے ذاتی علم و یقین کے مطابق عمل درآمد کرنے کا حق حاصل ہے۔ (اگرچہ دوسرے ظاہری موازین شرعیہ کے مطابق وہ بات ثابت نہ ہو) ہاں البتہ چونکہ ایسا علم و جزم ایک غیر معصوم کے لئے بمشکل حاصل ہوتا ہے لہٰذا اس کے لئے احوط و اولیٰ یہ ہے کہ وہ ظاہری موازین شرعیہ پر اکتفا کرے۔

مدعی اور اس کے شرائط کا بیان۔ مدعی میں چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔[۱] بالغ ہو[۲] عاقل ہو[۳] قاصد و مختار ہو[۴] دعویٰ اپنی ذات کے لئے ہو[۵] اور اگر اپنی ذات کے لئے نہ ہو تو پھر یا اپنے

متوکل کے لئے ہو یا اس کے لئے ہو جس کا وہ وصی یا ولی ہے۔ (جیسے صغیر و مجنون وغیرہ) اس کا دعویٰ اس چیز کے متعلق ہو جو مسلمان کی ملکیت میں داخل ہو سکتی ہے(۵) وہ دعویٰ کسی ممکن امر کے بارے میں ہو لہٰذا کسی محال عقلی یا شرعی کے متعلق دعویٰ مسموع نہ ہوگا(۶) دعویٰ طرفہ ہو لہٰذا اگر کوئی شخص کسی چیز کے ہبہ یا رہن کا دعویٰ کرے تو جب تک پہلے قبض و اقباض ثابت نہ ہو جائے۔ اس وقت تک یہ دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا کیونکہ اس معاملہ کے لازم ہونے میں قبضہ شرط ہے۔

بینہ و برہان کا بیان۔ بہرحال جب ان شرائط کی موجودگی میں کوئی شخص حاکم شرع کے پاس کسی شخص کے خلاف دعویٰ دائر کرے تو اپنا حق حاصل کرنے کے لئے اسے بینہ پیش کرنا پڑے گا۔ لہٰذا جب مدعی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں بینہ (چار یا دو عادل گواہ یا ایک مرد اور دو عورتیں) پیش کردے یا ایک گواہ اور اس کے ساتھ قسم کھا لے (علی اختلاف الموارد) تو اس کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا اور اسے بینہ کے ساتھ قسم نہیں کھانی پڑے گی۔ سوائے ایک صورت کے اور وہ یہ ہے کہ اس کا دعویٰ کسی مرنے والے پر دین (قرضہ) کے متعلق ہو تو وہاں بینہ کے ساتھ قسم بھی کھانا پڑتی ہے۔

مسائل و احکام

حقوق کی تفصیل

مسئلہ ۱۔ اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے کہیں چار گواہ پیش کرنا پڑتے ہیں اور کہیں دو اور کہیں ایک مرد اور دو عورتیں، کہیں دو مرد اور چار عورتیں اور کہیں ایک گواہ اور ایک قسم۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حقوق (جن کو دعویٰ کے ذریعے سے ثابت کیا جاتا ہے) کی چند قسمیں ہیں کچھ حقوق اللہ ہیں اور کچھ حقوق العباد اور پھر یہ حقوق العباد کبھی مالی ہوتے ہیں اور کبھی غیرمالی ان اقسام کے ثبوت کا طریقہ کار جدا جدا ہے۔ مثلاً"

۱۔ وہ زنا جو سنگساری کا موجب ہے وہ چار مردوں یا تین مردوں اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے اور وہ زنا جو سو کوڑوں کی سزا کا باعث ہے وہ چار مردوں یا دو مردوں اور چار عورتوں کی شہادت سے ثابت ہو جاتا ہے۔ ہاں البتہ لواطت یا مساحقہ میں بالاتفاق چار مردوں کی گواہی ضروری ہے۔

۲۔ جس قدر حقوق اللہ ہیں وہ خواہ مالی ہوں جیسے خمس، زکوٰۃ، نذر اور کفارہ وغیرہ یا غیر مالی ہوں جیسے ارتداد، قذف اور چوری کی سزا یعنی قطع ید وغیرہ یہ تمام صرف دو عادل مردوں کی شہادت سے ثابت ہوتے ہیں ہاں البتہ چوری ایک مرد اور دو عورتوں یا ایک مرد اور قسم سے بھی ثابت ہو جاتی ہے مگر یہاں قطع ید کی سزا نہیں دی جاسکتی۔

۳۔ وہ حقوق العباد جن کا تعلق مال سے ہے عام اس سے کہ عین ہو یا دین جیسے قرضہ، غصب، بیع اجارہ اور رہن وغیرہ یا جن امور سے مقصد مال ہے جیسے وہ جنایات جو مالی غرامت کا باعث ہوتی ہیں جیسے قتل خطاء، قتل شبہ عمد یا جیسے والد کا اپنے ولد کو یا آقا کا اپنے غلام کو یا مسلمان کا کافر کو قتل کرنا وغیرہ ان میں بناء بر مشہور ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی یا ایک مرد اور اس کے ساتھ قسم کافی ہے۔

لیکن جہاں تک انسان کے غیر مالی معاملات کا تعلق ہے جیسے اسلام، بلوغ، نسب، نکاح، طلاق وکالت، وصایہ یا خلع اور عتق وغیرہ۔ آیا ان میں صرف دو عادل گواہوں کی شہادت ضروری ہے یا یہاں یا ایک مرد اور دو عورتوں یا ایک مرد اور ایک قسم پر بھی اکتفا کی جاسکتی ہے؟ اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ شاہد و یمین سے صرف مالی حق اور وہ بھی دین ثابت ہوتا ہے دوسرا یہ کہ اس سے ہر قسم کا مال خواہ عین ہو یا دین ثابت ہو جاتا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے ہر قسم کے انسانی حقوق ثابت ہو جاتے ہیں خواہ مالی ہوں یا غیر مالی۔ اس اختلاف کا باعث اس سلسلہ میں وارد شدہ روایات کا ظاہری اختلاف ہے چنانچہ بعض روایات سے اس کا اختصاص صرف دین کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ ابی بصیر کی روایت صادقؑ میں وارد ہے کہ **کان رسول اللہ یقضی بشاہد واحد و یمین صاحب الحق و ذلک فی الدین** کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین کے معاملہ میں ایک گواہ اور صاحب حق کی قسم کے ساتھ فیصلہ کرتے تھے (وسائل الشیعہ) اور بعض اخبار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے عام انسانی حقوق ثابت ہو جاتے ہیں جیسے محمد بن مسلم کی صحیح السند روایت جو امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا۔ **لو کان الامر الینا اجزنا شہادۃ الرجل الواحد اذا علم منہ خیر مع یمین الخصم فی حقوق الناس فاما ما کان من حقوق اللہ عز و جل او رویۃ الہلال فلا (ایضاً")**

یعنی اگر معاملات کی باگ ڈور ہمارے ہاتھ میں ہوتی تو ہم ایک نیک آدمی کی گواہی کو خصم کی قسم کے ساتھ لوگوں کے حقوق میں نافذ کر دیتے۔ ہاں البتہ جہاں تک اللہ کے حقوق یا رویت ہلال کا

تعلق ہے تو وہ اس سے ثابت نہیں ہوتے۔ (بلکہ وہاں دو عادل مردوں کی گواہی ضروری ہے) اگر یہ صحیح موجود نہ ہوتی تو پھر ان تین اقوال میں سے پہلا قول قوی ہوتا۔ مگر اس کی موجودگی میں یہ آخری قول اقرب معلوم ہوتا ہے بنابریں جن روایات میں آنحضرتؐ کا شاہد و یمین کے ساتھ فیصلہ کرنا ظاہر ہوتا ہے اسے شخصی واقعہ پر محمول کیا جائے گا۔ نہ کہ اختصاص پر اور جناب محمد ابن مسلم والی صحیح حدیث اس کی عمومیت کا قطعی قرینہ قرار پائے گی۔ اگرچہ دوسرا قول مشہور اور احتیاط کے مطابق ہے اور مزید احتیاط پہلے قول میں ہے۔ واللہ العالم۔ جہاں مردوں کا مطلع ہونا مشکل ہو جیسے ولادت، رضاعت اور عورتوں کے باطنی عیوب وہاں مردوں اور عورتوں کی مشترکہ یا عورتوں کی تنہا شہادت کافی ہے مخفی نہ رہے کہ جہاں بھی شریعت میں عورتوں کی شہادت کو کافی سمجھا گیا ہے وہاں انکی تعداد چار مقرر کی ہے سوائے دو مقامات کے۔ ایک بچہ کی زندہ ولادت۔ دوسرے مالی وصیت کہ وہ صرف ایک عورت کی شہادت سے ثابت ہو جاتی ہے مگر صرف ۱/۴ حصہ میں اور دو کی شہادت سے ۲/۴ حصہ میں۔ و ھکذا

مسئلہ ۲۔ گواہوں میں عدالت شرط ہے اور عدالت کے معنوں کی تحقیق نماز با جماعت کے ضمن میں بذیل شرائط پیشنماز گزر چکی ہے۔ لہذا جب مدعی گواہ پیش کرے تو صورت حال تین حال سے خالی نہ ہوگی۔

۱۔ یا تو حاکم کو ان کی عدالت کا علم ہوگا۔ (۲) یا اسے ان کے فسق و فجور کا علم ہوگا۔ (۳) یا اس پر ان کی حالت مجہول ہوگی۔ پہلی صورت میں بلا توقف مدعی کے حق میں فیصلہ کرے گا۔ دوسری صورت میں دعویٰ خارج کردے گا اور تیسری صورت میں مدعی سے ان کی عدالت کا ثبوت طلب کرے گا۔ اگر اس نے ثبوت پیش کردیا تو پھر مدعا علیہ (منکر) سے دریافت کرے گا کہ آیا وہ گواہوں کی عدالت پر جرح کرنا چاہتا ہے یا نہ پس اگر وہ اثبات میں جواب دے مگر مہلت طلب کرے تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے گی۔ لہذا اگر اس اثناء میں اس نے ایسی جرح کی جس سے ان کی عدالت مجروح ہوگئی تو فبہا ورنہ مدعی کے حق میں فیصلہ کردیا جائے گا۔

مسئلہ ۳۔ توثیق عدالت میں اجمالی تزکیہ کافی ہے مگر جرح میں تفصیل ضروری ہے یعنی جارح کا فرض ہے کہ وہ جس پر جرح کر رہا ہے نام بنام اس کے وہ عیوب و نقائص بتائے جو اس کے خیال میں اس کی عدالت کے منافی ہوں تاکہ عدالت کو فیصلہ کرنے میں سہولت ہو لہذا مطلق جرح قبول نہیں کی جائے گی۔

مسئلہ نمبر۔ اگر جرح و تعدیل میں تعارض ہو جائے کہ کچھ لوگ گواہ کو عادل قرار دیں اور کچھ اس پر جرح کریں تو اس صورت میں جرح مقدم ہوگی۔

مسئلہ ۵۔ اگر مدعی یہ کہے کہ اس کے پاس گواہ تو ہیں مگر وہ اس وقت موجود نہیں ہیں تو حاکم اسے اختیار دے گا کہ یا تو منکر سے قسم لے لے یا پھر گواہوں کے پیش کرنے تک اپنے دعویٰ کو ملتوی کر دے اس صورت میں مدعی کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ منکر کو جھوٹا کہے یا اس سے کوئی ضامن لے کیونکہ یہ دیر خود اس کی طرف سے ہوئی ہے نہ کہ منکر کی طرف سے۔

مسئلہ ۶۔ جب بینہ ایک گواہ اور قسم پر مشتمل ہو تو بناء بر مشہور اس کی ادائیگی کی ترتیب یہ ہوگی کہ پہلے گواہ گواہی دے گا اور اس کے بعد مدعی قسم کھائے گا۔ وہو الاحوط۔

مدعا علیہ کے اقرار و انکار کا بیان

جب کوئی مدعی کسی پر کوئی دعویٰ کرے تو مدعا علیہ جواب دعویٰ میں یا تو (۱) اقرار کرے گا۔ (۲) یا انکار یا (۳) پھر سکوت اختیار کرے گا۔ (۱) اگر اقرار کرے بشرطیکہ اس میں مقر (اقرار کرنے والے) کے مقررہ شرائط از قسم بالغ، عاقل اور اور با اختیار ہونا اور از قسم سفاہت

بیوقوفی یا دیوالیہ پن کی وجہ سے اپنے مال میں ممنوع التصرف نہ ہونا پائے جائیں تو حاکم اس کے اقرار کے مطابق مدعی کے حق میں فیصلہ کردے گا اور اگر اس نے انکار کردیا تو پھر مدعی سے گواہوں کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر اس نے مقررہ شرائط کے مطابق گواہ پیش کردیئے۔ تب بھی فیصلہ اس کے حق میں کیا جائے گا اور اگر مدعی گواہ پیش نہ کرسکا تو پھر منکر سے کہا جائے گا کہ وہ مدعی کے دعویٰ کے خلاف قسم کھائے پس اگر اس نے اپنے انکار پر قسم کھالی تو دعویٰ خارج ہو جائے گا اور اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کردیا اور قسم کو مدعی پر لوٹا دیا کہ مدعی قسم کھائے تو قسم پلٹ کر مدعی پر عائد ہوگی پس اگر اس نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں قسم کھالی تو دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔ ورنہ اس کا دعویٰ خارج ہو جائے گا اور اگر مدعا علیہ نہ خود قسم کھائے اور نہ ہی اسے مدعی کی طرف لوٹائے بلکہ دونوں سے انکار کردے تو حاکم احتیاطاً تین بار اس سے کہے گا کہ قسم کھا ورنہ تجھے "ناکل" قرار دے دیا جائے گا اور اگر اس کے باوجود وہ اپنی بات پر اڑا رہے تو ایک قول یہ ہے کہ اسی پر اس کے خلاف فیصلہ صادر کردیا جائے گا۔ اگرچہ یہ قول قوت سے خالی نہیں مگر اظہر نہیں تو اشہر و احوط یہ ہے کہ اس صورت میں حاکم مدعی پر قسم لوٹائے گا۔ اگر اس نے قسم کھالی تو فیصلہ اس کے حق میں کیا جائے گا اور اگر اس نے بھی قسم کھانے سے انکار کردیا تو دعویٰ خارج کردیا جائے گا۔ واللہ العالم

۳۔ اور اگر مدعا علیہ جواب دعویٰ میں بالکل سکوت اختیار کرے یعنی نہ اقرار کرے اور نہ انکار تو دیکھا جائے گا کہ اس کا یہ سکوت کس وجہ سے ہے؟ آیا عدالت کے رعب و دہشت کی وجہ سے؟ یا اس کے گونگے و بہرے پن کے سبب سے؟ یا اس کے تکبر و عناد اور بے اعتنائی کے باعث ؟ پس اگر پہلا سبب ہو تو نرمی و ملائمت سے اس کے خوف و ہراس کا ازالہ کیا جائے گا اور اگر دوسرا سبب ہے تو پھر اشارہ سے اس کا ہاں یا نہ میں جواب حاصل کیا جائے گا اور اگر اختلاف زبان کی وجہ ہے تو اگر مترجم کی ضرورت ہو تو دو عادل مترجموں کا انتظام کیا جائے گا اور

اگر آخری وجہ ہو تو پھر حاکم اسے قید کرکے اور اس پر تشدد کرکے اسے اقرار یا انکار کرنے پر مجبور کرے گا اور پھر اس کے اقرار یا انکار کے مطابق مذکورہ بالا طریقہ پر اپنی کارروائی مکمل کرے گا۔ واللہ الموفق

قسم کھانے کے احکام

مسئلہ ۱۔ جہاں منکر پر قسم عائد ہوتی ہے (یا جہاں مدعی پر شرعاً" قسم کھانا لازم ہے) اس میں شرط یہ ہے کہ وہ خدا کی ذات یا اس کے ذاتی و صفاتی اسماء مبارکہ کے ساتھ کھائی جائے۔ جیسا کہ باب القسم میں واضح کیا جاچکا ہے کہ مخلوق کے لئے سوائے خالق کی ذات و صفات کے اور کسی متبرک یا مقدس چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس پر شرعی قسم کے آثار مرتب ہوتے ہیں۔

مسئلہ ۲۔ اگرچہ مشہور یہ ہے کہ قسم کی مذکورہ بالا کیفیت میں مسلمان اور غیر مسلمان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے یعنی دونوں فریق سے اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات کی قسم کھلائی جائے گی۔ مگر اقوی یہ ہے کہ حاکم کو یہ حق حاصل ہے کہ غیر مسلمانوں سے ان کے دین کے مطابق قسم لے چنانچہ جناب محمد بن مسلم کی صحیح روایت بلکہ متعدد روایات میں وارد ہے کہ "تجوز علی کل دین ما یحلفون" ہر اہل دین میں وہی قسم نافذ ہوگی جو وہ کھاتے ہیں۔ (وسائل الشیعہ)

مسئلہ ۳۔ قسم میں عربیت ضروری نہیں بلکہ ہر زبان میں قسم کھائی جاسکتی ہے۔

مسئلہ ۴۔ حاکم کو چاہئے کہ جب تک مال ربع دینار سے کم نہ ہو تو قسم کھلانے میں شدت و غلظت سے کام لے۔ مثلاً" یمین غموس کھلائے کہ میں خدا کی طاقت و قدرت سے بیزار ہو کر اور اپنی طاقت و قوت پر بھروسہ کرکے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے ذمہ فلاں شخص کا کوئی مال نہیں ہے مگر قسم کھانے والے کے لئے اس قسم کی قسم کھانا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کے لئے صرف سادہ سی قسم کھانا ضروری ہے۔ مثلاً" "واللہ مالہ عندی حق۔" بخدا فلاں کا کوئی حق میرے ذمہ نہیں ہے۔

مسئلہ ۵۔ آیا قسم کھانے میں وکالت جائز ہے یا نہ؟ اظہر یہ ہے کہ اس سلسلہ میں وکالت صحیح نہیں ہے بلکہ خود منکر یا مدعی کو قسم کھانا چاہئے کیونکہ اس قسم کی وکالت کی صحت پر کوئی محکم دلیل قائم نہیں ہے۔

مسئلہ ۶۔ جو دعویٰ ان حدود خداوندی سے متعلق ہو جو بینہ یا مجرم کے اقرار کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتے۔ وہاں منکر پر قسم عائد نہیں ہوتی۔ خلاصہ یہ کہ منکر پر صرف اس دعویٰ میں قسم کا وجوب عائد ہوتا ہے جو مال کے متعلق ہو اور مدعی کے پاس بینہ نہ ہو۔

مسئلہ ۷۔ اگر کسی شخص کے خلاف چوری کا الزام عائد کیا جائے اور مدعی کے پاس بینہ نہ ہو تو تاوان سے بچنے کے لئے منکر قسم کھائے گا اور اگر مدعی ایک گواہ پیش کرکے اس کے ساتھ قسم کھالے تو پھر منکر کو مسروقہ مال ادا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ وہ شاہد و یمین سے ثابت ہو جاتا ہے مگر اس پر حد جاری نہ ہوگی کیونکہ اسکے اجراء کے لئے بینہ یا خودچور کا اقرار ضروری ہے۔

مسئلہ ۸۔ اگر مدعا علیہ جواب دعوی میں یہ کہے کہ مدعی نے اسے بریٔ الذمہ قرار دے دیا تھا یا اس نے اس کا حق ادا کر دیا ہے تو اس صورت میں مدعی منکر اور منکر مدعی بن جائے گا۔ لہٰذا اگر اس نے ابراء ذمہ یا ادائیگی پر گواہ پیش کر دے تو فبہا۔ ورنہ اصل مدعی کو اپنے حق کی بقاء کے لئے قسم کھانا پڑے گی اور پھر فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے گا۔

مسئلہ ۹۔ قسم اگر اپنے فعل کی نفی یا اثبات پر کھائی جائے تو بطور جزم و یقین کھانی چاہیے۔ ﴿بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ﴾ اور اگر کسی دوسرے شخص کے فعل کے بارے میں ہو تو پھر صرف اپنے علم کی نفی پر (کہ اس کو اس بات کا کوئی علم نہیں ہے) کھائی جائے گی۔

مسئلہ ۱۰۔ جب کسی شخص کے خلاف مالی دعوی ڈگری ہو جائے تو اس پر ادائیگی کی قدرت رکھنے کی صورت میں ادائیگی واجب ہے اور اگر وہ باوجود قدرت رکھنے کے ادائیگی میں کوتاہی کرے تو حاکم اس پر قید و بند کے ذریعہ سے تشدد کرکے اسے ادائیگی پر آمادہ کرے گا اور اگر وہ تنگدستی کا عذر پیش کرے اور حاکم کو بھی اس کی صداقت کا علم ہو یا مدعی خود اس کی تنگدستی کی تصدیق کردے تو پھر مالی وسعت حاصل ہونے تک اسے مہلت دی جائے گی۔

دعاوی کے متعلقہ احکام کا بیان

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص کسی کے مال پر ظلماً" قابض ہو جائے۔ یا بطور قرض وغیرہ لے مگر عمداً" ادائیگی میں سہل انگیزی سے کام لے یا اصل قرضہ کا انکار کردے تو اصل مالک کو شرعاً" حق حاصل ہے کہ اس ظالم کے مال سے جس طرح بھی ممکن ہو اپنا حق وصول کرلے ہاں اگر وہ قرضہ کا اقرار کرے اور ادائیگی میں سہل انگیزی بھی نہ کرے تو پھر اصل مالک کو ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی شخص ایسے مال کی ملکیت کا دعوی کرے جس پر نہ کسی کا قبضہ ہو اور نہ ہی اس کا کوئی دعویدار ہو تو اس کا اسی مدعی کے حق میں فیصلہ کردیا جائے گا۔ جیسا کہ منصور بن

حازم کی صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہے۔

مسئلہ ۳۔ اگر ایک چیز دو شخصوں کے قبضہ میں ہو اور دونوں اس کی ملکیت کا دعویٰ کریں مگر بینہ کسی کے پاس بھی نہ ہو تو وہ دونوں کو نصف نصف کرکے دے دی جائے گی اور اگر ان میں سے صرف ایک کا قبضہ ہو تو جس کے قبضہ میں ہے وہ اسی کی ملکیت سمجھی جائے گی کیونکہ حسب ظاہر قبضہ کو شرعاً ملکیت کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔ اور اگر مدمقابل تقاضا کرے گا تو قابض کو قسم بھی کھانا پڑے گی۔

مسئلہ ۴۔ جب بینات میں تعارض و اختلاف واقع ہو جائے۔ یعنی ایک شخص کسی چیز کا دعویٰ کرے اور اپنے دعویٰ کے اثبات میں گواہ بھی پیش کردے اور دوسرا شخص بھی اس چیز کا دعویٰ کرکے گواہ پیش کردے اور ان میں جمع و توفیق کی کوئی صورت باقی نہ رہ جائے تو یہاں اس کی چار صورتیں متصور ہو سکتی ہیں۔

۱۔ وہ چیز ان میں سے کسی ایک کے قبضہ میں ہوگی۔ (۲) یا دونوں کے قبضہ میں ہوگی۔ (۳) یا کسی تیسرے شخص کے قبضہ میں ہوگی۔ (۴) یا کسی کے بھی قبضہ میں نہ ہوگی۔ اگرچہ ان تمام شقوں کے احکام میں فی الجملہ اختلاف پایا جاتا ہے جنابِ فاضل نراقی نے مستند میں اس سلسلہ میں دس اقوال شمار کئے ہیں مگر سب کا جامع خلاصہ جو کہ اخبار اور فقہاء کبار کے اقوال سے مستنبط ہے وہ یہ ہے کہ پہلی صورت میں اس کا بینہ مقدم ہوگا جس کا قبضہ نہیں ہے کیونکہ وہ مدعی ہے اور بینہ پیش کرنا مدعی کا فرض منصبی ہے نہ کہ منکر کا اور دوسری صورت میں وہ چیز دونوں میں نصف نصف تقسیم کردی جائے گی اور تیسری صورت میں اگر قبضہ والا ان دو دعویداروں میں سے ایک کی تصدیق کردے تو پھر اس شق کی بازگشت پہلی صورت کی طرف ہو جائے گی اور اگر دونوں کی تصدیق کرے تو اس کی بازگشت دوسری صورت کی طرف ہو جائے گی اور اگر کسی کی تصدیق نہ کرے تو پھر اس کا اور چوتھی صورت کا حکم یہ ہے کہ جس کا بینہ زیادہ عادل ہوگا۔ اس کو ترجیح دی جائے گی اور عدالت میں برابر ہونے کی صورت میں جس کا بینہ زیادہ ہوگا۔ اس کو مقدم سمجھا جائے گا اور اگر اس میں بھی مساوی ہوں تو قرعہ اندازی سے کام لیا جائے گا۔ یعنی جس کے نام قرعہ نکلے گا قسم کے بعد اسی کے حق میں فیصلہ صادر کردیا جائے گا اور اگر وہ قسم سے انکار کرے گا تو پھر دوسرے کو قسم کھانے کو کہا جائے گا۔ پس اگر اس نے قسم کھالی تو مال اس کو مل جائے گا اور اگر اس نے بھی انکار کردیا تو پھر مال دونوں میں بحصہ مساوی تقسیم کردیا جائے گا۔

واللہ العالم

مخفی نہ رہے کہ اس تعارض بینات سے دو عادل مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی مراد ہے نہ کہ ایک شاہد اور یمین۔ کیونکہ یہ درحقیقت بینہ نہیں ہے اگرچہ اس سے حق ثابت ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ۵۔ اگر کسی زن و مرد میں زوجیت کے بارے میں نزاع ہو جائے یعنی ان ہی سے ایک زوجیت کا دعویٰ کرے اور دوسرا اس کا انکار کرے تو مدعی کو بینہ پیش کرنا ہوگا اور اگر وہ بینہ پیش نہ کر سکے تو منکر قسم کھائے گا اور وہ دعویٰ ختم ہو جائے گا۔

مسئلہ ۶۔ اگر میاں بیوی کے اعتراف کے نتیجہ میں ان کا باہمی ازدواج ثابت ہو جائے مگر کوئی اور شخص اس عورت کی زوجیت کا دعویٰ کردے تو اگر وہ بینہ پیش کردے تو اس کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس بینہ نہ ہو تو وہ ان میاں بیوی میں سے جس سے چاہے اپنے دعویٰ کی نفی پر حلف لے سکتا ہے۔ پس اگر انہوں نے اسکے دعویٰ کی نفی پر قسم کھا لی تو اس کا دعویٰ ختم ہو جائے گا اور اگر انہوں نے قسم کھانے سے انکار کیا تو مدعی کے قسم کھانے سے اس کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔ اور یہ عورت اسکی زوجہ متصور ہوگی۔

مسئلہ ۷۔ اگر دو شخص ایک عورت کی زوجیت کا دعویٰ کریں اور دونوں گواہ بھی پیش کردیں تو جس کے گواہوں کا عدد زیادہ ہوگا۔ اس کا بینہ مقدم ہوگا اور تساوی کی صورت میں قرعہ اندازی کی جائے گی۔ پس جس کے نام قرعہ نکلے گا۔ قسم کے ساتھ فیصلہ اس کے حق میں کیا جائے گا۔

مسئلہ ۸۔ اگر املاک کے متعلق اختلاف و نزاع ہو جائے۔ مثلاً دو فریق کا کسی چیز کے اجارہ اور اس کی مدت وغیرہ پر تو اتفاق ہو مگر ایک فریق اجرت زیادہ ظاہر کرتا ہو اور دوسرا کم۔ تو جب تک زیادتی کے دعویدار کے پاس بینہ نہ ہو اس وقت تک کم اجرت کے دعویدار کا قول مقدم ہوگا۔

مسئلہ ۹۔ جب کسی چیز کا مالک اجارہ کا دعویٰ کرے اور دوسرا عاریہ کا۔ تو عاریہ کے دعویدار کا قول مقدم ہوگا کیونکہ اس نزاع کی صورت میں مالک قابض پر اجرت کا دعویٰ کرتا ہے تو اسے بینہ سے ثابت کرنا پڑے گا اور اسکے بغیر اس کا دعویٰ ثابت نہ ہوگا۔

مسئلہ ۱۰۔ اگر بائع و مشتری کسی چیز کی قیمت کی کمی و زیادتی کے بارے میں باہم نزاع کریں جبکہ وہ چیز تلف ہو چکی ہو۔ تو زیادہ کے منکر کا قول مقدم ہوگا اور اگر ہنوز وہ چیز موجود ہے تو بنابر

مشہور بائع کا قول مقدم ہوگا۔ مع الیمین واللہ العالم

مخفی نہ رہے کہ اس قسم کے اختلافی مسائل ان کے متعلقہ ابواب میں اپنی اپنی جگہ تفصیلاً بیان کئے جاچکے ہیں۔

مسئلہ ۱۱۔ کسی شخص کی عدم موجودگی میں حقوق اللہ کے بارے میں اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ حقوق العباد کے معاملہ میں ایسا فیصلہ کیا جاسکتا ہے اس صورت میں حاکم شرع کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ اس کا مال فروخت کرکے بینہ و برہان سے اس کے ذمہ ثابت کردہ قرضہ وغیرہ کی ادائیگی کا انتظام کرے مگر حاکم اس مدعی شخص سے ضامن لے لے گا کہ اگر غائب نے آکر اس کی تکذیب کردی تو اسے یہ مال واپس کرنا پڑے گا۔ واللہ العالم

تم باب القضاء والحمد للہ رب العالمین

باب الشہادات

(وھم بشھادا تھم قائمون)

اسلامی قانون شہادت

دوسرے اسلامی قوانین کی طرح اسلام کا قانون شہادت بھی بڑا مکمل بلکہ اکمل ہے اس کے جملہ پہلوؤں کا بنظر غائر جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ جس قسم کا نظام شہادت اسلام نے پیش کیا ہے اور جس طرح مختلف جرائم میں گواہوں کی تعداد معین کی ہے اور ادائے شہادت کا جو طریقہ کار مقرر کیا ہے اور جس طرح اس میں راست بازی' مردانگی اور عالی حوصلگی کے اصول کو پیش نظر رکھا گیا ہے قطع خصومت' ختم نزاع اور اختلافی معاملات کو نمٹانے کے سلسلہ میں اقوام عالم کے قوانین میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اگرچہ شہادت کے اکثر و بیشتر مسائل کا کتاب القضاء میں ضمناً" تذکرہ کردیا گیا ہے تاہم اس باب میں اس کے متعلقہ مباحث کی قدرے تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

تحمل شہادت واجب کفائی ہے

جب کسی شخص کو حق اللہ یا حق الناس پر گواہ بننے کی دعوت دی جائے تو بناء بر مشہور اس شخص پر گواہ بننا واجب کفائی ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ **"ولا یأب الشھداء اذا ما دعوا۔"** (س بقرہ پ ع) (جب گواہوں کو بلایا جائے تو انہیں انکار نہیں کرنا چاہیے۔" حضرت امام کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ **"لا ینبغی للذی یدعی الی الشھادۃ ان یتقاعس عنھا"** جس شخص کو شہادت کے لئے بلایا جائے اس کے لئے اس سے سستی کرنا جائز نہیں۔ (الوسائل) ظاہر ہے کہ جب تک لوگ بلا خوف لومہ لائم گواہ نہیں بنیں گے اس وقت تک اسلامی نظام عدل و انصاف کس طرح قائم ہو سکتا ہے؟

ادائے شہادت واجب عینی ہے

اور جب اس شہادت کی ادائیگی کے لئے (شرعی عدالت) میں شاہد کو طلب کیا جائے تو اگرچہ مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ اسکی ادائیگی واجب کفائی ہے مگر آیات و روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ادائیگی واجب عینی ہے۔ ارشاد قدرت "ومن یکتمھا فانہ آثم قلبہ" (پ س ع) جو شہادت کو چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہوگا۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ **ومن رجع عن شهادة او كتمها اطعمه الله لحمه على رؤوس الخلائق ويدخل النار وهو يلوك لسانه** (عقاب الاعمال)
جو شخص شہادت سے منحرف ہو جائے یا اسے چھپائے خداوند عالم (بروز محشر) تمام مخلوق کے روبرو اسے اس کا گوشت کھلائے گا اور پھر اسے اس حالت میں داخل جہنم کرے گا کہ وہ (حسرت و ندامت سے) اپنی زبان کو چباتا ہوگا۔ (ہونٹوں پر پھیرتا ہوگا)

کتمان شہادت حرام ہے

مذکورہ بالا بیان سے واضح و عیاں ہوگیا کہ بلا وجہ صرف کسی آدمی کی رو و رعایت یا کسی طمع و لالچ یا محض صاحب اقتدار کے جاہ و جلال سے مرعوب ہو کر شہادت کا چھپانا فعل حرام ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ "**ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فانه آثم قلبه**" کہ گواہی نہ چھپاؤ اور جو چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہوگا۔ ایک روایت میں "اثم" کی تفسیر "کافر" سے کی گئی ہے۔ (وسائل) خداوند عالم نے قرآن مجید میں ان لوگوں کی مدح و ثنا فرمائی ہے جو ہر حال میں اپنی شہادتوں پر قائم رہتے ہیں ارشاد فرماتا ہے۔ "**والذين هم بشهادتهم قائمون**" (پ ۲۹۔ س ع) ہاں البتہ اگر کسی خاص جانی یا مالی ضرر کا اندیشہ ہو تو پھر بموجب "**لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام**" ادائیگی کا وجوب اور کتمان کی حرمت ختم ہو جائے گی۔ الغرض بالاتفاق کتمان شہادت گناہان کبیرہ میں داخل ہے۔

شہادت کے شرائط

شہادت کے پانچ شرائط ہیں جن کا شہادت میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اول۔ شہادت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں دینی چاہیے۔ دوم شہادت دعوی کے مطابق ہونی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ دعوی بیع کا ہو اور شہادت اجارہ کی دی جائے۔ سیوم شہادت اثبات پر ہونی چاہیے نہ کہ نفی پر کیونکہ جیسا کہ ابھی بیان کیا جائے گا' شاہد کے لئے ضروری ہے کہ جس چیز کی شہادت دے رہا ہے اس کا علم رکھتا ہو اور نفی کا علم نہیں ہو سکتا۔ لہذا کوئی شخص یہ گواہی دے کہ زید نے بکر سے قرضہ نہیں لیا۔ تو یہ شہادت "رجم بالغیب" ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہ ہوگی کیونکہ عین ممکن ہے کہ زید نے بکر سے اس طرح پوشیدہ طور پر قرضہ لیا ہو کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی ہو۔ اس قاعدہ سے صرف دو صورتیں فقہاء نے مستثنیٰ قرار دی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ کسی کے غریب و نادار ہونے کی شہادت دی جائے کہ اس کے پاس کوئی مال و جائیداد نہیں ہے۔

(۲) دوسرے کسی مرنے والے کے وارث موجود نہ ہونے کی گواہی کہ یہ دونوں قسم کی شہادتیں بالاتفاق جائز اور قابل قبول ہیں۔ حالانکہ یہ نفی پر ہیں۔

چہارم مستند شہادت

شہادت علم و یقین کے ساتھ دینی چاہئے نہ کہ ظن و گمان کے مطابق۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ **ولا تقف ما لیس لک بہ علم** (پ س ع) جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے اس کی پیروی نہ کرو۔ مرسلہ محقق حلی میں وارد ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شہادت کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ فرمایا۔ **ھل تری الشمس علی مثلھا فاشھد اودع۔** "کیا تو سورج کو دیکھ رہا ہے؟ پس اس جیسی واضح چیز پر گواہی دے یا پھر اسے ترک کردے۔ (وسائل) اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "**لا تشھدن بشھادۃ حتی تعرفھا کما تعرف کفک۔**" اس وقت تک کسی چیز کے متعلق شہادت نہ دو جب تک اس کا اس طرح یقین نہ ہو جائے جس طرح تمہیں اپنی ہتھیلی کا ہے۔ (ایضاً")

الغرض یہ علم و یقین بالعموم تین طرح سے حاصل ہوتا ہے۔

(۱) عینی مشاہدہ سے جیسے کسی شخص کو بچشم خود چوری کرتے، ڈاکہ ڈالتے، غصب کرتے، قتل کرتے اور زنا کرتے دیکھا جائے اس قسم کے موارد میں گونگے و بہرے آدمی کی شہادت بھی قبول ہوتی ہے کیونکہ اس کا تعلق مشاہدہ سے ہے نہ سننے سے۔

(۲) سماعت سے جیسے کسی کو اپنے نسب کا اقرار کرتے۔ یا کسی کے حق یا اپنے جرم کا اعتراف کرتے یا عقود و ایقاعات واقع کرتے سنا جائے اس قسم کے مواقع پر اندھے شخص کی گواہی بھی قابل قبول ہوتی ہے کیونکہ اس کا تعلق سننے سے ہے نہ دیکھنے سے۔

۳۔ استفاضہ و شیاع سے جو علم عادی کا فائدہ دیتا ہے۔ شہرت بلدی بھی اسی زمرہ میں داخل ہے اس سے کسی شخص کے نسب کی شہادت دی جاسکتی ہے اور جہاں تک نسب کے علاوہ دوسری چیزوں کا تعلق ہے جیسے وقف، نکاح اور ملک وغیرہ تو اگرچہ وہ اس استفاضہ اور شہرت کی بناء پر ثابت تو ہو جاتے ہیں مگر صرف شہرت کی بناء پر علی الاطلاق ایک شہادت نہیں دی جاسکتی۔ ہاں

البتہ شیاع و شہرت کی تصریح کر کے شہادت دی جاسکتی ہے بایں طور کہ شاہد کہے کہ "مشہور یہ ہے کہ یہ قطعہ وقف ہے" یا یہ عورت فلاں شخص کی زوجہ ہے یا "یہ مکان فلاں آدمی کی ملکیت ہے"

بعض اخبار و آثار میں وارد ہے کہ پانچ چیزوں میں ظاہر پر عمل کرنا ضروری ہے۔ (۱) ولایت' (۲) نکاح (۳) ذبیحہ (۴) شہادت (۵) نسب ورنہ اگر تحقیق و تدقیق سے کام لیا گیا ہو تو نظام عالم درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ (وسائل الشیعہ)

۵۔ پنجم = قاضی' شریعت کے روبرو شہادت دی جائے کیونکہ اس کے علاوہ کسی غیر شرعی عدالت میں شہادت دینا جائز نہیں ہے۔

جھوٹی گواہی دینا حرام ہے

مخفی نہ رہے کہ جھوٹی گواہی دینا قرآن و سنت اور اتفاق علماء کی روشنی میں حرام ہے چنانچہ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں۔"**لا ینقضی کلام شاهد الزور من بین یدی الحاکم حتی یتبوا مقعده من النار و کذالک من کتم الشهادة** "جھوٹی گواہی دینے والے کا کلام حاکم کے سامنے ختم بعد میں ہوتا ہے اور اس کا دوزخ میں ٹھکانا پہلے بن جاتا ہے اور یہی سزا گواہی چھپانے والے کی ہے۔ (وسائل) متعدد روایات میں وارد ہے کہ جھوٹی گواہی دینے والے کی زبان جہنم کے نچلے طبقے میں منافقوں کے ساتھ باندھی جائے گی۔ (ایضاً")

اگر حاکم جھوٹی شہادت کی بنا پر کوئی فیصلہ کرے اور بعد میں یہ انکشاف ہو کہ گواہوں کی گواہی جھوٹی تھی تو اگر یہ فیصلہ مال کے بارے میں تھا او ابھی وہ اصل مال جو غلط شہادت کی وجہ سے کسی سے لے کر کسی کو دیا گیا تھا موجود ہو تو وہ واپس لے کر اصلی مالک کے حوالہ کیا جائے گا اور اگر تلف ہوگیا ہو تو گواہ اس کی مثل یا قیمت کے ضامن ہوں گے اور اگر وہ فیصلہ مال کے علاوہ کسی شرعی حد وغیرہ کے متعلق تھا جیسے قطع ید اور قتل وغیرہ اور ان پر عمل درآمد بھی ہوگیا تو پھر ان جھوٹے گواہوں سے اس کا قصاص لیا جائے گا اور جس شخص کے حق میں یہ جھوٹی گواہی دی گئی ہے اس کا حکم بھی جھوٹے گواہوں والا ہے مگر یہ کہ وہ حقیقت حال سے ناواقف ہو۔ واللہ الموفق

گواہوں کے شرائط

گواہوں میں چند شرائط معتبر ہیں ان کے بغیر شرعاً گواہی' قابل قبول نہیں ہوتی اور وہ یہ ہیں۔

(۱) اول۔ بلوغ مشہور یہ ہے کہ زخموں کے سوا اور کسی چیز میں طفل کی شہادت قابل قبول نہیں ہوتی۔ حالانکہ نصوص کثیرہ میں یہ وارد ہے کہ لڑکا جب دس برس کا ہو جائے تو قتل کے سلسلہ میں اس کی شہادت مسموع ہوتی ہے اس لئے بعض اعلام عصر نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ وہو لا یخلو من قوۃ

بعض فقہاء نے زخموں کے بارے میں بھی طفل کی شہادت کے سلسلہ میں بعض شرائط عائد کی ہیں مثلاً" یہ کہ مقام قتال سے الگ نہ ہوں یا یہ کہ وہ زخم ہلاکت نفس تک منجر نہ ہو۔ وہ لڑکے کسی فعل حرام پر جمع نہ ہوں۔ مگر احادیث اہل بیتؑ سے ان شرائط کا ثبوت نہیں ملتا۔ ہاں اگر ان کے بیان میں اختلاف ہو تو اس صورت میں ان کے پہلے کلام کو معتبر سمجھا جائے گا۔ (کما ورد فی النص)

دوم۔ عقل بالاتفاق مجنون کی شہادت قبول نہیں ہے ہاں اگر جنون دوری ہے اور افاقہ کی حالت میں شہادت کا متحمل ہو اور ادا بھی افاقہ کے وقت کرے تو پھر اس کے قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے البتہ اس بات کی تسلی کرنا قاضی کا کام ہے کہ وہ اس وقت افاقہ کی حالت میں ہے اور اس کا دل و دماغ حاضر اور ٹھیک ہے۔

سیوم۔ اسلام بالاتفاق غیر مسلمان کی شہادت مسلمان کے متعلق قابل قبول نہیں ہے۔ سوائے ایک صورت کے اور وہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان حالت سفر میں مر رہا ہو اور اس وقت دو مسلمان عادل گواہ موجود نہ ہوں تو اس وقت وہ اہل کتاب میں سے دو بھلے مانس آدمیوں کو اپنی وصیت پر گواہ مقرر کر سکتا ہے اور ان کی گواہی نافذ بھی ہوتی ہے اور اگر ان کے بیان پر کچھ شبہ ہو تو لوگوں کے اجتماع میں کسی نماز کے بعد ان سے اس طرح قسم بھی لی جائے گی کہ انہوں نے نہ کوئی خیانت کی ہے نہ کچھ چھپایا ہے اور نہ ہی اس کے بدلے کوئی معاوضہ لیا ہے۔

اور یہ سب کچھ اس آیت مبارکہ سے ماخوذ ہے جس میں خالق حکیم فرماتا ہے۔ **یا ایها الذین امنوا شهادة بینکم اذا حضر احد کم الموت حین الوصیة اثنان ذو اعدل منکم اواخر ان من غیر کم ان ضربتم فی الارض فاصابتکم مصیبة الموت تحبسو نهما من بعد الصلوة فیقسمان بالله ان ار تبتم لا نشتری به ثمنا ولو کان ذا قربی ولا نکتم شهادة الله انا اذا لمن الاثمین۔** (پ ۷

س مائدہ ع ۴)

"اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آ موجود ہو تو وصیت کرتے وقت (اس کا یہ قانون ہونا چاہئے کہ) تم میں سے دو عادل آدمیوں کی گواہی ہو یا اگر حالت سفر میں تم پر موت کی افتاد آ پڑے (اور مسلمان گواہ موجود نہ ہوں) تو دو گواہ غیر مسلمان ہی سہی۔ پھر اگر تمہیں (انکی صداقت میں) شک ہو تو ان دونوں کو نماز (ظہر یا عصر) کے بعد روک لو اور وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہمیں کوئی معاوضہ لینا مقصود نہیں اگرچہ وہ شخص (جس کے حق میں گواہی دے رہے ہیں) ہمارا قرابتدار ہی کیوں نہ ہو اور ہم خدا لگتی کو چھپا بھی نہیں رہے۔ ورنہ ہم خدا کے گنہگار ہوں۔"

مسائل و احکام

مسئلہ ا۔ بعض فقہاء نے سفر کی قید ختم کر کے اس میں وسعت دی ہے کہ جہاں بھی مسلمان گواہ میسر نہ ہوں۔ وہاں وصیت کے بارے میں غیر مسلمان کی گواہی درست ہے مگر صحیح وہی قول مشہور ہے اور بعض نے اس وصیت کو وصیت تملیک کے ساتھ مختص قرار دیا ہے اور وصیت ولایت کو اس سے خارج قرار دیا ہے۔ مگر دلائل میں چونکہ اطلاق و عموم پایا جاتا ہے لہذا اس تخصیص پر کوئی ٹھوس دلیل قائم نہیں ہے۔

اسی طرح بعض علماء نے اس غیر مسلم شاہد کے ساتھ "ذمی" ہونے کی قید کا اضافہ کیا ہے اگرچہ بعض احادیث میں اس قید کا تذکرہ موجود ہے مگر ایسی روایات جو معتبر ہیں ان میں ظہور نہیں ہے اور جن میں ظہور ہے وہ مستند نہیں ہیں۔ لہذا یہ شرط بھی ثابت نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگرچہ مشہور یہ ہے کہ کافر کی شہادت کافر کے بارے میں بھی قابل قبول نہیں ہے مگر بعض اخبار اور بعض فقہاء کبار جیسے ابن ادریس حلی (در سرائر) اور شہید ثانی (در مسالک) وغیرہم کے انظار سے جو کچھ واضح و آشکار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر اہل ملت کی گواہی اس ملت کے لوگوں کے بارے میں صحیح ہے چنانچہ موثقہ سماعہ میں وارد ہے کہ **سالت ابا عبدالله عليه السلام هل تجوز شهادة اهل الملته قال فقال لا تجوز الا على اهل ملتهم فان لم يوجد غير هم جازت شهادتهم على الوصيته لا نه لا يصلح ذهاب حق احد.** میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ آیا اہل ملت کی شہادت نافذ ہے؟ فرمایا سوائے ان کے اہل ملت کے

کسی اور کسی کے بارے میں نافذ نہیں ہے پس اگر ان کے سوا کوئی موجود نہ ہو تو وصیت کے بارے میں ان کی شہادت نافذ ہوگی تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ (وسائل الشیعہ)

(۴) ایمان۔ حقیقت یہ ہے کہ شہادت کی قبولیت کے لئے صرف اسلام ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ایمان یعنی عقائد حقہ ایمانیہ کا اعتقاد رکھنا بھی ضروری ہے البتہ مومن جامع الشرائط (جن شرائط میں ایک اہم شرط عدالت بھی ہے) کی شہادت تمام لوگوں کے بارے میں نافذ ہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر۔ عادل ہوں یا فاسق صغیر ہوں یا کبیر اور خواہ اجنبی ہوں یا قرابتدار (کمالا یخفیٰ علی اولی الابصار)

پنجم عدالت۔ یعنی گواہ کے لئے صرف اعتقاداً" مومن ہونا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ عملاً عادل ہونا بھی ضروری ہے لہذا اگر کوئی شخص اعتقاداً مومن ہے مگر عملاً فاسق ہے تو بالاتفاق اس کی شہادت قبول نہیں ہے چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ **یا ایھا الذین امنوا اذا جاء کم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین** (پ ۲۶ س حجرات ع ۱۳)

"اے ایمان والو! جب کوئی فاسق و فاجر تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی اچھی طرح تحقیق اور جانچ پڑتال کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ جہالت سے کسی قوم کو کچھ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر پشیمان ہو" اس سے ظاہر ہے کہ فاسق کی خبر یا شہادت پر بلا تحقیق کوئی اثر مترتب نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ فاسق کی خبر کی تحقیق کرنے کی جو علت بیان کی گئی ہے (نادانی سے کسی قوم کو ضرر پہنچانا) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گواہ میں صرف عدالت ہی کافی نہیں بلکہ اس کا زیرک وزیرک اور حاضر دماغ ہونا اور کثیر الغلط اور کثیر السہو نہ ہونا بھی ضروری ہے تاکہ کوئی شخص اس کی سادہ لوحی سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے غلط گواہی نہ دلوا سکے۔ کیونکہ بموجب ارشاد امیر علیہ السلام "ماکل صالح ممیز وما کل ممیز صالح" اسی لئے بعض علماء کا قول ہے کہ "نرد شہادۃ اقوام نرجو شفاعتھم یوم القیامۃ" یعنی ہم بعض اوقات ایسے لوگوں کی شہادت (ان کی سادہ لوحی اور غفلت کی وجہ سے) رد کر دیتے ہیں جنکی (نیکی اور سعادت مندی کی وجہ سے) بروز محشر شفاعت کی امید رکھتے ہیں۔"

کتاب الصلوٰۃ میں بذیل شرائط پیش نماز عدالت کے مفہوم کی وضاحت کی جاچکی ہے کہ وہ ایک نفسانی ملکہ راسخہ ہے کہ جو آدمی کو تقویٰ اختیار کرنے اور واجبات ادا کرنے اور کبائر کا ارتکاب نہ کرنے اور صغائر پر اصرار نہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے" الغرض اس ملکہ کی موجودگی میں

آدمی عمداً واجبات کو ترک نہیں کرتا اور محرمات کا ارتکاب نہیں کرتا۔ گناہان کبیرہ و صغیرہ کا باہمی فرق اور بعض گناہان کبیرہ کی فہرست مذکورہ بالا مقام پر بیان کی جاچکی ہے وہاں رجوع کیا جائے۔ انشاء اللہ

علاوہ روایات مستفیضہ کے قرآن مجید سورہ مائدہ میں وصیت کے بارے میں "اثنان ذوا عدل منکم" اور سورہ طلاق میں "واشہد واذوی عدل منکم" یعنی وصیت اور طلاق پر دو عادل گواہ مقرر کرو۔" گواہ میں عدالت کے ضروری ہونے کی ناقابل انکار دلیل ہے کیا کوئی عقل سلیم یہ باور کرسکتی ہے کہ وصیت اور طلاق تو بغیر دو عادل گواہوں کی گواہی کے ثابت نہ ہوں مگر چوری یا قتل اور زنا وغیرہ جیسے سنگین جرائم یا لاکھوں روپے کی مالیت کے دعوے بغیر گواہوں کی عدالت کے ثابت ہو جائیں؟

مخفی نہ رہے کہ پیشہ کا دنی و حقیر ہونا (بشرطیکہ شرعاً جائز ہو) نہ کسی شخص کی عدالت میں قادح ہوتا ہے۔اور نہ ہی قبول شہادت میں حارج۔ اور اگر متجاہر با لفسق توبتہ النصوح کرلے تو اس کی شہادت بھی قبول ہوسکتی ہے۔

ششم۔ عدم تہمت۔ چند قسم کے لوگ وہ ہیں کہ گو وہ عادل ہوں تاہم چونکہ وہ متہم ہوتے ہیں کہ شہادت دینے سے ان کی غرض خود نفع حاصل کرنا ہے تو اس لئے رفع تہمت کی خاطر ان کی شہادت قبول نہیں ہوتی (۱) جیسے ایک شریک کی گواہی دوسرے شریک کے حق میں اس چیز کے متعلق جو دونوں کے درمیان مشترک ہے۔

(۲) وصی اس بچہ وغیرہ کے حق میں گواہی دے جو اس کی تولیت میں ہے تاکہ وہ مال اس کے قبضہ میں آجائے۔ (۳) وکیل اپنے موکل کے حق میں شہادت دے تاکہ وہ مال اس کی وکالت میں داخل ہو جائے۔ واضح رہے کہ وصی و وکیل کی شہادت صرف اس مال میں قبول نہیں ہے جو ان کی ولایت و وکالت کے دائرہ میں آتا ہو۔ لہٰذا اگر وہ کسی ایسے مال کے بارے میں گواہی دیں جو ان کی ولایت کے دائرہ سے خارج ہے تو پھر انکی شہادت کے قبول کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔

(۴) جس آدمی کا قرضہ کی کثرت کی وجہ سے دیوالیہ نکل جائے تو اس سے قرضہ لینے والا کوئی شخص اس کے مال کے موجود ہونے کی شہادت دے جو ادائے دین میں فروخت کیا جاسکتا ہے۔ تو اس کی شہادت بھی نافذ نہیں ہے کیونکہ اس شہادت سے خود غرضی کی بو آتی ہے کہ شاید اس

نے اپنے قرضہ کی ادائیگی کی خاطر یہ شہادت دی ہے۔

(۵) آقا کی شہادت اپنے غلام کے حق میں جسے تجارت وغیرہ کی اجازت ہو کیونکہ غلام اور جو کچھ اس کے پاس ہوتا ہے وہ اس کے مالک کی ملکیت ہوتا ہے لہٰذا اس شہادت سے بھی خود غرضی مترشح ہوتی ہے۔

(۶) اس شخص کی شہادت بھی قبول نہیں ہوتی جو اپنے نقصان کی تلافی کرنا چاہتا ہے جیسے عاقلہ (جانی کے چند مخصوص رشتہ دار جو اس کی جنایت کا تاوان ادا کرتے ہیں) کا جنایت کے گواہوں پر جرح کرنا تاکہ وہ جنایت ثابت نہ ہو اور وہ تاوان کی ادائیگی سے بچ جائیں۔

(۷) یا وصی و وکیل کا اپنے موصی اور موکل کے بر خلاف دعویٰ دائر کرنے والے گواہوں پر جرح کرنا تاکہ موصی و موکل کے خلاف وہ دعویٰ ثابت ہی نہ ہو جس سے وصی و وکیل پر زد پڑنے کا امکان ہے۔

(۸) دنیوی عداوت بھی قبول شہادت سے مانع ہے لہٰذا اگر کسی شخص کو کسی دوسرے شخص سے کسی دنیوی امر کی وجہ سے دشمنی ہے تو اس کی شہادت اس کے بر خلاف قبول نہ ہوگی البتہ اس کے حق میں قبول ہوگی مگر دینی عداوت شہادت کے قبول کرنے سے مانع نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی عادل گواہ کسی کافر کو اس کے کفر یا کسی بد مذہب کو اس کے بد مذہب یا کسی فاسق کو اسکے فسق کی وجہ سے برا سمجھتا رہے تو یہ امر اسکی شہادت کے قبول کرنے سے مانع نہیں ہے۔

(۹) کسی ڈاکو کے خلاف اس کے بعض رفقاء کی شہادت یا اپنے رفقاء کے حق میں بھی انکی شہادت قبول نہیں ہے۔

(۱۰) اس شخص کی شہادت کسی شخص کے خلاف مسموع نہیں ہوتی ہے جو حاکم کے مطالبہ کے بغیر از خود دے ہاں البتہ حقوق اللہ کے بارے میں ایسی شہادت بھی قابل قبول ہوتی ہے۔

(۱۱) اسی طرح جو شخص پیشہ ور سائل ہو اس کی شہادت بھی قبول نہیں ہے جیسا کہ صحیحہ علی بن جعفر میں صراحت موجود ہے۔ (وسائل الشیعہ)

(۱۲) جو شخص اذان دینے اور نماز با جماعت پڑھانے پر اجرت لیتا ہے اسکی شہادت بھی قبول نہیں ہے۔ (من لا یحضرہ الفقیہ)

سابقہ مطالب کی کچھ تشریح و توضیح

مذکورہ بالا عنوان (عدم تہمت) کے ذیل میں جو مختلف اقسام کے لوگ شمار کئے گئے ہیں کہ باوجود

عادل ہونے کے محض رفع تہمت کی خاطر ان کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ یہ روایت میں وارد لفظ "المتہم" کی اس تشریح کی بنا پر ہے جو عام فقہاء کرام نے فرمائی ہے لیکن بعض اعلام کی یہ تحقیق نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ لفظ متہم سے مراد وہ شخص ہے جسکی عدالت ثابت نہ ہونے کی وجہ سے اس کی شہادت پر شہادت زور (جھوٹی گواہی) ہونے کا شبہ ہوتا ہے یعنی گناہ کرنے اور نیکی اور بدی کی تمیز نہ کرنے میں متہم ہو ورنہ اگر صرف تہمت کو شہادت کے قبول نہ کرنے کا مستقل سبب قرار دیا جائے تو پھر تو کسی رشتہ دار کی گواہی رشتہ دار کے حق میں اور کسی دوست کی گواہی دوست کے حق میں قبول نہ ہوگی۔ حالانکہ یہ بالاتفاق قابل قبول ہے۔ فتدبر

توضیح

واضح رہے کہ عنوان قرابت خواہ نسبی ہو یا سببی اپنے رشتہ دار کے حق میں یا اس کے برخلاف شہادت قبول کرنے سے مانع نہیں ہے لہٰذا بھائی کا بھائی کے حق میں یا کسی کے خلاف گواہی دینا یا والد کا اپنے بیٹے کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی دینے یا کسی رشتہ دار کو اپنے کسی رشتہ دار کے حق میں یا کسی کے خلاف گواہی دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ہاں البتہ بیٹے کے اپنے والد کے خلاف شہادت کے مسموع ہونے میں اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ قبول نہیں ہے لیکن قول منصور یہ ہے کہ قبول ہے ایک تو اس لئے کہ قرآنی آیت مبارکہ میں عموم پایا جاتا ہے ارشاد قدرت ہے۔ **یا ایہا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولو علی انفسکم او الوالدین والا قربین** (پ ۵ س نساء ع ۱۷)

اے ایمان والو! بڑی مضبوطی کے ساتھ عدل و انصاف پر قائم رہو۔ اور خدا لگتی گواہی دیا کرو اگرچہ یہ گواہی تمہارے نفس یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی ہو۔ ظاہر ہے کہ اگر بیٹے کی گواہی باپ کے خلاف قابل قبول نہ ہوتی تو خدائے حکیم ایسی گواہی کی ہمت افزائی کیوں فرماتا۔

دوسرے داؤد بن حصین کی صحیحہ میں تصریح موجود ہے جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ فرمایا۔ "**اقیموا الشہادۃ علی الوالدین والولد**"

انصاف کے ساتھ گواہی دو اگرچہ تمہارے ماں باپ یا اولاد کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ (وسائل الشیعہ)

اسی طرح میاں اور بیوی میں سے ہر ایک کی شہادت ایک دوسرے کے حق میں یا برخلاف قبول کی جائے گی۔ اسی طرح دوست کی شہادت اپنے دوست کے حق میں یا مہمان کی شہادت اپنے میزبان کے حق میں۔ اجیر (مزدور) کی شہادت مستاجر کے حق میں قبول ہو گی بشرطیکہ وہ اس سے علیحدہ ہو چکا ہو البتہ علیحدگی سے قبل اس کی شہادت کے قبول ہونے میں اشکال ہے۔ واللہ العالم

وضاحت

اب تک شاہد کے جن شرائط کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کے ضروری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شہادت کی ادائیگی کے وقت ان شرائط کا پایا جانا ضروری ہے لہٰذا اگر ایک شخص نے شہادت کا تحمل اس وقت کیا (کسی واقعہ کا گواہ وقت بنا) جبکہ اس میں یہ شرائط موجود نہ تھیں مثلاً نابالغ بچہ تھا (بشرطیکہ ممیز ہو) یا کافر تھا یا فاسق یا غیر مومن تھا مگر ادائیگی کے وقت بالغ ہو۔ مسلمان ہو۔ مومن ہو۔ اور عادل ہو تو اس کی گواہی بالاتفاق قبول کی جائے گی جیسا کہ نصوص و فتاوی کا اس بات پر اتفاق ہے۔

ہفتم۔ طہارت مولد۔ کیونکہ نصوص و فتاوی کے اتفاق کی بنا پر مشہور و منصور قول یہ ہے کہ ولد الزنا کی شہادت قابل قبول نہیں ہے۔ اور جس کا ولد الزنا ہونا ثابت نہ ہو اس کی شہادت دوسرے شرائط کی موجودگی میں قبول ہوگی اگرچہ غیر ذمہ دار لوگ اس کے نسب کے متعلق چہ می گوئیاں بھی کرتے ہوں۔

ہشتم۔ ضبط

لہٰذا جو شخص کثیر السہو والنسیان ہو اس کی شہادت قبول نہ ہوگی سطور بالا میں بذیل عدالت اس شرط کا ضمناً تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

فائدہ۔ اگر فیصلہ کرنے کے بعد قاضی پر انکشاف ہو کہ گواہوں میں کوئی ایسا نقص تھا جو قبول شہادت سے مانع تھا تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) گواہ میں وہ عیب گواہی دینے اور قاضی کے فیصلہ کرنے کے بعد پیدا ہوا ہو۔ (۲) گواہی دینے سے قبل وہ نقص موجود تھا مگر قاضی کو پہلے اس کا علم نہیں ہو سکا اور فیصلہ کرنے کے بعد معلوم ہوا ہو تو پہلی صورت میں فیصلہ برقرار رہے گا اور اسکی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اور دوسری صورت میں اس فیصلہ کا توڑنا لازم ہوگا اور اگر اس غلط فیصلہ کے نتیجہ میں کسی کا کوئی جانی یا مالی نقصان ہوا ہو تو اس کی تلافی بیت المال سے کی

جائے گی۔ جیسا کہ جناب امیر علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ ما خطأت القضاة فی دم او قطع فهو علی بیت مال المسلمین۔ "اگر حاکم کسی کا خون بہانے یا قطع ید کرنے میں خطا کرے تو اس کی تلافی بیت المال سے کی جائے گی۔ (وسائل) بشرطیکہ قاضی نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کی ہو ورنہ قاضی خود مشغول الذمہ ہوگا۔

مخفی نہ رہے کہ تمام عقود و ایقاعات میں سے سوائے طلاق و ظہار کے کسی میں بھی گواہ مقرر کرنا ضروری نہیں ہے ہاں البتہ نکاح' بیع و شرا اور قرضہ میں گواہ مقرر کرنا سنت ہے۔

(شہادت بر شہادت کا بیان)

جب کسی شرعی اور عقلی عذر جیسے مرض یا غیبت یا موت کی وجہ سے کسی واقعہ کے اصلی گواہ مجلس قضاوت میں حاضر ہو کر حاکم کے پاس شہادت نہ دے سکیں تو پھر اس شہادت کو ایک اور شہادت کے ذریعہ سے عدالت تک پہنچایا جاتا ہے پہلی شہادت کو "اصل" اور دوسری کو "فرع" کہا جاتا ہے۔ یہ شہادت علی الشہادۃ صرف حقوق العباد میں جاری ہوتی ہے جیسے تمام عقود و ایقاعات مثل نکاح و طلاق اور قتل و قصاص و غیرہا خواہ یہ حقوق مالی ہوں یا غیر مالی۔ لیکن وہ حقوق اللہ جن کی پامالی شرعی حد کے جاری ہونے کا سبب بنتی ہے جیسے شرب خمر وغیرہ تو ان میں شہادت بر شہادت کا قانون جاری نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ متعدد روایات میں وارد ہے۔ لا تجوز شهادة علی شهادة فی حد۔ "حد کے معاملہ میں شہادت بر شہادت جائز نہیں ہے" (وسائل و وافی) باقی رہے وہ حقوق جو موجب حد نہیں ہیں جیسے رویت ہلال' زکوۃ' وقف اور کفارہ وغیرہ تو اظہر یہ ہے کہ ان میں یہ قانون جاری ہوگا اور اگر کوئی ایسا موضوع ہے کہ جس میں حق اللہ اور حق العباد "دونوں پہلو موجود ہیں جیسے زنا یا چوری تو اس سے حق العباد تو ثابت ہو جائے گا مگر حق اللہ ثابت نہ ہوگا مثلاً زنا میں نشر حرمت تو ثابت ہوگی مگر حد ثابت نہ ہوگی۔ اور سرقہ میں مال مسروقہ ثابت ہوگا مگر حد ثابت نہ ہوگی۔

مسائل و احکام

مسئلہ نمبر۱۔ بناء بر مشہور و منصور شہادت بر شہادت صحیح نہیں ہے یعنی جو شہادت فرع ہے اس کو اصل فرض کر کے اس پر فرع قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ ایک تو اس کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے اور دوسرے اس کے عدم جواز پر عمرو بن جمیع کی خصوصی روایت موجود ہے جو

صادق آل محمد علیہ السلام سے مروی ہے جسمیں مذکور ہے۔ **ولا تجوز شهادة علی شهادة علی شهادة** (وسائل) یعنی "شہادت بر شہادت بر شہادت جائز نہیں ہے۔"

مسئلہ ۲۔ اس شہادۃ بر شہادۃ کی چند صورتیں ہیں۔ (۱) اصل میں دو گواہ ہوں اور فرع میں بھی دو۔ (۲) اصل کے دو گواہ ہوں اور فرع میں چار یعنی اصل کے ایک ایک گواہ پر فرع میں دو دو گواہ ہوں۔ (۳) اصل میں ایک مرد اور دو عورتیں ہوں اور فرع میں دو عادل مرد (۴) اصل میں چار عورتیں ہوں اور فرع میں دو مرد۔ الغرض فرع میں کسی طرح بھی دو عادل گواہوں سے کمتر کی شہادت جائز نہیں ہے۔

وہ امور جو قبول شہادت میں ضروری ہیں

اور وہ چند امور ہیں۔ (۱) اگرچہ گواہوں کے الفاظ و عبارات الگ الگ ہوں مگر ایک ہی مفہوم و مطلب کی ادائیگی پر متفق ہوں۔ (۲) کسی فعل کی شہادت دیتے وقت اس کے وقوع پذیر ہونے کے زمان، مکان اور اس کی صفت کے بیان میں باہم اختلاف نہ ہو۔ (۳) کسی ناممکن الوقوع امر کے واقع ہونے کی گواہی نہ دیں۔ اگر گواہوں میں اس قسم کا اختلاف ہو جائے تو اگر شہادت کسی مال کے متعلق ہے خواہ عین ہو یا دین یا دوسرے قول کے مطابق کسی بھی انسانی حق کے بارے میں ہو تو حاکم کو یہ حق حاصل ہے کہ صرف ایک گواہ کی شہادت کے ساتھ مدعی سے قسم لیکر اس کے حق میں فیصلہ کر دے اور اگر یہ شہادت حقوق اللہ کے متعلق ہے تو نہ ثابت ہوں گے اور نہ حد جاری ہوگی۔

گواہوں کے انحراف کا بیان

اگر گواہ گواہی دینے کے بعد اپنی شہادت سے منحرف ہو جائیں تو حقیقت حال چند امکانات سے خالی نہ ہوگی یا تو ان کی شہادت مال کے متعلق ہوگی یا غیر مال کے متعلق اور دوسری صورت میں پھر وہ چیز یا تو موجب قصاص و حد ہوگی یا اس کی موجب نہ ہوگی جیسے طلاق وغیرہ اور پھر ان تمام صورتوں میں یا تو یہ انحراف حاکم کے فیصلہ سے پہلے ہوگا یا اس کے بعد نیز یہ انحراف عمدی کذب و افتراء کے اعتراف کی بناء پر ہوگا یا غلطی و اشتباہ کی بناء پر ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ ان تمام شقوں کے مخصوص احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) اگر شہادت مال کے متعلق تھی اور گواہ شہادت کے بعد اور حاکم کے فیصلہ سے قبل منحرف

ہو جائیں تو ان کی شہادت سے جس آدمی کا مالی نقصان ہوا ہے اس کا تاوان گواہوں سے لیا جائے گا اور اگر دو گواہوں میں سے ایک منحرف ہو جائے تو وہ نصف مال کا ضامن ہوگا۔

(۲) اگر شہادت کسی ایسی چیز کے بارے میں تھی جو موجب قصاص یا باعث حد ہوتی ہے اور حد جاری ہونے سے پہلے گواہ منحرف ہو جائیں تو اس صورت میں وہ حد جاری نہ ہوگی۔ اور اگر حد جاری ہو جانے یا قصاص لے جاچکنے کے بعد منحرف ہوں اور یہ اعتراف کریں کہ انہوں نے عمداً جھوٹی گواہی دی تھی تو مقتول کے وارث پر منحصر ہوگا وہ چاہے تو ان سے قصاص لے اور چاہے تو دیت وصول کرے۔

اور اگر انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تو پھر سب پر دیت واجب ہوگی۔ اور اگر بعض نے عمداً جھوٹ بولنے اور بعض نے خطا" ایسا کرنے کا دعوی کیا تو ہر ایک کے ساتھ اس کے اعتراف کے مطابق سلوک کیا جائے گا یعنی جو عمداً" جھوٹ بولنے کا اقرار کرے گا اس سے قصاص لیا جائے گا اور خطاً غلط گواہی دینے والے سے دیت لی جائے گی۔

(۳) اگر یہ شہادت چوری کے متعلق تھی اور ان کی شہادت پر چور کا ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا اور انہوں نے بعد میں کہا کہ ہم نے اشتباہ کیا ہے۔ یہ چور نہیں ہے چور تو اور ہے تو ان کو قطع شدہ ہاتھ کی دیت ادا کرنا پڑے گی اور دوسرے چور کے بارے میں ان کی شہادت مسموع نہ ہوگی۔

اگر یہ شہادت زنا کے متعلق تھی اور حد جاری ہونے سے قبل گواہ منحرف ہوگئے اور اعتراف کیا کہ انہوں نے عمداً جھوٹی شہادت دی تھی تو ان پر حد قذف جاری ہو جائے گی یعنی ان کو اسی کوڑے لگائے جائیں گے۔

اور اگر ان کی شہادت کسی کی زوجہ کی طلاق کے بارے میں تھی اور عورت نے ان کی شہادت کی بنا پر عقد ثانی کر لیا ادھر شوہر نے انکار کیا اور ادھر دونوں گواہوں یا ان میں سے ایک نے اپنی شہادت سے انحراف کیا اور عمداً" جھوٹ بولنے کا اقرار کر لیا تو پھر زن اور دوسرے شوہر میں تفریق واجب ہوگی اور عورت اس دوسرے شوہر کی عدت گزارے گی اور پھر پہلے کے تصرف میں چلی جائیگی اور یہ جھوٹے گواہ دوسرے شوہر کے زر مہر کے ضامن ہوں گے (قبل از دخول تحقیقا اور بعد از دخول احتیاطا) اور یہی حکم اس صورت کا ہے کہ جب دو گواہ کسی عورت کے شوہر کی موت کی خبر دیں اور عورت عدت کے بعد عقد ثانی کر لے اور یہ بعد میں منحرف ہو جائیں۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر فرع کے گواہ حاکم کے فیصلہ کے بعد اپنی گواہی سے منحرف ہو جائیں تو اگر اصل گواہ ان کے رجوع کی تکذیب کریں تو یہ کسی چیز کے ذمہ دار نہیں ہوں گے اور اگر ان کے انحراف کی تصدیق کریں تو پھر یہ تمام مالی نقصان کے ذمہ دار ہوں گے اور اگر وہ شہادت جو انہوں نے دی تھی قصاص و حد کے متعلق تھی تو پھر اسی تفصیل کے ساتھ ان سے قصاص لیا جائے گا یا دیت لی جائے گی یا ان پر حد جاری کی جائے گی۔ جو سطور بالا میں اصل گواہوں کے انحراف کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگر شاہد اصل اور شاہد فرع میں اختلاف رونما ہو جائے یعنی شاہد اصل یہ کہے کہ میں نے اسے (شاہد فرع کو) شاہد نہیں بنایا تو ان میں سے جو زیادہ عادل ہو گا اس کا دعویٰ مسموع ہو گا اور اگر عدالت میں برابر ہوئے تو پھر فرع کی شہادت نافذ نہ ہو گی۔

جھوٹے گواہ کی سزا

جو شخص عمداً جھوٹی گواہی دے حاکم شرع اسے مناسب کوڑوں کی سزا دے گا۔ اور اس کی اپنے شہر میں ذلت و رسوائی کے ساتھ تشہیر کی جائے گی۔ اور اس کا جرم اس کی قوم و قبیلہ اور دوسرے لوگوں کو بتایا جائے گا۔ تاکہ یہ کاروائی اس کیلئے اور دوسرے ناظرین کیلئے تازیانہ عبرت ثابت ہو اور جب تک وہ اپنے گھناؤنے جرم سے توبۃ النصوح نہیں کرے گا' آئندہ کسی معاملہ میں اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

تم باب الشهادة والحمد لله رب العالمين۔

باب الحدود والتعزیرات

تلک حدود اللہ فلا تعتدوہا

حدود وتعزیرات کا باہمی فرق

شریعت مقدسہ میں مختلف جرائم کی جو مختلف سزائیں مقرر ہیں جیسے زناکاری' تہمت بدکاری اور چوری و راہزنی وغیرہ کی سزائیں ان کو "حدود" کہا جاتا ہے اور جن جرائم کی سزائیں شرعاً مقرر نہیں ہیں بلکہ ان کی تعیین کرنا حالات' اشخاص' ازمنہ اور دیگر مصالح کے مطابق حاکم وقت (نبی و امام یا ان کے نائب خاص یا عام) کی صوابدید پر منحصر ہو انہیں تعزیرات کہا جاتا ہے۔

گناہوں کے اقسام

اس طرح اسلامی نقطہ نگاہ کے مطابق گناہوں کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) پہلی قسم وہ ہے جس میں حد شرعی لازم ہے مگر کفارہ نہیں ہے جیسے زنا' تہمت زنا' شراب نوشی اور راہزنی وغیرہ۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے جس میں کفارہ لازم ہے مگر کوئی حد نہیں ہے جیسے احرام یا روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے ہمبستری کرنا وغیرہ (۳) تیسری قسم وہ ہے جس میں نہ حد شرعی ہے اور نہ کفارہ بلکہ صرف تعزیر لازم ہے جیسے نامحرم عورت سے دست درازی اور بوس و کنار کرنا۔

اسلامی حدود کی خوبیاں

جرائم کی دنیوی شرعی سزائیں جو حدود و قصاص کے نام سے موسوم ہیں اس قدر موثر اور عبرت خیز ہیں کہ ان کی موجودگی میں کسی شخص کو ان کے جرائم کے ارتکاب کی جرات و جسارت نہیں ہو سکتی۔ یہ سخت سزائیں ان سماجی اور انفرادی جرائم پر مقرر کی گئیں ہیں جن کے نقصانات متعدی اور اثرات حد سے متجاوز ہیں اگر کسی قوم میں یہ خرابیاں پیدا ہو جائیں تو اس کا شیرازہ بکھر جاتا ہے باہمی انتشار و خلفشار بڑھ جاتا ہے فتنہ و فساد اور بدنظمی و انارکی عام ہو جاتی ہے ان جرائم میں جو جرائم سرفہرست ہیں وہ جانوں کی ہلاکت' لوگوں کی عزت و آبرو پر حملہ' شراب نوشی اور لوگوں کے مال و دولت پر دست درازی کرنا ہے۔

ایک اعتراض کا جواب

کہا جاتا ہے کہ شرعی حدود و تعزیرات بہت سخت اور بے رحمانہ ہیں بلکہ نئی تہذیب کے بعض پرستار تو انہیں وحشیانہ قوانین قرار دیتے ہیں کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنے اور غیر شادی

شدہ کو سو کوڑے مارنے اور چور کا ہاتھ کاٹنے اور شراب نوشی اور تہمت لگانے والے کو اسی کوڑے لگانے کا حکم دیا گیا ہے۔

معمولی سزا کے نتائج

ایسا اعتراض کرنے والوں نے دراصل انسانی نفسیات کا گہرا مطالعہ نہیں کیا ورنہ ان پر یہ بات واضح و آشکار ہو جاتی کہ دنیا کے اوباش اور جرائم پیشہ لوگ معمولی قید و جرمانہ کی سزا سے اپنی شرارتوں اور سماجی برائیوں سے باز نہیں آتے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں اسلامی حدود و تعزیرات جاری نہیں ہیں ان ممالک کے نرم قوانین کی وجہ سے دنیا میں جرائم کی رفتار روز افزوں ہے اور جن بعض اسلامی ممالک میں بعض تعزیری احکام جاری ہیں وہاں جرائم کی تعداد نہ صرف یہ کہ دوسرے ممالک کی نسبت بہت کم ہے بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ جرائم کی بیخ کنی اور انسداد کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ایسے مجرموں کو سخت قسم کی سزائیں دی جائیں کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ اس قسم کی سزائیں نہ صرف یہ کہ مجرموں کیلئے مفید ہوتی ہیں بلکہ دوسرے لوگوں کی بھی اصلاح کرتی ہیں اور ان کو جرائم کے ارتکاب سے باز رکھتی ہیں۔

بدنی سزا کا دوبارہ اجراء

یہی وجہ ہے کہ مغربی ممالک اور ان کے تابع مہمل ممالک جہاں جسمانی سزا کا قانون منسوخ ہے وہاں بھی قانون ساز ان ممالک میں روز افزوں بڑھتی ہوئی رفتار جرائم کے پیش نظر دوبارہ جسمانی سزا رائج کرنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں بلکہ بعض بعض موارد میں تو جسمانی سزا کا قانون رائج بھی ہے جیسے کوئی قیدی زنداں کے آئین کی خلاف ورزی کرے تو اسے کوڑوں کی سزا دی جاتی ہے یا اگر کوئی سپاہی فوجی قوانین کی مخالفت کرے تو اسے بھی جسمانی سزا کی کٹھالی سے گزرنا پڑتا ہے الغرض دنیا کے تمام تر مفکرین و ماہرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جسمانی سزا میں وہ تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں جن سے سزا کا مقصد حاصل ہوتا ہے ایسی سزا جہاں مجرم کیلئے موثر ہوتی ہے اور اسے جرم کے اعادہ سے باز رکھتی ہے وہاں دوسرے لوگوں کیلئے بھی درس عبرت ثابت ہوتی ہے اسلئے شریعت مطہرہ میں اس سزا کے وقت اہل اسلام کا اجتماع ضروری قرار دیا ہے۔ **ویشھد عذابھما طائفۃ من المؤمنین**

جرم کی نوعیت کے مطابق سزا

عقل و شرع کا تقاضا یہ ہے کہ جرم کی نوعیت کے مطابق مجرم کو سزا دی جائے۔ اسلام کے تعزیری احکام میں بدرجہ اتم اس بات کا خیال رکھا گیا ہے چنانچہ اسلام میں سب سے کڑی اور سخت سزائیں قتل، زنا، چوری، ڈاکہ زنی، شراب نوشی اور ارتداد پر دی جاتی ہیں جن سے نفس، نسل، مال، عقل اور دین ضائع و برباد ہوتے ہیں اور اسمیں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے کہ تمام ملل و مذاہب میں ان چیزوں کی حفاظت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کیونکہ انہی پانچ چیزوں میں افراط و تفریط کے نتیجہ میں قتل و قتال، جنگ و جدال، فتنہ و فساد اور خون خرابے ہوتے ہیں جس سے امن عالم تہہ و بالا اور نظم و ضبط درہم برہم ہو جاتا ہے اس لئے انہی چیزوں سے کھیلنے والوں اور امن عامہ کو تباہ و برباد کرنے والے افراد کے خلاف شرع انور میں سخت سزائیں تجویز کی گئی ہیں تاکہ ان جرائم کا قلع قمع ہو سکے۔ اور یہ چیز بھی شریعت اسلامیہ کے خالق فطرت کی مقررہ شریعت ہونے کی منجملہ دیگر دلائل و براہین کے ایک بڑی روشن دلیل ہے۔

(ان جرائم کی تباہ کاریوں پر انہی عناوین کے ذیل میں ہم فی الجملہ تبصرہ کریں گے۔ انشاء)

قابل توجہ نکتہ

یہاں یہ نکتہ بھی خاص توجہ کا مستحق ہے کہ اگرچہ اسلامی شریعت میں بعض سنگین جرائم کی سزائیں بڑی سنگین ہیں مگر ان سزاؤں کے نفاذ میں بڑی احتیاط ملحوظ رکھی گئی ہے اور ان جرائم کے ثبوت میں ایسی کڑی شرائط مقرر کی گئی ہیں کہ شاذو نادر ہی جرم ثابت ہوتا ہے اور مجرم کو سزا ملتی ہے مثلاً" زنا کاری ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ چار عادل گواہ شہادت دیں کہ دو اجنبی زن و مرد کا اختلاط باہمی اس طرح تھا جس طرح سرمہ دانی میں سرمہ ڈالنے کا آلہ۔ ان حالات میں اگر ان کا جرم ثابت ہو جاتا ہے اور ان کو سزا ملتی ہے تو بقول بعض ظرفاء یہ ان کی حماقت کی سزا ہے نہ کہ زنا کی۔ اس طرح اگر کوئی شخص اپنی زنا کاری کا اقرار کرتا ہے تو جب تک چار بار اقرار نہ کرے شرع انور اس کے اقرار پر کوئی آثار مترتب نہیں کرتی۔ شریعت مقدسہ کا مقصد پردہ پوشی ہے پردہ دری نہیں ہے اسی لئے لوگوں کی برائی و بدکاری کی نشرو اشاعت کرنے والوں کو دنیا و آخرت میں دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

شبہ کا فائدہ مجرم کو ہوتا ہے

اسلامی شریعت میں ایک اور سہولت بھی ہے کہ اس میں محض شک و شبہ کی بناء پر حدود

ساقط ہو جاتی ہیں۔ اس کا ضابطہ ہے کہ (ان الحدود تدرأ بالشبہات) محض شک و شبہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں اسی بناء پر یہ فقہ اسلامی کا ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ "معاف کرنے میں غلطی کرنا سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے" خلاصہ کلام یہ کہ پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شریعت سہلہ کا منشا یہ ہے کہ سخت قانون کی تلوار مجرم کے سر پر لٹکتی تو ہر وقت ہے مگر اس کے چلنے کی نوبت بہت کم پیش آئے تاکہ "بموجب سانپ مرجائے اور لاٹھی بچ جائے" جرم ختم ہو جائے اور مجرم بچ جائے یعنی کفر کٹ جائے اور کافر بچ جائے۔

نتیجۃ الکلام

اب تک جو کچھ سطور بالا میں پیش کیا گیا ہے اس کے پیش نظر ایک منصف مزاج انسان پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح و عیاں ہو جاتی ہے کہ شریعت اسلامیہ میں جو سخت سزائیں مقرر کی گئی ہیں وہ نہ بے رحمانہ ہیں اور نہ وحشیانہ بلکہ سرا سر حکیمانہ اور رحمدلانہ ہیں جو افراد' جماعت اور اقوام کی فلاح و بہبود اور بہتری و برتری کے لئے معین کی گئی ہیں ہم نے واضح کردیا ہے کہ جرائم کا انسداد اور قلع قمع انہی سزاؤں کے اجراء سے ہو سکتا ہے نہ کہ دنیا کے رائج الوقت نظام جرم و سزا سے۔ کما لایخفی علی ارباب الانصاف

مسلمان حکمرانوں کا فریضہ

باوجود اسلام کے ان منصفانہ اور حکیمانہ حدود و تعزیرات کی موجودگی کے کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ موجودہ زمانے کی نام نہاد اسلامی حکومتیں بجائے اسلامی نظام تعزیرات جاری کرنے اور اسلامی قوانین کا احیاء و اجراء کرنے کے مغرب کی اندھی تقلید میں مغربی قوانین کے مطابق قوانین وضع کرتی ہیں شاید وہ خیال کرتی ہیں کہ معاذ اللہ اسلامی شریعت ناقص ہے اور موجودہ دور کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ اگر فی الواقع ایسا ہی ہے تو یہ قانون خداوندی سے کھلم کھلا بغاوت ہے اور ایسے لوگوں کو اسلام کا نام بدنام کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ بلکہ ان کے لئے انسب یہ ہے کہ یہ منافقانہ و مداہنانہ روش و رفتار ترک کرکے وہ دین اختیار کریں جو ان کے زعم کے مطابق نہ صرف کامل بلکہ اکمل ہو اور جو موجودہ دور کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کی اہلیت رکھتا ہو اور اگر (جیسا کہ وہ بار بار اس بات کا اقرار و اظہار کرتے ہیں کہ) اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور اس میں دین و دنیا کا کوئی انفرادی یا اجتماعی' تمدنی اور معاشرتی و

معاشی و معادی پہلو نظر انداز نہیں کیا گیا تو ان کا یہ اسلامی و دینی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ شریعت اسلامیہ کے اصولوں کے مطابق نظام عدل و انصاف قائم کریں اور اگر حکام اس سلسلہ میں سہل انگیزی سے کام لیں تو عوام اہل اسلام کا فرض ہے کہ وہ اپنے حکمران ٹولہ کو مجبور کردیں کہ وہ قوانین وضع کرتے (بالفاظ مناسب جاری کرتے وقت) شریعت اسلامیہ کے قوانین کو سنگ میل قرار دیں خواہ وہ قوانین دیوانی ہوں یا فوجداری' مقام شکر ہے کہ پاکستان (صانہا اللہ عن الحدثان۔ جو اسلام کے متبرک نام پر معرض وجود میں آیا ہے) کی موجودہ حکومت اسلامی نظام نافذ کرنے کے بلند بانگ دعوے کر رہی تھی' دعا ہے کہ خداوند عالم اسے اس نیک مقصد میں کامیاب و کامران فرمائے اور اسلامی قانون عدل (لا اکراہ فی الدین) کے مطابق تمام مسلمہ اسلامی فرقوں کو ان کی مذہبی فقہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کی حکومتی سطح پر ضمانت دینے کی بھی توفیق دے تاکہ تقابلی میدان میں فقہ جعفریہ کی باقی تمام مکاتب فقہ پر بالا دستی ثابت ہوسکے اور تمام اسلامی فرقے مذہبی طور پر مطمئن ہو کر ملک و ملت کی ترقی میں حصہ لے سکیں۔

اس دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

اس قدر تمہیدی بیانات کے بعد ہم اصل حدود بیان کرنے کی طرف عنان بیان موڑتے ہیں۔

زنا کاری کی حد اور اس کے احکام

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زنا کی حد بیان کرنے سے پیشتر زنا کاری کی تباہ کاری اور اس جرم شنیع کی سنگینی پر تھوڑا سا تبصرہ کردیا جائے۔ لیہلک من ہلک عن بینۃ ویحیی من حی عن بینۃ

زنا کاری کی تباہ کاری

(۱) زنا کاری سے نسل و نسب تباہ ہو جاتا ہے جس کی حفاظت ہر دین و شریعت کا بنیادی مقصد ہے۔

(۲) ناجائز تعلقات کے نتیجہ میں لاوارث بچے پیدا ہوتے ہیں جو باپ کی شفقت اور اس کی تعلیم و تربیت سے محروم ہوتے ہیں۔

(۳) ولد الزنا نطفہ کی تاثیر سے اکثر غلط کار و بدکار اور دشمن ائمہ اطہارؑ ہوتے ہیں جس کی وجہ سے امن عامہ میں مزید خلل پڑتا ہے۔

آج مقام افسوس ہے کہ وہ حکمران پورے گیارہ سال تک اسلام کے نام پر حکمرانی کرتا رہا مگر پورے ملک میں تو اسلامی نظام نافذ کرنا [illegible] اپنے گھر بلکہ اپنے چہرہ پر بھی اسلام نافذ نہ کرسکا اور بالآخر [illegible] عبرتناک موت مارا گیا [illegible]

(۴) زنا کاری کی وجہ سے پوشیدہ امراض پھیلتے ہیں جو صحت و تندرستی کو تباہ کرتے ہیں۔

(۵) شادی نہ کرنے بلکہ صرف زنا کاری پر گزر اوقات کرنے والی بہت سی عورتیں تنگدستی و بدبختی کی زندگی گزارتی ہیں۔

(۶) زنا کاری سے زانیوں کی صحت اور ان کے اخلاق خراب ہوتے ہیں۔

(۷) زنا کاری کے مضر اثرات جانبین کے خاندان تک سرایت کر جاتے ہیں اور دونوں خاندانوں کی عزت و آبرو خراب و برباد ہو جاتی ہے۔

(۸) زنا کاری ان لوگوں کے جذبہ غیرت کو چیلنج کے مترادف ہے جن کی عزت و ناموس پر حملہ کیا جائے اور اگر (اکثر مغربی اقوام کی طرح) ان کی انسانی فطرت مسخ نہ ہو گئی ہو تو وہ لوگ ایسے بدکاروں سے ضرور انتقام لیتے ہیں جس کا نتیجہ قتل و خونریزی میں اضافہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

(۹) زنا کاری سے چہرہ کی رونق ختم ہو جاتی ہے۔

(۱۰) زنا کاری فقر و فاقہ کی موجب ہوتی ہے۔

(۱۱) زنا کاری سے عمر کم ہو جاتی ہے۔

(۱۲) زنا کاری خالق اکبر کی ناراضی کا باعث ہے۔

(۱۳) زنا کاری سختی حساب

(۱۴) اور خلود فی النار کا سبب ہے۔

(۹ سے لے کر ۱۴ تک چھ نقصانات ارشاد نبویؐ سے ماخوذ ہیں (جیسا کہ خصال شیخ صدوق اور وسائل وغیرہ میں مذکور ہے) اس لئے خداوند عالم زنا کو ایک بدترین گناہ قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے۔ "ولا تقربوا الزنی انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا (پ ۱۵ س بنی اسرائیل ع) زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ کیونکہ یہ یقیناً" بے حیائی کا کام اور برا راستہ ہے اس لئے خالق حکیم نے اس جرم شنیع کو مٹانے اور اس گناہ عظیم کا قلع قمع کرنے کے لئے جو سخت سزا تجویز فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے۔

زنا کار کی حد

ارشاد قدرت ہے۔ الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ ولا تاخذ کم بھما رافۃ فی دین اللہ ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ویشھد عذابھما طائفۃ من المومنین"

(پ ۱۸ س نور ع)

"جو عورت اور مرد زنا کریں ان دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ اگر تم خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو حکم خدا کی تعمیل میں مجرموں پر رحم نہ کرو اور جب ان کو یہ سزا دی جائے تو اس وقت مومنوں کی ایک جماعت موجود رہے مخفی نہ رہے کہ باتفاق تمام اہل اسلام احادیث متواترہ اور تعامل نبیؐ وائمہؑ وامتؐ یہ آیت مبارکہ تخصیص خوردہ ہے یعنی یہ حکم کنوارے یا رنڈوے زانی اور زانیہ کے متعلق ہے کہ ان کو سو سو درے مارے جائیں۔ لیکن جہاں تک شادی شدہ زانی، زانیہ کا تعلق ہے۔ (جنہیں محصن و محصنہ کہا جاتا ہے) تو ان کی سزا سنگساری ہے۔

بہرنوع یہاں پہلے وجوب حد کے شرائط ذکر کئے جاتے ہیں بعد ازاں اس کے ثبوت کے طریقے بیان کئے جائیں گے اور سب کے آخر میں حد اور اس کے اجراء کی کیفیات و تفصیلات واضح کی جائیں گی۔ انشاء اللہ

حد زنا کے وجوب کے شرائط

وہ زنا جو شرعی حد کا موجب ہوتا ہے اس کے ثبوت کی چند شرطیں ہیں۔

اول۔ آدمی اپنا آلۂ تناسل اگرچہ بقدر حشفہ (ختنہ گاہ) ہو عورت کے قبل یا بناء بر مشہور دبر میں داخل کرے عام اس سے کہ انزال ہو یا نہ ہو۔

اگرچہ وطی فی الدبر کرنے سے زنا کے ثابت ہونے میں تامل و اشکال ہے کیونکہ قطع نظر اس کی حرمت سے اس فعل کو عرف اور لغت میں زنا نہیں کہا جاتا اور ظاہر ہے کہ احکام شرعیہ مفاہیم عرفیہ و لغویہ کے تابع ہوتے ہیں اور ابہام و اجمال کی صورت میں افراد شائعہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے نہ کہ افراد نادرہ کی طرف۔ کمالا یخفی

لہٰذا بوس و کنار یا ہمخوابی کرنے یا گلوگیر ہونے یا قبل و دبر کے علاوہ کسی اور مقام میں ذکر داخل کرنے سے حد زنا جاری نہ ہوگی۔ البتہ تعزیر واجب ہوگی۔ (جس کا حدود کے بعد تذکرہ کیا جائے گا انشاء اللہ)

دوم ۔ جس عورت سے بدکاری کی گئی ہے وہ اس زانی پر بالاصالہ حرام ہو یعنی اس کی منکوحہ، متمتعہ اور مملوکہ نہ ہو۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی اس زوجہ کے ساتھ مقاربت کرے جو مرد کے احرام یا اسکے روزہ یا اپنے حیض و نفاس اور ظہار وایلا وغیرہ کی وجہ سے عارضی طور پر شوہر پر حرام ہو تو یہاں صرف تعزیر لازم ہوگی حد جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ زنا نہیں ہے۔

سیوم = جماع کرتے وقت اس عورت کے زوجہ یا مملوکہ ہونے کا شبہ نہ ہو۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی اجنبیہ کو اپنی بیوی یا لونڈی سمجھ کر مباشرت کرے تو یہ وطی باشبہ ہوگی نہ زنا۔ لہٰذا اس پر حد جاری نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مشترکہ کنیز کی وطی کو جائز سمجھ کر اس سے ہم بستری کرے تب بھی اس پر حد جاری نہ ہوگی۔ ہاں اگر حرمت کا علم ہو تو پھر شریک کے حصہ کے مطابق نصف یا ثلث حد جاری ہوگی۔

چہارم = زنا کی حرمت اور اس عورت سے مباشرت کی حرمت کا علم ہو لہٰذا اگر کسی شخص کو زنا کی حرمت کا علم نہ ہو یا جس عورت سے مباشرت کی ہے اس کی حرمت کا علم نہ ہو جیسے کوئی شخص بوجہ جہالت شوہردار عورت یا محارم میں سے کسی کے ساتھ عقد کرکے مجامعت کرے تو اس پر حد جاری نہ ہوگی۔

پنجم = زانی بالغ ہو اگرچہ وہ لڑکی جس سے زنا کیا ہے نابالغ ہی کیوں نہ ہو لہٰذا اگر زانی محصن ہے تو اسے سنگسار کیا جائے گا اور اگر غیر محصن ہے تو اسے دروں کی سزا دی جائے گی اور اگر زانی نابالغ ہے تو اس پر حد جاری نہ ہوگی بلکہ صرف حاکم شرع بطور تادیب اس پر تعزیر جاری کرے گا اور عورت پر بھی اس وقت حد جاری ہوگی جب بالغہ ہو۔ نابالغہ پر صرف تعزیر جاری ہوگی اور اگر کوئی عورت نابالغ لڑکے کے ساتھ زنا کرے تو لڑکے پر تعزیر جاری کی جائے گی اور عورت کو سو دروں کی سزا دی جائے گی اور جب تک بالغ آدمی سے زنا نہ کرے اس وقت تک اسے سنگسار نہیں کیا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ مرد کی طرف سے زنا کے ثبوت میں عورت کا بالغ ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ ہی عورت کی طرف سے ثبوت زنا میں زانی کا بالغ ہونا ضروری ہے مگر زانی کے نابالغ ہونے کی صورت میں زانیہ کو سنگسار نہیں کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ محصنہ ہی ہو۔

ششم = زانی عاقل ہو۔ لہٰذا اگر مرد یا عورت یا ہر دو دیوانے ہوں تو ان پر شرعی حد جاری نہیں ہوگی بلکہ ان پر صرف تعزیر جاری کی جائے گی اور اگر جانبین میں سے ایک دیوانہ ہو اور دوسرا فرزانہ تو حد صرف فرزانے پر جاری ہوگی نہ دیوانے پر۔

ہفتم = زانی اور زانیہ مختار ہوں لہٰذا اگر دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو زنا کاری پر مجبور کیا جائے تو مکرہ و مجبور پر حد جاری نہ ہوگی اور اگر مرد یا عورت میں سے صرف ایک دوسرے کو زنا پر مجبور کرے تو حد صرف جابر پر جاری ہوگی نہ مجبور پر اور اگر مجبور کرنے والا مرد ہو تو بناء بر مشہور حد کے ساتھ ساتھ عورت کے مہرالمثل کی ادائیگی بھی اس پر واجب ہوگی اور اگر عورت

دعوی کرے کہ اسے زنا پر مجبور کیا گیا تھا تو بلا بینہ و برہان اس کا دعوی مسموع ہوگا۔ کیونکہ حدود شبہات کی بناء پر ساقط ہو جاتی ہیں۔ واللہ العالم

ہشتم = سنگساری کے لئے ایک اور شرط بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ زانی اور زانیہ محصن و محصنہ ہوں۔

مرد کے محصن اور عورت کے محصنہ ہونے کی وضاحت

یعنی دونوں مرد و عورت عاقل و بالغ اور آزاد ہوں اور اس طرح رشتہ ازدواج میں منسلک ہوں کہ شب و روز صبح و شام جب چاہیں ایک دوسرے کے پاس آسکیں ان کو محصن و محصنہ کہا جاتا ہے لہٰذا اگر کوئی ایسا شخص زنا کرے جس کے پاس اس کی مدخولہ منکوحہ بیوی یا مملوکہ لونڈی موجود ہو جس کے پاس صبح و شام آجاسکتا ہو تو اسے سنگسار کیا جائے گا۔ اسی طرح جس عورت کا شوہر موجود ہو اور وہ صبح و شام اس کے پاس آجاسکتی ہو اگر وہ زنا کرے تو اسے بھی سنگسار کیا جائے گا۔

مسائل واحکام

مسئلہ ۱۔ مطلقہ رجعیہ زوجہ کے حکم میں ہے لہٰذا جب تک اس کی مدت ختم نہ ہو جائے وہ محصنہ اور اس کا شوہر محصن سمجھا جائے گا بخلاف طلاق بائن کے کہ اس سے رشتہ زوجیت منقطع ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگر شوہر سفر میں ہو اور زوجہ پاس نہ ہو یا گو حضر میں ہو مگر قید و بند یا کسی اور وجہ سے بیوی یا کنیز تک اس کی رسائی نہ ہو سکتی ہو یا زوجہ غائب ہو اور شوہر حاضر تو اس صورت میں اسے محصن نہیں سمجھا جائے گا اور یہی حکم عورت کا ہے کہ اگر وہ حاضر ہو اور شوہر غائب یا حاضر تو ہو مگر کسی وجہ سے زوجہ تک اسکی رسائی نہ ہو تو عورت محصنہ متصور نہیں ہوگی۔

مسئلہ ۳۔ غلام اور لونڈی خواہ محصن و محصنہ ہوں یا نہ ہوں ان سے سنگساری کی حد ساقط ہے البتہ ان پر کوڑوں والی حد جاری کی جائے گی مگر آزاد (زانی) کی حد کا نصف یعنی انہیں صرف پچاس کوڑے لگائے جائیں گے۔

مسئلہ ۴۔ غلام اور لونڈی سے جلا وطنی اور سر مونڈ کر تشہیر کرنے کی سزا بھی ساقط ہے۔ (کما یاتی تفصیلہ انشاء اللہ)

زنا کے ثابت ہونے کا طریقہ کار

زنا کے ثابت ہونے کے بالاتفاق دو طریقے ہیں۔ (۱) اقرار' (۲) گواہ (بعض فقہاء نے حاکم شرع کے ذاتی علم کو بھی ثبوت زنا کا ایک طریقہ قرار دیا ہے ہم باب القضا کے عنوان "موازین شرعیہ" کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں کہ بغیر ظاہری موازین شرعیہ کے ایک غیر معصوم کے لئے ایسا علم بمشکل حاصل ہوتا ہے اس لئے احوط یہ ہے کہ صرف مذکورہ بالا دو طریقوں پر اکتفا کیا جائے۔ واللہ العالم

پہلا طریقہ کار اقرار

جب ایک عاقل و بالغ' آزاد اور مختار شخص بقائمی ہوش و حواس ایک نشست یا چار نشستوں میں چار بار اپنی زنا کاری کا اقرار کرے۔ (بنا بر اشہر نشست کا تعدد ضروری نہیں ہے) عام اس سے کہ یہ اقرار کرنے والا مرد ہو یا عورت تو اس سے اس کا زنا ثابت ہو جاتا ہے بنابریں نابالغ' مجنون' غلام اور مجبور کا اقرار بے کار متصور ہوگا۔ ہاں البتہ غلام کے اقرار زنا کی جب اس کا آقا تصدیق کردے تو وہ مؤثر ہوتا ہے۔

"مسائل و احکام"

مسئلہ ۱۔ چار بار اقرار کرنا گویا چار گواہوں کے قائم مقام ہوتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص چار بار سے کمتر بار اقرار کرے تو اس پر حد جاری نہ ہوگی۔ بلکہ اسے اس غلط اقدام کرنے پر تعزیر لگائی جائے گی۔

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی شخص مکمل اقرار کے بعد انکار کردے تو اگر اس کی حد سنگسار کرنا تھی تو وہ تو ساقط ہو جائے گی۔ مگر دروں والی حد ساقط نہ ہوگی۔

مسئلہ ۳۔ باوجود مجرم کے اقرار کرنے کے حاکم شرع کو اسے معاف کرنے کا حق حاصل ہے جیسا کہ متعدد اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے مگر بعض فقہاء نے اس کے ساتھ اس کے توبہ کرنے کی شرط کا اضافہ کیا ہے مگر اخبار و آثار سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ واللہ العالم

مسئلہ ۴۔ اگر کوئی عورت بغیر شوہر کے حاملہ ہو جائے تو جب تک وہ خود زنا کا اقرار نہ کرے یا شرعی گواہوں کی گواہی سے اس کا زنا ثابت نہ ہو جائے۔ اس وقت تک اس پر زنا کی حد جاری نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ زنا کے علاوہ (وطی باشبہ یا جبر و اکراہ سے) بھی حمل ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ شبہ کا فائدہ ہمیشہ ملزم کو ہوتا ہے۔ کما لا یخفی

دوسرا طریقہ کار گواہ

ثبوت زنا کا دوسرا طریقہ گواہ ہے اس طریقہ کار سے زنا اسی وقت ثابت ہوتا ہے کہ جب چار مرد عادل یا تین مرد عادل اور دو عادل عورتیں یا دو عادل مرد اور چار عادل عورتیں اپنے حسی مشاہدہ کی بنا پر گواہی دیں کہ انہوں نے زانی و زانیہ کو بغیر عقد و بغیر ملک اور بغیر اشتباہ کے اس طرح زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ جس طرح سرمہ لگانے کا آلہ سرمہ دانی میں آتا جاتا ہے مگر آخری صورت میں (جبکہ دو مرد اور چار عورتیں گواہ ہوں) بناء بر مشہور بین الفقہاء رجم (سنگسار کرنا) ثابت نہ ہوگا بلکہ ملزم کو صرف درے مارے جائیں گے۔

"مسائل و احکام"

مسئلہ ۱۔ صرف عورتوں یا ایک مرد اور چھ عورتوں کی شہادت یا ایک مرد اور ایک قسم سے زنا ثابت نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ ۲۔ گواہی میں ضروری ہے کہ سب گواہ بیک وقت عدالت میں شہادت دیں لہٰذا اگر بعض گواہ پہلے عدالت میں حاضر ہو جائیں اور دوسروں کے پہنچنے سے پہلے کسی کے زنا کی گواہی دیں تو نصاب شہادت کے مکمل نہ ہونے کی وجہ سے قذف (تہمت زنا) والی حد جاری کی جائے گی۔ (جو کہ اسی کوڑے ہے) اور دوسرے گواہوں کے آنے کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ ۳۔ شہادت میں ضروری ہے کہ گواہ شہادت پر متفق ہوں لہٰذا اگر ان کی شہادت میں زمان و مکان کا اختلاف واقع ہو جائے مثلاً" بعض گواہ یہ کہیں کہ بروز جمعہ زانی نے زنا کیا اور بعض کہیں کہ بروز ہفتہ کیا۔ بعض گواہ یہ کہیں کہ فلاں جگہ کیا اور دوسرے بعض کسی اور جگہ کا نام لیں تو اس سے زنا ثابت نہ ہوگا اور گواہوں پر تہمت زنا والی حد جاری کی جائے گی۔

مسئلہ ۴۔ اگر چار گواہ باکرہ عورت پر زنا کی گواہی دیں مگر وہ انکار کرتے ہوئے اپنی بکارت قائم ہونے کا دعویٰ کرے اور معائنہ کرنے پر چار عورتیں پردہ بکارت کے باقی ہونے کی شہادت بھی دے دیں۔ تو اس عورت سے زنا کی حد ساقط ہو جائے گی۔ اور بنا بر مشہور گواہوں پر بھی حد قذف جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ گواہوں کی تعداد مکمل ہے صرف تعارض بینات کی وجہ سے حد ساقط ہوگئی ہے (اور ہر دو کی صداقت کی تاویل بھی ہو سکتی ہے)

زانی کی حد کے اقسام کا بیان؟

واضح ہو کہ زانی کی حد کی نو قسمیں ہیں کہیں اسے تلوار سے قتل کیا جاتا ہے کہیں

سنگسار کیا جاتا ہے کہیں صرف اسے کوڑے لگائے جاتے ہیں اور کہیں دونوں سزائیں بیک وقت دی جاتی ہیں یعنی پہلے کوڑے لگائے جاتے ہیں اور اس کے بعد اسے قتل یا سنگسار کیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ اس اجمال کی تفصیل ذیل درج کی جاتی ہے۔

قسم اول۔ تلوار سے قتل کرنا۔ اور یہ تین قسم کے زنا کاروں کی سزا ہے عام اس سے کہ محصن ہوں یا غیر محصن' آزاد ہوں یا غلام کافر ہوں یا مسلمان۔ (۱) پہلا وہ زانی جو اپنی نسبی محارم (جن سے بوجہ قرابت قریبہ نکاح حرام ہے) جیسے ماں' بہن اور بیٹی وغیرہ سے زنا کرے۔ اظہر یہ ہے کہ رضاعی محارم کا حکم بھی نسبی محارم والا ہے۔ (لا طلاق یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب) بعض فقہاء نے سببی محارم جیسے زوجہ کی ماں (ساس) اور بہن (سالی) وغیرہ کو بھی اسی حکم میں داخل کیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ ان کا حکم اجنبی عورتوں والا ہے۔

(۲) دوسرا وہ زانی جو کافر ذمی وغیرہ ہو اور مسلمان عورت سے زنا کرے اور اگر زنا کے بعد وہ اسلام بھی لے آئے تو بھی اس سے اس کی سزا تبدیل نہیں ہوگی۔

(۳) تیسرا وہ زانی جو کسی عورت کے ساتھ زنا بالجبر کرے۔ بعض علماء ان اقسام میں سے بعض صورتوں میں قتل سے پہلے کوڑوں کی سزا کے بھی قائل ہیں مگر مشہور و منصور قول وہی ہے جو ہم نے بیان کردیا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ زنا کی پہلی دو قسموں میں اگر عورت بھی زنا پر راضی ہو تو اسے بھی تلوار سے قتل کیا جائے گا۔

قسم دوم۔ سنگسار کرنا۔ اور یہ اس زانی ور زانیہ کی سزا ہے جو جوان ہوں اور محصن (یعنی شادی شدہ ہوں ان شروط کے ساتھ جن کی وضاحت "حد زنا کے وجوب کے شرائط" کے ذیل میں سطور بالا کے اندر کی جاچکی ہے۔)

قسم سیوم۔ صرف ایک سو تازیانے۔ یہ کنوارے زانی اور زانیہ کی سزا ہے۔

قسم چہارم۔ سو کوڑوں کے علاوہ سر مونڈنا اور جلا وطن کرنا۔ اگر زانی اور زانیہ شادی شدہ ہوں مگر ہنوز انہوں نے مباشرت نہ کی ہو کہ زنا کا ارتکاب کریں تو سو کوڑوں کے علاوہ ان کو ایک سال تک جلا وطنی کی سزا بھی دی جائے گی اور مرد کے سر کے بال بھی مونڈے جائیں گے مگر عورت کو سر مونڈنے کی سزا تو بالاتفاق نہیں دی جائے گی۔ لیکن اسکی جلا وطنی کی سزا میں فی الجملہ اختلاف ہے اگرچہ مشہور (بلکہ اس پر اجماع کا دعویٰ بھی کیا گیا ہے جو کہ ثابت نہیں ہے کیونکہ کئی فقہاء اس کے خلاف ہیں) یہ ہے کہ عورت سے جلا وطنی کی سزا بھی ساقط ہے مگر

متعدد روایات معتبرہ سے یہ سزا مرد و عورت ہر دو کے لئے ثابت ہوتی ہے جیسا کہ صحیحہ حلبی' صحیحہ محمد بن قیس وغیرہ میں وارد ہے کہ "**البکرو البکرة اذا زنیا جلدتا مأة ونفی سنته**" (وسائل الشیعہ) کنوارا مرد اور کنواری عورت جب زنا کریں تو ان کو ایک ایک سو درے مارے جائیں گے اور ایک سال تک جلا وطن بھی کیا جائے گا۔ لہٰذا ان روایات صحیحہ سے دست برداری کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔

بعض علماء نے یہ سر مونڈنے اور سال بھر جلا وطن کرنے کی سزا ہر اس زانی کے لئے قرار دی ہے جو محصن نہ ہو خواہ سرے سے ہنوز شادی شدہ ہی نہ ہو یا شادی شدہ تو ہو مگر تاحال اس نے اپنی زوجہ سے مقاربت نہ کی ہو۔ مگر اظہر یہ ہے کہ یہ حکم صرف اس زانی و زانیہ کے ساتھ مختص ہے جو شادی شدہ تو ہوں مگر ہنوز انہوں نے مقاربت نہ کی ہو۔

جیسا کہ صحیحہ زرارہ وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔ **عن ابی جعفر قال الذی لم یحصن یجلدمأة جلدة ولا ینفی والذی قد املک ولم یدخل بھا یجلدو ینفی۔**

ایسا ہی صحیحہ محمد بن قیس میں وارد ہے کہ نکتذانیوں کو سو تازیانے لگائے جائیں گے اور سال تک کیلئےجلا وطن بھی کیے جائیں گے۔ ان سے مراد وہ مرد و زن ہیں جو شادی شدہ تو ہوں مگر انہوں نے ہنوز دخول نہ کیا ہو۔ (**وھما اللذان قد املکا ولم یدخل بھما**" (ایضاً")

نتیجہ کلام یہ نکلا کہ جو زانی محصن ہے اسے سنگسار کیا جائے گا۔ (۲) اور جو شادی شدہ تو ہے مگر ہنوز اس نے مجامعت نہیں کی۔ اسے سو درے مارے جائیں گے اور سر مونڈنے کے بعد اسے ایک سال تک جلا وطن بھی کیا جائے گا۔ (ہاں البتہ عورت کا سر نہیں مونڈا جائے گا۔ (۳) اور جو بالکل غیر شادی شدہ ہے اسے صرف ایک سو تازیانے مارے جائیں گے۔ فتدبر

محصن اور غیر محصن کی سزا میں فرق کی وجہ؟

محصن اور غیر محصن کی سزا میں جو فرق پایا جاتا ہے اس کی وجہ محتاج وضاحت نہیں ہے کیونکہ شادی شدہ آدمی بدکاری کے مواقع سے محفوظ ہوتا ہے۔ لہٰذا اب اس کے لئے حرام کاری کرنے کا کوئی عذر موجود نہیں ہے اس لئے اگر وہ دائمی زوجہ یا مملوکہ کی موجودگی اور اس سے مقاربت کرنے کے باوجود زنا کرتا ہے تو اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ اسے سنگسار کرکے اس کے نجس وجود سے معاشرہ کو پاک کر دینا چاہئے تاکہ وہ دوسرے لوگوں کی عزت و ناموس کو خراب و برباد نہ کرے۔

بخلاف اس کے اگر زانی کنوارا ہے تو وہ شادی شدہ کی طرح پاکدامنی کی خوبیوں سے ناواقف ہوتا ہے اس لئے اگر وہ یہ غلطی غلبہ شہوت کی وجہ سے کر بیٹھے تو وہ کسی حد تک معذور ہے اس لئے اس کی جان بخشی کی گنجائش باقی ہے اس واسطے اسے صرف سو کوڑوں کی سزا دی گئی ہے تاکہ اسے تنبیہ ہو جائے اور دوبارہ اس جرم کا ارتکاب نہ کرے۔

اور اگر شادی شدہ تو ہے مگر ہنوز لذت مباشرت سے آشنا نہیں ہوا یا کسی وجہ سے اسے زوجہ سے مقاربت کا موقع نہیں ملا تو اس کی حالت سابقہ دونوں قسموں کے بین بین ہے اس لئے اس کی سزا میں بھی نہ تو محصن والی سختی ہے اور نہ کنوارے والی نرمی

قسم پنجم۔ پہلے سو کوڑے مارنا اور پھر سنگسار کرنا۔ اور یہ بوڑھے زانی اور بوڑھی زانیہ کی سزا ہے جو علاوہ بوڑھا ہونے کے محصن بھی ہوں کہ پہلے انہیں سو سو تازیانے لگائے جائیں گے اور پھر ان کو سنگسار کیا جائے گا۔ کیونکہ بڑھاپے کی وجہ سے اور قوت شہویہ کے کمزور ہونے کے باعث نیز علاقہ زوجیت کی موجودگی میں ان کے لئے زنا کرنے کا کوئی عذر باقی ہی نہیں رہتا اور اگر بالفرض ہے تو وہ ہے کم تر اور جرم ہے تو بزرگ تر۔ اس لئے شریعت مقدسہ میں ان کی سزا بڑی کڑی مقرر کی گئی ہے اور بعض فقہاء نے ہر محصن مرد اور محصنہ عورت کی یہی سزا بیان کی ہے عام اس سے کہ جوان ہوں یا بوڑھے مگر مشہور و منصور قول وہی ہے جو اوپر مذکور ہے۔ واللہ العالم

قسم ششم۔ صرف پچاس درے مارنا۔ اور یہ غلام اور لونڈی کے زنا کی سزا ہے عام اس سے کہ محصن ہوں یا غیر محصن۔ جوان ہوں یا بوڑھے کیونکہ ان پر نہ سنگساری والی حد جاری ہوتی ہے اور نہ ہی سر تراشی اور جلا وطنی کی سزا کا ان پر اطلاق ہوتا ہے اس لئے کہ یہ سزائیں آزاد زنا کار مرد و عورت کے ساتھ مخصوص ہیں۔

قسم ہفتم۔ پچھتر تازیانے مارنا۔ یہ اس زانی اور زانیہ کی سزا ہے جو غلام ہوں اور اس کے ساتھ "مکاتب مطلق" ہونے کی وجہ سے "نصف" حصہ آزاد ہو چکا ہو تو اسے سو میں سے پچاس کوڑے تو بوجہ اس کی نصف آزادی کے اور پچیس بوجہ اس کی نصف غلامی کے لگائے جائیں گے۔

قسم ہشتم۔ حد و تعزیر کا جمع کرنا۔ بناء بر مشہور یہ اس زانی کی سزا ہے جو کسی متبرک مکان جیسے مکہ و مدینہ کے حرم یا کسی مشہد مبارک یا مقدس زمان جیسے یوم جمعہ و عرفہ اور عیدین میں زنا کرے

کہ حد جاری کرنے سے پہلے حاکم شرع حسب مصلحت اس پر تعزیز بھی جاری کرے گا۔ ظاہر ہے کہ زمان و مکان کو بھی جرم کی خفت یا سنگینی میں بڑا دخل ہوتا ہے اور ان کے بدلنے سے جرم کی نوعیت بھی بدل جاتی ہے۔

قسم نہم۔ خوشہ کھجور مارنا۔ یہ اس بیمار زانی اور زانیہ کی سزا ہے جو بوجہ بیماری قریب بہ مرگ ہوں اور تازیانوں کی تاب نہ رکھتے ہوں تو تازیانوں کی تعداد (سو یا پچاس یا پچھتر کے مطابق) کھجور کے خوشے یا کمزور چھڑیاں یا سرکنڈے جمع کرکے یکبارگی ان کے بدن پر مارے جائیں گے تاکہ حد بھی جاری ہو جائے اور انہیں تکلیف مالایطاق بھی لازم نہ آئے اور اگر بالکل قریب بہ مرگ نہ ہوں اور ان کی شفایابی کی امید ہو تو یہ حد جاری کرنے میں ان کی شفایابی کا انتظار کیا جائے گا مخفی نہ رہے کہ یہ سب حقائق نصوص اہل بیتؑ میں موجود ہیں۔ واللہ الموفق

حد زنا کے احکام و مسائل

مسئلہ ۱۔ اگر حاکم شرع کے پاس گواہوں کے پیش ہونے سے پیشتر مجرم اپنے جرم سے توبۃ النصوح کرے (اور سرقہ وغیرہ کا مال صاحبان مال کو واپس کردے) تو مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ اس سے حد ساقط ہو جاتی ہے لیکن گواہوں کی شہادت سے جرم ثابت ہو جانے کے بعد ہرگز ساقط نہیں ہوسکتی۔ ہاں البتہ اگر وہ جرم اقرار کی وجہ سے ثابت ہوا ہو تو پھر حاکم شرع کو معاف کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ (کما تقدم)

مسئلہ ۲۔ جب کسی آدمی پر کوئی شرعی حد واجب ہو جائے تو بلا عذر شرعی اس کے اجراء میں تاخیر جائز نہیں ہے ہاں اگر کوئی معقول عذر ہو جیسے حاملہ عورت یا مستحاضہ یا بیمار تو وضع حمل اور ابتدائی دودھ پلانے' استحاضہ ختم ہونے اور بیمار کی شفایابی تک موخر کی جاسکتی ہے اور اگر شفایابی سے ناامیدی ہو جائے تو پھر بیماری کی حالت میں اس طرح حد جاری کی جاسکتی ہے جس طرح اوپر قسم نہم میں مذکور ہے واضح رہے کہ یہ دروں والی سزا کا حکم ہے لیکن جہاں تک رجم کا تعلق ہے تو وہ سوائے حاملہ کے بیمار اور مستحاضہ کو بھی کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ ۳۔ مشہور بین الاصحاب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بار بار زنا کا ارتکاب کرے خواہ ایک عورت کے ساتھ کرے یا متعدد عورتوں کے ساتھ ایک دن میں کرے یا مختلف ایام میں اور پھر اس کا زنا ایک اپنے اقرار سے یا بینہ سے ثابت ہو تو اس پر ایک ہی حد جاری کی جائے گی۔ (جس طرح اگر کئی موجبات وضو یا ایک غسل جمع ہوں تو ایک ہی وضو یا غسل کرنا کافی ہوتا

ہے) مگر ابو بصیرؒ کی روایت میں یہ تفصیل مذکور ہے کہ اگر زانی نے ایک ہی عورت سے کئی بار منہ کالا کیا ہے تو صرف ایک حد جاری ہوگی اور اگر متعدد عورتوں سے کیا ہے تو پھر حد بھی مکرر ہوگی۔ مگر یہ روایت علی بن ابی حمزہ بطائنی کی وجہ سے ضعیف ہے اور ناقابل اعتماد واللہ العالم

مسئلہ ۴۔ بنابر مشہور بین الفقہا جب آزاد آدمی پر تین بار اور غلام پر سات بار شرعی حد جاری ہو چکے مگر وہ پھر بھی اس جرم سے باز نہ آئے تو آزاد کو چوتھی بار اور غلام کو آٹھویں بار قتل کردیا جائے گا۔ جس پر معتبرۂ ابو بصیرؒ اور عبید بن زرارہؒ کی روایت دلالت کرتی ہے۔ (وسائل الشیعہ)

مسئلہ ۵۔ اگر کوئی شخص زنا کرنے (اور شرعاً ثابت ہو جانے) کے بعد پاگل یا مرتد ہو جائے تو اس سے سابقہ واجب و ثابت شدہ حد ساقط نہ ہوگی۔ بلکہ اسی حالت میں سنگباری کی جائے گی۔

مسئلہ ۶۔ جب کسی مجرم پر کئی حدود شرعیہ عائد ہوتی ہوں تو ابتداء اس حد سے کی جائے گی جس سے دوسری حد فوت نہ ہو جائے جیسے کسی پر تازیانوں اور سنگسار کرنے کی سزا واجب ہو تو پہلے درے مارے جائیں گے بعد ازاں اسے سنگسار کیا جائے گا کیونکہ اگر اس کے برعکس کیا جائے تو تازیانوں کی حد فوت ہو جائے گی۔

مسئلہ ۷۔ اگر کافر کسی کافرہ ذمیہ یا کسی اور مشرکہ عورت سے زنا کرے تو حاکم شرع کو اختیار ہے کہ اس پر اسلامی حد جاری کرے یا اس کو اسی کے اہل ملت کے حوالے کرے تاکہ وہ اپنے دین کے مطابق اس پر حد جاری کریں۔

مسئلہ ۸۔ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں اپنی زوجہ کے ساتھ کسی کو زنا کرتے دیکھ لے تو اسے شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ دونوں کو قتل کردے۔ ہاں البتہ اسے حاکم شرع کے پاس یہ کیفیت ثابت کرنا پڑے گی اور اگر ثابت نہ کرسکا تو اسے ظاہری قانون شریعت کے مطابق قصاص میں قتل کردیا جائے گا۔ لیکن پھر بھی وہ عنداللہ گنہگار نہ ہوگا اور اگر دوسرے محارم کے ساتھ یہ واقعہ پیش آئے تو اسے شرعاً عورت کو قتل کرنے کا حق تو نہیں۔ ہاں البتہ اگر زانی اس زدو خورد اور منع و انکار میں قتل ہو جائے تو اس کا خون ہدر ہوگا۔

مسئلہ ۹۔ حاکم شرع کے پاس مجرم کا جرم ثابت ہو جانے کے بعد اس کی سفارش جائز نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۰۔ اگر کوئی شخص ایسا جرم کرے جو موجب حد ہے اور پھر مکہ مکرمہ کے حرم میں پناہ لے

ہے۔ (ومن دخلہ کان آمنا) تو گو احترام حرم کی وجہ سے حرم کے اندر اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ مگر کھانے پینے کے معاملہ میں اس پر سختی کی جائے گی۔ تاکہ وہ باہر نکلنے پر مجبور ہو جائے اور جب باہر نکلے گا تو اس وقت اس پر حد جاری کی جائے گی۔ ہاں اگر اس نے حرمت حرم کو نظرانداز کرتے ہوئے اس جرم کا ارتکاب ہی حرم کے حدود میں کیا ہو۔ تو پھر اس پر وہیں حد جاری کی جاسکے گی۔

توضیح

زنا اور اس کی حد کے اب تک جو اقسام و احکام بیان کئے گئے ہیں اس سلسلہ میں مزنیہ (جس سے زنا کیا گیا ہے) کے زندہ یا مردہ ہونے سے اس جرم کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص مردہ عورت سے منہ کالا کرے تو زانی و مزنیہ کی حالت کے مطابق اسے کوڑوں یا سنگسار کرنے کی سزا دی جائے گی جیسا کہ نصوص و فتاویٰ کا اس پر اتفاق ہے۔ واللہ العالم

زانی پر حد جاری کرنے کی کیفیت کا بیان

(۱) اگر تازیانوں کی حد جاری کرنا ہے تو مشہور یہ ہے کہ تازیانے مرد کو ننگے جسم پر مارے جائیں گے لیکن بعض فقہاء یہ کہتے ہیں کہ زنا کے وقت زانی کی جو حالت تھی اسی کے مطابق اسے تازیانے لگائے جائیں گے۔ یعنی اگر وہ بوقت زنا ننگا تھا پھر ننگے جسم پر اور اگر اس وقت لباس پہنے ہوئے تھا تو پھر کپڑوں کے اوپر لگائے جائیں گے۔ (وہو لا یخلو من قوۃ) اور یہ اختلاف انظار بظاہر اختلاف اثار کی وجہ سے ہے واللہ العالم

لیکن عورت کو بہرحال ننگا نہیں کیا جائے گا بلکہ کپڑوں کے اوپر مارے جائیں گے۔

۲۔ مرد کو کھڑا کرکے اور عورت کو بٹھا کر کوڑے لگائے جائیں گے۔

۳۔ منہ اور شرمگاہ کو بچا کر دوسرے اعضاء بدن پر مارے جائیں گے۔

۴۔ کوڑے مارنے میں شدت و سختی سے کام لیا جائے گا۔ ایک روایت میں وارد ہے کہ زانی کو شراب خوار سے سخت تر تازیانے لگائے جائیں گے اور شراب خوار کو تہمت زنا لگانے والے سے سخت تر لگائے جائیں گے اور تہمت لگانے والے کو تعزیر والے سے سخت تر لگائے جائیں گے۔ (کافی)

۵۔ سخت گرمی یا سخت سردی کے وقت حد جاری نہیں کی جائے گی۔ بلکہ موسم سرما میں دوپہر کے وقت اور موسم گرما میں اگلے یا پچھلے پہر حد جاری کی جائے گی جبکہ ہوا معتدل ہوتی ہے۔

۶۔ دشمن اسلام کے علاقہ میں حد جاری نہیں کی جائے گی تاکہ کہیں مجرم غیظ و غضب میں آکر دشمنوں کے ساتھ نہ مل جائے۔

۷۔ حد جاری کرتے وقت لوگوں میں اعلان کیا جائے گا۔ تاکہ وہ سزا کا مشاہدہ کر سکیں اور یہ سزا ان کے لئے تازیانہ عبرت ثابت ہو۔

۸۔ ظاہر آیت (و لیشہد) یہ ہے کہ اہل ایمان کے ایک طائفہ کا حاضر ہونا واجب ہے اور بعض علماء اسکے استحباب کے قائل ہیں۔

اور اگر رجم (سنگسار) کرنا ہے تو اس کا طریقہ کار یہ ہے۔

(۱) زمین میں گڑھا کھود کر اور مرد کو تہمند باندھنے کی جگہ (قریباً کمر) تک اور عورت کو سینہ تک گاڑ کے سنگسار کیا جائے گا۔

(۲) مشہور یہ ہے کہ اگر مجرم کا جرم اس کے اقرار سے ثابت ہے تو پہلے امام سنگریزے مارے گا اس کے بعد دوسرے لوگ ماریں گے اور اگر گواہوں کی شہادت سے ثابت ہوا ہے اور اس وقت وہ موجود بھی ہوں تو سنگباری کی ابتداء وہ کریں گے ان کے بعد امام اور بعد ازاں دوسرے اہل اسلام سنگباری کریں گے۔

۳۔ سنگسار کرنے کی بجائے قتل کرنا کافی نہیں ہے۔

۴۔ پتھر معتدل ہونے چاہئیں یعنی نہ تو بالکل چھوٹے ہوں اور نہ ہی بہت بڑے لہٰذا اگر اسے ایک ہی ایسا بھاری بھرکم پتھر مارا جائے جس سے اس کا کام تمام ہو جائے تو یہ کافی نہ ہوگا۔

۵۔ جسے سنگسار کرنا ہے اسے حکم دیا جائے گا۔ کہ پہلے غسل کر کے کفن پہن لے اور حنوط لگا لے اگر وہ ایسا کرے تو پھر اس کی موت کے بعد صرف اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور پھر اسے دفن کر دیا جائے گا اور اگر پہلے ایسا نہ کیا گیا تو اس کی موت کے بعد یہ سب کچھ کرنا پڑے گا۔ یہ بظاہر اس لئے ہے کہ پتھر لگنے سے اس کا جسم چھلنی ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے غسل دینے میں زحمت ہوتی ہے ورنہ حسب ظاہر موت سے پہلے غسل میت دینا قانون شرع کے خلاف ہے۔

۶۔ اگر مرجوم (جسے سنگسار کرنا ہے) رجم کے گڑھے سے فرار ہو جائے تو مشہور یہ ہے کہ اگر اس کا زنا اس کے اقرار سے ثابت ہوا تھا اور کچھ پتھر اسے لگ بھی گئے تھے تو اسے واپس نہیں لایا جائے گا اور اگر ہنوز اسے کوئی پتھر نہیں لگا تھا یا اس کا جرم گواہوں کی شہادت سے ثابت ہوا تھا تو پھر اسے پکڑ جکڑ کر واپس لایا جائے گا اور سنگسار کیا جائے گا۔ واللہ العالم

لواطت (اغلام) کی حد کا بیان

لواطت سے مراد مرد کا مرد کے ساتھ خلاف وضع فطری فعل بد کا ارتکاب کرنا ہے یہ فعل قبیح زنا سے بھی شنیع تر اور بدتر ہے کیونکہ زنا سے کوئی قوم مسخ یا ہلاک نہیں ہوئی جبکہ لواطت

سے قوم لوطؑ ہلاک و برباد ہو چکی ہے چنانچہ احادیث میں وارد ہے کہ جب مرد مرد کی پشت پر سوار ہوتا ہے تو عرش الٰہی کانپ اٹھتا ہے (وسائل) اور متعدد روایات میں وارد ہے کہ لوطی کو دنیا کا پانی پاک نہیں کرتا اس لئے وہ بروز قیامت جنب محشور ہوگا اور خدائے جبار و قہار کے قہر و غضب اور اس کی نقمت و لعنت میں گرفتار ہوگا (ایضا") اسی بناء پر اس جرم شنیع کی سزا بھی زنا کی سزا سے سخت تر ہے۔

ثبوت اغلام کے طریقہ کا بیان

خلاف وضع فطری عمل کے ثبوت کے دو طریقے ہیں۔ (۱) چار مرتبہ اقرار کرنا' بشرطیکہ اقرار کرنے والا فاعل ہو یا مفعول بالغ' عاقل' آزاد اور مختار ہو۔ لہٰذا اگر کوئی نابالغ بچہ یا دیوانہ یا مجبور یا غلام اقرار کرے تو اسکے اقرار سے اس پر حد جاری نہ ہوگی اور اگر چار بار سے کم بار اقرار کرے تو اس پر صرف تعزیز جاری ہوگی نہ حد۔ (۲) چار عادل گواہ جن کی شہادت عینی و حسی مشاہدہ پر مبنی ہو اور اگر چار عادل گواہوں سے کمتر گواہ گواہی دیں گے تو ان پر افترا پردازی کی حد (اسی کوڑے) جاری کی جائے گی۔

اور بعض فقہاء کے بیان کے مطابق حاکم شرع کو اپنے ذاتی علم کے مطابق عمل کرتے ہوئے حد جاری کرنے کا حق حاصل ہے مگر ہم کئی بار اس بات کی تکرار کر چکے ہیں کہ غیر معصوم حاکم کے لئے احوط یہ ہے کہ وہ صرف ظاہری موازین شرعیہ پر اکتفا کرے۔ (نبیؐ و امامؑ کی بات اور ہے)

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر فاعل بالغ و عاقل ہو اور مفعول نابالغ تو حد صرف فاعل پر جاری کی جائے گی اور مفعول کو تعزیر لگائی جائے گی۔

مسئلہ ۲۔ اگر فاعل و مفعول میں سے ایک عاقل ہو اور دوسرا دیوانہ تو حد صرف فرزانہ پر جاری کی جائے گی۔ اور دیوانہ کو صرف تعزیز لگائی جائے گی۔

اغلام کے اقسام

خلاف وضع فطری عمل کی دو قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ کوئی شخص اپنا آلہ تناسل کسی مرد یا لڑکے کی دبر میں داخل کرے اگرچہ بقدر ختنہ گاہ ہی کیوں نہ ہو۔ (جسے احادیث آل محمد علیہم السلام میں کفر سے تعبیر کیا گیا ہے) دوم یہ کہ کسی مرد یا لڑکے کی دبر کی بجائے اس کی رانوں یا

سرینوں میں آلہ داخل کرکے اس سے اغلام بازی کرے ۔ ان دونوں قسموں کی حد جدا جدا ہے۔

لواطہ کی ان اقسام کی حد کا بیان

لواطت کی پہلی قسم (دخول در دبر) کی شرعی حد قتل ہے لوطی فاعل ہو یا مفعول مسلم ہو یا کافر آزاد ہو یا غلام اور بنا بر مشہور و معروف بین الفقہاء محصن ہو (مقررہ شرائط کے ساتھ شادی شدہ) یا غیر محصن ان میں کوئی فرق نہیں ہے اگرچہ بعض اعلام نے زنا کی طرح یہاں بھی محصن اور غیر محصن میں فرق کیا ہے اور محصن کی حد قتل اور غیر محصن کی سو درے سزا بتائی ہے (وھو لا یخلو من قوۃ) مگر یہ سب نزاع فاعل میں ہے لیکن مفعول تو بہرحال واجب القتل ہے بشرطیکہ بالغ و عاقل اور مختار ہو حاکم کو قتل کی پانچ قسموں میں سے کسی بھی قسم کو اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔

(۱) تلوار سے اسکی گردن اڑائے۔ (۲) یا آگ میں جلائے۔ (۳) یا پتھر سے سنگسار کرے۔ (۴) یا اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر بلند پہاڑ سے گرائے۔ (۵) یا دیوار کے نیچے کھڑا کرکے اس کے اوپر دیوار گرائے لیکن ان پانچ اقسام قتل میں سے دو کو جمع بھی کیا جاسکتا ہے جیسے کسی کو پہلے تلوار سے قتل کرکے پھر آگ میں ، جلا دیا جائے۔ تاکہ ناظرین کے سامنے اور زیادہ عبرت ناک منظر پیش کیا جاسکے بلکہ بعض اعلام تو تلوار سے قتل کرنے کے بعد جلانے کو لازم سمجھتے ہیں جس پر صحیحہ عبدالرحمن العرزمی فی الجملہ دلالت کرتی ہے اور لواطت کی دوسری قسم (ران وغیرہ بیں داخل کرنا) کی بنا بر مشہور حد سو کوڑے ہے اور اس سلسلہ میں بھی فاعل و مفعول محصن و غیر محصن، آزاد و غلام اور مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں ہے اور بعض علماء نے زنا کی طرح یہاں بھی محصن (شادی شدہ) اور غیر محصن میں فرق قائم کیا ہے کہ محصن کو سنگسار کیا جائے گا اور غیر محصن کو صرف سو کوڑے لگائے جائیں گے۔ واللہ العالم

حد لواطہ کے مسائل و احکام

مسئلہ ا۔ جب لواطت کی اس دوسری قسم میں کسی شخص پر دوبار حد جاری کی جائے اور تیسری بار پھر اس جرم شنیع کا ارتکاب کرے تو تیسری مرتبہ اسے قتل کردیا جائے گا۔ اور بعض فقہاء نے زنا کی طرح چوتھی بار قتل کا فتویٰ دیا ہے مگر بوجہ قیاس یہ قول صحیح نہیں ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ اگر آقا اپنے غلام سے اس قسم کی لواطت کرے تو ہر دو کو قتل کردیا جائے گا اور اگر

غلام اپنے مجبور و مکرہ ہونے کا دعوی کرے تو اس سے قتل کی سزا ساقط ہو جائے گی۔

مسئلہ ۳۔ اگر کافر ذمی کسی مسلمان سے لواطہ کرے تو اگرچہ لواطت کی دوسری قسم ہو یعنی اسکی دبر میں آلۂ مردی داخل نہ کیا ہو بلکہ صرف ران وغیرہ میں داخل کیا ہو تو بھی اس کی حد قتل ہے۔

مسئلہ ۴۔ اگر لوطی بینہ کی گواہی سے قبل توبہ کرلے تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی اور اقرار کی صورت میں اقرار کے بعد بھی حاکم شرع کو معافی کا حق حاصل ہے۔

مسئلہ ۵۔ اگر کوئی شخص چند بار اس جرم قبیح کا ارتکاب کرے تو بناء بر مشہور اس پر ایک ہی حد جاری کی جائے گی اور اگر ہر بار جرم کے بعد اس پر حد جاری ہوتی رہی تو پھر تیسری بار اسے قتل کر دیا جائے گا۔

مسئلہ ۶۔ اگر بقصد شہوت کسی لڑکے کے ساتھ بوس و کنار کی جائے یا دو آدمی ننگے زیر لحاف پائے جائیں تو ان پر شرعی تعزیر جاری کی جائے گی جس کی تفصیل باب التعزیرات میں بیان کی جائے گی۔ انشاء اللہ

مساحقہ (چپٹی) کی حد اور اس کے شرائط کا بیان

"مساحقہ" عورت کا عورت کے ساتھ بدفعلی کرنے کا نام ہے یہ فعل بد باجماع امت مسلمہ حرام ہے وہ "اصحاب الرس" جن کا قرآن مجید میں تذکرہ کیا گیا ہے کہ خدا نے ان پر عذاب نازل کیا تھا حدیث میں وارد ہے کہ ان کی عورتیں یہی حرکت شنیعہ کرتی تھیں (کتب اربعہ) ایسی عورتوں پر خدا اور اس کے فرشتے حتی کہ وہ پیدا ہونے والی مخلوق جو ہنوز باپوں کی صلبوں اور ماؤں کے رحموں میں ہے وہ بھی لعنت کرتی ہے (مستدرک الوسائل)

مساحقہ کا طریقۂ ثبوت

مساحقہ انہی طریقوں سے ثابت ہوتا ہے جن سے لواطت ثابت ہوتی ہے یعنی چار عادل مردوں کی شہادت سے یا عورت کے چار مرتبہ اقرار کرنے سے یہ جرم صرف عورتوں یا دو مردوں اور چار عورتوں کی شہادت سے ثابت نہیں ہوتا۔

شرائط کا بیان

اس فعل قبیح کی حد کے نفاذ کی وہی عمومی شرائط ہیں جو زنا و لواطت وغیرہ جرائم کی ہیں یعنی بلوغ، عقل اور اختیار وغیرہ

حد کا بیان

مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ مساحقہ کرنے والی عورتیں خواہ مسلمان ہوں یا کافر آزاد ہوں یا کنیزیں بلکہ محصنہ ہوں یا غیر محصنہ سب کی سزا سو کوڑے ہے۔ مگر اس مشہور حکم کی بعض تفاصیل میں تامل ہے اظہر یہ ہے کہ محصنہ (مقررہ شرائط کے ساتھ شادی شدہ عورت) کی حد سنگسار ہے البتہ غیر محصنہ کی حد وہی سو تازیانے ہے اسی طرح بعض فقہاء نے آزاد اور کنیز کی سزا کے برابر ہونے میں بھی اشکال کیا ہے۔ فتدبر۔

مساحقہ کے متعلقہ مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر دو بار حد مساحقہ جاری ہونے کے باوجود پھر بھی کوئی عورت اس فعل قبیح کا ارتکاب کرے تو تیسری بار اس کو قتل کردیا جائے گا۔ جیسا کہ صحیحہ یونس" میں وارد ہے کہ "ان اصحاب الکبائر کلها اذا اقیم علیهم الحد مرتین قتلوا فی الثالثة" (وسائل الشیعہ) یعنی جس قدر گناہان کبیرہ کے مرتکب لوگ ہیں جب ان پر دو مرتبہ حد جاری کی جائے تو تیسری مرتبہ قتل کردیئے جائیں گے۔ اس کے عموم سے صرف زانی خارج ہے بوجہ معتبرہ ابی بصیر" (وسائل) کہ اسے چوتھی بار قتل کیا جاتا ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگر شہود کی شہادت سے پہلے مساحقہ والی عورتیں توبہ کرلیں تو ان سے حد ساقط ہو جائے گی مگر قیام بینہ کے بعد ساقط نہ ہوگی۔

مسئلہ ۳۔ اگر کوئی عورت شوہر سے ہم بستری کرنے کے بعد فوراً" کسی باکرہ لڑکی سے مساحقہ کرے جس سے وہ لڑکی حاملہ ہو جائے تو نصوص و فتاوی میں وارد ہے کہ اس لڑکی کا زر مہر (بوجہ ازالہ بکارت) یہ عورت ادا کرے گی اور اس عورت کو اس کے محصنہ ہونے کی وجہ سے سنگسار کیا جائے گا اور لڑکی کے وضع حمل تک انتظار کیا جائے گا۔ اس کے بعد بچہ تو اس شخص کے حوالہ کیا جائے گا جس کا نطفہ ہے اور اس لڑکی کو سو درے مارے جائیں گے۔

مسئلہ ۴۔ اگر دو عورتیں ننگی زیر لحاف پائی جائیں (جو کہ فعل حرام ہے) تو ان کو تعزیر لگائی جائے گی۔ (جیسا کہ باب التعزیر میں اسکی تفصیل بیان کی جائے گی۔ انشاء اللہ)

مسئلہ ۵۔ اگر بالغہ عورت نابالغہ لڑکی کے ساتھ مساحقہ کرے تو عورت پر حد جاری کی جائے گی اور لڑکی پر صرف تعزیر لگائی جائے گی۔ اسی طرح اگر دونوں نابالغ بچیاں ہوں تو بطور تادیب ان پر تعزیر جاری کی جائے گی۔ واللہ العالم

قیادت (دلالی) کی حد اور اسکے شرائط کا بیان

قیادت کیا ہے؟ اجرت لے کر مرد و زن کو زنا پر یا دو مردوں کو لواطت پر یا دو عورتوں کو مساحقہ پر اکٹھا کرنے کا نام ہے۔ اس جرم قبیح کی حد پچہتر کوڑے ہے اور اگر ایسا کرنے والا مرد ہے تو اسے شہربدر بھی کیا جائے گا۔ البتہ عورت کے لئے شہربدری کی سزا نہیں ہے۔

اسکے شرائط کا بیان

قائد (دلال) بالغ' عاقل اور مختار ہو۔ لہٰذا نابالغ بچے' دیوانہ اور مجبور و مکرہ دلال پر شرعی حد جاری نہ ہوگی۔

ثبوت کا طریقہ

بناء بر مشہور اس کے ثبوت کے دو طریقے ہیں۔ (۱) دو بار اقرار کرنا (بعض اعلام نے ایک بار کو بھی کافی قرار دیا ہے جو کہ قوت سے خالی نہیں ہے) (۲) دو عادل گواہوں کی شہادت اس سلسلہ میں مرد و عورت آزاد و غلام اور کافر و مسلمان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور مشہور یہ ہے کہ اگر دلال مرد ہے تو شہربدر کرنے سے پہلے اس کا سر مونڈ کر اس کی شہر میں تشہیر بھی کی جائے گی مگر اس پر کوئی مخصوص دلیل موجود نہیں ہے۔ واللہ العالم

قذف (تہمت زنا) کی حد کا بیان

کسی نیکو کار مرد یا عورت پر زنا کا الزام لگانا ہر معاشرہ میں بالعموم اور شریعت اسلامیہ میں بالخصوص بدترین گناہ کبیرہ ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔ **ان الذین یرمون المحصنت الغفلت المؤمنات لعنوا فی الدنیا والاخرۃ ولھم عذاب عظیم** (پ س ع) "جو لوگ پاکدامن اور مکروہات دنیا سے بے خبر اور باایمان عورتوں پر (بدترین گناہ زنا) کی تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں ملعون ہیں اور ان کے لئے بڑا (سخت) عذاب (تیار) ہے" ایک مومن کی تو یہ شان ہوتی ہے کہ اگر وہ کسی چھپ کر گناہ کرنے والے گناہگار کے گناہ پر اتفاقاً" مطلع بھی ہو جائے تو وہ وہاں سے منہ پھیر کر گزر جاتا ہے۔ چنانچہ خالق اکبر اہل ایمان کی مدح فرماتے ہوئے فرماتا ہے۔ **واذا مروا باللغو مروا کراما**" (لغویات میں حصہ لینا تو بجائے خود) جب وہ کسی بے ہودہ بات کے پاس سے گزرتے ہیں۔ تو شریفوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔ ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ **وھم عن اللغو معرضون** (کہ وہ ہر

لغویات اور لغو حرکت سے روگردانی کرتے ہیں) لہٰذا اہل ایمان لوگوں کے عیب و صواب کی ٹوہ نہیں لگاتے اور مومنوں کے پوشیدہ نقائص کو لوگوں میں نہیں پھیلاتے کیونکہ ایسا کرنے والوں کے بارے میں خالق جبار نے بڑی سخت وعید و تہدید فرمائی ہے ارشاد ہوتا ہے۔ **ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین امنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والاخرۃ** (جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اہل ایمان میں بے حیائی کی باتوں کی اشاعت اور تشہیر ہو ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب (تیار) ہے)

اسی آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے جد نامدار حضرت رسول خدا ﷺ کا یہ ارشاد روایت فرماتے ہیں کہ **من قال فی مؤمن مارأت عیناہ وسمعت اذناہ مما یھدم مروتہ فھو من الذین قال اللہ فیھم ان الذین یحبون الایتہ**۔ (جو شخص کسی مومن کے متعلق وہ بات لوگوں کے سامنے بیان کرے جو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی اور اپنے کانوں سے سنی ہو۔ جبکہ وہ بات ایسی ہو جو مومن کی عزت و شرافت کو بٹا لگاتی اور گراتی ہو۔ تو وہ ان لوگوں کے زمرہ میں داخل ہے جن کے بارے میں ارشاد قدرت ہے کہ جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں۔ الخ (اصول کافی)

تو جس شریعت مقدسہ کی نگاہ میں ایک مومن و مومنہ کا یہ مقام ہے کہ وہ ان کے آنکھوں سے دیکھے اور کانوں سے سنے ہوئے گناہوں کی تشہیر پسند نہیں کرتی۔ تو اسے یہ بات کس طرح گوارا ہو سکتی ہے کہ انہی اہل ایمان کے متعلق افتراء پردازی اور تہمت تراشی سے کام لیا جائے۔ ارشاد قدرت ہے۔ **انما یفتری الکذب الذین لا یومنون** یعنی افترا پردازی وہی کرتے ہیں جو بے ایمان ہوتے ہیں۔" اس لئے اسلام نے جس طرح زانی و زانیہ کیلئے سزا مقرر کی ہے۔ اسی طرح ان۔ بے ایمانوں کے لئے بھی سزا مقرر کی ہے جواز راہ شرارت پاکدامن مردوں و عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں چنانچہ خدائے حکیم ارشاد فرماتا ہے۔ **والذین یرمون المحصنت ثم لم یا توا باربعۃ شھداء فاجلدو ھم ثما نین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا واولئک ھم الفاسقون الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم**۔ (پ س نور ع) "جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو انہیں کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو کیونکہ یہ فاسق و فاجر ہیں۔ ہاں البتہ جو لوگ اس کے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں تو خدائے تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔"

موجبات حد قذف کا بیان

جیسا کہ اوپر واضح کیا جاچکا ہے کہ حد قذف کا موجب دو چیزیں ہیں۔ (۱) کسی پاکدامن مرد یا عورت پر زنا (۲) یا لواطت کی تہمت لگائی جائے جبکہ شرعی گواہ موجود نہ ہوں۔ دوسرے کسی گناہ حتی کہ مساحقہ' شراب نوشی اور فسق وغیرہ کا الزام لگانے سے قذف والے احکام لاگو نہیں ہوتے۔

وہ الفاظ جن سے قذف ثابت ہوتی ہے

قذف میں عربی وغیرہ کسی خاص زبان کی شرط نہیں ہے بلکہ ہر زبان میں ثابت ہو جاتی ہے بشرطیکہ جو الفاظ استعمال کئے جائیں وہ اس تہمت تراشی میں واضح اور صریح ہوں جیسے مخاطب یا مخاطبہ سے یوں کہا جائے "تو نے زنا یا لواطہ کیا ہے" یا "تجھ سے زنا یا لواطہ کیا گیا ہے" یا "تو زانی یا لوطی ہے" یا کسی غیر حاضر کے متعلق کہا جائے "فلاں یا فلانہ زانی یا زانیہ ہے" اور اگر خطاب کسی کو کیا جائے اور نسبت زنا کسی اور کی طرف دی جائے تو یہ تہمت اس غیر حاضر پر ہو گی جیسے یوں کہا جائے "اے زن زانیہ کے بیٹے" یا "اے زن زانیہ اور مرد زانی کے بیٹے" تو یہاں قذف مخاطب کی ماں باپ پر ہو گا۔ اس طرح اگر کسی مخاطب سے یوں خطاب کی جائے اے زانیہ کے شوہر یا اے زانیہ کے باپ اے زانیہ کے بھائی تو یہاں تہمت زنا مخاطب کی بیوی یا اس کی بیٹی یا بہن پر ہو گی اور اگر الفاظ صریح و واضح نہ ہوں جیسے کوئی شخص بطور کنایہ و تعریض کسی سے کہے۔ "میں زنا کار نہیں ہوں اور نہ ہی میری ماں بدکار تھی۔" یا کوئی شخص اپنی زوجہ سے کہے کہ میں نے تجھے باکرہ نہیں پایا تو اس سے قذف ثابت نہیں ہو گا۔

قذف کے ثبوت کا طریقہ کار

جب کوئی شخص کسی شخص پر تہمت زنا لگائے تو اس کے ثابت کرنے کے دو طریقے ہیں۔ (۱) دو مرتبہ اقرار (بعض اعلام نے ایک بار کے اقرار کو کافی قرار دیا ہے۔ (وہولا یخلو عن قوۃ)

(۲) دو عادل گواہوں کی گواہی (یا دوسرے قول کے مطابق حاکم کا ذاتی علم (وفیہ مافیہ) اس میں عورتوں کی شہادت کافی نہیں ہے۔ نہ تنہا اور نہ مرد کے ساتھ (کہ ایک مرد اور دو عورتیں ہوں)

حد قذف کے شرائط کا بیان

ان شرائط میں سے بعض کا تعلق قاذف (تہمت زنا لگانے والے) سے ہے اور بعض کا مقذوف (جس پر تہمت لگائی گئی ہے) سے اور بعض کا اصل قذف تہمت (زنا) سے ہے جہاں تک

تیسرے قسم کے شرائط کا تعلق ہے وہ تو سطور بالا میں ذکر کئے جا چکے ہیں (کہ الفاظ تہمت واضح اور صریح ہوں وغیرہ وغیرہ) البتہ اب یہاں قاذف و مقذوف کے شرائط بیان کئے جاتے ہیں۔

قاذف کے شرائط

قاذف میں چار شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ (۱) بلوغ (۲) عقل (۳) اختیار (۴) الفاظ تہمت کے معنوں کا علم۔ لہٰذا اگر وہ نابالغ ہے یا دیوانہ ہے یا مجبور یا اسے اپنے استعمال کردہ الفاظ کے معانی کا علم ہی نہیں ہے۔ تو اس پر حد جاری نہ ہوگی۔ بناء بر مشہور و منصور اس سلسلہ میں آزاد و غلام اور کافر و مسلمان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ بعض فقہاء نے یہاں غلام پر آزاد کی نصف حد یعنی چالیس کوڑے مارنے کا نظریہ اختیار کیا ہے مگر قول مشہور اظہر ہے جس کو ظاہر آیت والذین یرمون المحصنت۔ (جس میں آزاد اور غلام کی کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے) کے علاوہ روایات مستفیضہ کی تائید حاصل ہے جن میں اسی کوڑوں کی صراحت موجود ہے۔ اور ساتھ ہی اسکی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ قذف حق العباد میں سے ہے لہٰذا اس میں غلام کیلئے کوئی رعایت نہیں ہے اسے وہ رعایت صرف حقوق اللہ میں ہوتی ہے۔ (وسائل الشیعہ و وافی)

مقذوف کے شرائط

اور جس پر زنا اور لواطہ کی تہمت لگائی جائے اس میں پانچ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ (۱) بلوغ (۲) عقل (۳) آزادی لہٰذا اگر بچہ، غلام یا کنیز پر تہمت زنا لگائی جائے تو قاذف پر صرف تعزیر جاری کی جائے گی حد جاری نہ ہوگی ہاں البتہ اگر غلام یا لونڈی کی ماں آزاد ہو اور اس پر یہ تہمت لگائی جائے تب قاذف پر حد جاری ہوگی۔ (۴) اسلام۔ لہٰذا بالاتفاق غیر مسلمان پر قذف کرنے سے حد جاری نہیں ہوتی زیادہ سے زیادہ جھوٹ کا ارتکاب ہوگا جو کہ فعل حرام ہے جس پر تعزیر لگ سکتی ہے اور اگر اس جرم پر اطلاع و آگاہی حاصل کرنے کے بعد اس کا اظہار کیا ہے تو پھر جھوٹ والی حرمت بھی ختم ہو جائے گی۔ (۵) عفت و پاکدامنی۔ لہٰذا اگر کوئی شخص یا عورت متجاہر بالفسق ہے (کھلم کھلا زنا و لواطہ کرتا یا کرتی ہے) تو اس کو زانی یا لوطی کہنے سے حد جاری نہ ہوگی کیونکہ ایسے لوگوں کا کوئی احترام نہیں ہے علاوہ بریں آیت مبارکہ میں (احصان) (پاکدامنی) کی تصریح موجود ہے۔

حد قذف اور اسکے متعلقہ مسائل و احکام کا بیان

مسئلہ ۱۔ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ تہمت زنا کی شرعی حد اسی کوڑے ہے اور اس

سلسلہ میں مرد و عورت آزاد و غلام اور کافر و مسلمان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا ان میں سے جو بھی اس جرم شنیع کا ارتکاب کرے گا اسے اسی کوڑے لگائے جائیں گے۔

مسئلہ ۲۔ کپڑوں کے اوپر کوڑے لگائے جائیں گے اور کوڑا مارنے میں میانہ روی سے کام لیا جائے گا۔

مسئلہ ۳۔ قذف حقوق العباد میں سے ہے لہٰذا اگر مقذوف اسلامی عدالت سے مطالبہ کرے تو یہ حد قاذف پر جاری ہوگی اور اگر وہ معاف کردے تو پھر جاری نہ ہوگی۔

مسئلہ ۴۔ اگر مقذوف حد جاری کرنے کا مطالبہ کرنے یا معاف کرنے سے پہلے وفات پا جائے تو یہ حق اس کے ورثہ کی طرف منتقل ہو جائے گا لہٰذا انہیں حد جاری کرنے کا مطالبہ کرنے یا معاف کرنے کا حق حاصل ہوگا اور اگر بعض وارث معاف کردیں تو دوسروں کے مطالبہ کرنے کا حق بحال رہے گا۔

مسئلہ ۵۔ اگر کسی شخص پر دوبار حد قذف جاری کی جائے اور پھر بھی وہ اپنی اس بدحرکت اور شرارت سے باز نہ آئے تو اظہر یہ ہے کہ تیسری مرتبہ اسے قتل کردیا جائے گا۔

مسئلہ ۶۔ اگر کوئی شخص چند بار اس جرم کا ارتکاب کرے اور ہر بار حد سے بچ جائے تو بناء بر مشہور تداخل اسباب کی بنا پر اس پر صرف ایک حد جاری کی جائے گی۔

مسئلہ ۷۔ اگر قاذف حاکم شرع کے پاس شرعی شہادت قائم ہونے سے پہلے اپنے جرم سے توبہ کرے تو حد ساقط ہو جائے گی۔

مسئلہ ۸۔ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے پر تہمت زنا و لواطت لگائے تو باپ کے احترام کی وجہ سے اس پر حد قذف جاری نہ ہوگی۔

مسئلہ ۹۔ اگر دو شخص ایک دوسرے پر تہمت زنا لگائیں تو ان پر بالاتفاق حد جاری نہ ہوگی۔ البتہ تعزیر جاری کی جائے گی۔

مسئلہ ۱۰۔ اگر کوئی شخص ایک جملہ میں ایک پوری جماعت پر تہمت زنا لگائے جیسے یوں کہے تم زناکار ہو تو ان سب کو اس شخص پر حد قذف جاری کرنے کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ لہٰذا اگر یکبارگی مطالبہ کریں تو قاذف پر صرف ایک حد جاری کی جائے گی اور اگر یکے بعد دیگرے کریں تو اس پر پھر متعدد حدیں جاری ہوں گی اور اگر ایک جماعت کسی شخص پر تہمت زنا لگانے میں باہم شریک ہو تو سب پر حد قذف جاری کی جائے گی۔

توضیح

اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو دشنام طرازی کا نشانہ بنائے اور اس اثناء میں زنا و لواطت کی نسبت کے سوا دیگر ہر قسم کی فحش گالیاں دے تو اس سے قذف ثابت نہ ہو گا بلکہ اس پر صرف شرعی تعزیر جاری کی جائے گی جس کی تفصیل باب التعزیرات میں بیان کی جائے گی انشاء اللہ العزیز۔

شراب نوشی کی حد کا بیان

شراب نوشی کے نقصانات۔ ہم اسی کتاب کی پہلی جلد میں بذیل نجاست شراب۔ اس ام الخبائث کے مفاسد و مضرات پر تبصرہ کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ انسان اور عام حیوان کے درمیان مابہ الامتیاز جوہر عقل ہے اور یہ شراب خانہ خراب براہ راست اسی عقل پر حملہ آور ہوتی ہے اور اسے خراب کرتی ہے اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت انسان ایک عام حیوان کی سطح سے بھی گر جاتا ہے۔ (بل ھم اضل) آدمی جب نشہ میں بدمست ہوتا ہے تو اسے ماں بہن اور بیٹی و بیوی کے درمیان تمیز نہیں رہتی آئے دن اخباروں میں ایسی خبریں پڑھنے میں آتی رہتی ہیں کہ ایک شرابی مدہوشی کی حالت میں اپنی لڑکی کی عزت پر حملہ کر بیٹھا وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ شراب تمام گناہوں کی کلید ہے اس کے استعمال سے گویا تمام گناہوں کا بند دروازہ کھل جاتا ہے۔ قتل و غارت شوخی و شرارت کذب و افتراء مارکٹائی شور و شر دنگا فساد برائی و بدکاری اور امن عامہ میں خلل اندازی تو اس کے ادنی کرشمے ہیں مغربی قوانین میں زنا کاری (بالخصوص جو رضامندی طرفین سے ہو) اور شراب نوشی کو "شخصی آزادی" کے نام پر جائز قرار دے رکھا ہے کہ ان پر پابندی عائد کرنے سے آدمی کی شخصی آزادی سلب ہوتی ہے مگر ان قانون سازوں نے اتنا نہیں سوچا کہ شخصی آزادی اس وقت تک ممدوح ہوتی ہے جب تک اس سے دوسرے لوگوں کی آزادی متاثر نہ ہو یا انسانی معاشرہ پر اس کا برا اثر نہ پڑے (جیسا کہ زنا و شراب سے پڑتا ہے) ورنہ وہ آزادی قابل مدح ہونے کی بجائے قابل مذمت قرار پاتی ہے جو دوسروں کی بربادی کا باعث ہو۔

۳۔ شراب نوشی کی وجہ سے شرابیوں میں باہمی لڑائی جھگڑا بغض و عداوت پیدا ہوتی ہے اور اس کے نتیجہ میں عدالتوں میں مقدمات کا نہ ختم ہونے والا طویل سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس سے مال و عزت دونوں برباد ہوتے ہیں۔

۴۔ قطع نظر اس کی شرعی حیثیت اور معاشرتی خرابیوں کے ڈاکٹروں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ نشہ آور چیزیں جسم اور اس کے عصبی نظام کیلئے مضر ہیں اور اس سے قلب و جگر اور معدہ کی مختلف بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

۵۔ اس بدعادت کے نتیجہ میں جس قدر مال و متاع کا ضیاع ہوتا ہے وہ عیاں راچہ بیان کا مصداق ہے جن لوگوں کو اس خانہ خراب کا چسکہ پڑ گیا وہ اپنی عادت کی تکمیل کیلئے گھر کا ساز و سامان اور بیویوں، بیٹیوں کے زیورات بھی فروخت کر ڈالتے ہیں اور اگر گھر میں کچھ باقی نہ رہے تو پھر لوٹ مار چوری چکاری اور راہزنی و جیب تراشی کا شغل فرماتے ہیں اور جس چیز سے صحت تباہ اور مال برباد ہو اسے شریعت میں (تبذیر) کہا جاتا ہے جو بالاتفاق حرام ہے۔ **ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین۔**

۶۔ شراب نوشی ایک ایسی برائی ہے جس کا بعض اوقات بہت برا نتیجہ نکلتا ہے نشہ باز اپنے بیوی بچوں تک کو چھوڑ بیٹھتا ہے اور گھربار کو تباہ و برباد اور ویران کر لیتا ہے اسے نہ اپنی عزت نفس کا احساس ہوتا ہے اور نہ دوسروں کی ناموس کا پاس۔ اس لئے اسلام نے اس انفرادی، اجتماعی اور معاشرتی برائی کی بیخ کنی کرنے پر بہت زور دیا ہے قرآن مجید میں شراب اور شرابیوں کی مذمت کے متعلق بہت سی آیات مبارکہ موجود ہیں اور پورا دفتر احادیث اس کی برائیوں سے چھلک رہا ہے جن میں شارب الخمر کو عابد وثن (بت پرست) کی مانند قرار دیا گیا ہے اور شرابی پر اس لئے حد واجب قرار دی گئی ہے تاکہ اس ام الخبائث کا انسداد ہو سکے۔

وجوب حد کے شرائط کا بیان

شراب خوار پر حد اس وقت جاری ہو گی جب اس میں چار شرطیں پائی جائیں۔ (۱) بلوغ (۲) عقل (۳) اختیار (۴) موضوع اور اس کے حکم کا علم ہو (کہ جو چیز وہ پی رہا ہے وہ شراب ہے اور شراب حرام ہے) لہٰذا اگر کوئی نابالغ بچہ یا دیوانہ یا مجبور و مکرہ (جسے شراب نوشی پر مجبور کیا جائے) یا جسے شراب کے شراب ہونے یا اس کی حرمت کا قطعاً علم نہ ہو شراب پئے تو اس پر حد جاری نہ ہو گی اور جس میں یہ شرطیں پائی جائیں عام اس سے کہ مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام یا کافر ذمی ہو (بوجہ شرائط ذمہ کی مخالفت کرنے اور کھلم کھلا پینے کے) یا مسلمان اور عام اس سے کہ شراب کی جو قسم بھی ہو خواہ انگور سے بنائی گئی ہو (جسے خمر کہا جاتا ہے) یا کھجور سے (جسے نبیذ کہا جاتا ہے) یا کشمش سے (جسے نقیع کہا جاتا ہے) اور عام اس سے کہ قلیل ہو یا کثیر اور پھر

قلیل مقدار نشہ آور ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ شرعی ضابطہ یہ ہے کہ "ما اسکر کثیرہ فقلیلہ" حرام مثلہ "جس کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار بھی اسی طرح حرام ہوتی ہے۔ (کتب اربعہ)

شراب نوشی کا طریقہ اثبات

کسی کی شراب نوشی ثابت کرنے کے دو طریقے ہیں۔ (۱) بناء بر مشہور دو بار اقرار (اقوی یہ ہے کہ ایک بار کا اقرار بھی کافی ہے)

۲۔ دو عادل مردوں کی شہادت (عورتوں کی شہادت سے یہ جرم ثابت نہیں ہوتا نہ تنہا اور نہ ایک مرد عادل کے ساتھ)

شراب نوشی کی حد اور اس کی کیفیت کا بیان

مے خوری کی شرعی حد بالاتفاق اسی تازیانے ہے بنابر مشہور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ پینے والا مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام کافر ذمی ہو یا مسلمان (کما تقدم) اور بعض فقہاء نے غلام پر آزاد کی نصف حد یعنی چالیس کوڑے لگانے کا قول اختیار کیا ہے مگر قول مشہور ہی منصور ہے جس کی نصرت و تائید روایات کثیرہ معتبرہ سے ہوتی ہے اگر شرابخور مرد ہے تو افاقہ کے بعد قمیص اتار کر اسکی ننگی پشت اور کندھوں پر کوڑے لگائے جائیں گے اور اگر عورت ہے تو کپڑوں کے اوپر درے مارے جائیں گے۔ اور کوڑے مارنے کی کیفیت یہ ہوگی کہ زانی سے نرم تر اور تہمت زنا لگانے والے سے گرم تر لگائے جائینگے۔

مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ مشہور یہ ہے کہ عصیر عنبی (انگور کا جوس) اگر جوش میں آجائے تو جب تک اس کے دو حصے آگ پر خشک نہ ہو جائیں اس وقت تک وہ شراب کی طرح نجس بھی ہوتا ہے اور حرام بھی۔ جس کے استعمال سے شراب کی حد جاری ہوتی ہے مگر ہم اسی کتاب کے باب طہارۃ بذیل نجاسات ثابت کر چکے ہیں کہ جہاں تک اس کی حرمت کا تعلق ہے تو وہ لاکلام ہے مگر جہاں تک اس کی نجاست اور اس کے پینے پر شراب خواری کی حد کے جاری کرنے کا تعلق ہے تو اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے اور اس موضوع کی متعلقہ احادیث سے سوائے اس کے پینے کی حرمت کے اور کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ واللہ العالم۔

مسئلہ ۲۔ یہ جو عوام بلکہ اکثر خواص میں بھی مشہور ہے کہ بطور دوا شراب کا استعمال جائز ہے اسکی کوئی حقیقت نہیں ہے کیونکہ راہنمایان دین یعنی آئمہ طاہرینؑ کے اس قسم کے متعدد فرامین

موجود ہیں کہ "ما جعل اللہ فی الحرام شفاء" کہ خداوند حکیم نے حرام میں شفا رکھی ہی نہیں ہے۔ (وسائل، وافی) بعد ازیں ناقص العقل والعلم حکماء یونان یا ڈاکٹران انگلستان کے قول پر کس طرح اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ واللہ الموفق

مسئلہ ۳۔ اگر کوئی شخص کئی بار شراب پئے مگر کسی وجہ سے اس پر حد جاری نہ ہو سکے تو اس کی شراب خواری جب ثابت ہو جائے تو اس پر صرف ایک حد جاری ہو گی۔

مسئلہ ۴۔ جس مے خوار پر دو بار شرعی حد جاری ہو جائے اور پھر بھی وہ اس بدعادت سے باز نہ آئے تو بنا بر مشہور و منصور تیسری بار اسے قتل کر دیا جائے گا۔

مسئلہ ۵۔ اگر شراب نوش بینہ قائم ہونے (شرعی گواہوں کی شہادت دینے) سے پہلے توبہ کرلے تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی اور اگر یہ جرم صرف اس کے اپنے اقرار کی بنا پر ثابت ہوا ہے تو اقرار کے بعد بھی حاکم شرع کو اسے معاف کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

مسئلہ ۶۔ اگر کوئی شخص بھنگ و چرس اور چانڈو وغیرہ جامد نشہ آور چیزیں استعمال کرے تو ان چیزوں کی حرمت میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ فقہاء کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ اس شخص پر شرابی والی حد جاری ہو گی یا صرف تعزیر لاگو ہو گی؟ احوط یہ ہے کہ صرف تعزیر جاری کرنے پر اکتفا کی جائے۔ واللہ العالم۔

مسئلہ ۷۔ اگر کوئی شخص شراب یا اس جیسی کسی چیز (جیسے لحم خنزیر اور خون وغیرہ) کو جن کی حرمت اور نجاست ضروریات دین میں داخل ہے حلال سمجھ کر استعمال کرے یا جائز سمجھ کر ان کی خرید و فروخت کرے تو اس پر مرتد والے احکام جاری ہوں گے (جن کی تفصیل بعد ازیں مرتد کی حد کے ذیل میں بیان کی جائے گی اور کچھ اسی کتاب کے باب الصلوۃ کی نماز قضاء کے ضمن میں بیان ہو چکی ہے) خلاصہ یہ کہ اگر مرتد فطری ہے تو اسے فوراً قتل کر دیا جائے گا اور اگر مرتد ملی ہے تو اسے توبہ کرنے کو کہا جائے گا لہٰذا اگر اس نے تین دن تک توبہ کرلی تو فبہا۔ ورنہ اسے بھی قتل کر دیا جائے گا ہاں البتہ عورت کو بہرحال قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے توبہ کرنے کا حکم دیا جائے گا پس اگر اس نے توبہ کرلی تو فبہا۔ ورنہ اسے حبس دوام میں رکھا جائے گا۔

مسئلہ ۸۔ اگر کسی شخص کے متعلق ایک گواہ شراب پینے اور دوسرا شراب کی قے کرنے کی گواہی دے تو بناء بر مشہور اس پر شراب نوشی کی حد جاری کی جائے گی۔ واللہ العالم۔

چوری کی سزا

چوری ایک ایسا قبیح اور معاشرتی جرم ہے جسکی تمام ملل و مذاہب اور قوانین نے مذمت کے ساتھ ساتھ کوئی نہ کوئی سزا بھی تجویز کی ہے۔ مغربی قوانین میں اس جرم کی سزا قید و جرمانہ ہے مگر مشاہدہ شاہد ہے کہ اس سے بجائے اس جرم میں کمی واقع ہونے کے الٹا روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس کے برعکس شریعت اسلامیہ میں چور کا ہاتھ کاٹنے کی سخت سزا مقرر ہے حقیقت یہ ہے کہ ایسے گھناؤنے جرم کا قلع قمع کرنے کیلئے ایسی سخت سزا ہی موثر ہو سکتی ہے۔

چور ظلم وجور کے ساتھ بزدلی اور فریب دہی کی کمینگی کا ثبوت دیتے ہوئے آدمی کی جان اور ناموس کے بعد عزیز ترین متاع کو چھینتا ہے اور کئی دفعہ اپنے اس جرم پر پردہ ڈالنے اور اس کے برے نتائج سے بچنے کیلئے وہ اہل خانہ کے قتل کا بھی مرتکب ہوتا ہے اس لئے وہ کسی رحم و کرم کا مستحق نہیں ہے۔

الغرض چوری سماج کیلئے ایک ناسور ہے جو سماج کو کھوکھلا کر رہا ہے اور اندر سے اسے چاٹ رہا ہے چور کسی کے مال و جان کی پروا نہیں کرتے اور مروجہ قوانین کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر دندناتے پھر رہے ہیں۔ لہذا قید و جرمانہ جیسی ہلکی پھلکی سزائیں چوری جیسے جرائم کی روک تھام میں مؤثر نہیں ہو سکتیں ان کے انسداد کیلئے اسلام کی تجویز کردہ عبرتناک سزائیں ہی موثر اور کارگر ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ خداوندعالم اس سلسلہ میں ارشاد فرماتا ہے۔ **السارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما جزاء بما کسبا نکالا من الله والله عزیز حکیم** (پ ۶۔ مائدہ ع) چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو یہ اللہ کی طرف سے ان کے کردار کی سزا ہے کیونکہ وہ عزیز و حکیم ہے) اب ذیل میں چوری و چور کے شرائط اس کی حد کی کیفیت اور دیگر متعلقہ مباحث پر تفصیل سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

چوری کی حد کے اجراء کے شرائط کا بیان

یہ شرائط چودہ ہیں جن میں سے بعض کا تعلق چور کے ساتھ ہے اور بعض کا اصل چوری سے بہرحال جب تک ان شرائط کو ملحوظ نہ رکھا جائے اس وقت تک چور پر حد جاری نہیں کی جاسکتی۔ (۱) چور عاقل (۲) بالغ (۳) اور مختار ہو لہذا اگر نابالغ بچہ چوری کرے تو اس پر حد جاری نہ ہوگی بلکہ بناء بر مشہور صرف اسے تعزیر لگائی جائے گی اور بعض فقہاء بعض روایات کے مطابق اس بات کے قائل ہیں کہ پہلی اور دوسری مرتبہ اسے معافی دی جائے گی اور تیسری بار اسے تعزیر لگائی جائے گی اور چوتھی بار اس کے ہاتھ کی انگلیوں کے سروں کا گوشت تراشا

جائے گا جس سے انگلیاں خون آلود ہو جائیں۔ پانچویں بار انگلیوں کے بالائی بند کاٹے جائیں گے اور اگر چھٹی بار بھی چوری کی تو پھر اس کی انگلیاں کاٹ دی جائیں گی بشرطیکہ لڑکا نو سال سے کم عمر نہ ہو۔ واللہ العالم

اسی طرح اگر مجنون حالت جنون میں چوری کرے تو اس پر حد جاری نہ ہو گی۔ البتہ اسے تعزیر لگائی جائے گی اور اگر بحالت عقل و خرد چوری کرے اور پھر دیوانہ ہو جائے تو بناء بر مشہور اس سے حد ساقط نہ ہو گی اسی طرح جسے اس حد تک چوری کرنے پر مجبور کیا جائے کہ اس کا اپنا ارادہ و اختیار ختم ہو جائے تو اس پر بھی حد جاری نہ ہو گی۔

۴۔ جواز کا کوئی شبہ نہ ہو جیسے کسی مال کو اپنا مال یا اپنا حق سمجھ کر اٹھائے مگر بعد میں انکشاف ہو کہ یہ اس کا مال نہ تھا اس کے لئے اسے اٹھانا روانہ تھا تو اس پر حد جاری نہ ہو گی۔

۵۔ مسروقہ مال میں چور کی شرکت نہ ہو لہٰذا اگر کوئی شخص اس مال کی چوری کرے جس میں اس کا بھی حصہ ہو عام اس سے کہ اس میں اس کا ذاتی مال شامل ہو یا اس کے مال غنیمت ہونے یا بیت المال ہونے اور اس میں اس کے حصہ دار ہونے کی وجہ سے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ایسے مال سے چوری کرے تو فقہاء کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ مطلقاً" اس پر حد جاری نہ ہو گی بلکہ صرف اسے تعزیر لگائی جائے گی مگر علماء محققین (روایات معتبرہ کی بناء پر) اس سلسلہ میں تفصیل کے قائل ہیں کہ اس مشترکہ مال میں جس قدر چور کا حصہ تھا اگر بقدر اپنے حصہ کے یا اس سے بھی کم تر چوری کرے تو پھر اس پر حد جاری نہ ہو گی لیکن اگر اس مقدار سے زیادہ چوری کرے اور یہ زائد مقدار حد نصاب تک پہنچ جائے (جس کی تفصیل ذیل میں آرہی ہے) تو پھر اس پر حد جاری کی جائے گی۔ یہی قول اقرب ہے واللہ العالم۔

۶۔ مال ایسی محفوظ جگہ پر ہو جو عرفاً" ایسے مال کے لئے ہوتی ہے اور اسے داخلہ کی اجازت بھی نہ ہو۔ لہٰذا اگر نقدی یا زیورات کسی صندوق وغیرہ میں بند ہوں اور اسے تالا لگا ہوا ہو یا گھوڑا تھان پر بندھا ہوا ہے یا اسے نیل لگا ہوا ہو یا مال زمین میں دفن ہو تو اسے چرانے پر حد سرقہ جاری ہو گی لیکن اگر کوئی شخص کسی عمومی جگہ سے جہاں ہر شخص بلا روک ٹوک آجاسکتا ہو جیسے مسجد، مسافر خانہ اور حمام وغیرہ کوئی چیز چرائے تو اس پر حد جاری نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر کوئی امین امانت میں خیانت کرے یا کوئی شخص بھائی بہن کے گھر سے یا میاں بیوی ایک دوسرے کا مال چوری کریں جبکہ وہ مال محفوظ جگہ پر نہ ہو تو ان پر حد جاری نہ ہو گی۔ کیونکہ یہ ایک دوسرے

کے گھر میں آجا سکتے ہیں اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کی باہر والی کھلی جیب سے کچھ چرائے تو اس پر بھی حد جاری نہ کی جائے گی۔ ہاں البتہ اگر اس کی اندرونی جیب سے چرائے تو پھر اس پر حد جاری کی جائے گی اور اگر گھر کا دروازہ کھلا ہو۔ اور گھر والے سوئے ہوئے ہوں اور کوئی چور آکر مال چرا جائے تو اس پر حد جاری ہونے کے بارے میں اشکال ہے اظہر یہ ہے کہ حد جاری ہو گی کیونکہ اگرچہ مال محفوظ نہ تھا مگر اسے اس طرح اندر آنے کی شرعاً اجازت نہ تھی۔ واللہ العالم

توضیح

سطور بالا میں جہاں حد کی نفی کی گئی ہے وہاں تعزیر ضرور لگائی جائے گی اور مسروقہ مال بھی چور سے واپس لیا جائے گا۔ خلا تخلل۔

۷۔ چور خود محفوظ جگہ کو توڑے۔ لہٰذا اگر دیوار میں نقب کوئی اور لگائے یا صندوق کا قفل کوئی اور شخص توڑے اور مال دوسرا چرائے۔ تو کسی پر حد جاری نہ ہو گی۔ کیونکہ جو نقب لگانے والا اور قفل توڑنے والا ہے وہ چور نہیں ہے اور جو چور ہے وہ قفل توڑ نہیں ہے۔ ہاں اگر نقب لگانے یا قفل توڑنے والا مسروقہ مال میں حصہ دار ہو اور اس کا حصہ چوری کے مقررہ نصاب کی حد تک بھی پہنچ جائے تو پھر اس پر حد جاری ہو گی۔ عام اس سے کہ مال خود اٹھا کر لے جائے یا رسی باندھ کر کھینچے یا کسی حیوان وغیرہ پر لاد کر لے جائے یا کسی طفل غیر ممیز کے ذریعہ سے نکالے۔ لہٰذا اس بہانہ سے چوروں کا گروپ شرعی گرفت سے بچ نہ سکے گا۔

۸۔ چور صاحب مال کا باپ نہ ہو۔ لہٰذا اگر باپ اپنے فرزند کے مال سے مقررہ شرائط کے ساتھ بھی چوری کرے تو اس کے احترام کے پیش نظر اس پر حد جاری نہ ہو گی۔ بناء بر مشہور جد پدری (دادا، پردادا) بھی باپ کے حکم میں ہے اور اگر فرزند باپ کا مال مقررہ شرائط کے ساتھ چرائے تو اس پر حد جاری کی جائے گی اور یہی حکم دوسرے تمام رشتہ داروں کا ہے۔

۹۔ چور صاحب مال کا غلام نہ ہو۔ کیونکہ اگر غلام اپنے مالک کی چوری کرے اور پھر اس پر حد جاری کر کے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تو یہ نقصان بھی مالک کا ہو گا۔ کہ اس کا غلام کام سے بیکار ہو جائے گا اس لئے اسے صرف تعزیر لگائی جائے گی۔

۱۰۔ چھپ کر چوری کی جائے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص علانیہ طور پر زبردستی کسی کے مال پر قبضہ کرے تو چونکہ یہ چوری نہیں ہے (بلکہ ڈاکہ زنی اور سینہ زوری ہے) لہٰذا اس پر چوری والی حد

جاری نہ ہو گی (بلکہ ڈاکو والی حد جاری ہوگی۔ جسے بعد ازیں بیان کیا جائے گا۔ انشاء اللہ)

۱۱۔ مسروقہ مال غیر کا ہو۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے ایسے مال کی چوری کرے جس سے کسی اور شخص کا حق وابستہ ہو جیسے گروشدہ یا ٹھیکہ پر دیا ہوا مال تو اس پر چور کی حد جاری نہ ہوگی۔

۱۲۔ چور نوکر یا مہمان نہ ہو (بقول بعض علماء کے) اور اکثر علماء اس سلسلہ میں یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ مالک یا میزبان نے نوکر یا مہمان سے مال پوشیدہ نہ کیا ہو۔ اور نہ ہی انھوں نے مال کو محفوظ جگہ سے چرایا ہو۔ ورنہ ان پر چوری کی حد جاری ہوگی۔ واللہ العالم

۱۳۔ مسروقہ مال بقدر نصاب ہو اور اس نصاب کی مقدار میں فقہاء کے درمیان خاصا اختلاف پایا جاتا ہے اگرچہ مشہور بین الفریقین ربع دینار (دینار کا ۱/۴ حصہ) ہے اور ایک دینار خالص ساڑھے ۴ ماشے سونا کا ہوتا ہے۔ (یا بقدر ۱۸ نخود) مگر خمس دینار والا قول (دینار کا ۱/۵ حصہ) قوت سے خالی نہیں ہے کیونکہ جہاں روایات کثیرہ ربع دینار پر دلالت کرتی ہیں وہاں بہت سے اخبار معتبرہ خمس دینار پر بھی دلالت کرتے ہیں اور تعارض کی صورت میں ترجیح خمس والے اخبار کو دی جائے گی۔ کیونکہ ربع دینار والی روایات مخالفین کے نظریہ کے موافق ہونے کی وجہ سے تقیہ پر محمول متصور کی جائیں گی۔ واللہ العالم

۱۴۔ صاحب مال اپنے مال کا اور چور پر حد جاری کرنے کا مطالبہ بھی کرے لہٰذا اگر مالک اپنے مال سے ہی دست بردار ہو جائے یا مال لیکر چور پر حد جاری کرنے کا عدالت سے مطالبہ نہ کرے تو چور پر حد جاری نہ ہوگی کیونکہ یہ حق الناس ہے اور صاحب حق کو معاف کرنے کا حق حاصل ہے ہاں البتہ جب حاکم شرع کے پاس شرعی چوری ثابت ہو جائے تو اس کے بعد حد ساقط نہ ہو سکے گی۔

چوری کے ثبوت کے طریقہ کار کا بیان؟

چوری کے ثبوت کے بناء پر مشہور دو طریقے ہیں (۱) دو عادل مرد گواہ شہادت دیں۔ لہٰذا صرف ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے چوری ثابت نہیں ہوتی۔ (۲) بلا جبر و اکراہ دو مرتبہ اقرار۔ لہٰذا بنابر مشہور اگر کوئی شخص صرف ایک بار اقرار کرے تو اس سے مسروقہ مال کی ادائیگی تو واجب ہوجائے گی مگر شرعی حد جاری نہ ہوگی اور بعض فقہاء صرف ایک بار کے اقرار کو کافی سمجھتے ہیں۔ اور یہ قول قوت سے خالی نہیں ہے۔ لو لا دلالتہ بعض الاخبار الصحیحۃ علی خلافہ۔ واللہ العالم

اور اگر کسی شخص سے پولیس وغیرہ مار کٹائی کر کے چوری کا اقرار کرالے تو اس جبری اقرار کا شرعاً" کوئی وزن نہیں ہے ہاں بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اگر اس صورت میں وہ شخص اصل چوری شدہ مال پیش کر دے تو اس سے چوری اور حد ثابت ہو جائے گی۔ اس مضمون کی ایک روایت بھی موجود ہے لہذا یہ قول قوت سے خالی نہیں ہے اور جہاں اقرار کنندہ میں یہ شرط ہے کہ وہ عاقل و بالغ اور مختار ہو وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ آزاد ہو۔ لہذا اگر کوئی غلام چوری کا اقرار کرے تو جب تک اس کا مالک اس کی تصدیق نہ کردے یا دو گواہ شہادت نہ دیں اس وقت تک اس پر حد جاری نہ ہوگی۔

چور کی سزا اور اس کی کیفیت کا بیان

جب مذکورہ بالا شرائط اور اثبات کے سابقہ قواعد کے ماتحت کسی چور کی چوری ثابت ہو جائے۔ تو اولاً" تو چور پر اصل مال کا اسکے مالک کو لوٹانا واجب ہے اور اگر اصل مال تلف ہو گیا۔ تو مثلی میں اس کی مثل اور قیمی میں اس کی قیمت کی ادائیگی واجب ہوگی۔ اور ثانیاً" اس پر حد کا جاری کرنا لازم ہے اور وہ یہ ہے کہ اسکے دائیں ہاتھ کی چار انگلیاں جڑوں سے کاٹ دی جائیں گی۔ اور ہتھیلی اور انگوٹھے کو چھوڑ دیا جائے گا۔ تاکہ وہ وضو کر کے نماز پڑھ سکے۔[1] اور دوسرے کاروبار بھی فی الجملہ انجام دے سکے اور اگر چور اس حد جاری ہونے کے بعد دوبارہ چوری کرے تو پھر اس کا بایاں پاؤں اگلے جوڑ سے کاٹ دیا جائے گا۔ اور ایڑی چھوڑ دی جائے گی۔ تاکہ کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکے۔ اور چل پھر سکے۔ اور اگر ایک ہاتھ پاؤں کٹوانے کے بعد تیسری مرتبہ پھر چوری کرے تو پھر اسے قتل کر دیا جائے گا۔ تاکہ اس کے ناپاک وجود سے خدا کی زمین اور انسانی معاشرہ پاک ہو جائے۔ اور اس ناسور کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے۔

---

[1] چور کے ہاتھ پاؤں کہاں سے کاٹے جائیں؟ یہ مسئلہ شیعہ' سنی اختلاف کی آماجگاہ اور دونوں فریقوں میں قدیم الایام سے معرکۃ الاراء چلا آرہا ہے شیعہ یہ کہتے ہیں کہ دائیں ہاتھ کی صرف چار انگلیاں جڑ سے کاٹی جائیں گی اور بائیں پاؤں کا اگلا حصہ (جیسا کہ متن میں مذکور ہے) اور سنی یہ کہتے ہیں کہ ہاتھ کلائی سے اور پاؤں ٹخنے سے کاٹا جائے گا۔ بحث اگرچہ طویل ہے اور ہر فریق اپنے اپنے موقف پر دلائل پیش کرتا ہے مگر خدا لگی بات یہ ہے کہ دوسرے اختلافی مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی حق شیعہ کے ساتھ ہے اور ان کا مسلک صحیح ہے اور اس کے وجوہ بڑے

چوری کی حد کے متعلقہ مسائل واحکام کا بیان

مسئلہ ۱۔ اگر کسی شخص نے کئی بار چوری کی ہو۔ مگر یکبارگی سب کی شہادت دی جائے تو اس پر صرف ایک حد جاری ہوگی۔ ہاں البتہ اگر پہلے اس کی ایک چوری ثابت کی جائے اور جب اس پر اس کی حد جاری ہو جائے تو پھر دوسری چوری ثابت کی جائے۔ تو اس صورت میں دوسری حد بھی جاری ہوگی۔ اور اس کا پاؤں بھی کاٹا جائے گا۔

بقیہ حاشیہ ۳۶۳

انصار کے ساتھ درج ذیل ہیں۔

وجہ اول۔ آیت مبارکہ جس میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے وہ باتفاق شیعہ و سنی مجمل ہے کیونکہ اس میں لفظ "ایدی" وارد ہے جو لفظ "ید" کی جمع ہے اور جس کے معنی ہاتھ ہیں (فاقطعوا ایدیھما) اور اس (ید بمعنی ہاتھ) کا اطلاق انگلیوں پر، پہنچے پر کہنی تک بلکہ بغل تک۔ الغرض انگلیوں سے لے کر بغل تک ہوتا ہے اور سب مفسرین نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں فخر رازی تسلیم کرتے ہیں کہ ان الید اسم یتناول الا صابع فقط ویقع علی الا صابع والکف والساعدین الی المرفقین ویقع علی کل ذلک الی المنکبین۔

اب یہ ہاتھ کہاں سے کاٹنا ہے اور کونسا ہاتھ کاٹنا ہے؟ اس سلسلہ میں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام جو عالم اسرار قرآنیہ اور عارف رموز فرقانیہ ہیں۔ کے وضاحتی بیان کی ضرورت ہے۔ اور ان کے وہ ارشادات جو کتب معتبرہ میں موجود ہیں (نیز ان کے عمل سے بھی ظاہر ہے) کہ یہاں ہاتھ سے مراد صرف چار انگلیاں ہیں جیسا کہ کتب اربعہ اور وسائل و مستدرک اور وافی وغیرہ سے واضح ہے لہٰذا اس کے مطابق عمل کرنا متعین ہوگا۔

وجہ دوم۔ قرآن و حدیث اور لغت عرب سے لفظ "ید" کا صرف انگلیوں پر اطلاق ثابت ہے مثلاً" ارشاد قدرت ہے۔ ویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عنداللہ۔

افسوس ہے ان لوگوں کے لئے جو کتاب اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ من جانب اللہ ہے یا "فویل لھم مما کتبت ایدیھم" افسوس ہے ان کے لئے ان کے ہاتھوں کے کئے کی وجہ سے ظاہر ہے کہ لکھا انگلیوں سے جاتا ہے (گو انگلیوں کے ساتھ انگوٹھا بھی لکھنے میں شامل ہے مگر اسے دلیل منفصل کی بناء پر چھوڑا گیا ہے) اسی طرح آیت مبارکہ "ردوا ایدیھم فی افواھم" انہوں نے اپنے ہاتھ منہ میں ڈال لئے سے بھی مراد انگلیاں ہیں کیونکہ غم و غصہ یا تعجب

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی شخص پہلی بار چوری کرے اور اس کا دایاں ہاتھ خلقۃً نہ ہو یا قصاص وغیرہ میں کٹا ہوا ہو تو آیا اس کا بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا یا بایاں پاؤں؟ یا اس سے یہ حد ہی ساقط ہوگی؟ اس میں اختلاف ہے اور مسئلہ اشکال سے خالی نہیں ہے اگرچہ حد کے ساقط ہونے والا قول بعید نہیں ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۳۔ اگر چور کا دایاں ہاتھ شل ہو تو آیا اس صورت میں اسی شل ہاتھ کو کاٹا جائے گا۔ یا بائیں ہاتھ کو یا بائیں پاؤں کو؟ اس میں اختلاف ہے مشہور و منصور قول یہی ہے کہ دائیں ہاتھ کو ہی کاٹا جائے گا اگرچہ وہ شل ہی ہو۔

بقیہ حاشیہ ۳۶۴

کے وقت انگلیاں ہی منہ میں ڈال کر کاٹی جاتی ہیں نہ کہ کف دست جیسا کہ عضوا علیکم الانامل من الغیظ سے واضح ہے لہذا اس مقدار کا کاٹنا تو یقینی طور پر ثابت ہے اسکے علاوہ جن جن حصوں پر "ید" کا اطلاق ہوتا ہے ان کا کاٹنا مشکوک ہے لہذا عقل سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ یقینی مقدار کو لے کر اس پر عمل کیا جائے اور مشکوک کو چھوڑ دیا جائے۔

وجہ سیوم۔ ارباب عقل و فکر پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ سزا کا مقصد انتقام نہیں بلکہ اصلاح ہے کہ اس سے بلا واسطہ مجرم اور بالواسطہ معاشرہ کی اصلاح ہوتی ہے کہ یہ مقصد صرف

انگلیاں کاٹنے سے حاصل ہوتا ہے کہ اس سزا کے بعد چور تائب ہو کر اپنی اصلاح کرلے۔ (جس کا قوی امکان ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ **فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح فان اللہ یتوب علیہ ان اللہ غفور رحیم**

تو ایسا کرنے سے اس کا ہاتھ بالکل بے کار نہ ہوگا۔ بلکہ استنجاء کے علاوہ وضو بھی کرسکے گا اور دوسرے کاروبار بھی کرسکے گا بخلاف اس کے کہ

مسئلہ ۴۔ مشہور یہ ہے کہ جس شخص کا بایاں پاؤں نہ ہو اور وہ دوسری بار چوری کرے تو اس حالت میں اس کا دایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔ مگر یہ مسئلہ اشکال سے خالی نہیں ہے کیونکہ کئی اخبار و اثار سے واضح و اشکاز ہوتا ہے کہ چور کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں استنجا کرنے اور چلنے کے لئے چھوڑ دینا چاہئے چنانچہ امیر علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ **"انی لا ستحی من ربی ان لا ادع له یدا یستنجی بها او رجلا" یمشی علیها"** (وسائل)

مجھے اپنے پروردگار سے حیا دامن گیر ہوتی ہے کہ میں چور کے لئے ایک ہاتھ استنجاء کرنے کے لئے یا ایک پاؤں چلنے کے لئے نہ چھوڑوں۔ لہٰذا اس صورت میں بعید نہیں کہ قطع پا جائز نہ ہو۔ واللہ العالم

بقیہ حاشیہ ص ۳۶۵

اگر اس کے پہنچے سے ہاتھ کاٹ دیا جائے اور پھر وہ توبہ کرلے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بے کار ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات خدا کی رحمت واسعہ اور شریعت سہلہ کے تقاضوں کے بالکل خلاف ہے۔

وجہ چہارم۔ ویسے تو ہر چیز کا حقیقی مالک خداوند عالم ہے مگر اس نے قرآن میں سجدہ کے اعضاء سبعہ (وہ سات اعضاء جن کا بوقت سجدہ زمین پر رکھنا واجب ہے یعنی دونوں کف دست، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں کے انگوٹھے۔ اور پیشانی) کو بالخصوص اپنی ملکیت قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے۔ **"ان المساجد لله"** اور ظاہر ہے کہ جو چیز خالصا" اللہ کی ہو اس میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کف دست سے ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا تاکہ سجدہ میں ہتھیلی زمین پر رکھی جا سکے۔

وجہ پنجم۔ خود برادران اسلامی کی کتابوں میں کوئی مرفوع متصل صحیح ایسی روایت موجود نہیں ہے جس سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان وحی ترجمان یا ان کے عمل سے ثابت ہو کہ انہوں نے کف دست سے چور کا ہاتھ کاٹا ہے یا کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ حضرات جس قدر روایات سنن کبریٰ۔ دار قطنی وغیرہ کتابوں سے پیش کرتے ہیں وہ بوجہ مرسل ہونے کے یا کسی اور وجہ سے ضعیف ہیں اس کے برعکس ہماری روایات صحیحہ سے انگلیاں کاٹنا ثابت ہے۔

مسئلہ ۵۔ اگر حد جاری کرنے والا غلطی سے بایاں ہاتھ کاٹ دے تو اس پر ہاتھ کی دیت واجب ہوگی۔ اور مشہور یہ ہے کہ اس سے دائیں ہاتھ کا کاٹنا ساقط نہ ہوگا۔ مگر سابقہ مسئلہ میں بیان کردہ حقائق کی روشنی میں اس کا سقوط بعید نہیں ہے اور اگر حداو (حد جاری کرنے والا) عمداً ایسا کرے تو اس سے ہاتھ کا قصاص لیا جائے گا۔

بقیہ حاشیہ ۳۴۴ وجہ ششم۔ برادران اسلامی کی کتابوں سے ثابت ہے کہ جناب امیر علیہ السلام چور کے ہاتھ کی صرف چار انگلیاں اور پاؤں کا صرف اگلا حصہ کاٹتے تھے چنانچہ فتح الباری شرح بخاری ج ۱۲ ص ۸۷ میں علامہ عسقلانی کہتے ہیں۔ "جاء عن علی انہ قطع الید من الا صابع والرجل من مشط القدم"

یعنی حضرت علی علیہ السلام (پہلی دفعہ) چور کی انگلیاں اور دوسری دفعہ چوری کرنے پر پاؤں کا اگلا حصہ کاٹتے تھے۔ ایسا ہی التعلیق المغنی حاشیہ دار قطنی ج ۲۔ ص ۳/۷۷ ۸ میں بھی اسے تسلیم کیا گیا ہے۔ عسقلانی نے اس سلسلہ میں جناب امیر علیہ السلام کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ فرمایا۔ استحی من اللہ ان اترکہ بلا عمل۔ مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ میں چور کو (کلائی سے ہاتھ کاٹ کر) بالکل بیکار بنادوں (ج ۱۲ ص ۸۷) اسی طرح علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری شرح بخاری ج ۹ ص ۴۳۹ طبع مصر میں اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ (ظاہر ہے کہ اگر کلائی سے ہاتھ کاٹنے کا حکم ہوتا) حضرت امیر علیہ السلام کو اس پر عمل کرنے میں ہرگز شرم و حیا دامن گیر نہ ہوتی بلکہ اسی کے مطابق امام برحق عمل فرماتے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے نزدیک کلائی سے ہاتھ کاٹنا منشاء خداوندی کے خلاف تھا اور پیغمبر اسلامؐ کا فرمان ہے۔ "الحق مع علی وعلی مع الحق"

لہذا ان کے فیصلہ کو ہی صحیح اسلامی و قرآنی فیصلہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ وفیہ کفایۃ لمن لہ ادنی دَرایۃ (منہ عفی عنہ)

مسئلہ ۶۔ جس (چور) کا ہاتھ کاٹا جائے اس کا علاج معالجہ ضروری ہے تاکہ تندرست ہو جائے اور قطع والے مقام کو داغ دینا مستحب ہے تاکہ خون بند ہو جائے۔

مسئلہ ۷۔ اگر کوئی چور حاکم شرع کے پاس چوری ثابت ہونے سے پہلے توبہ کر لے (یعنی مسروقہ مال مالک کو لوٹا دے اور خدا سے بھی اپنے جرم کی معافی طلب کرے) تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔

مسئلہ ۸۔ اگر کوئی شخص قبر سے کفن چوری کرے تو اس کی سزا کے بارے میں فقہاء میں اختلاف ہے کچھ تو یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ کفن کی قیمت چوری کے نصاب سے کم ہی ہو تاہم اس پر حد جاری کی جائے گی۔ اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ اس پر حد جاری نہ ہوگی۔ اگرچہ کفن کی قیمت بقدر نصاب بھی ہو۔ اور مشہور و منصور قول یہ ہے کہ اگر کفن کی قیمت بقدر نصاب (۱/۴ یا ۱/۵) دینار ہو تو اس پر حد جاری کی جائے گی ورنہ نہیں۔

مسئلہ ۹۔ اگر کوئی شخص قحط سالی کے زمانہ میں گرسنگی سے تنگ آکر کھانے کی کوئی چیز چرائے تو عذر کی وجہ سے اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔

مسئلہ ۱۰۔ اگر کوئی شخص خمر و خنزیر یا طنبورہ و ستار اور ڈھول وغیرہ آلات لہو و لعب چرائے تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی کیونکہ شرعاً ان چیزوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۱۔ جو شخص کسی آزاد آدمی کو اغوا کر کے فروخت کردے عام اس سے کہ وہ چھوٹا بچہ ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت، بناء بر مشہور اس پر چوری والی حد جاری کی جائے گی اور اس مطلب پر بعض اخبار و آثار بھی دلالت کرتے ہیں۔

مسئلہ ۱۲۔ جب ایک سے زائد آدمی مل کر چوری کریں تو جب تک ہر شخص کا حصہ بقدر نصاب نہ ہو۔ اس وقت تک کسی پر حد جاری نہ ہوگی۔ ہاں جب ہر شخص کا حصہ بقدر نصاب ہو تو پھر سب پر حد جاری کی جائے گی اور اگر بعض کا حصہ بقدر نصاب ہو اور بعض کا نہ ہو تو پھر جس کا حصہ بقدر نصاب ہوگا اس پر حد جاری کی جائے گی۔

مسئلہ ۱۳۔ جو شخص کھلم کھلا مال چھین کر بھاگ جائے اس سے مال واپس لیا جائے گا اور اسے تعزیر لگائی جائے گی۔

مسئلہ ۱۴۔ جو شخص جھوٹے دستخطوں سے یا کسی اور غلط طریقہ سے دھوکہ دے کر لوگوں کا مال ہضم کرتا ہے تو اس سے اصل مال واپس لینے کے بعد اسے شرعی تعزیر بھی لگائی جائے گی۔ واللہ

راہزنی کی سزا

جو شخص زمین خدا میں فتنہ و فساد پھیلانے اور لوگوں کو ناجائز طریقہ پر ڈرانے دھمکانے کی غرض سے ننگی تلوار اٹھا کر یا دوسرے ہتھیاروں سے لیس ہو کر چلے۔ عام اس سے کہ شہر میں ہو یا جنگل میں، خشکی میں ہو یا تری میں، دن میں ہو یا رات میں، اور عام اس سے کہ ہتھیار لوہے کے ہوں یا کسی اور چیز کے اور اٹھانے والا بڑا ہو یا چھوٹا اور عام اس سے کہ بناء بر مشہور ہتھیار بند مرد ہو یا عورت اور طاقتور ہو یا کمزور اگرچہ بعض فقہاء نے عورت میں اختلاف کیا ہے کہ اسے راہزن (ڈاکو) کہا جائے اور اسکی سزا بہت کڑی ہے۔

راہزنی کے طریقۂ ثبوت کا بیان

اس جرم کے ثبوت کے دو طریقے ہیں (۱) دو عادل مردوں کی گواہی لہذا ایک مرد اور دو عورتوں یا صرف عورتوں یا بعض راہزنوں کی دوسرے بعض کے خلاف شہادت سے یہ جرم ثابت نہیں ہوتا۔

۲۔ مقررہ شرائط (عقل، بلوغ اور اختیار) کے ساتھ اقرار۔ اگرچہ ایک بار ہو۔

محارب و راہزن کی سزا

بہر حال چونکہ بموجب نص قرآن **الفتنۃ اشد من القتل** (زمین میں فتنہ و فساد پھیلانا قتل سے بھی زیادہ سخت و سنگین جرم ہے) اس لئے شریعت مقدسہ نے اس کی حد و سزا بھی بڑی سخت مقرر کی ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ **انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا" ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض ذلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم۔** (س مائدہ ع ۹) "جو لوگ خدا اور رسول سے لڑتے اور زمین میں فساد پھیلانے کی غرض سے دوڑتے پھرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو دیس نکالا دیا جائے یہ تو ہے دنیا میں ان کی رسوائی اور آخرت میں ان کیلئے بڑا عذاب ہے مگر جو لوگ قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ توبہ کر لیں تو جان لو کہ خدا معاف کرنے والا مہربان ہے۔"

اس آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ راہزنی کی سزا چار چیزوں میں سے ایک ہے۔ (۱) قتل کرنا۔ (۲) سولی دینا۔ (۳) الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں کاٹنا (یعنی دائیاں ہاتھ اور بایاں پاؤں) (۴) دیس نکالا دینا بنابر مشہور و منصور حاکم شرع کو مجرم کے جرم کی نوعیت کے مطابق سزا کی ان چار قسموں میں سے کسی ایک قسم کی سزا دینے کا اختیار ہے یعنی اگر راہزن نے کسی آدمی کو قتل کیا ہے تو اسے قتل کیا جائے گا اور جس نے صرف مال لوٹا ہو۔ اس کے الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے اور جس نے مال بھی لوٹا ہو اور قتل بھی کیا ہو تو پہلے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے اور پھر اسے قتل کیا جائے گا یا سولی پر لٹکایا جائے گا اور جس نے صرف ہتھیار اٹھا کر لوگوں کو ڈرایا دھمکایا ہو مگر ہنوز نہ کسی کا مال لوٹا ہو اور نہ ہی کسی کو قتل کیا ہو تو اسے دیس نکالا دیا جائے گا واللہ العالم العاصم۔

راہزنی کے متعلقہ مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ جس راہزن کو دیس نکالا دیا جائے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اسے کسی ایک جگہ اطمینان سے نہ رہنے دیا جائے بلکہ برابر شہر بشہر اور قریہ بہ قریہ اسے دیس نکالا دیا جاتا رہے۔ اور اسلامی شہروں میں سے جس شہر میں بھیجا جائے وہاں کے حاکم کو لکھا جائے۔ کہ یہ بوجہ راہزنی نکالا ہوا ہے لہٰذا اس کے ساتھ ہر قسم کا لین دین، اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا بند کیا جائے غرض کہ اس کا مکمل سماجی بائیکاٹ کیا جائے یہاں تک کہ بناء بر مشہور توبہ کرلے (مگر روایات سے اس کا استفادہ نہیں ہوتا) یا اسی حالت میں مرجائے۔ (وھو الظاہر) تاکہ دوسروں کے لئے مکمل بسامان عبرت ہو اور آئندہ کوئی شخص ایسی غنڈہ گردی کرنے کی جرأت نہ کرسکے۔

مسئلہ ۲۔ جیسا کہ محارب کی سزا والی آیت کے آخر میں مذکور ہے کہ اگر راہزن تمہارے قابو پانے سے پہلے توبہ کرلے تو اس سے راہزن والی حد تو ساقط ہو جائے گی لیکن دوسرے حقوق الناس جیسے یہ کہ اگر اس نے کسی کو قتل کیا ہے یا زخمی کیا ہے یا کسی کا مال لوٹا ہے تو وہ بہرحال بحال رہیں گے اور اگر قابو پانے کے بعد توبہ کرلے تو اس کا کوئی ظاہری فائدہ نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۔ راہزن کی حد میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ مال جو اس سے لوٹا ہے وہ چوری والے نصاب کے برابر ہو یا اس سے کم یا اس سے زیادہ یا یہ کہ اسے محفوظ مقام سے اٹھایا ہو یا غیر محفوظ جگہ سے غرضیکہ اس میں چوری والے شرائط کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔

مسئلہ ۴۔ جس شخص کو سولی پر لٹکانا ہو اسے حاکم شرع حکم دے گا کہ وہ پہلے غسل کر کے حنوط لگا لے اور کفن پہن لے۔ چنانچہ اگر وہ ایسا کرے تو پھر سولی دینے کے بعد صرف اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اسے دفن کر دیا جائے گا۔ ورنہ غسل و کفن وغیرہ سب امور کا اہتمام کرنا پڑے گا۔

مسئلہ ۵۔ جس کو سولی دی جائے اسے تین دن سے زیادہ سولی پر نہ لٹکایا جائے گا بلکہ اس کے بعد اسے اتار کر سابقہ مسئلہ کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

مسئلہ ۶۔ اور اگر تین دن سے زیادہ دیر لٹکا رہے تو جو شخص اسے بالارادہ دیکھنے جائے تو اس کے لئے غسل کرنا مستحب ہے۔

مسئلہ ۷۔ جس طرح زندہ آدمی کو سولی دی جاتی ہے اس طرح قتل کے بعد کسی مجرم کی لاش کو بھی سولی پر لٹکایا جاسکتا ہے۔ بہر حال یہ چیز جرم کی نوعیت کے مطابق حاکم شرع کی صوابدید پر منحصر ہے۔

مسئلہ ۸۔ اگر کوئی راہزن یا چور وغیرہ کسی کی جان لینے یا اسکی عرض و ناموس لوٹنے کا ارادہ کر کے حملہ آور ہو تو اپنی جان اور ناموس کی حفاظت کرنا واجب ہے خواہ راہ فرار اختیار کر کے کی جائے یا مقابلہ کر کے۔ اور اگر ان میں سے پہلا طریقہ ممکن نہ ہو تو پھر دوسرا طریقہ متعین ہو جائے گا بہر نوع خود سپردگی اور ذلت کی موت کسی طرح بھی جائز نہیں ہے اس مدافعہ و مقابلہ میں اگر دفاع کرنے والا مارا گیا تو اس کی موت شہادت متصور ہو گی اور اگر حملہ آور مارا گیا تو اس کا خون رائیگاں جائے گا ہاں البتہ مال کے تحفظ کیلئے دفاع واجب نہیں ہے لیکن جائز ضرور ہے لہذا اگر کوئی شخص اپنے مال کا تحفظ کرے اور اس کے نتیجے میں کسی فریق کی موت واقع ہو جائے تو مذکورہ بالا حکم نافذ ہو گا یعنی مالک کی موت شہادت متصور ہوگی اور حملہ آور کا خون رائیگاں جائے گا۔

مرتد کی حد کا بیان

باب الصلوۃ میں بذیل "قضا شدہ نمازوں کی ادائیگی کا بیان" اور باب النکاح بذیل عنوان "مصاہرت کے احکام" مسئلہ نمبر ۲۰ میں مرتد کی تعریف اس کے اقسام اور ان کے تمام متعلقہ ضروری احکام بیان کئے جاچکے ہیں اور اس مقام پر واضح کیا جاچکا ہے کہ مرتد فطری کی فوری سزا قتل ہے اور مرتد ملی کو تین دن تک توبہ کرنے کی مہلت دی جاتی ہے پس اگر اس اثنا میں وہ توبہ

کر لے تو فبہا ورنہ اسے قتل کر دیا جاتا ہے اور یہ سخت سزا صرف اس لئے ہے تاکہ فتنۂ ارتداد کا ہمیشہ کیلئے انسداد ہو جائے لہٰذا یہاں ان امور کے تکرار کی ضرورت نہیں ہے ہاں البتہ یہاں صرف ایک بات کی وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ :-

کن باتوں سے آدمی مرتد ہو جاتا ہے؟

سو واضح ہو کہ چند چیزوں سے کسی آدمی کا ارتداد ثابت ہوتا ہے۔

۱۔ دین اسلام ترک کرنے کا اقرار کرنا

۲۔ اصول دین میں سے کسی اصل کا انکار کرنا۔

۳۔ ادیان باطلہ مثل یہودیت و نصرانیت وغیرہ کی صداقت کا اظہار کرنا۔

۴۔ یا جو چیز بالضرورہ دین میں داخل نہیں ہے اسکو دین کے داخل کرنے کا اقرار کرنا۔

۵۔ یا کوئی ایسا کام کرنا جو بالصراحۃ اسلام سے خروج پر دلالت کرے جیسے بت پرستی کرنا قرآن مجید جیسی مقدس کتاب کو غلاظت میں ڈالنا یا اس پر پاؤں مارنا یا عمداً" کعبۃ اللہ یا مساجد یا مشاہد مقدسہ میں بول و براز کرنا یا ان میں نجاست ڈالنا یا حضرت رسول ﷺ یا آئمہ ھدی علیھم السلام یا جناب خاتون قیامت سلام اللہ علیھا پر سب و شتم کرنا۔

۶ یا ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرنا۔

ذیل میں ضروریات دین کی قدرے وضاحت کی جاتی ہے۔

ضرویات دین کا بیان

سو مخفی نہ رہے کہ ضروریات دین سے مراد یہ ہے کہ ہر وہ امر کہ جس کا جزو دین ہونا اس طرح بطور بدیہیات واضح واشکار ہو کہ ہر وہ شخص جو اس دین کا قائل ہو بلا اختلاف مذہب و مسلک وہ یہ جانتا ہو کہ فلاں چیز جزو دین ہے جیسے (۱) نماز ہائے پنجگانہ کا وجوب (۲) ان کی رکعتوں کا سترہ ہونا۔ (۳) اور نماز کا تکبیرۃ الاحرام' قرءت ' رکوع اور سجود وغیرہ پر مشتمل ہونا۔ (۴) غسل جنابت اور غسل حیض و نفاس وغیرہ کا واجب ہونا۔ (۵) بول و براز وغیرہ کا ناقض وضو ہونا۔ (۶) زکوۃ (۷) ماہ رمضان کے روزہ اور (۸) حج کا واجب ہونا اور حج کا احرام' طواف' سعی اور وقوف عرفات و مشعر اور قربانی پر مشتمل ہونا۔ (۹) جہاد کا واجب ہونا (۱۰) کذب وافترا (۱۱) زنا

و لواطت (۱۲) شراب نوشی (۱۳) چوری و ڈاکہ زنی (۱۴) سگ و خوک کے گوشت (۱۵) محارم جیسے ماں بہن اور بیٹی وغیرہ سے نکاح (۱۶) سود (۱۷) اور قتل مومن کا حرام ہونا (۱۸) صلہ رحمی کا اچھا (۱۹) اور قطع رحمی کا برا ہونا (۲۰) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اچھائی اور ان کے ترک کرنے کی برائی (۲۱) اہل بیت کی محبت و احترام کا لزوم (۲۲) دشمنان دین سے بیزاری کا وجوب وغیرہ وغیرہ کہ جن کو پڑھے اور ان پڑھے شہری اور دیہاتی مرد اور عورتیں چھوٹے اور بڑے سب جانتے ہیں لہذا اگر کوئی شخص ایسے امور میں سے کسی ایک امر کا انکار کر دے تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اس پر مرتد والے احکام نافذ ہوں گے۔

ارتداد کے بعض متعلقہ مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ کسی شخص کا ارتداد مقررہ شرائط کے ساتھ اس کے اپنے اقرار یا دو عادل گواہوں کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے۔

مسئلہ ۲۔ جو شخص پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نئی نبوت کا دعوی کرے یا رسول خدا یا ائمہ عدیٰ یا فاطمہ زہرا میں سے کسی بزرگوار کو گالی دے تو ہر سننے والا اس شخص کو قتل کر سکتا ہے بشرطیکہ اپنی جان و مال یا دوسرے اہل ایمان میں سے کسی کے مال و جان اور عرض و ناموس کے ضیاع کا خوف نہ ہو ورنہ حاکم شرع کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے گا۔ (وھو الانسب)

مسئلہ ۳۔ اگر کوئی شخص مجبوری یا کسی کے جبر و اکراہ کے تحت مذکورہ بالا ضروریات دین میں سے کسی ضروری دین کا انکار کرے یا موجب کفر امور میں سے کسی امر کا ارتکاب کرے تو اس سے ارتداد ثابت نہ ہوگا اور اگر کوئی شخص کسی ایسے عذر کا دعوی کرے جو اس کے حق میں ممکن ہو تو اس کا یہ عذر قابل سماعت ہوگا۔

مسئلہ ۴۔ مرتد کا بچہ یا وہ نومولود جس کا نطفہ باپ کے اسلام کی حالت میں منعقد ہوا ہو مگر پیدا باپ کے مرتد ہونے کے بعد ہو وہ مسلمان متصور ہوگا جب تک خود بڑا ہو کر اسلام کا انکار یا کفر کا اقرار نہ کرے۔

مسئلہ ۵۔ مرتد ہونے کے بعد اس کی اپنی مسلمان لڑکیوں پر ولایت ختم ہو جاتی ہے اور وہ اس کی اجازت کے بغیر عقد کر سکتی ہیں۔

مسئلہ ۶۔ مرتد کا مال ورثہ میں بطور قانون وراثت تقسیم کر دیا جائے گا۔

مسئلہ ۷۔ مرتد کی عورت عدت وفات گزار کر دوسری جگہ عقد نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ العالم

جادوگر کی حد

جادو کی حقیقت کیا ہے؟ اور آیا یہ کہ اس کے اندر کوئی واقعی تاثیر ہے یا یہ صرف فریب نظر ہے اور اس میں قوت خیالیہ کی کرشمہ سازی کار فرما ہے؟ اس موضوع پر اسی جلد کے باب التجارۃ کے مکاسب محرمہ کے ضمن میں مفصل بحث کی جا چکی ہے اس لئے اس موضوع پر یہاں مزید خامہ فرسائی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جادو کرنا گناہان کبیرہ میں سے ہے اور اگر جادوگر مسلمان ہو اور اس کا جادو کرنا دو عادل گواہوں کی شہادت یا مقررہ شرائط کے ساتھ اس کے اپنے اقرار سے ثابت ہو جائے تو اس کی شرعی حد قتل ہے یعنی جادوگر واجب القتل ہے اور اگر کافر ذمی ایسا کرے تو اس پر تعزیر لگائی جائے گی۔

تعزیرات شرعیہ کا بیان

اب جبکہ بفضلہ تعالیٰ حدود شرعیہ کا بیان ختم ہو چکا تو اب ذیل میں تعزیرات شرعیہ کا بقدر ضرورت تذکرہ کیا جاتا ہے سو مخفی نہ رہے کہ تعزیر کے لغوی معنی (تادیب) کے ہیں اور شرعاً اس اہانت اور سزا کو کہتے ہیں جو کسی ایسے گناہ کے مرتکب کو دی جاتی ہے جس کی شرعاً کوئی حد مقرر نہ ہو اس باب کی ابتداء میں بیان کیا جا چکا ہے کہ سزا کے اعتبار سے گناہ کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ جن کی قرآن و سنت میں سزا معین کر دی گئی ہے (ان کو حدود کہا جاتا ہے) اور دوسری قسم وہ ہے جن کی سزا اس طرح معین نہیں ہے بلکہ جرم مجرم زمان و مکان وغیرہ حالات کی نوعیت کے مطابق وہ حاکم شرع کی صوابدید کے مطابق ہوتی ہے ان کو تعزیرات کہا جاتا ہے اس بات کی تحقیق کہ یہ سزا کس قدر ہونی چاہئے اور کس گناہ پر؟ اگرچہ سابقہ بیان سے ان دونوں سوالوں کے جوابات مل جاتے ہیں تاہم مزید وضاحت کی خاطر یہاں صرف اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ مشہور یہ ہے کہ اس کی کم از کم مقدار کی کوئی حد مقرر نہیں ہے البتہ زیادتی والی جانب میں یہ شرط ہے کہ اس گناہ کا گناہ کی جس نوع سے تعلق ہے اس کی حد والی صنف سے زیادہ یا اسکے برابر نہ ہو بلکہ اس سے کمتر ہو جیسے زنا کے مقدمات (از قسم بوس و کنار وغیرہ) کی تعزیر خود زنا کی کمترین حد یعنی سو دروں سے نہ زیادہ ہو اور نہ برابر بلکہ کمتر ہو اس طرح عام دشنام طرازی کی تعزیر قذف و (تہمت زنا) کی حد (اسی تازیانے) سے نہ زائد ہو نہ برابر بلکہ اس سے کمتر ہو۔

اسی طرح بھنگ و چرس کی تعزیر شراب کی حد اسّی کوڑے سے کم تر ہونی چاہئے یہی قول کئی روایات اہلبیتؑ سے مستفاد ہوتا ہے۔ لہٰذا لا یخلو عن القوۃ لیکن احوط یہ ہے کہ علی الاطلاق جو کسی بھی گناہ کی کم از کم حد ہے (اور وہ ہے چالیس تازیانے جبکہ شراب پینے والا یا تہمت زنا لگانے والا غلام ہو) تعزیر کو اس سے زیادہ یا اس کے برابر نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس سے کمتر ہونا چاہئے۔ واللہ العالم

اور دوسرے امر کا ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو کسی ایسے فعل واجب کو عمداً" ترک کرے یا فعل حرام کا عمداً" ارتکاب کرے جس کی شرعاً" کوئی حد مقرر نہ ہو تو اس پر تعزیر لگائی جائے گی۔ اکثر فقہاء اسکی دو چار مثالیں دے کر باقی تفصیلات کو نظرانداز کر دیتے ہیں البتہ سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ "الحدود و التعزیرات" میں تعزیرات کی مختلف انواع و اقسام کا استقصاء و احصاء کیا ہے اس لئے ہم زیادہ تر اسی رسالہ کی شاداب روشوں سے اور کچھ دیگر کتب سے جیسے شرح تکملۃ المنہاج آیت اللہ الخوئی وغیرہ سے استفادہ کرتے ہوئے تعزیرات کی وہ تفصیلات درج کرتے ہیں۔ واللہ سبحانہ ولی التوفیق (کن لوگوں پر تعزیر جاری کی جائے گی ؟)

قسم اول۔ اگر کوئی شخص کسی ایسے حیوان کے ساتھ بد فعلی کرے جو شرعاً" حلال گوشت ہے اور اس کا گوشت کھایا بھی جاتا ہے۔ جیسے بھیڑ بکری/ گائے بھینس وغیرہ تو اس پر چند آثار مترتب ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ بنا بر مشہور فاعل پر مصلحت کے مطابق تعزیر جاری کی جائے گی۔ ایک روایت میں اسے قتل کرنا بھی وارد ہے جسے فقہاء نے تعزیر کے بعد تیسری یا چوتھی بار اس جرم کے مجرم پر محمول کیا ہے۔

دوم۔ ان حیوانات کا اور ان کے ان بچوں کا جو اس فعل کے بعد پیدا ہوں گے۔ گوشت اور دودھ حرام ہو جاتا ہے۔

سیوم۔ اس فعل کی شناعت ظاہر کرنے اور لوگوں کو حرام خوری سے بچانے کے لئے اس حیوان کا ذبح کر کے آگ میں جلانا واجب ہے۔

چہارم۔ اگر وہ حیوان خود اس مجرم کا تھا تو فبہا۔ ورنہ اس کی قیمت کی ادائیگی مجرم پر لازم ہے۔ اور اگر وہ حیوان سواری والا ہے جیسے گھوڑی۔ گدھی۔ اور خچر وغیرہ تو ان کو ذبح نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ان کو اس شہر سے باہر نکال دیا جائے گا۔ جس میں اس جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے اب حیوان اگر کسی اور کا ہے تو اس کی قیمت اس کے مالک کے حوالے کی جائے گی۔ اور اگر اس کا اپنا ہے تو خود

اس کو دی جائے گی۔ اور اسے تعزیر بھی لگائی جائے گی۔ مخفی نہ رہے کہ یہ جرم دو عادل مرد کی گواہی یا مقررہ شرائط کے ساتھ اس کے اپنے اقرار سے ثابت ہوتا ہے۔ لیکن حیوان کسی اور کا ہے تو پھر اس کے اقرار سے سوائے تعزیر کے دوسرے وہ آثار ثابت نہ ہونگے۔ جو اوپر مذکور ہیں۔ ملخصاً

(۲) جو شخص ماہ رمضان میں بحالت روزہ اپنی عورت سے مباشرت کرے۔ اگر دونوں راضی ہوں تو قضا و کفارہ کے علاوہ دونوں پر تعزیر بھی لگائی جائے گی۔ (اور وہ بناء بر مشہور ۲۵/۲۵ تازیانے ہے) اور اگر مرد نے جبراً" ایسا کیا ہو تو پھر عورت کی تعزیر بھی مرد پر جاری کی جائے گی۔ یعنی اسے پچاس درے مارے جائیں گے۔ (جو اس سے کم و زیاد بھی ہو سکتے ہیں)

(۳) جو شخص آزاد عورت کی موجودگی میں کنیز سے نکاح کرے یا مسلمان عورت کی موجودگی میں ذمیہ عورت سے عقد کرے اسے زنا کی حد کے آٹھویں حصے (یعنی ساڑھے بارہ درے مارنے) کی تعزیر جاری کی جائے گی۔

(۴) اگر دو مرد ننگے زیر لحاف پائے جائیں تو ان پر تعزیر جاری کی جائے گی۔

(۵) اگر اجنبی مرد و عورت زیر لحاف پائے جائیں تو ان پر بھی تعزیر جاری کی جائے گی۔

(۶) اگر دو اجنبی عورتیں بحالت برہنگی زیر لحاف پائی جائیں تو ان پر تعزیر جاری کی جائے گی۔

(۷) اگر کوئی شخص از روئے شہوت کسی لڑکے یا عورت کا بوسہ لے تو اس پر تعزیر جاری کی جائے گی۔

(۸) جو شخص زنا و لواطت کا چار بار سے کم تر بار اقرار کرے تو اس پر تعزیر جاری کی جائے گی۔

(۹) جو کسی ایسے شخص کو گالی دے جو توہین کا مستحق نہ ہو۔ اس پر تعزیر لگائی جائے گی۔ اور اگر دونوں ایک دوسرے کو گالیاں دیں تو پھر دونوں پر تعزیر جاری کی جائے گی۔

(۱۰) جو شخص اپنی عورت سے کہے کہ میں نے تجھے باکرہ نہیں پایا اس پر تعزیر لگائی جائے گی۔

(۱۱) اگر کافر جادو کرے۔

(۱۲) بچہ یا دیوانہ شراب پیے

(۱۳) جو شخص شراب فروشی کرے۔

جو شخص چھپ کر نہیں بلکہ سینہ زوری سے کسی کا مال چھین لے۔

(۱۵) جو جھوٹی تحریروں سے لوگوں کا مال لوٹے اس سب پر تعزیر جاری کی جائے گی۔

(۱۶) ایک قول کے مطابق جو شخص بھنگ و چرس خود پئے یا دوسرے کو کھلائے پلائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر شراب نوشی والی حد جاری کی جائے گی۔

(۱۷) جو شخص اس طرح مشت زنی کرے کہ اسکی منی خارج ہو جائے اس پر بھی تعزیر جاری کی جائے گی۔

(۱۸) جو شخص اپنے غلام کو قتل کر دے اس پر بھی تعزیر جاری کی جائے گی۔ اور اس کے علاوہ اس پر کفارۂ قتل اور غلام کی قیمت بطور صدقہ ادا کرنا بھی واجب ہو گی۔

(۱۹) اگر کوئی مسلمان کافر ذمی کو قتل کرے تو اس پر دیت ادا کرنے کے علاوہ تعزیر بھی لگائی جائے گی۔

(۲۰) جو شخص عمداً وہاں بیٹھے جہاں شراب نوشی کی جارہی ہو۔

(۲۱) جو شخص بغیر چھلکا والی مچھلی کھائے یا فروخت کرے اس پر بھی تعزیر جاری کی جائے گی۔ اور یہی حکم حرام گوشت حیوان یا حلال گوشت کے حرام اجزاء کھانے یا فروخت کرنے کا ہے اور اگر بار بار ایسا کرے تو تیسری مرتبہ قتل کر دیا جائے گا۔

(۲۲) جو شخص اپنی زوجہ یا کنیز یا متعہ سے بحالت حیض و نفاس عمداً مباشرت کرے۔

(۲۳) جو شخص خالہ یا پھوپھی کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر باوجود عدم جواز کے علم رکھنے کے اس کی بھانجی یا بھتیجی سے عقد کرے۔

(۲۴) اگر نابالغ بچہ یا دیوانہ زنا یا لواطت کرے۔

(۲۵) جو شخص کسی عورت کے سر کے بال مونڈے۔ ایک روایت میں وارد ہے کہ تعزیر کے علاوہ اگر عورت کے دوبارہ بال اگ آئے تو صرف اس کا مہرالمثل ادا کرنا پڑے گا۔ ورنہ اس کی پوری دیت بھی ادا کرنا پڑے گی۔

(۲۶) جو شخص کسی واجب عبادت کو ترک کر کے اس پر اصرار کرے (یعنی بار بار ترک کرے)

(۲۷) جو شخص کسی فعل حرام کا ارتکاب کرے اور پھر اس پر اصرار کرے۔

(۲۸) جو شخص خانہ خدا کعبہ میں پاخانہ یا پیشاب کرے (العیاذ باللہ) اسے حرم سے باہر لے جا کر قتل کر دیا جائے گا۔ اور اگر مسجد الحرام میں یہ حرکت کرے تو اسے سخت تعزیر کے شکنجہ میں جکڑا جائے گا۔

(۲۹) سود خور پر بھی تعزیر لگائی جائے گی۔

(۳۰) جو شخص جھوٹی گواہی دے اس پر تعزیر بھی لگائی جائے گی اور جب تک علی رؤوس الاشہاد اپنی تکذیب کر کے توبہ نہ کرے اس وقت تک اس کی آئندہ شہادت بھی قبول نہیں کی جائے گی۔

(۳۱) اگر کوئی شخص وہ گناہ جس پر حد جاری ہوتی ہے کسی مقدس مکان جیسے مسجد یا کسی امامؑ کے مشہد یا کسی متبرک زمان جیسے شب و روز جمعہ و عیدین وغیرہ میں کرے تو حد کے علاوہ حاکم شرع اس پر مناسب تعزیر بھی جاری کرے گا۔

(۳۲) اگر کوئی کافر ذمی کسی مسلمان پر تہمت زنا لگائے تو اس کی شرعی حد (اسی کوڑوں) کے علاوہ ایک کم اسی تازیانے حرمت اسلام کی وجہ سے بطور تعزیر بھی اسے لگائے جائیں گے اور علاوہ بریں اس کا سر مونڈ کر اسے اس کے اہل دین میں پھرایا بھی جائے گا تاکہ پھر دوسروں کو ایسا کرنے کی جرات نہ ہو۔ (جیسا کہ ایک روایت معتبرہ میں وارد ہے)

(۳۳) جو شخص کسی مسلمان کی ہجو کرے۔

(۳۴) اگر کوئی شخص بغیر تفحص و جستجو کے کسی شوہر دار عورت سے نکاح کرے تو اس پر کوتاہی کی وجہ سے تعزیر جاری کی جائے گی۔

(۳۵) اگر آزاد و غلام دونوں کسی آدمی کے قتل میں شریک ہوں اور مقتول کا والی آزاد کو قصاص میں قتل کرنا اختیار کرے تو حاکم شرع غلام پر تعزیر جاری کرے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ جناب امیر علیہ السلام تین قسم کے لوگوں کو انکی بدی اُور نکال اور ایمان کی حفاظت کی خاطر قید کرتے تھے۔ (۱) جاہل طبیب (۲) مفلس کرایہ دار (۳) فاسق و فاجر عالم دین۔

مخفی نہ رہے کہ جن امور کی وجہ سے تعزیر جاری ہوتی ہے وہ دو عادل مردوں کی شہادت یا خود مجرم کے اقرار سے ثابت ہوتے ہیں اگرچہ ایک بار ہی ہو۔

توضیح

کئی روایات میں وارد ہے کہ بچہ کو بطور تادیب پانچ چھ تازیانے تک اور غلام کو دس تازیانہ تک اور طفل مکتب کو تین تازیانہ تک مارنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (وسائل الشیعہ وغیرہ) واللہ العالم بحقائق احکامہ او نوابہ القائمون مقامہ فی معالم حلالہ و حرامہ

تم باب الحدود التعزیرات والحمد للہ رب العالمین

باب القصاص

(ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب)

قتل نفس محترمہ نہ صرف یہ کہ گناہان کبیرہ میں سے ہے بلکہ تمام سماجی و معاشرتی گناہوں میں سے سخت و سنگین تر گناہ ہے اور اس کی روک تھام پر انسانی جان کا تحفظ موقوف ہے اور اس کے انسداد کا انحصار شرع کی حدود و قصاص کے اجراء پر ہے چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ **ومن یقتل مومنا متعمدا فجزائہ جہنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعدلہ عذابا عظیما"** **(پ ۵ س نساء ع ۱۰)**

"اور جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر خدا تعالی کا قہر و غضب ہے اور اس کی لعنت اور اس نے اس کے لئے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

چونکہ قتل کے اثرات بڑے دوررس ہوتے ہیں اور بعض اوقات پورے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ **من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فقد قتل الناس جمیعا"** "جس نے ایک نفس کو بلا وجہ قتل کیا اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کردیا۔ اسی بناء پر اس کی دنیوی اور اخروی سزا بھی بہت سخت مقرر کی گئی ہے جناب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں مجھے اس خدائے قادر کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر زمین و آسمان کی تمام مخلوق کسی مومن کا خون ناحق بہانے میں شریک ہو جائے تو خدائے قہار سب کو ناک کے بل اوندھا آتش جہنم میں جھونک دے گا۔ (بحار الانوار ج ۱۷)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "جو شخص کسی مومن کے قتل میں نصف کلمہ کے ساتھ بھی اعانت کرے تو بروز قیامت اس کی دو آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا کہ یہ رحمت خداوندی سے ناامید ہے (ایضاً") کسی آدمی کے قتل سے اگرچہ معاشرہ کی بہت سی کڑیاں متاثر ہوتی ہیں مگر اس کا سب سے زیادہ براہ راست اثر مقتول کے اولیاء پر پڑتا ہے وہی سب سے زیادہ اس سے متاثر ہوتے ہیں اور نقصان اٹھاتے ہیں اور چونکہ اسلامی شریعت عقل و فطرت کے عین مطابق ہے اس لئے وہ نہ صرف یہ کہ انسانی مفادات کا تحفظ کرتی ہے بلکہ ان کے نقصانات کا ازالہ بھی کرتی ہے اس لئے اس نے مقتول کے اولیاء کو تین باتوں میں سے ایک

کا اختیار دیا ہے۔ (۱) قاتل کو قصاص میں قتل کریں۔ (۲) یا اس سے دیت (خون بہا) لیں۔ (۳) یا اسے معاف کردیں۔ ارشاد قدرت ہے۔ "ذلک تخفیف من ربکم ورحمۃ" یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے کیونکہ اہل توراۃ کو صرف قصاص کا حکم دیا گیا تھا اور ان کو دیت لینے اور معاف کرنے کے حق سے محروم کردیا گیا تھا مگر شریعت اسلامیہ سہلہ میں مذکورہ بالا تین چیزوں میں سے ایک چیز کے اختیار کرنے کی سہولت دی گئی ہے تاکہ اگر وہ طبعی اور فطری رجحانات کے مطابق قاتل سے قصاص اور انتقام لینا چاہیں تو وہ لے لیں یا اگر کسی مصلحت کی بناء پر قصاص سے دستبردار ہو کر دیت و خون بہا لینا چاہیں تو وہ لے لیں اور اگر اعلیٰ اخلاقی و روحانی اقدار کو ملحوظ رکھتے ہوئے فطری اور طبعی خواہشوں کے خلاف اسے معاف کرنا چاہیں تو معاف کردیں۔ واللہ یحب المحسنین

قتل کے تین اقسام اور انکی تعریف کا بیان

قتل کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) قتل عمد (۲) قتل شبہ عمد (۳) قتل خطاء۔ اکثر محقق فقہاء کے قول کے مطابق ان کی تعریفات یہ ہیں۔

(۱) قتل عمد یہ ہے کہ کوئی عاقل و بالغ آدمی بقصد قتل کسی شخص کو مارے عام اس سے کہ جس آلہ سے مارے وہ غالباً" قتل کنندہ ہو یا نہ ہو۔ یا کو قتل کرنے کا قصد تو نہ ہو۔ مگر کام ایسا کرے جو غالباً" قتل کنندہ ہوتا ہے اوروہ قتل بھی ہو جائے۔ الغرض قتل عمد کا دارو مدار دو چیزوں پر ہے۔ (۱) بارادہ قتل کوئی کام کرنا (۲) یا بلا ارادہ قتل وہ اقدام کرنا جس کا نتیجہ غالباً" اور عادۃ" موت کی صورت میں نکلتا ہے۔

۲۔ شبہ عمد یہ ہے کہ کسی شخص کو ارادۃ" مارا پیٹا جائے لیکن نہ اس حد تک کہ وہ مار قاتل ہو اور نہ ہی قتل کرنے کا ارادہ ہو لیکن وہ مضروب اس ضرب سے قتل ہو جائے۔

(۳) اور قتل خطا یہ ہے کہ قاتل سرے سے مقتول کے مارنے کا ارادہ ہی نہ رکھتا ہو۔ مثلاً" وہ کسی شکار کو تیر یا بندوق مارے اور لگ کسی آدمی کو جائے اور وہ مرجائے یا کسی کا پاؤں پھسل جائے اور وہ کسی دوسرے شخص پر گر پڑے جس سے اس آدمی کی موت واقع ہو جائے۔

قتل کے ان اقسام کے مخصوص احکام کا بیان

قتل عمد کا حکم قبل ازیں بیان ہوچکا ہے کہ اس میں مقتول کے وارثوں کو تین امور میں

سے کسی ایک کے اختیار کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ (۱) قصاص میں قاتل کو قتل کرنا۔ (۲) اس سے دیت لینا (۳) بالکل معاف کر دینا اور قتل شبہ بہ عمد کا حکم یہ ہے کہ قاتل پر دیت (خون بہا) اور کفارہ (ایک غلام آزاد کرنا اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو دو مہینے کے روزے رکھنا) واجب ہوتا ہے اور قتل خطاء میں صرف دیت ادا کرنا واجب ہوتی ہے اور وہ بھی نہ قاتل پر بلکہ اس کی عاقلہ

قتلِ عمد! چنانچہ قتل عمد کے بارے میں خداوند عالم فرماتا ہے۔ "یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم القصاص الحرّ با لحر وا لعبد با لعبد والا نثی بالا نثی فمن عفی لہ من اخیہ شئی فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان ذلک تخفیف من ربکم ورحمۃ فمن اعتدی بعد ذلک فلہ عذاب الیم (پ ا س بقرہ ع)

اے ایمان والو! مقتولوں کا قصاص لینا تم پر فرض کیا گیا ہے آزاد کے بدلے آزاد' غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت اور اس کے بھائی کی طرف سے اس کو معاف کردیا جائے تو عمدہ طریقے کی پیروی کی جائے اور احسان و نیکی کے ساتھ (دیت) ادا کی جائے۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے اور اس کے بعد جو کچھ کوئی زیادتی کرے اس کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں مقتول کے ولی اور خود قاتل کو بڑی اچھی نصیحت کی گئی ہے یعنی مقتول کے ولی کو چاہئے کہ وہ قاتل سے سختی نہ کرے بلکہ اس کے سامنے معقول انداز میں اپنا مطالبہ پیش کرے اسی طرح قاتل پر بھی لازم ہے کہ وہ خون بہا پیش کرنے میں آدمیت کا ثبوت پیش کرے اور بے جا ٹال مٹول سے کام نہ لے۔

قتل خطاء (یعنی شبہ بہ عمد) اس سلسلہ میں ارشاد ہے۔ ومن قتل مومنا خطأً فتحریر رقبۃ مومنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اہلہ الا ان یصدقوا فان کان من قوم عدولکم وھو مؤمن فتحریر رقبۃ مومنۃ وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اہلہ وتحریر رقبۃ مومنۃ فمن لم یجد فصیام شہرین متتا بعین توبۃ من اللہ و کان اللہ علیما حکیما۔ (پ ۵ س نساء ع)

یعنی جس نے کسی مومن کو خطا اور غلطی سے قتل کیا ہو تو ایک مومن غلام کو آزاد کیا جائے اور اس کے وارثوں کو پوری دیت ادا کی جائے۔ سوائے اس کے کہ وہ معاف کردیں اگر مقتول کا تعلق تمہارے دشمن سے ہو مگر وہ مومن ہو تو ایک غلام آزاد کردیا جائے اور اگر اس

(مقتول) کا تعلق ایسی قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے تو اس کے وارثوں کو پوری دیت ادا کی جائے اور ایک مومن غلام آزاد کیا جائے اور جس کے لئے یہ ممکن نہ ہو تو وہ مسلسل دو مہینے کے روزے رکھے۔ اللہ علیم و حکیم ہے"

قتل عمد کے مختلف اقسام کا بیان

قتل عمد کئی طرح متحقق ہو سکتا ہے جس کی تفصیل بقدر ضرورت یہ ہے

۱۔ بارادہ قتل وہ اقدام کیا جائے جو غالباً" قاتل ہوتا ہے جیسے کسی شخص کی گردن پر تلوار ماری جائے یا پیٹ میں خنجر گھونپا جائے۔

۲۔ اگرچہ قتل کا ارادہ نہ ہو مگر کام وہ کیا جائے۔ جو غالباً" موجب قتل ہوتا ہے جیسے کسی کو (گو بعنوان تعلیم و تادیب سہی) ہزار کوڑے لگائے جائیں یا بلند چھت سے کسی کو بغیر ارادۂ قتل گرایا جائے۔

۳۔ قتل کا ارادہ تو ہو مگر کام وہ کرے جو غالباً" باعث قتل نہیں ہوتا جیسے کسی کو بارادۂ قتل چھوٹا سا ڈھیلا یا پتھر مارا جائے مگر اتفاقاً" اس سے وہ شخص جاں بحق ہو جائے۔

۴۔ کسی رسی یا ہاتھ سے کسی شخص کا گلا گھونٹا جائے اور اس وقت تک رسی نہ کھولی جائے یا ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ جب تک وہ آدمی مر نہ جائے یا اس حال میں اسے چھوڑا جائے کہ اس کا سانس رک چکا ہو اور پھر اسی صدمہ سے مر جائے۔

۵۔ کسی شخص کو قید کرکے اس کا آب و دانہ بند کر دیا جائے اور اتنی مدت تک اسے بند رکھا جائے جتنی مدت تک اس جیسا آدمی زندہ نہیں رہ سکتا اور وہ اس کی تاب نہ لا کر جاں سپار ہو جائے۔

۶۔ کسی شخص کو اس طرح اذیت پہنچائی جائے کہ وہ اس کی وجہ سے بیمار ہو جائے اور پھر اس بیماری کے نتیجہ میں رہ گذار عالم بقا ہو جائے۔

۷۔ کسی شخص کو عمداً" آگ یا دریا میں پھینکا جائے جس سے نکلنے پر وہ قادر نہ ہو۔ حتی کہ وہ اسی حال میں مر جائے۔ یا سمندر میں پہنچنے سے پہلے ہی کوئی بڑی مچھلی اسے نگل جائے۔ ہاں اگر وہ نکلنے پر قادر تھا اور عمداً" نہیں نکلا حتی کہ مر گیا تو اس صورت میں قصاص تو بالاتفاق نہیں ہے البتہ دیت میں اختلاف ہے گو اکثر فقہاء کے نزدیک وہ بھی واجب نہیں ہے ہاں اگر اسے کوئی زخم وغیرہ لگے تو اس کی دیت لازم ہوگی۔

۸۔ اگر کسی شخص کو بارادہ قتل آگ سے جلایا جائے یا کسی اور طریقہ سے زخمی کیا جائے تو اگرچہ وہ شخص علاج و معالجہ پر قادر تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا اور مر گیا تو یہ بھی یقیناً" قتل عمد کے زمرہ میں داخل ہے۔

۹۔ کسی کا کوئی عضو بدن کاٹ دیا جائے اور (خون کے بکثرت بہہ جانے کی وجہ سے) اس آدمی کی موت واقع ہو جائے۔

۱۰۔ اپنے آپ کو کسی اتنی بلندی سے کسی پر گرایا جائے جو عادۃً" دوسرے کے لئے مہلک ہوتی ہے اور وہ ہلاک بھی ہو جائے تو گو یہ اقدام بارادہ قتل نہ ہو۔ مگر اسے قتل عمد ہی قرار دیا جائے گا اور اگر بارادہ قتل ایسا نہ کیا جائے اور نہ ہی اتنی بلندی سے اپنے آپ کو گرایا جائے جو غالباً" مہلک ہوتی ہے مگر اس سے وہ شخص مرجائے تو یہ قتل شبہ عمد ہو گا اور اگر اسے وہاں کسی آدمی کی موجودگی کا سرے سے علم ہی نہ ہو مگر اتفاقاً" اس پر گرنے سے کوئی آدمی مرجائے تو یہ قتل خطاء متصور ہو گا۔

۱۱۔ کسی شخص کو بغیر علم و آگہی زہر آلود طعام کھلایا جائے جس سے اس شخص کی موت واقع ہو جائے تو یہ بھی قتل عمد میں داخل ہے ہاں اگر وہ شخص جسے زہر آلود طعام پیش کیا گیا ہے صاحب تمیز و ہوش ہو اور جانتا بھی ہو کہ یہ طعام زہر آلود ہے مگر وہ عمداً" اسے کھا جائے اور حفاظت خود اختیاری نہ کرے، تب کھلانے والے پر قصاص و دیت واجب نہ ہو گی۔

۱۲۔ اگر کوئی شخص لوگوں کی گزرگاہ میں ایسا گہرا کنواں کھودے جس میں گرنے سے غالباً" موت واقع ہو جاتی ہے تو وہ شخص کنویں میں گر کر مرنے والے کا عمدی قاتل سمجھا جائے گا۔ ہاں البتہ اگر کنواں ایسا مہلک نہ ہو تو اب قصاص کا انحصار اس کی نیت پر ہو گا پس اگر اس نے بغرض قتل کھودا ہے تو پھر قصاص لازم ہو گا۔ ورنہ نہیں اسی طرح اگر کنواں (یا گڑھا) تو عام گزرگاہ سے ہٹ کر کھودا گیا ہو مگر کسی حقیقت حال سے ناواقف شخص کو اسی طرف بلائے اور وہ اس میں گر کر مرجائے تو بھی یہ قتل عمد سمجھا جائے گا اور اگر کنواں کوئی کھودے اور اس میں دھکا دے کر کسی کو کوئی اور گرائے تو قصاص دھکا دینے والے سے لیا جائے گا۔

۱۳۔ اگر کوئی شخص کاٹنے والے کتے یا زہریلے سانپ کو کسی کے خلاف بارادہ قتل اکسائے یا اگرچہ بارادہ قتل نہ ہو مگر یہ اقدام غالباً" باعث ہلاکت ہوتا ہو تو یہ بھی قتل عمد متصور ہو گا اور یہی حکم کسی کو شیر کے سامنے پھینکنے کا ہے کہ جس سے آدمی کے لئے راہ فرار باقی نہ رہ جائے

حتیٰ کہ شیر اسے پھاڑ ڈالے۔

۱۴۔ اگر کوئی شخص کسی شخص کو زخمی کرے اور پھر وہ کوئی زہریلی دوا استعمال کر کے ہلاک ہو جائے تو دیکھا جائے گا پس اگر تو زخم ایسا کاری تھا کہ مرنے والا اگر وہ زہریلی دوا استعمال نہ بھی کرتا تو جانبر نہ ہو سکتا۔ تو زخمی کرنے والے کو ہی عمدی قاتل قرار دیا جائے گا اور اگر زخم ایسا نہ تھا بلکہ اسکی موت زہر کے اثر سے واقع ہوئی ہو تو پھر وارث اس سے صرف زخم کا قصاص لے سکے گا اور اگر حقیقت حال معلوم نہ ہو سکے اور بظاہر دونوں چیزوں کے نتیجہ میں موت واقع ہوئی ہو تو پھر وارث کو یہ حق حاصل ہو گا کہ نصف دیت دے کر زخمی کرنے والے کو قصاص میں قتل کرے اور یہی حکم [بالکل یہی] اس صورت کا ہے کہ جب کسی آدمی کو زخمی کوئی کرے اور پھر اسے شیر یا کوئی اور درندہ کاٹے اور وہ مر جائے۔

۱۵۔ اگر کوئی آدمی کسی شخص کے ہاتھ پاؤں باندھ کر وہاں پھینک دے جہاں درندے موجود ہوں اور ظن غالب یہی ہو کہ وہ اس شخص کو چیر پھاڑ کر کھا جائیں گے۔ یا اس پھینکنے والے کا ارادہ یہی ہو تو یہ قتل عمد سمجھا جائے گا۔ ہاں اگر وہ درندوں کی زمین نہ ہو اور نہ ہی ارادہ قتل ہو مگر اتفاقاً درندے اسے کھا جائیں تو پھر فقط دیت ادا کرنا واجب ہوگی اور اسے قتل شبہ عمد قرار دیا جائے گا۔

۱۶۔ اگر دو آدمی مل کر کسی شخص کو بایں طور قتل کریں کہ ایک اسے پکڑے اور دوسرا آلہ قتل کے ساتھ اسے قتل کرے تو پکڑنے والے کو اس کی موت تک حبس دوام میں رکھا جائے گا اور معتبرۂ عمرو بن ابی مقدام کی رو سے قید کرنے سے پہلے اس کے پہلوؤں پر مارا بھی جائے گا اور ہر سال اسے پچاس کوڑے بھی لگائے جائیں گے اور آلہ قتل سے قتل کرنے والے سے قصاص لیا جائے گا اور اگر مذکورہ بالا صورت میں کوئی تیسرا شخص نگرانی کے فرائض انجام دے تاکہ اگر کوئی شخص جائے واردات پر آئے تو یہ قاتلوں کو اسکی اطلاع دے تو اس کی آنکھیں نکالی جائیں گی۔

۱۷۔ اگر کوئی شخص کسی اور آدمی کو حکم دے کہ وہ کسی شخص کو قتل کرے چنانچہ وہ ایسا کر گزرے تو حکم دینے والے کو تا مرگ حبس دوام میں رکھا جائے گا اور فاعل مباشر (اصل قاتل) کو قصاص میں قتل کیا جائے گا جیسا کہ جناب زرارہ کی صحیحہ[لے] اس پر دلالت کرتی ہے۔

لے "عن ابی جعفرؑ فی رجل امر رجلا بقتل رجل فقتله فقال یقتل به الذی قتله ویحبس الامر

اور مشہور یہ ہے کہ اس سلسلہ میں آزاد اور غلام میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی جس آدمی کو کسی کے قتل پر مامور کیا جارہا ہے وہ خواہ آزاد اور عاقل و بالغ ہو یا حکم دینے والے کا غلام ہو۔ بہرحال قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ مگر بعض اعلام عصر نے معتبرہ اسحاق بن عمار اور معتبرہ سکونی [1] کے ساتھ استدلال کرتے ہوئے اور ان سے سابقہ عمومات کو تخصیص دیتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ آقا کے امر اور غلام کے مامور ہونے کی صورت میں آقا کو قتل کیا جائے گا اور غلام کو حبس دوام میں رکھا جائے گا کیونکہ غلام بمنزلہ سیف و سنان صرف آلہ کار ہے اور اصل مجرم آقا ہے۔ واللہ العالم

۱۸۔ اگر کوئی شخص کسی شخص کو کسی آدمی کے قتل پر مجبور کرے اور تعمیل نہ کرنے کی صورت میں خود اسے قتل کردینے کی دھمکی دے تو مشہور و منصور قول یہ ہے کہ اس میں اس مجبور و مکرہ آدمی کے لئے کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے یعنی اسے چاہیے کہ اپنا قتل ہونا گوارا کرلے مگر کسی آدمی کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین نہ کرے کیونکہ خون میں تقیہ روا نہیں ہے بلکہ تقیہ تو شروع ہی مال و جان کی حفاظت کے لئے ہوا ہے تو اس کی آڑ میں کس طرح کسی کا خون بہایا جاسکتا ہے۔

۱۹۔ اگر کوئی شخص کسی طفل غیر ممیز یا دیوانہ کو کسی آدمی کے قتل کا حکم دے اور وہ اسے قتل کردے تو یہاں قصاص آمر سے لیا جائے گا اور فاعل مباشر سے اسکے بچپن اور دیوانگی کی وجہ سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ کیونکہ یہاں سبب (آمر) مباشر (قاتل) سے زیادہ قوی ہے۔

۲۰۔ اگر کوئی آدمی کسی شخص کو کہے کہ مجھے قتل کردے اور وہ اس کے حسب الحکم اسے قتل کردے تو اس آدمی کے ہے فعل حرام ہونے میں تو کوئی کلام نہیں ہے کیونکہ کسی آدمی کو بھی نہ تو اپنے آپ کو تلف کرنے کا حق حاصل ہے اور نہ تلف کرانے کا۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا اس صورت میں قاتل سے قصاص لیا جائے گا یا دیت؟ تو مشہور یہ ہے کہ اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ صرف دیت لی جائے گی اور بعض علماء دیت کے وجوب کو بھی تسلیم نہیں کرتے مگر قصاص کا وجوب بعید نہیں ہے۔ اور اگر وہ یوں کہے کہ مجھے قتل کرو ورنہ میں تجھے قتل

نیز دیکھئے حاشیہ ص ۳۸۴ یقتلہ فی الحبس حتی یموت" (الوسائل الجزء ۱۹ باب ۱۳۔ از ابواب قصاص)

[1] عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال قال امیر المومنینؑ فی رجل امر عبدہ ان یقتل رجلا فقتلہ فقال امیر المومنین وھل عبدالرجل الا کسوطہ او کسیفہ؟ یقتل السید ویستودع العبد السجن (وسائل جزء ۱۹ باب ۱۴ ابواب القصاص)

کروں گا تو اس شق کا حکم شق نمبر ۱۸ والا ہو گا۔

۲۱۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے کہے کہ تو اپنے آپ کو قتل کر دے، تو ظاہر ہے کہ اس طرح اس شخص کو اپنے تئیں قتل کرنا جائز نہیں ہو گا لیکن اگر وہ ایسا کر گزرے تو آیا آمر سے قصاص لیا جائے گا یا نہ؟ اس کی کئی صورتیں ہیں اول یہ کہ مامور طفل غیر ممیز ہو۔ اس صورت میں آمر سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ یہاں سبب قوی تر ہے۔ دوم یہ کہ مامور طفل ممیز یا عاقل و بالغ ہو۔ اس صورت میں آمر سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں مامور کے لئے اپنے آپ کو قتل کرنا جائز نہ تھا لہٰذا اس کا خون رائگاں جائے گا یہ سب کچھ اس صورت میں ہے کہ جب اسے قتل کے حکم پر کوئی دھمکی نہ دی گئی ہو یا اگر دھمکی دی گئی ہو تو یا قتل سے کم کی یا عام قتل کر دینے کی (کہ اس صورت میں اس شخص کے لئے اپنے آپ کو قتل کرنا جائز نہیں ہے) لیکن اگر آمر اسے ایسے قتل کی دھمکی دے جو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے عام قتل سے سخت تر ہو جیسے مثلاً یوں کہے کہ اپنے آپ کو قتل کر دے ورنہ میں قینچی کے ساتھ تیرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کروں گا تو بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اس صورت میں اکراہ ثابت ہو جاتا ہے لہٰذا جبر و اکراہ کرنے والے کو قصاص میں قتل کیا جا سکتا ہے مگر بعض فقہاء اس قصاص کو جائز نہیں سمجھتے بہرحال مسئلہ اشکال سے خالی نہیں ہے۔ واللہ العالم

۲۲۔ اگر کوئی شخص کسی آدمی پر حملہ کر کے اسے مقتول کے حکم میں بنا دے یعنی اس حرب و ضرب سے اس کی حس و حرکت اور شعور و کلام ختم ہو جائے الغرض اس کی موت یقینی ہو چکی ہو۔ کہ کوئی اور آدمی آکر اس کی رگ حیات کو منقطع کر دے یعنی اسے ذبح کر دے تو اس کا قصاص پہلے شخص سے لیا جائے گا اور اس دوسرے آدمی سے میت کا سر کاٹنے والے آدمی کی دیت لی جائے گی اور اگر ہنوز مقتول میں حیات مستقرہ باقی تھی کہ دوسرے نے آکر اس کی شمع حیات کو گل کر دیا تو اس دوسرے شخص سے تو قصاص لیا جائے گا اور پہلے سے زخم کی دیت لی جائے گی۔

۲۳۔ اگر دو شخص کسی آدمی کے قتل میں باہم شریک ہوں بایں طور کہ کوئی اس کا ہاتھ کاٹے اور کوئی پاؤں اور اسکے نتیجہ میں اس کی موت واقع ہو جائے یا دونوں مل کر اسے ضربات لگائیں اور ان ضربات کے نتیجہ میں وہ مر جائے تو اگرچہ ان کی ضربات کی تعداد کم و بیش ہو تاہم وہ دونوں قاتل سمجھے جائیں گے اور مقتول کے ولی کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ دونوں کو قصاص میں

قتل کردے مگر اس صورت میں اسے ہر قاتل کو اس کی نصف دیت ادا کرنا پڑے گی اور اگر ولی صرف ایک کو قتل کرے تو بچنے والا نصف دیت قصاص میں قتل ہونے والے کے ورثہ کو ادا کرے گا۔ اسی تفصیل سے دو سے زائد قاتلوں کے قصاص کا مسئلہ بھی معلوم ہو سکتا ہے۔

اور اگر ان میں سے کسی ایک کا زخم مندمل ہو جائے اور دوسرے کے زخم کی وجہ سے مضروب کی موت واقع ہو تو قصاص صرف دوسرے سے لیا جائے گا اور پہلے سے صرف زخم یا کسی عضو کے قطع کرنے کا قصاص یا اس کی دیت لی جائے گی۔

۲۴۔ اگر دو عورتیں ایک مرد کے قتل میں شریک ہوں تو مقتول کے ولی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دونوں کو قصاص میں قتل کر دے اور دیت بھی کچھ ادا نہ کرے کیونکہ دو عورتوں کی دیت ایک مرد کے برابر ہوتی ہے اور اگر دو سے زیادہ عورتیں کسی مرد کے قتل میں شریک ہوں تو ولی مقتول تمام کو قصاص میں قتل کر سکتا ہے مگر دو سے زائد کی دیت علی الحساب اسے ادا کرنا پڑے گی اور اگر ان میں سے بعض کو قتل کرے مثلاً" اصل قاتل تین تھیں اور ولی صرف دو کو قتل کرے تو تیسری بچ جانے والی پر لازم ہوگا کہ مقتول کی دیت کا ایک ثلث قصاص میں قتل ہونے والی دو عورتوں کے ورثہ کو ادا کرے۔

۲۵۔ اگر ایک مرد اور ایک عورت کسی مرد کے قتل میں باہم شریک ہوں تو مقتول کے وارث کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ دونوں کو قصاص میں قتل کردے مگر اس صورت میں مرد کے ورثہ کو نصف دیت ادا کرے گا اور عورت کے ورثہ کو کچھ نہ دے گا جیسا کہ اسے عورت کو قتل کرنے اور مرد سے نصف دیت کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے اور اگر قصاص میں صرف مرد کو قتل کرے تو عورت پر واجب ہوگا کہ اپنے شریک قتل کے ورثہ کو اسکی نصف دیت ادا کرے۔

مخفی نہ رہے کہ جہاں بھی مقتول کے اولیاء اور ورثہ کو قصاص کی صورت میں قاتلوں کو دیت ادا کرنا پڑتی ہے وہاں واجب ہے کہ قاتلوں سے قصاص لینے سے پہلے دیت ان تک پہنچائیں پھر ان سے قصاص لیں۔

۲۶۔ اگر کوئی آزاد اور کوئی غلام دونوں کسی آزاد آدمی کے قتل میں شریک ہوں تو مقتول کے ولی کو یہ حق حاصل ہے کہ دونوں کو قصاص میں قتل کردے مگر اس صورت میں آزاد کی نصف دیت اسے ادا کرنا پڑے گی۔ باقی رہا غلام کی دیت کا مسئلہ تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس کی قیمت مقرر کی جائے گی پس اگر اس کی قیمت آزاد آدمی کی نصف دیت کے برابر یا اس سے کمتر ہو تو پھر اس

کے آقا کو کچھ نہیں ملے گا اور اگر قیمت نصف دیت سے زائد ہوئی تو ولی پر لازم ہوگا کہ وہ زائد مقدار اس کے آقا کو پیش کرے۔

۲۷۔ اگر ایک غلام اور ایک عورت کسی آزاد مرد کے قتل میں شریک ہوں تو ولی دونوں کو قصاص میں قتل کرسکتا ہے بغیر اس کے کہ عورت کے ورثہ کو کچھ دیت پیش کرے اور جہاں تک غلام کا تعلق ہے تو اس کے ساتھ سابقہ شق کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ یعنی اگر اس کی قیمت آزاد آدمی کی دیت کے نصف کے برابر یا اس سے کم تر ہوئی تو اس کے آقا کو کچھ نہیں ملے گا۔ اور اگر نصف سے زائد ہوئی تو اس صورت میں زائد مقدار آقا کو دی جائے گی اور اگر ولی غلام کو قتل کرنے کی بجائے اسے اپنا غلام بنانے پر رضامند ہو تو اس صورت میں اگر اس کی قیمت نصف دیت سے زائد ہوئی تو یہ زائد مقدار اس کے آقا کو پیش کرے گا اور اسے غلام بنا لے گا۔

۲۸۔ اگر کوئی پوری ایک جماعت کسی آدمی کے قتل کرنے یا زخمی کرنے یا اس کا کوئی عضو کاٹنے میں باہم شریک ہو بایں طور کہ ان سب کے فعل سے مقتول کی موت واقع ہو یا اسے زخم لگے یا اس کا عضو قطع ہو تو مقتول کے ورثہ کو سب سے قصاص یا دیت لینے کا حق حاصل ہے کہ یا تو سب کو قصاص میں قتل کردیں مگر اس صورت میں انہیں ایک قاتل کے سوا باقی سب کی دیت قاتلوں کے وارثوں کو ادا کرنا پڑے گی۔ اور دیت لینے کی صورت میں سب سے صرف ایک دیت لیں گے۔ جسے وہ سب مل کر ادا کریں گے۔ مثلاً" دس قاتل ہیں تو قصاص کی صورت میں مقتول کے ورثہ کو نو آدمیوں کی دیت تمام قاتلوں کے ورثہ کو ادا کرنا پڑے گی اور دیت کی صورت میں دسوں قاتل مل کر (ہر ایک قاتل کی دیت کا ۱/۱۰ حصہ) ادا کریں گے اور اگر ولی صرف ایک قاتل کو قصاص میں قتل کرے تو اس کی دیت کے نو حصے (۹/۱۰) اس کے ورثہ کو ادا کرے گا اور وہ یہ مقدار (دیت کے نو حصے) زندہ قاتلوں سے وصول کرے گا اور اگر دو قصاص میں قتل کرے تو دونوں کے وارثوں کو ان کی دیت کے نو نو حصے (۹/۱۰) ادا کرے گا اور زندہ آٹھ قاتلوں سے ایک دیت کے آٹھ حصے (۸/۱۰) وصول کرے گا۔ اس طرح اسے ایک کامل دیت اپنی گرہ سے ادا کرنا پڑے گی۔ و ھکذا اگر مذکورہ بالا صورت میں یعنی دس قاتلوں میں سے پانچ کو قصاص میں قتل کرے تو اسے چار آدمیوں کی مکمل دیت ان قاتلوں کے ورثہ کو دینی پڑے گی اور باقی ماندہ زندہ پانچ قاتلوں سے مقتول کی نصف دیت وصول کرے گا۔ (اس طرح ساڑھے تین

دیتیں اسے ادا کرنا پڑیں گی)

۲۹۔ مکاسب محرمہ میں جادو کی حقیقت کے بارے میں بحث کر کے ثابت کیا جاچکا ہے کہ جادو کے ذریعہ سے کسی چیز کی ماہیت تبدیل نہیں کی جاسکتی اور اگر کوئی جادو گر بظاہر ایسا کرتا ہے تو اس میں قوت خیالیہ کی کرشمہ سازی کار فرما ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی جادو گر اپنے جادو کے زور سے کسی شخص کو بظاہر یہ دکھائے کہ کوئی شیر یا بھیڑیا وغیرہ درندہ اس پر حملہ آور ہو رہا ہے اور وہ آدمی شدت خوف و ہراس سے مرجائے تو جادو گر قاتل متصور ہوگا اور اس سے قصاص لیا جائے گا اور یہی حکم اس صورت کا ہے کہ جب خود جادو گر کسی کو جادو کے ذریعے قتل کرنے کا اقرار کرے۔

۳۰۔ اگر دو شخص حاکم شرع کے پاس گواہی دیں کہ فلاں شخص نے فلاں آدمی کو قتل کیا ہے اور انہی کی شہادت کی بناء پر مقتول کے وارث اس (فرضی قاتل) پر دعوی کر کے قصاص میں اسے قتل کرادیں اور بعد میں معلوم ہو کہ گواہوں نے جھوٹی گواہی دی تھی تو قصاص میں مرنے والے کا قصاص ان گواہوں سے لیا جائے گا اور اگر وارث کو گواہوں کی غلط بیانی کا علم ہو اور پھر بھی فرضی قاتل سے قصاص لیں تو پھر وارث سے اس کا قصاص لیا جائے گا۔

قصاص کے شرائط کا بیان

قصاص کے چند شرائط ہیں جب تک یہ نہ پائے جائیں اس وقت تک قاتل سے قصاص نہیں لیا جاسکتا۔

پہلی شرط

بلوغ

لہٰذا اگر کوئی نابالغ بچہ عام اس سے کہ اس کی عمر دس سال سے کم ہو یا زائد اور عام اس سے کہ اس کا قد پانچ بالشت ہو یا اس سے کم یا زیادہ وہ کسی بالغ کو قتل کرے یا نابالغ کو تو اسے قصاص میں قتل نہیں کیا جاسکتا بلکہ مقتول کی دیت قاتل کی عاقلہ سے لی جائے گی اور اگر کوئی بالغ آدمی کسی نابالغ بچہ کو قتل کردے تو بنابر مشہور قصاص میں اسے قتل کیا جاسکتا ہے مگر یہ صورت اشکال سے خالی نہیں ہے احوط یہ ہے کہ دیت پر مصالحت کی جائے۔ واللہ العالم

دوسری شرط

عقل

اگر کوئی دیوانہ کسی کو قتل کرے عام اس سے کہ مقتول عاقل ہو یا دیوانہ تو اسے قصاص میں قتل نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کی عاقلہ سے دیت لی جائے گی۔ ہاں اگر کوئی شخص عاقل ہونے کی حالت میں کسی کو قتل کرے اور بعد ازاں پاگل ہو جائے تو اس سے قصاص ساقط نہ ہوگا اور اگر کوئی پاگل شخص کسی پر حملہ آور ہو اور وہ شخص اپنا دفاع کرتے ہوئے اسے قتل کردے تو قاتل پر قصاص اور خون بہا واجب نہ ہوگا۔ بلکہ ابوالورد کی روایت باقریہ یا صادقیہ کی بناء پر اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔

تیسری شرط

آزادی اور غلامی میں مساوات

اگر کوئی آزاد آدمی کسی آزاد آدمی کو عمداً قتل کرے تو اسے قصاص میں قتل کیا جاسکتا ہے اسی طرح اگر کوئی آزاد مرد کسی آزاد عورت کو قتل کرے تو مقتولہ کے وارث قاتل کو قصاص میں قتل کرسکتے ہیں بشرطیکہ وہ قاتل کی نصف دیت اس کے ورثہ کو ادا کریں۔ (کیونکہ عورت کی دیت مرد کی نصف دیت کے برابر ہوتی ہے۔)

"مسائل و احکام"

مسئلہ ا۔ اگر کوئی آزاد عورت کسی آزاد عورت کو قتل کرے تو اسے قصاص* میں قتل کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر کوئی آزاد عورت کسی آزاد مرد کو قتل کرے تو بھی مقتول کے وارث اسے قصاص میں قتل کرسکتے ہیں اور اس صورت میں مقتول کے ولی کو عورت کے ولی سے نصف دیت کے مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی آزاد مرد یا کوئی آزاد عورت کسی غلام کو عمداً قتل کرے تو بالاتفاق یہاں غلام کے قصاص میں آزاد مرد یا آزاد عورت کو قتل نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ قاتل پر واجب ہوگا کہ قتل والے دن غلام کی جو بازاری قیمت تھی وہ اس کے مالک کو ادا کرے۔ بشرطیکہ یہ قیمت آزاد آدمی کی دیت سے زائد نہ ہو ورنہ زائد مقدار کی ادائیگی لازم نہ ہوگی اور اگر کوئی آزاد مرد یا

آزاد عورت کسی لونڈی کو قتل کرے تو اس کا حکم بھی بعینہ یہی ہے اور اس سلسلہ میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ غلام اور کنیز "قن" (خالص غلام) ہوں یا مدبر (جن میں اس وجہ سے آزادی کا اک گونہ شائبہ : جاتا ہے کہ ان کے آقا نے اپنی وفات کے بعد ان کو آزادی کی ضمانت دے رکھی ہے) یا مکاتب مشروط ہوں یا مطلق بشرطیکہ ابھی کچھ ادا نہ کیا ہو۔

مسئلہ ۳۔ اگر کوئی آقا اپنے غلام یا کنیز کو عمداً قتل کردے تو اگر وہ غلاموں اور کنیزوں کے قتل کرنے کا عادی اور مشہور قاتل نہیں تو اسے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اسے سخت سو درے مارے جائیں گے اور پھر قید کیا جائے گا اور اس سے مقتول کی قیمت وصول کرکے بیت المال میں داخل کی جائے گی اور اگر وہ عادی قاتل ہے تو پھر اسے قصاص میں قتل کیا جاسکتا ہے جیسا کہ کئی ایک روایات میں وارد ہے۔

مسئلہ ۴۔ اگر کوئی غلام کسی آزاد آدمی کو قتل کرے تو مقتول کے ولی و وارث کو یہ حق حاصل ہے کہ چاہے تو اسے قصاص میں قتل کردے اور چاہے تو اسے اپنا غلام بنالے بہرحال غلاموں کا آقا مقتول کی دیت کا ذمہ دار نہیں ہے ہاں اگر وہ از خود ادا کرنا چاہے اور مقتول کا ولی بھی راضی ہو تو پھر اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مسئلہ ۵۔ اگر کوئی غلام یا کنیز خطاً کسی آزاد آدمی کو قتل کردیں تو ان کے آقا کو یہ اختیار ہے کہ مقتول کی دیت ادا کرکے اپنے غلام یا کنیز کو مقتول کے ورثہ کی گرفت سے آزاد کرادے۔ یا چاہے تو ان کو مقتول کے اولیاء کے حوالہ کردے تاکہ وہ انہیں اپنا غلام یا کنیز بنالیں۔

مسئلہ ۶۔ اگر کوئی غلام کسی غلام کو عمداً قتل کردے تو اسے قصاص میں قتل کیا جاسکتا ہے اسی طرح اگر کوئی کنیز کسی کنیز کو قتل کرے تو اسے بھی قصاص میں قتل کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ ۷۔ اگر کوئی غلام کسی غلام کو خطاء قتل کرے تو اسے قصاص میں قتل نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ قاتل کے آقا کو یہ حق حاصل ہے کہ چاہے تو مقتول کی دیت ادا کرکے اسے مقتول کے ورثہ کے چنگل سے آزاد کرائے یا اسے مقتول کے ولی کے حوالے کردے۔ تاکہ وہ اسے اپنا غلام بنالے یا اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے اپنا حق وصول کرے اب اگر دونوں (قاتل و مقتول) کی قیمت برابر ہو تو فبہا لیکن اگر قاتل کی قیمت مقتول کی قیمت سے زیادہ ہے تو زائد مقدار قاتل کے آقا کو پیش کی جائے گی اور اگر قاتل کی قیمت مقتول کی قیمت سے کمتر ہو تو قاتل کے آقا سے اس کی تکمیل نہیں کرائی جائے گی۔

مسئلہ ۸۔ اگر ایک آقا کے دو غلاموں میں سے ایک دوسرے کو قتل کر دے تو آقا کو یہ حق حاصل ہے کہ چاہے تو قاتل سے قصاص لے اور چاہے تو اسے معاف کر دے۔

مسئلہ ۹۔ اگر کوئی آزاد آدمی دو یا دو سے زائد آزاد آدمیوں کو قتل کر دے تو مقتولین کے اولیاء اسے قصاص میں قتل کر سکتے ہیں اور قاتل کی رضا مندی کے بغیر اس سے دیت کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔

مسئلہ ۱۰۔ اگر کوئی غلام دو آزاد آدمیوں کو یکبارگی قتل کر دے تو مقتولین کے ورثہ کو یہ حق حاصل ہے کہ چاہیں تو اسے مشترکہ طور پر غلام بنا لیں اور اگر ان کو یکے بعد دیگرے قتل کرے اور پہلے مقتول کے وارث اسے اپنا غلام بنا لیں اور بعد ازاں دوسرے آدمی کو قتل کرے تو اب وہ دوسرے مقتول کے وارثوں کا غلام متصور ہو گا اور یہی حکم دو غلاموں کو قتل کرنے کا ہے۔

چوتھی شرط

دین میں مساوات

لہٰذا اگر کوئی مسلمان کسی کافر کو قتل کرے عام اس سے کہ مقتول کافر ذمی ہو یا کافر حربی یا ویسے مسلمانوں کی امان میں ہو تو اس کو اس کے عوض میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اگر کوئی مسلمان کسی ایسے کافر ذمی کو قتل کرے جو اہل کتاب میں سے ہو تو حاکم شرع اس پر تعزیر لگائے گا اور اس سے اس کی دیت دلوائے گا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ قاتل ایسے لوگوں کے قتل کا عادی نہ ہو ورنہ اسے قصاص میں قتل کیا جا سکتا ہے اور اس صورت میں کافر ذمی مقتول کا وارث مسلمان قاتل کی دیت کا زائد حصہ قاتل کے ورثہ کو ادا کرے گا۔ (کیونکہ کافر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے نصف ہوتی ہے) جیسا کہ متعدد روایات میں وارد ہے۔

"مسائل و احکام"

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی کافر ذمی کسی کافر ذمی کو یا کافرہ ذمیہ کو یا کسی اور کافر و کافرہ کو قتل کرے تو اسے قصاص میں قتل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ آخری شق یعنی عورت کو قتل کرنے کی صورت میں اس کے ورثہ دیت کی زائد مقدار قاتل کے ورثہ کو ادا کر دیں۔

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی کافر ذمی کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے تو اسے مقتول کے ورثہ کے حوالے

کیا جائے گا۔ وہ چاہیں تو اسے قصاص میں قتل کردیں اور چاہیں تو اسے غلام بنالیں اور چاہیں تو اسے بالکل معاف کردیں اور اگر اس کا کچھ ملکیتی مال ہو تو وہ بھی قاتل کے ساتھ مقتول کے ورثہ کے حوالے کردیا جائے گا اور اگر وہ غلام بنائے جانے سے قبل اسلام لے آئے تو پھر مقتول کے ورثہ کو صرف اسے قتل کرنے' یا دیت قبول کرنے کا (جب کہ وہ دیت دینے پر آمادہ ہو) یا اسے معاف کرنے کا حق ہوگا کیونکہ اب اسے غلام نہیں بنایا جاسکتا۔

مسئلہ ۳۔ اگر کوئی کافر کسی کافر کو قتل کرنے کے بعد اور قصاص لینے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو اسے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر مقتول اہل ذمہ میں سے ہو تو اس کی دیت اسے ادا کرنا پڑے گی۔

مسئلہ ۴۔ اگر کوئی حلال زادہ کسی حرام زادے کو قتل کردے تو چونکہ والد الزنا محکوم باسلام ہے اس لئے قاتل کو قصاص میں قتل کیا جاسکے گا۔

توضیح = قصاص کے ثبوت کا ضابطہ اور قاعدہ یہ ہے کہ جس پر جنایت کی گئی ہے بوقت جنایت اس کی حالت کا لحاظ رکھا جائے گا۔ لہٰذا اگر کسی مسلمان نے کافر پر جنایت کی اور اپنی موت مرنے سے پہلے وہ کافر مسلمان ہوگیا تو یہاں قصاص نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی آزاد شخص کسی غلام پر جنایت کرے اور وہ جنایت کے بعد اور مرنے سے پہلے آزاد ہو جائے تو ان تمام صورتوں میں قصاص واجب نہ ہوگا۔ ہاں البتہ دیت کی ادائیگی لازم ہوگی۔

مسئلہ ۵۔ اگر کوئی مرتد کسی کافر ذمی کو قتل کرے تو اظہر یہ ہے کہ قصاص میں مرتد کو قتل کیا جاسکتا ہے اسی طرح اگر کوئی ذمی کسی مرتد کو قتل کرے تو اسے بھی قصاص میں قتل کیا جاسکتا ہے ہاں البتہ اگر اسے مسلمان قتل کرے تو اسے قصاص میں قتل نہیں کیا جاسکے گا اور دیت میں اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ وہ بھی ثابت نہیں ہے۔

مسئلہ ۶۔ اگر کوئی شخص قصاص وغیرہ میں واجب القتل ہو تو اگر مقتول کے وارث کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اسے قتل کردے تو مشہور یہ ہے کہ اس قاتل کو قصاص میں قتل کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ ۷۔ جو آدمی زنا و لواطت کی وجہ سے واجب القتل ہوچکا ہو اور کوئی آدمی حاکم شرع کی اجازت کے بغیر اسے قتل کردے تو اگرچہ اس شخص کا یہ اقدام خلاف شرع اور غلط ہے مگر اس پر قصاص یا دیت نہیں ہے۔

پانچویں شرط

مقتول محفوظ الدم ہو

لہٰذا اگر کوئی ایسا شخص ہے جو محدور الدم ہے یعنی اس کا قتل شرعاً" جائز ہے جیسے خدا و رسولؐ اور ائمہ طاہرینؑ کو سب و شتم کرنے والا' مرتد فطری' راہزن' جان و مال اور ناموس پر حملہ آور ہونے کی وجہ سے قصاص یا کسی حد وغیرہ میں واجب القتل ہے اور قاتل کے لئے اس کا قتل جائز ہے وہاں قصاص اور دیت عائد نہیں ہوتی جیسے بنابر مشہور جو شخص اپنی زوجہ کو کسی سے زنا کرتے ہوئے دیکھ لے تو وہ دونوں کو قتل کرنے کا مجاز ہے۔

چھٹی شرط قاتل مقتول کا والد نہ ہو

بناء بریں اگر کوئی باپ عمداً" اپنے بیٹے یا بیٹی کو قتل کردے تب بھی احترام پدری کے تحت اسے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ حاکم شرع صرف اس پر تعزیر جاری کرے گا اور قاتل پر واجب ہے کہ قتل عمد کا کفارہ ادا کرے اور دوسرے ورثہ کو دیت ادا کرے او قتل خطا میں کفارہ کے ساتھ دیت ادا کرے گا مگر اس پر تعزیر جاری نہ ہوگی۔

"مسائل و احکام"

مسئلہ ۱۔ مشہور یہ ہے کہ دادا کا حکم بھی باپ والا ہے یعنی اگر وہ اپنے پوتے کو قتل کرے تو جدی احترام کے تحت اسے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ لیکن اگر کوئی بیٹا اپنے باپ کو قتل کرے یا کوئی اور رشتہ دار کسی نزدیک یا دور کے رشتہ دار کو قتل کرے تو اسے قصاص میں قتل کیا جاسکے گا۔

مسئلہ ۳۔ اگر دو بدبخت فرزندوں میں سے ایک اپنے باپ کو قتل کردے اور دوسرا اپنی ماں کو، تو باپ کا قاتل قصاص میں ماں کے قاتل کو اور ماں کا قاتل باپ کے قاتل کو قتل کرسکتا ہے اور اگر پہلے قتل کرنے میں نزاع ہو (کہ کون کس کو قتل کرے) تو حاکم شرع قرعہ کے ذریعے اس کا فیصلہ کرے گا۔

مسئلہ ۴۔ مشہور بین المتاخرین یہ ہے کہ قصاص کے معاملہ میں نابینا اور بینا میں کوئی فرق نہیں ہے مگر یہ مسئلہ اشکال سے خالی نہیں ہے کیونکہ کئی روایات میں وارد ہے کہ اندھے کا عمد بھی خطا ہے (وسائل الشیعہ) اس لئے اس کی دیت عاقلہ پر ہے جسے وہ تین سال میں بالاقساط ادا کرے گی اور اگر عاقلہ نہ ہو تو پھر خود اس کے مال سے ورنہ بیت المال سے ادا کی جائے گی اور متقدمین میں سے بہت سے فقہاء بھی اس کے قائل ہیں اس لئے احوط یہ ہے کہ دیت پر مصالحت کی جائے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۵۔ اگر کوئی شخص نیند کی حالت میں کسی کو قتل کردے تو اسے قصاص میں قتل نہیں کیا جاسکتا ہے البتہ مقتول کی دیت قاتل کی عاقلہ سے لی جائے گی۔

مسئلہ ۶۔ اگر کوئی شخص نشہ کی حالت میں کسی کو قتل کردے تو آیا اسے قصاص میں قتل کیا جاسکتا ہے یا نہ؟ اس میں اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ ہاں ایسا کیا جاسکتا ہے اور بعض اسکے عدم

جواز کے قائل ہیں بہرحال عمداً" کسی نشہ آور چیز کے استعمال کرنے سے کسی شخص کو قتل کرنے کا خوف دامنگیر ہو اور اس کے باوجود اسے استعمال کرے تو اس صورت میں قصاص کا جواز قوت سے خالی نہیں ہے۔ واللہ العالم

دعوائے قتل اور اس کی کیفیت کا بیان

مدعی میں چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ اس کا دعویٰ مسموع نہ ہوگا۔

اول یہ کہ بالغ ہو۔

دوم یہ کہ عاقل ہو۔

سیوم یہ کہ جس شخص پر قتل کا دعویٰ دائر کیا گیا ہو اس سے اس فعل کا صدور عادۃً ممکن بھی ہو لہٰذا اگر مدعی کسی ایسے شخص کے خلاف قتل کا دعویٰ دائر کرے جو سخت بیمار ہو یا دور دراز سفر پر ہو یا اس قدر جماعت کثیرہ پر دعویٰ کرے جن سب کا کسی کے قتل پر اجتماع عادۃً ممکن نہ ہو تو پھر یہ دعویٰ مسموع نہ ہوگا۔

چہارم یہ دعویٰ تناقض اور اختلاف پر مشتمل نہ ہو مثلاً" اگر پہلے یوں دعویٰ کرے کہ صرف زید نے اس کے آدمی کو قتل کیا ہے اور پھر یہ دعویٰ کرے کہ صرف بکر نے یا بکر نے زید کے ساتھ مل کر اسے قتل کیا ہے تو ایسا دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا۔ واللہ العالم

مسائل و احکام

مسئلہ ا۔ اگر مدعی کسی شخص کے خلاف دعویٰ دائر کرے کہ اس نے چند نامعلوم آدمیوں کے ساتھ مل کر اس کے باپ یا اس کے بیٹے کو قتل کیا ہے تو یہ دعویٰ قابل سماعت سمجھا جائے گا اور اگر اس نے اپنا دعویٰ شرعی طریقہ سے ثابت کردیا تو وہ قاتل کو قصاص میں قتل کرسکے گا اور اس جانی کے ورثہ کو حق حاصل ہوگا کہ وہ دوسرے شرکاء قتل سے ان کے حصص کے مطابق دیت وصول کریں۔

مسئلہ ۲۔ اگر مدعی پہلے کسی پر قتل عمدی کا دعویٰ کرے اور پھر اس سے دست بردار ہو جائے اور قتل شبیہ ،عمد یا قتل خطا کا دعویٰ کرے تو مشہور یہ ہے کہ یہ دعویٰ مسموع ہوگا اور مدعی کو اپنا دعویٰ ثابت کرنا پڑے گا۔

مسئلہ ۳۔ اگر مدعی کسی پر یہ دعویٰ کرے کہ فلاں شخص نے میرے باپ کو قتل کیا ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ عمداً" کیا ہے یا خطاء تو یہ دعویٰ قابل سماعت متصور ہوگا کیونکہ دعویٰ کے مفصل و محرر ہونے کی شرط ثابت نہیں ہے۔

قتل کے ثبوت کے شرعی طریقہ کار کا بیان

قتل کے ثابت کرنے کے شرعاً" تین طریقے ہیں۔ (۱) اقرار' (۲) بینہ' (۳) قسامہ
ذیل میں ہر سہ طریقہ کی بقدر ضرورت وضاحت کی جاتی ہے۔

(۱) اقرار = اقرار کرنے والے میں ضروری ہے کہ (۱) بالغ' (۲) عاقل' (۳) بااختیار (۴) اور آزاد ہو۔ لہذا اگر کوئی عاقل و بالغ و آزاد آدمی بلا جبر و اکراہ بقائی ہوش و حواس یہ اقرار کرے کہ اس نے فلاں شخص کو عمداً" یا خطاءً قتل کیا ہے تو اس کا اقرار نافذ ہوگا اور اس کے اقرار کے مطابق اس سے سلوک کیا جائے گا یعنی عمدی میں قصاص ثابت ہوگا اور خطائی میں اس کے مال سے دیت ثابت ہوگی۔ کیونکہ عاقلہ پر اس وقت دیت کی ادائیگی لازم ہوتی ہے کہ جب قتل خطاء بینہ سے ثابت ہو ورنہ اقرار کی صورت میں خود مقر کے مال سے ادا کی جاتی ہے اور اگر کوئی نابالغ یا مجنون یا مجبور (جبرو تشدد) کے نتیجہ میں یا کوئی غلام اقرار کرے تو ان کے اقرار کا کوئی وزن نہیں ہے۔ ہاں البتہ اگر غلام کا آقا اس کے اقرار کی تصدیق کردے تو پھر یہ اقرار نافذ العمل ہوگا کیونکہ غلام سے آقا کے حق کا تعلق ہوتا ہے اور جب وہ اس کے اقرار کی تصدیق کردے تو پھر وہ نافذ ہو جاتا ہے۔

اقرار کے مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ بناء بر مشہور و منصور ایک بار اقرار کرنا کافی ہے۔ دوبار اقرار کرنا ضروری نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۔ جس آدمی کا سفاہت یا قرضہ کی کثرت کی وجہ سے دیوالیہ نکل جائے اور وہ اپنے مال میں شرعاً" ممنوع التصرف ہو۔ اگر وہ قتل کا اقرار کرے تو اس کا اقرار مسموع ہوگا۔ لہذا اگر وہ اقرار قتل کے متعلق ہے تو اسے قصاص میں قتل کیا جاسکے گا اور اگر قتل خطاء سے متعلق ہے تو دیت اس کے ذمہ واجب الادا ہوگی۔ لیکن مقتول کے ورثہ دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ اس وقت تک شریک نہیں ہوں گے جب تک قرض خواہ خود اس کے اقرار کی تصدیق نہ کریں۔ کیونکہ یہ اقرار دراصل غیر کے حق میں اقرار ہے جو اس کی تصدیق کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ ۳۔ اگر ایک شخص یہ اقرار کرے کہ اس نے عمداً" فلاں شخص کو قتل کیا ہے اور دوسرا یہ اقرار کرے کہ اس نے اس شخص کو خطاء قتل کیا ہے (ظاہر ہے کہ ان دو اقراروں میں سے

ایک تو یقیناً" غلط ہے) تو مقتول کے وارث کو یہ حق حاصل ہے کہ جس کے اقرار کی چاہے تصدیق کرے پھر دوسرے پر اس کا کوئی دعویٰ نہ ہوگا۔

مسئلہ ۴۔ اگر کوئی شخص کسی آدمی کو عمداً" قتل کرنے کا اقرار کرے اور پھر دوسرا شخص اقرار کرے کہ یہ آدمی تو اس نے قتل کیا ہے اور پہلا شخص اپنے اقرار سے منحرف ہو جائے تو مشہور یہ ہے کہ اس صورت میں دونوں سے قصاص اور دیت ساقط ہو جائے گی اور مقتول کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔ مشہور کی سند وہ مشہور واقعہ ہے جو حضرت امیر علیہ السلام کے دور میں پیش آیا تھا کہ ایک قصاب خون آلود چھری سمیت ایک تازہ مقتول کے پاس سے پکڑا گیا اور اس نے اقرار جرم بھی کرلیا اور قبل اس سے کہ اس سے قصاص لیا جاتا۔ ایک اور شخص نے اقرار کرلیا کہ یہ قتل اس نے کیا ہے تب قصاب نے اپنے اقرار سے انحراف کرتے ہوئے اس صورت حال بیان کی اور جناب امیر علیہ السلام نے اس مقدمہ کا فیصلہ جناب امام حسنؑ سے کرایا اور انہوں نے دونوں کو بری الذمہ قرار دے کر بیت المال سے مقتول کی دیت ادا کرنے کا حکم دیا۔ (وسائل الشیعہ)

بعض اعلام نے اس روایت کو بوجہ ضعف سند نظر انداز کرکے اس مسئلہ کا حکم مسئلہ نمبر ۳ والا قرار دیا ہے ہاں البتہ اگر پہلا اقرار کرنے والا اپنے اقرار سے منحرف نہ ہو تو پھر بالاتفاق اس مسئلہ کا حکم مسئلہ نمبر ۳ والا ہوگا۔ واللہ العالم

۲۔ بینہ (گواہ) اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ دو عاقل' بالغ اور عادل گواہوں کی گواہی سے قتل ثابت ہو جاتا ہے اور ایک مرد اور دو عورتوں یا چار عورتوں یا ایک گواہ اور ایک قسم سے وہ قتل جو موجب قصاص ہوتا ہے ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ اس طریقہ سے دیت ثابت ہو جاتی ہے یعنی ایک عورت کی گواہی سے ربع اور دو سے نصف تین سے دو ثلث اور چار کی شہادت سے مکمل دیت ثابت ہو جاتی ہے اسی طرح اس سے وہ قتل جو دیت کا باعث ہوتا ہے جیسے شبیہ عمد یا قتل خطاء یا وہ زخم جن میں قصاص نہیں ہوتا بلکہ صرف دیت واجب ہوتی ہے (جنکی تفصیل بعد ازاں بیان کی جائے گی جیسے ہڈی کا ٹوٹنا یا وہ زخم جو جلد کے اندر تک نہ پہنچا ہو) وہ ثابت ہو جاتے ہیں نیز واضح رہے کہ شہادت میں وہ تمام امور معتبر ہیں جو باب القضاء کے باب الشہادت میں ذکر کیے جاچکے ہیں مثلاً" یہ کہ شہادت چشم دید ہو' اس میں اختلاف نہ ہو بلکہ ایک دوسرے کے موافق ہو لہٰذا اگر ایک گواہی دے کو مقتول کو دن میں قتل کیا گیا اور دوسرا کہے کہ رات میں

یا ایک کہے کہ اسے تلوار سے مارا گیا اور دوسرا کہے کہ اسے تیر سے قتل کیا گیا تو ان کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ اسی طرح ان کی شہادت صریحی ہو یعنی وہ وضاحت کے ساتھ شہادت دیں کہ قاتل نے مقتول پر اس قدر تلوار کے وار کئے کہ وہ مرگیا۔ یا اسے اس قدر مارا پیٹا کہ وہ جاں بحق ہوگیا اور اگر ایک گواہ اپنی چشم دید شہادت دے اور دوسرا یہ کہے کہ قاتل نے اس کے پاس قتل کا اقرار کیا ہے تو اس سے کسی شخص کا قاتل ہونا ثابت نہ ہوگا۔

بینہ کے مسائل واحکام

مسئلہ ۱۔ اگر دو گواہ کسی شخص کے متعلق گواہی دیں کہ اس نے فلاں آدمی کو قتل کیا ہے اور دو اور گواہ کسی اور شخص کے قاتل ہونے کی شہادت دیں تو اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کسے قاتل سمجھا جائے گا؟ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ مقتول کے وارث کو اختیار ہوگا کہ جن گواہوں کی چاہے تصدیق کرکے انکے بیان کردہ قاتل سے قصاص لے اور بعض نے کہا ہے کہ اس صورت میں تعارض بینہ کی وجہ سے دونوں سے قصاص اور دیت ساقط ہو جائے گی اور بعض نے قصاص کو ساقط اور دونوں سے نصف نصف دیت کی ادائگی کو واجب قرار دیا ہے ان اقوال میں سے درمیانہ قول قوت سے خالی نہیں جبکہ کسی بینہ کو کسی پر کسی قسم کی کوئی ترجیح حاصل نہ ہو۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ اگر دو عادل گواہ کسی شخص کے بارے میں گواہی دیں کہ اس نے فلاں شخص کو عمداً قتل کیا ہے اور دوسرا شخص اقرار کرے کہ اس نے اس شخص کو قتل کیا ہے نہ اس نے جس کے متعلق گواہوں نے شہادت دی ہے تو مشہور یہ ہے کہ مقتول کے وارث کو یہ حق حاصل ہے کہ قصاص میں اس شخص کو قتل کرے جس کے متعلق گواہوں نے گواہی دی ہے اور اقرار کرنے والا آدمی صرف نصف دیت قصاص میں قتل ہونے والے شخص کے ورثہ کو ادا کرے۔ نیز وارث کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ اقرار کرنے والے کو قصاص میں قتل کردے نیز اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ دونوں کو قصاص میں قتل کردے مگر اس صورت میں اسے نصف دیت اس شخص کے ورثہ کو ادا کرنا پڑے گی جس کے خلاف دو گواہوں نے گواہی دی ہے اور اگر وارث قصاص سے درگزر کرکے دیت لینے پر راضی ہو جائے تو پھر دونوں نصف نصف ادا کریں گے۔

مسئلہ ۳۔ اگر دو گواہ دو آدمیوں کے خلاف گواہی دیں کہ انہوں نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے

اور وہ دو شخص پلٹ کر یہ گواہی دیں کہ دراصل ان گواہوں نے اس شخص کو قتل کیا ہے (بشرطیکہ ان میں شہادت دینے کے شرائط پائے جاتے ہوں) تو اگر مقتول کا وارث پہلے گواہوں کی تصدیق کرے تو پہلے مبینہ قاتلوں پر قصاص ثابت ہو جائے گا اور ان گواہوں کے خلاف ان ملزموں کی شہادت غیر موثر ہوگی اور اگر وارث پہلے اور پچھلے دونوں قسم کے گواہوں کی تصدیق کردے تو اس کا دعوی ساقط ہو جائے گا اور اس کی وجہ ارباب عقل و فکر پر مخفی نہیں ہے۔

۳۔ قسامہ! قتل کے ثابت کرنے کا تیسرا طریقہ قسامہ ہے یعنی وہ قسمیں جو مدعیان قتل کھاتے ہیں مال وغیرہ کے متعلقہ مقدمات میں قسم بذمہ مدعا علیہ ہوتی ہے اور اگر وہ قسم نہ کھائے تب پلٹ کر مدعی پر آتی ہے لیکن خدائے حکیم نے لوگوں کی جان کی حفاظت کے لئے خون کے معاملہ میں جب کہ گواہ نہ ہوں تو قسم بذمہ مدعی مقرر کی ہے تاکہ فاسق و فاجر لوگ ناحق کسی کا خون بہا کر اور جھوٹی قسم کھا کر اپنی گلو خلاصی نہ کرالیں۔

اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی ایک یا چند آدمیوں پر قتل کا دعوی دائر کرے تو اگر وہ گواہوں سے اپنا دعوی ثابت کردے تو فبہا ورنہ اگر وہاں "لوث" موجود نہیں ہے یعنی وہاں کوئی ایسی علامت موجود نہیں ہے جس سے اس مبینہ شخص کا قاتل ہونا ظاہر ہوتا ہو تو مدعا علیہ کو قسم کھانے کے لئے کہا جائے گا کہ وہ قسم کھائے کہ اس نے قتل نہیں کیا پس اگر وہ قسم کھالے تو اس کے خلاف دعوی ساقط ہو جائے گا اور وہ قسم نہ کھائے تو قسم مدعی پر عائد ہوگی۔ اب اگر اس نے قسم کھالی تو دعوی ثابت ہو جائے گا۔ (مگر اس سے صرف دیت ثابت ہوگی نہ قصاص) اور اگر مدعی بھی قسم نہ کھائے تو اس کا دعوی ساقط ہو جائے گا۔ لیکن اگر بناء بر مشہور دعوی میں "لوث" موجود ہے یعنی وہاں کوئی ایسی علامت موجود ہے جس سے اس شخص کے قاتل ہونے کا نہ صرف امکان بلکہ قوی گمان پیدا ہوتا ہے جیسے یہ کہ وہ مقتول کے قریب خون آلود آلے کے ساتھ پایا گیا ہو، یا اس کے محلہ یا قبیلہ میں وہ شخص قتل کیا گیا اور ان کے درمیان دشمنی بھی ہو، یا ایک عادل مرد اور اس کے ساتھ کچھ کفار یا فساق نے گواہی دی ہو یا کچھ عورتوں اور بچوں نے گواہی دی ہو کہ فلاں شخص قاتل ہے تو اس صورت میں مدعا علیہ سے اپنی برات میں بینہ طلب کیا جائے گا پس اگر اس نے بینہ پیش کردیا تو اس کے خلاف دعوی ختم ہو جائے گا ورنہ مدعی اپنے دعوی کے ثبوت میں اپنی قوم و قبیلہ کے پچاس یا پچیس آدمیوں سے قسم کھلائے گا۔ (قتل کی نوعیت کے مطابق) اور اگر اس کے پاس قسامہ نہ ہو تو مدعا

علیہ اپنی برات پر اس قسم کا قسامہ پیش کرے گا اور اس صورت میں اسکے خلاف دعویٰ ساقط ہو جائے گا اور اگر وہ اس طرح نہ کر سکا تو دعویٰ ثابت ہو جائے گا اور اگر قوم و قبیلہ کا کوئی بھی قسم کھانے والا آدمی موجود نہ ہو تو پھر خود مدعی یا مدعا علیہ پچاس یا پچیس قسمیں کھائے گا۔

قسامہ کے متعلقہ مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ قتل عمد میں بالاتفاق قسامہ کی تعداد پچاس ہے اور شبہ عمد اور قتل خطاء میں اختلاف ہے۔ اشہر و اظہر یہ ہے کہ پچیس ہے جن میں ایک بہرحال مدعی یا مدعا علیہ بھی ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگر مدعی پچاس عدد قسم کھانے والے آدمی پیش کرکے قسم کھلا دے تب تو مسئلہ نصی اور اتفاقی ہے اور اگر پچاس کا عدد کامل نہ ہو تو اگرچہ یہاں کوئی نص موجود نہیں ہے مگر مشہور و معروف یہ ہے کہ جس قدر بھی آدمی ہوں ان سے اس قدر قسمیں کھلائی جائیں کہ پچاس کا عدد مکمل ہو جائے۔ مثلاً اگر قسم کھانے والے دس آدمی ہیں تو وہ جب پانچ پانچ بار قسم کھائیں گے تو پچاس کا عدد کامل ہو جائے گا اور یہی حال مدعا علیہ کا ہے جبکہ اس نے قسامہ پیش کرکے اپنی برات ثابت کرنا ہو۔ واللہ العالم

مسئلہ ۳۔ جس طرح قسامہ سے قتل ثابت ہو جاتا ہے اسی طرح اس سے اعضاء کی جراحت بھی ثابت ہو جاتی ہے اور اعضاء کی جراحت کے قسامہ کی تعداد میں اختلاف ہے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ جن اعضاء کی دیت پوری انسانی دیت کے برابر ہے (اور وہ وہ اعضاء ہیں جن کی تعداد ایک ایک ہے جیسے زبان، ناک اور منہ وغیرہ) وہاں پچاس قسم اور جنکی دیت نصف انسانی دیت کے برابر ہے۔ (اور وہ وہ اعضاء ہیں جن کی تعداد دو دو ہے جیسے آنکھیں، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ جبکہ ان میں سے صرف ایک عضو متاثر ہو) تو وہاں پچیس عدد۔ وعلی ھذا القیاس۔ مگر اشہر و اقویٰ یہ ہے کہ پہلی قسم کے اعضاء میں چھ عدد قسم اور دوسری قسم میں تین عدد قسم کافی ہے۔

مسئلہ ۴۔ مشہور یہ ہے کہ قسامہ سے قصاص اور دیت ہر دو ثابت ہو جاتے ہیں مگر نصوص میں صرف دیت کا تذکرہ ہے اس لئے قسامہ سے اور بالخصوص چند آدمیوں کو مکرر سہ مکرر قسم کھلا کر پچاس کا عدد پورا کرنے سے قصاص ثابت کرنا اشکال سے خالی نہیں ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۵۔ جب مدعا علیہم جن پر قتل کا دعویٰ کیا گیا ہے ایک سے زائد ہوں اور ان کو اپنی برات کی خاطر قسامہ قائم کرنا پڑے تو آیا تمام کے لئے صرف پچاس قسمیں کافی ہیں یا ہر ایک آدمی اپنی

برات کے لئے الگ الگ قسامہ کا انتظام کرے گا؟ اس میں اختلاف ہے مشہور یہی آخری صورت ہے واللہ العالم

مسئلہ ۶۔ اگر مقتول کافر ہو اور اس کا ولی مسلمان پر قتل کا دعوی کرے مگر اس کے پاس بینہ نہ ہو تو آیا یہاں قسامہ قائم ہوگا اور اس کے قسامہ سے قتل ثابت ہو جائے گا یا نہ؟ مشہور یہ ہے کہ ہاں نصوص کے مطلق ہونے کی وجہ سے ثابت ہو جائے گا مگر بعض اعلام نے اس میں اشکال کیا ہے کیونکہ دوسرے بعض نصوص سے استشمام ہوتا ہے کہ یہ صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۷۔ جب کوئی شخص کسی شہر میں یا اس کے قرب و جوار میں قتل ہو جائے اور قاتل کا کوئی سراغ نہ ملے تو تمام اہل دیہہ مل کر اس کی دیت ادا کریں گے اور اگر دو شہروں کے درمیان کوئی شخص قتل ہو تو پھر وہ جس شہر کے زیادہ قریب ہوگا وہ اس کی دیت ادا کریں گے اور اگر بالکل وسط میں ہو تو دونوں باہم مل کر ادا کریں گے۔

مسئلہ ۸۔ اگر کوئی شخص کسی شارع عام یا کسی عمومی پل یا کسی عام گذر گاہ جیسے بازار میں مقتول پایا جائے جہاں اس کا قتل کسی خاص آدمی یا کسی خاص شہر کی طرف منسوب نہ ہو سکے تو اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔

مسئلہ ۹۔ جو شخص کسی آدمی کے قتل میں متہم ہو۔ آیا اسے ثبوت جرم سے پہلے قید کیا جاسکتا ہے یا نہ؟ اس میں اختلاف ہے ایک روایت کی بناء پر بعض فقہاء کا یہ قول ہے کہ اس صورت میں اسے چھ دن تک قید و بند میں رکھا جاسکتا ہے اس دوران اگر مدعی اس کا جرم ثابت نہ کرسکا تو پھر اسے رہا کر دیا جائے گا۔

مسئلہ ۱۰۔ جب مقتول کا وارث مرجائے تو اس کا وارث قسامہ میں اس کا قائم مقام ہوگا۔

مسئلہ ۱۱۔ جب مقتول کے دو وارث ہوں ایک حاضر ہو اور دوسرا غائب یا ایک بالغ ہو اور دوسرا نابالغ اور حاضر یا بالغ کسی پر قتل کا دعوی کرے اور بینہ موجود نہ ہو اور وہ مدعی قسمیں کھالے تو اس سے اس کا دعوی ثابت ہو جائے گا۔ اب اگر غائب نے حاضر ہو کر یا نابالغ نے بالغ ہو کر کوئی اعتراض نہ کیا تو فبہا۔ ورنہ حاضر اور بالغ دیت سے اس دیگر وارث کے حصہ کا ضامن ہوگا۔

مسئلہ ۱۲۔ اگر مدعی بینہ نہ رکھنے کی صورت میں پچاس یا پچیس (قتل عمد یا قتل خطاء کی نوعیت کے مطابق) قسمیں کھا کر اپنا دعوی ثابت کرکے قاتل سے اپنا حق یعنی دیت وصول کرلے اور بعد

میں بینہ قائم ہو جائے کہ یہ شخص قاتل نہیں ہے کیونکہ یہ قتل کے وقت غیر حاضر تھا یا سخت مریض تھا تو قسامہ باطل ہو جائے گا اور مدعی کو وصول کردہ دیت واپس کرنا پڑے گی اور اگر ملزم سے قصاص لے چکا ہے تو اس پر اس کی دیت کی ادائیگی لازم ہوگی۔ واللہ العالم

مخفی نہ رہے کہ قسامہ میں قسم کھانے والے کے لئے جانی کی جنایت کا علم و یقین ہونا ضروری ہے صرف ظن و گمان کافی نہیں ہے کیونکہ علم و یقین کے بغیر قسم نہیں کھائی جاسکتی ہے۔

قصاص کے متعلقہ مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ قتل عمد میں سب سے پہلے قصاص ثابت ہوتا ہے ہاں البتہ اگر مقتول کا وارث اور قاتل دونوں پوری دیت (یا اس سے کم و بیش مال پر) راضی ہو جائیں تو پھر قصاص ساقط ہو جاتا ہے اور بعض علماء قصاص و دیت میں تخییر کے قائل ہیں۔ وھو لا یخلو من وجہ۔

مسئلہ ۲۔ بالاتفاق زن و شوہر ایک دوسرے کے قصاص لینے کے ولی و وارث نہیں ہوتے جب کہ دیت کے مال سے بطور وراثت حصہ پاتے ہیں بلکہ یہ حق صرف نسبی قرابتداروں کو حاصل ہے اور وہ بھی وہ جو مقتول سے ماں باپ دونوں یا صرف باپ کی طرف سے قرابت رکھتے ہوں۔ لہٰذا صرف مادری رشتہ دار جیسے مادری بہن بھائی، خالہ اور ماموں وغیرہ قصاص لینے کے شرعاً حقدار نہیں ہوتے۔ جیسا کہ دیت کے مال سے ان کو میراث بھی نہیں ملتی۔

نیز مشہور یہ ہے کہ قصاص کے اس حق میں مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے بلکہ جو بھی مقتول کی میراث کا حق دار ہے وہ خواہ مرد ہو یا عورت وہ قصاص لینے کا بھی ولی و وارث ہے مگر بعض علماء کے نزدیک ابو العباس کی روایت کی وجہ سے عورتوں کو قصاص لینے یا معاف کرنے کا حق حاصل نہیں ہے مگر یہ روایت ضعیف السند ہونے کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۔ جب قاتل کا جرم شرعاً ثابت ہو جائے تو آیا مقتول کا ولی حاکم شرع کی اجازت کے بغیر اس سے قصاص لے سکتا ہے یا نہ؟ اس میں فی الجملہ اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ حاکم کا اذن ضروری ہے اور بعض فقہاء بغیر اذن قصاص لینے کو جائز سمجھتے ہیں اور یہی قول قوت سے

خالی نہیں ہے کیونکہ نصوص میں اس اذن حاصل کرنے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ ہاں البتہ اولیٰ و احوط یہ ہے کہ حاکم شرع سے اجازت حاصل کرلی جائے۔ بالخصوص اعضاء و جوارح کے قصاص میں۔ تاکہ قانون کو ہاتھ میں لینے کا الزام بھی عائد نہ ہو اور امن عامہ میں خلل بھی واقع نہ ہو۔ (واللہ العالم)

مسئلہ ۴۔ اگر مقتول کا وارث ایک ہو تب تو مسئلہ بلا اشکال ہے مگر کلام اس میں ہے کہ جب ولی متعدد ہوں تو آیا ہر ایک کے لئے دوسروں کی اجازت کے بغیر قاتل سے قصاص لینا جائز ہے یا نہ؟ بعض فقہاء جواز اور بعض عدم جواز کے قائل ہیں بہرنوع احتیاط واجب اسی میں ہے کہ سب کے اتفاق رائے سے ایسا کیا جائے۔ اور اگر کوئی وارث تنہاء یہ اقدام کرگزرے تو بعد ازاں اگر دوسرے وارث اس پر راضی ہو جائیں تو فبہا۔ اور اگر راضی نہ ہوئے تو ان کے حصہ کے مطابق وہ انکو دیت ادا کرنے کا ضامن ہوگا اور اگر بعض وارثوں نے قاتل کو معاف کردیا تو یہ وارث اپنے حصہ کے مطابق اصلی قاتل (جواب قصاص میں قتل ہوچکا ہے) کے ورثہ کو دیت ادا کرے گا۔

مسئلہ ۵۔ جب مقتول کے وارث بعض حاضر ہوں اور بعض غائب یا بعض بالغ ہوں اور بعض نابالغ تو آیا غائب کے آنے یا نابالغ کے بالغ ہونے سے پہلے حاضر یا بالغ وارث قاتل سے قصاص لے سکتا ہے یا اسے غائب کے آنے یا نابالغ کے بالغ ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا؟ اس میں کافی اختلاف ہے مشہور و منصور قول یہ ہے کہ حاضر اور بالغ ایسا کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ اس بات کا ذمہ لے لے کہ اگر غائب آنے یا نابالغ بالغ ہونے کے بعد اس قصاص پر راضی نہ ہوا تو یہ دیت میں سے اس کا حصہ ادا کردے گا۔

مسئلہ ۶۔ اگر مقتول کے وارث متعدد ہوں اور بعض قصاص لینے پر مصر ہوں اور بعض دیت لینے پر جبکہ قاتل بھی دیت ادا کرنے پر رضامند ہو تو آیا اس صورت میں قصاص لینا جائز ہے یا نہ؟ اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے اشہر یہ ہے کہ اس صورت میں قصاص لینا جائز ہے مگر بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اور اسی قول پر روایات صحیحہ دلالت کرتے ہیں اور یہی احوط ہے اور اگر مذکورہ بالا صورت میں بعض ورثہ قصاص لینے پر مصر ہوں اور بعض اسے معاف کردیں تو مشہور یہ ہے کہ اس صورت میں قصاص لینا جائز ہے مگر معاف کرنے والے ورثہ کا دیت میں سے جس قدر جو حصہ ہے وہ قاتل کے ورثہ کو ادا کیا جائے گا۔

مسئلہ ۷۔ اگر کوئی شخص کسی کو عمداً قتل کرے اور مقتول کے ذمہ بہت سا قرضہ واجب الادا ہو تو اس صورت میں مشہور و منصور قول یہ ہے کہ مقتول کے ورثہ کو قاتل سے قصاص لینے یا اسے معاف کرنے یا دیت لینے کا حق حاصل ہے اور اگر دیت لیں تو ان پر واجب ہے کہ اسے مقتول کے قرضہ کی ادائیگی میں صرف کریں اور احوط یہ ہے کہ دیت لئے بغیر معاف نہ کریں اور اگر ایسا کریں تو پھر قرضہ کی ادائیگی کے وہ خود ضامن ہوں گے۔

مسئلہ ۸۔ اگر کوئی شخص پہلے کسی آدمی کا ہاتھ قلم کرے بعد ازاں کسی اور آدمی کو قتل کرے تو مشہور یہ ہے کہ پہلے قاتل کا قصاص میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور اس کے بعد اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا اور اگر وہ شخص جس کا قاتل نے ہاتھ کاٹا تھا اس زخم کے سرایت کرنے سے مر جائے تو بناء بر مشہور جانی کے مال سے اس کی دیت ادا کی جائے گی۔

مسئلہ ۹۔ جب کوئی آدمی ایک سے زائد آدمیوں کو ایک مرتبہ یا یکے بعد دیگرے قتل کرے تو سب مقتولوں کے وارثوں کو اس سے قصاص لینے کا حق حاصل ہے۔ لہٰذا اگر اتفاق سے اسے قتل کردیں تو سب کا حق ادا ہو جائے گا اور اگر بعض قصاص لینے پر مصر ہوں اور بعض دیت لینے پر راضی ہوں۔ (بشرطیکہ قاتل بھی اس پر راضی ہو) تو دیت والے دیت لیں گے اور قصاص والے قتل کریں گے اور یہی حکم اس صورت کا ہے کہ جب ایک مقتول کے وارث اپنا حق معاف کردیں تو اس سے دوسروں کا حق ساقط نہیں ہوگا۔ بلکہ ان کو قصاص یا دیت لینے کا حق حاصل رہے گا۔

مسئلہ ۱۰۔ اگر مقتول کے وارث قاتل کو قصاص میں قتل کرنا چاہیں اور کوئی شخص زبردستی ان سے قاتل کو چھڑا کر لے جائے تو اس شخص کو اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک قاتل کو پیش نہ کرے اور اگر اس اثناء میں قاتل مرجائے یا کسی اور وجہ سے قابو میں نہ آسکے تو اس چھڑانے والے شخص پر دیت کی ادائیگی واجب ہوگی۔

قصاص لینے کی کیفیت اور اس کے آداب

۱۔ حاکم شرع قصاص لینے کے وقت دو عادل گواہ حاضر کرے گا جو قصاص کے مسائل جانتے ہوں۔ تاکہ ان کے روبرو قصاص لیا جائے۔

۲۔ جس آلہ سے قصاص لیا جائے وہ آہنی ہونا چاہئے۔ جیسے تلوار اور اس سے قاتل کی گردن

پر وار کیا جائے اگرچہ قاتل نے کسی اور طریقہ سے قتل کیا ہو۔

۳۔ آلہ قتل کند نہ ہو تاکہ قاتل کو زیادہ اذیت نہ ہو۔

۴۔ آلہ قتل زہر آلود نہ ہو۔ خصوصاً" وہ آلہ جس سے جسمانی اعضاء کے قصاص کا کام لیا جاتا ہو تاکہ زہر جسم میں سرایت نہ کر جائے۔

۵۔ قصاص لینا ولی کا شرعی حق ہے یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ بذات خود لے یا کسی اور کو اجرت پر یا بلا اجرت اپنی طرف سے نمائندہ مقرر کرے' اکثر علماء نے کہا ہے کہ حدود جاری کرنے اور قصاص کا عمل مکمل کرنے کے لئے حاکم شرع کو خاص آدمی مقرر کرنا چاہئے اور اس کے گزر اوقات کا انتظام بیت المال سے کرنا چاہئے۔

۶۔ قصاص لیتے وقت قاتل کا "مثلہ" کرنا (یعنی قتل کے بعد اس کے ہاتھ پاؤں اور ناک و کان وغیرہ کاٹنا) جائز نہیں ہے کیونکہ حدیث میں وارد ہے (کہ انسان تو بجائے خود) کسی حیوان کا بھی مثلہ نہ کرو۔ اگرچہ کاٹنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو۔ (وسائل)

۷۔ حاملہ عورت پر وضع حمل سے پہلے حمل کی رعایت سے حد جاری کرنا یا اسے قصاص میں قتل کرنا جائز نہیں ہے اگرچہ حمل ناجائز ہی کیوں نہ ہو۔

۸۔ اگر قاتل یا جانی کہے کہ تم مجھے چھوڑ دو میں خود اپنے آپ کو قتل کرتا ہوں۔ یا اپنا عضو کاٹتا ہوں تو اس کی یہ درخواست قبول نہیں کی جائے گی۔

۹۔ اگر مقتول کا وارث قصاص میں قاتل کو بخیال خویش قتل کردے۔ مگر دراصل اس میں کچھ رمق حیات باقی رہ جائے اور اس طرح وہ مرنے سے بچ جائے تو آیا دوبارہ اسے قتل کیا جاسکتا ہے یا نہ؟ ایک قول یہ ہے کہ ولی کے لئے دوبارہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے جب تک مجرم اس ولی سے اس جنایت کا قصاص نہ لے لے جو اس نے پہلے اس کے ساتھ کی ہے۔ (جیسا کہ ایک روایت میں جناب امیر علیہ السلام کا ایسا فیصلہ کرنا مروی ہے) اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر پہلا قصاص بطریق جائز تھا مثلاً" گردن پر تلوار ماری گئی تھی تب تو دوبارہ قصاص لینا جائز ہے اور اگر پہلا قصاص غلط طریقہ پر لیا گیا تھا مثلاً" قاتل پر ڈنڈے برسائے گئے تھے تو دوبارہ اس وقت تک قاتل کو قصاص میں قتل نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک پہلے وہ ولی سے اس کی اس جنایت کا قصاص نہ لے لے۔ واللہ العالم

۱۰۔ مقتول کی موت سے پہلے قاتل سے قصاص لینا جائز نہیں ہے اور اگر ولی جلد بازی سے کام

لے اور اسے مضروب کے مرنے سے پہلے قتل کردے تو اس پہلے جانی کے ورثہ کو اس ولی کو قصاص میں قتل کرنے یا اس سے دیت لینے یا اسے معاف کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں وہ ولی ظالم اور قاتل متصور ہوتا ہے اور اگر اس کے بعد وہ شخص مضروب چل بسے جسے قاتل نے زخمی کیا تھا تو اس کی دیت جانی کے مال سے ادا کی جائے گی۔ (جسے اس قتل ہونے والے کی موت سے پہلے اس کے ولی نے جلد بازی میں قتل کردیا تھا) واللہ العالم

اعضاء و جوارح کے قصاص اور اسکے شرائط کا بیان

آیات قرآنیہ اور روایات اسلامیہ سے یہ امر ثابت ہے کہ انسانی اعضاء و جوارح کو کاٹنے یا زخمی کرنے پر مقررہ شرائط کے ساتھ قصاص ثابت ہو جاتا ہے اور مجروح کی رضامندی پر دیت لازم ہوتی ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ **وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص۔** (پ ۶ س مائدہ ع ۱۹)

"ہم نے اس توراۃ میں ان پر فرض کردیا تھا کہ جان کے بدلے جان' آنکھ کے عوض آنکھ' ناک کے بدلے ناک' کان کے عوض کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا قصاص ہے۔" مگر اس قصاص کے چند شرائط ہیں جن کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

پہلی شرط = یہ ہے کہ جنایت عمدی ہو۔ کیونکہ اگر جنایت شبیہ عمد ہو یا خطاء محض ہو تو اس میں قصاص ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے صرف دیت واجب ہوتی ہے اور یہ عمدی جنایت دو طرح سے متحقق ہوتی ہے اول یہ کہ ایسا کام عمداً کیا جائے جس سے غالباً عضو تلف ہو جاتا ہے۔ (اگرچہ تلف کرنے کا قصد نہ بھی ہو)

دوم = یہ کہ عضو تلف کرنے کے قصد سے وہ کام کیا جائے اگرچہ غالباً اس فعل سے عضو تلف نہ ہوتا ہو مگر اتفاقاً ہو جائے۔

دوسری شرط = بناء بر مشہور یہ ہے کہ جو عضو قصاص میں کاٹنا ہے وہ صحت یا مرض میں اس مقطوع عضو کے ساتھ برابر ہو۔ یا مقطوع عضو اس سے بہتر ہو۔ بناء بریں تندرست ہاتھ کے قصاص میں تندرست یا شل شدہ ہاتھ کو تو بلا اشکال کاٹا جاسکتا ہے۔ مگر شل شدہ ہاتھ کے عوض تندرست ہاتھ کو قصاص میں نہیں کاٹا جاسکتا۔ علاوہ شہرت عظیمہ بلکہ دعوائے اجماع کے اس موضوع پر بعض روایات جیسے روایت سلیمان بن خالد[1] وغیرہ بھی دلالت کرتی ہیں مگر بااین ہمہ۔

[1] **عن ابی عبداللہ فی رجل قطع ید رجل شلاء قال علیہ ثلث الدیۃ** (الوسائل جزء ۱۹ باب ۲۸ من ابواب القصاص)

بعض اعلام عصر نے بوجہ ضعف سند وغیرہ اس حکم میں اشکال وارد کرکے اس شرط کی صحت میں خدشہ ظاہر کیا ہے اور اطلاق ادلہ کے ساتھ تمسک کرکے اس شرط کو غیر ضروری قرار دیا ہے۔ واللہ العالم

تیسری شرط = (جو کہ زخم والی جنایت کے ساتھ مختص ہے) یہ ہے کہ اس قصاص والے زخم میں غالباً" ملزم کی ہلاکت کا خطرہ دامن گیر نہ ہو اور اگر یہ صورت حال ہو تو پھر قصاص کی بجائے صرف دیت کی ادائیگی واجب ہوگی۔ تاکہ قصاص کی صورت میں ایک مسلمان کا خون رائگاں نہ جائے۔ جیسے تلوار یا چاقو وغیرہ کا وہ زخم جو کسی کے پیٹ پر لگایا جائے اور اندرون شکم تک چلا جائے۔ (جسے فقہاء کی اصطلاح میں جائفہ کہا جاتا ہے) اور وہ آدمی اتفاقاً" مرنے سے بچ جائے۔ تو چونکہ اس قسم کے زخموں میں قصاص کی صورت میں جانی کی ہلاکت کا سخت خطرہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں صرف دیت کی ادائیگی واجب ہوگی۔ اسی طرح سر یا بدن کی ہڈیاں توڑنے (جسے اصطلاح میں ہاشمہ کہا جاتا ہے) یا کسی ہڈی کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جانے (جسے منقلہ کہا جاتا ہے) میں قصاص نہیں ہے صرف دیت لازم ہے کیونکہ قصاص کی صورت کسی جگہ جانی کی ہلاکت کا خطرہ ہوتا ہے اور کسی جگہ جنایت کی مقدار معین کرنا مشکل ہوتی ہے اس لئے شریعت نے یہاں دیت معین کی ہے۔

چوتھی شرط = (جو دراصل کئی شرائط کا مجموعہ ہے) یہ ہے کہ اعضاء کے قصاص میں ہر وہ شرط معتبر ہے جو قصاص نفسی میں ضروری ہے جن کی تفصیل سابقہ مباحث میں بیان کی جاچکی ہے۔ مثلاً" یہ کہ جانی عاقل و بالغ ہو اور جس پر جنایت کی ہے۔ جانی اس کا والد نہ ہو۔ آزاد ہو اور اسلام میں اس کے مساوی ہو یا یہ کہ مجنی علیہ (جس پر جنایت اور زیادتی کی گئی ہے) وہ جانی سے افضل و اعلیٰ ہو۔ جیسے یہ کہ غلام آزاد پر یا کافر مسلمان پر جنایت کرے تو یہاں بھی قصاص لیا جائے گا۔ یا اگر مجروح چاہے تو غلام کو اپنا غلام بنا لے بشرطیکہ جنایت کی دیت غلام کی قیمت کے برابر ہو ورنہ اسے فروخت کرکے بمقدار دیت رکھ کر باقی ماندہ قیمت اس کے مالک کے حوالہ کی جائے گی۔ جبکہ مالک اپنی گرہ سے دیت ادا نہ کرے۔ بخلاف اس کے اگر آزاد غلام پر یا مسلمان کافر پر جنایت کرے اور اس کا ہاتھ وغیرہ کاٹ دے تو یہاں قصاص ثابت نہ ہوگا۔ بلکہ صرف دیت واجب ہوگی۔ جو آزاد کی دیت کا نصف ہوتی ہے اور اگر اس جنایت کی سرایت سے

مملوک ہلاک ہو جائے تو پھر دیت میں اس کی تمام قیمت ادا کرنا پڑے گی اور اگر کوئی آزاد کسی غلام کا ہاتھ قلم کرے اور اس کے بعد وہ غلام آزاد ہو جائے اور یہ سابقہ جانی اب اس کا پاؤں کاٹ ڈالے تو جانی ہاتھ کی دیت تو ادا کرے گا اور پاؤں کے سلسلہ میں مجنی علیہ کو قصاص لینے کا حق حاصل ہوگا جس طرح کہ اسے دیت لے کر معاف کرنے کا حق ہے۔

اعضاء و جوارح کے قصاص کے مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ قصاص نفس کی طرح اعضاء کے قصاص میں بھی مرد کا قصاص عورت سے اور عورت کا قصاص مرد سے لیا جاسکتا ہے۔ (بشرطیکہ) وہ اعضا دونوں میں پائے جائیں۔ ورنہ صرف دیت لازم ہوگی۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ اگر کوئی عورت کسی مرد پر جنایت کرے تو مرد کچھ لئے بغیر عورت سے قصاص لے سکتا ہے اور اگر کوئی مرد کسی عورت پر جنایت کرے تو عورت بھی مرد سے قصاص لے سکتی ہے مگر مرد اور عورت کی دیت میں جو تفاوت ہے وہ اسے ادا کرنا پڑے گا۔ اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ قصاص اعضاء کے سلسلہ میں مرد و عورت کی دیت تمام نفس کی دیت کے ایک ثلث تک تو برابر رہتی ہے اور جب ثلث یا اس سے زائد مقدار تک نوبت پہنچ جائے تو پھر عورت کے عضو کی دیت مرد کے عضو کی دیت کا نصف ہو جاتی ہے۔ مثلاً" اگر کوئی شخص کسی عورت کی ایک انگلی کاٹے تو دیت میں دس اونٹ ادا کرے گا۔ دو کاٹے تو بیس اور تین کاٹے تو تیس (جبکہ مرد کی دیت بھی یہی ہے اور اب چونکہ دیت کی مقدار کل دیت کی مقدار (سو اونٹ) کے ثلث تک پہنچ گئی ہے۔ لہٰذا اب اگر کوئی مرد کسی عورت کی چار انگلیاں کاٹے گا تو بیس شتر دیت میں ادا کرے گا۔ جو کہ مرد کی دیت (چالیس اونٹ) کا نصف ہے بناء بریں اگر کوئی مرد کسی عورت کی ایک انگلی کاٹے تو عورت بھی قصاص میں بلا رد اس کی انگلی کاٹ سکتی ہے۔ لیکن اگر مرد اس کا پورا ہاتھ کاٹ دے (جس کی دیت نفس کی دیت کا نصف ہے) تو یہاں بھی عورت قصاص میں مرد کا ہاتھ تو کاٹ سکتی ہے مگر (چونکہ یہاں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے) اس لئے اسے پہلے مرد کے ہاتھ کی نصف دیت ادا کرنا پڑے گی۔ (جو کہ پورے جسم کی دیت کا ایک ربع ہے) اسی طرح اگر کوئی شخص کسی عورت کی ایک آنکھ پھوڑ دے۔ (جس کی دیت تمام دیت کا نصف ہے) تو عورت قصاص میں مرد کی آنکھ پھوڑ سکتی ہے بشرطیکہ پہلے آنکھ کی دیت کا نصف یعنی کل دیت کا ربع مرد کو ادا کردے اور اگر چاہے تو مرد سے

ربع دیت لے کر قصاص سے دست بردار ہو جائے۔ جیسا کہ صحیحہ حلبی[۱] میں وارد ہے (وسائل الشیعہ) اس سلسلہ میں جو ایک روایت جناب امیر علیہ السلام کی طرف منسوب ہے کہ فرمایا "لیس بین الرجال والنساء قصاص الا فی النفس" کہ مرد و عورت میں سوائے نفس کے اور کوئی قصاص نہیں ہے وہ ظواہر قرآن (العین بالعین) کے اور دوسرے روایات معتبرہ کے معارض ہونے کی بناء پر شاذ اور ناقابل عمل ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ قصاص میں اعضاء کے اندر مماثلت ضروری ہے یعنی دائیں ہاتھ کے عوض دایاں ہاتھ، بائیں ہاتھ کے عوض بایاں ہاتھ اور دائیں پاؤں کے عوض دایاں پاؤں اور بائیں پاؤں کے عوض بایاں پاؤں کاٹا جائے گا بشرطیکہ جانی کے یہ تمام اعضاء سلامت اور موجود ہوں اور اگر دایاں ہاتھ کاٹنے والے کا دایاں ہاتھ موجود ہی نہ ہو تو پھر اس کا بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر بایاں ہاتھ بھی نہ ہو تو مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ اس کا پاؤں کاٹا جائے گا۔ جس پر حبیب[۲] بجستانی کی روایت جو امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے صراحۃ دلالت کرتی ہے۔ ایضاً"

مگر بعض اعلام نے اس روایت کے ضعف سند کی وجہ سے اس صورت میں قصاص کی بجائے دیت لینے کو اختیار کیا ہے۔ واللہ العالم

---

[۱] عن ابی عبداللہ فی حدیث قال جراحات الرجال والنساء سواء سن المراۃ بسن الرجل وموضحۃ المراۃ۔ بموضحۃ الرجل واصبع المراۃ باصبع الرجل حتی تبلغ الجراحات ثلث الدیۃ فاذا بلغت ثلث الدیۃ ضعفت دیۃ الرجل علی دیۃ المراۃ۔ (الوسائل ج ۱۹ باب اول من ابواب قصاص الطرف)

[۲] قال سئلت ابا جعفرؑ عن رجل قطع یدین لرجلین الیمنین قال فقال یا حبیب تقطع یمینہ للذی قطع یمینہ اولا و تقطع یسارہ للرجل الذی قطع یمینہ اخیرا لانہ انما قطع ید الرجل الاخیر و یمینہ قصاص الرجل الاول قال فقلت ان علیاء انما کان تقطع الید الیمنی والرجل الیسری فقال انما کان یفعل ذلک فیما یجب فی حقوق اللہ فاما یا حبیب۔ حقوق المسلمین فانہ توخذ لھم حقوقھم فی القصاص الید بالید اذا کانت للقاطع ید (یدان) والرجل بالید اذا لم یکن للقاطع ید فقلت لہ او ما تجب علیہ الدیۃ وتترک لہ رجلہ؟ قال انما تجب علیہ الدیۃ اذا قطع ید رجل ولیس للقاطع یدان ولا رجلان ثم تجب علیہ الدیۃ لانہ لیس لہ جارحۃ یقاص منھا۔ (الوسائل ج ۱۹ باب ۱۲ من ابواب قصاص الطرف)

مسئلہ ۱۳۔ اگر کوئی شخص یکے بعد دیگرے کئی آدمیوں کے ہاتھ کاٹ ڈالے تو قصاص و دیت کے سلسلہ میں اس کا حکم وہی ہے جو قصاص نفس اور اس کی دیت میں سابقہ مبحث (قصاص کے متعلقہ احکام و مسائل کے مسئلہ نمبر ۹ کے ذیل)میں تفصیل سے بیان کیا جاچکا ہے۔

مسئلہ ۱۴۔ اگر دو شخص مل کر کسی آدمی کا ہاتھ کاٹ دیں تو اس کو قصاص میں دونوں کے ہاتھ کاٹنے کا حق حاصل ہے بشرطیکہ ایک ہاتھ کی دیت دونوں کو ادا کردے اور اگر صرف ایک سے قصاص لے تو دوسرا مجرم ہاتھ کی نصف دیت (جو کہ کل دیت کا ربع ہے یعنی ۲۵ اونٹ) اس مجرم کو ادا کرے گا جس کا ہاتھ کاٹا گیا ہے۔

مسئلہ ۱۵۔ تمام انسانی اعضاء و جوارح مثل ہاتھ پاؤں' کان' آنکھ' ناک ذکر و فرج وغیرہ میں قصاص جاری ہوتا ہے اور بناء بر مشہور (سوائے ہاتھ کے) دوسرے اعضاء میں تندرست اور عیب دار عضو میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی صحیح کانوں والا آدمی کسی بہرے آدمی کا کان کاٹ ڈالے یا وہ شخص جس کی قوت شامہ صحیح ہے اس آدمی کا ناک کاٹ دے جس کی قوت شامہ درست نہیں ہے تو قصاص میں اس جانی کا صحیح کان اور تندرست ناک کاٹا جاسکتا ہے اسی طرح اگر کوئی یک چشم آدمی کسی ایسے شخص کی ایک آنکھ پھوڑ دے جس کی دونوں آنکھیں صحیح ہیں تو وہ قصاص میں اس کی وہی ایک آنکھ پھوڑ سکتا ہے۔ اگرچہ وہ اس طرح بالکل اندھا ہی ہو جائے۔ کیونکہ حق نے اسے اندھا کیا ہے۔ (جیسا کہ روایت میں وارد ہے) اور اگر کوئی دونوں آنکھوں والا کسی ایسے آدمی کی آنکھ پھوڑ دے جو خلقتہً یا مرضاً" یک چشم تھا تو چونکہ یہ ایک آنکھ دو آنکھوں کی قائم مقام ہے اس لئے اس آدمی کو شرعاً" یہ حق حاصل ہے کہ قصاص میں جانی کی ایک آنکھ پھوڑ دے اور نصف دیت (پچاس اونٹ) بھی لے یا قصاص معاف کرکے پوری دیت (سو اونٹ) لے۔ جیسا کہ صحیحہ محمد بن قیس میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام کا حضرت امیر علیہ السلام کا ایک ایسے قضیہ میں ایسا فیصلہ کرنا منقول ہے (وسائل الشیعہ وغیرہ)

اور اگر وہ یک چشم کسی جنایت کے نتیجہ میں یک چشم تھا تو پھر اس صورت میں باتفاق اسے قصاص میں جانی کی صرف ایک آنکھ پھوڑنے کا یا اسکے نصف قصاص سے درگذر کرکے صرف نصف دیت لینے کا حق حاصل ہے۔ وبس اور اگر کوئی آدمی کسی شخص کی بینائی اس طرح ضائع کرے کہ آنکھ کا ڈھیلا تو موجود رہے مگر بصارت ختم ہو جائے تو یہ شخص بھی قصاص میں ایسا کرسکتا ہے جیسا کہ جناب امیر علیہ السلام کے اس قسم کا فیصلہ کرنے کی روایت کتب میں مذکور

ہے جس پر اکثر علماء نے عمل بھی کیا ہے اسی طرح ذکر اور خصیتین میں قصاص ثابت ہے اور بناء بر مشہور اس سلسلہ میں پیرو جوان اور مرد و نامرد میں کوئی فرق نہیں ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی عنین (جو بوجہ کمزوری' باہ مجامعت پر قادر نہیں ہے) کا ذکر قطع کرے تو قصاص میں اس کا تندرست ذکر نہیں کاٹا جائے گا۔ بلکہ اسے تمام دیت کا ایک ثلث ادا کرنا پڑے گا۔ مگر چونکہ اس حکم کی بنیاد شل شدہ ہاتھ کے اوپر قیاس پر ہے جو کہ شرعاً" بے اساس ہے اس لئے اظہر یہ ہے کہ یہاں بھی قصاص ثابت ہوگا۔ اگرچہ احتیاط اس میں ہے کہ دیت وغیرہ پر مصالحت کرلی جائے۔

اسی طرح اس سلسلہ میں یہ بھی مشہور ہے کہ صغیر و کبیر میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی اگر کوئی بڑا شخص کسی بچے کا ذکر قطع کرے تو قصاص میں بڑے کا ذکر قطع کیا جاسکتا ہے مگر قصاص نفس کے سلسلہ میں واضح کیا جاچکا ہے کہ اگر کبیر صغیر کو قتل کردے تو اسے قصاص میں قتل نہیں کیا جاسکتا بلکہ قاتل پر صرف دیت ادا کرنا لازم ہے کیونکہ ابو بصیر کی صحیح السند روایت میں وارد ہے کہ "لا قود لمن لا یقاد منہ" کہ جس شخص سے قصاص نہیں لیا جاسکتا۔ اس کی خاطر بھی دوسروں سے قصاص نہیں لیا جاسکتا۔ (وسائل وغیرہ) بناء بریں ظاہر ہے کہ جب بچہ کو قصاص میں قتل نہیں کیا جاسکتا تو اسے قتل کرنے کی صورت میں کسی اور کو بھی قصاص میں قتل نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا قطع ذکر کا بھی یہی حکم ہوگا۔ واللہ العالم

مسئلہ ۱۶۔ جس عضو کی شرعاً" دیت معین ہے اگر کوئی شخص اس عضو کا بعض حصہ کاٹے تو اس مقطوع حصہ کی کل عضو سے نسبت کے مطابق اس حصہ کی نصف یا ثلث یا ربع وغیرہ دیت ثابت ہوگی۔

مسئلہ ۱۷۔ ابرو' ڈاڑھی اور سر وغیرہ کے بال ضائع کرنے پر قصاص ثابت ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ "فاعتدوا علیہ بمثل اعتدی علیکم" اور بعض فقہاء کا قول ہے کہ اگر قصاص لینے سے پہلے بال دوبارہ اگ آئیں تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے اور اگر کوئی شخص کسی پر گرم پانی ڈالے یا کسی اور طریقہ سے اس طرح کسی کے بال ضائع کرے کہ ان کے دوبارہ اگنے کا مقام ہی جاتا رہے تو اگر قصاص ممکن ہوا تو فبہا ورنہ دیت لازم ہوگی۔ (جو بعد میں بیان کی جائے گی)

مسئلہ ۱۸۔ اس بات پر فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا زخم مندمل ہونے سے پہلے جانی سے قصاص لیا جاسکتا ہے یا نہ؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ اندمال سے قبل قصاص نہیں لیا جاسکتا ہے

مگر اکثر فقہاء کے نزدیک اندمال کا انتظار کئے بغیر قصاص لیا جاسکتا ہے لہٰذا اگر بعد ازاں زخم مندمل ہوگیا تو فبہا ورنہ اگر زخم جسم میں سرایت کرگیا اور اس سے زخمی کی موت واقع ہوگئی تو اگر جانی کا ارادہ قتل نہ تھا تو مرنے والے کا ولی جانی سے اس کی دیت وصول کرے گا اور اگر جانی نے بارادۂ قتل اسے زخمی کیا تھا تو پھر مقتول کے ولی کو قصاص لینے کا بھی حق حاصل ہوگا اور اس آخری صورت میں اسے جانی کے اولیاء کو سابقہ قصاص (زخم لگانے) کی دیت ادا کرنا پڑے گی۔

مسئلہ ۱۹۔ دانتوں کے سلسلہ میں بھی قصاص ثابت ہے لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کا دانت اکھیڑ دے تو اس شخص کو قصاص میں اس شخص کا ویسا ہی دانت اکھیڑنے کا حق حاصل ہے البتہ اگر چھوٹے بچے کا کھیر کا دانت توڑا جائے جو دوبارہ نکل آتا ہے تو اس کے نکلنے کا انتظار کیا جائے گا۔ لہٰذا اگر نکل آئے تو اس میں قصاص ثابت نہیں ہوگا بلکہ آزاد کو غلام تصور کرکے دیکھا جائے گا کہ دانت والے غلام اور بغیر دانت والے غلام کی قیمت میں کس قدر تفاوت ہے؟ پس وہ تفاوت بطور ارش (تاوان) بھی ادا کیا جائے گا۔ مشہور یہ ہے کہ دانتوں کے قصاص کے سلسلہ میں دانت کے محل اور موضع اور فوقانی و تحتانی میں برابری کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے مگر بعض فقہاء صرف داڑھ اور دانت میں مماثلت کافی سمجھتے ہیں یعنی داڑھ کے عوض داڑھ اور دانت کے عوض دانت اکھیڑا جاسکتا ہے۔ اگرچہ دائیں بائیں اور اوپر نیچے میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں البتہ زائد دانت کے عوض اصلی دانت قصاص میں نہیں اکھیڑا جاسکتا البتہ زائد کو اصلی کے عوض اکھیڑا جاسکتا ہے۔

مسئلہ ۲۰۔ اگر قصاص میں ایک بار جانی کا دانت اکھیڑ دیا جائے اور بعد میں دوبارہ نکل آئے تو اسے دوبارہ اکھیڑنے کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے کیونکہ یہ اسے منجانب اللہ جدید ہبہ و عطیہ ہے جس کا سابقہ دانت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ واللہ العالم

اعضاء و جوارح کے قصاص کی کیفیت کا بیان

چونکہ جراحات (زخموں) کی چند قسمیں ہیں بس ان کے مطابق قصاص لیا جائے گا۔ ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ ان اقسام کا نام بنام تذکرہ کیا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ ان کی تعریف بھی بیان کی جاتی ہے۔

(۱) حارصہ وہ زخم جس سے جلد پھٹ جائے یہ زخم صرف سر و چہرہ کے ساتھ مختص ہے ویسے سر کے ہر زخم کو "شجہ" کہتے ہیں۔

۲۔ باضعہ۔ وہ زخم جو جلد کو قطع کر کے اندر گوشت تک پہنچ جائے۔

۳۔ سمحاقہ۔ وہ زخم جو سر کی اس باریک جلد تک نیچے چلا جائے جو سر کی ہڈی کو ڈھانپے ہوئے ہے۔

۴۔ موضحہ۔ وہ زخم جو سر کی ہڈی کو ظاہر کر دے۔

۵۔ ہاشمہ۔ وہ زخم جو سر و بدن کی ہڈی کو توڑ دے۔

۶۔ منقلہ۔ وہ زخم جو ایک ہڈی کو اپنی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ منتقل کر دے۔

۷۔ مامومہ۔ وہ زخم جو سر کے مغز تک پہنچ جائے۔

قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے کہ "ہاشمہ" منقلہ' جائفہ اور مامومہ میں قصاص لینا جائز نہیں ہے کیونکہ ان میں جانی کی ہلاکت کا خطرہ ہوتا ہے۔ البتہ دوسرے تمام اقسام میں قصاص لینا جائز ہے مگر قصاص سے قبل کسی دھاگہ وغیرہ سے زخم کے طول و عرض کی پیمائش کرلینا ضروری ہے تاکہ قصاص میں اس سے زیادہ زخم نہ لگایا جائے۔ ہاں البتہ عمق (گہرائی) میں برابری ضروری نہیں ہے بلکہ صرف اس زخم کا نام صادق آجانا کافی ہے جیسے موضحہ (وہ زخم جس سے سر کی ہڈی ظاہر ہو جائے) قصاص میں بھی صرف اس قدر کافی ہے کہ سر کی ہڈی ظاہر ہو جائے اور اسے موضحہ کہا جاسکے۔

اگرچہ جس طرح جانی نے زخم لگایا ہو قصاص میں بھی وہی طریقہ کار استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً اگر کسی نے کسی کی آنکھ انگلی سے نکالی ہے تو قصاص میں اس کی آنکھ انگلی سے نکالی جاسکتی ہے مگر افضل یہ ہے کہ تیز دھار آہنی آلہ سے قصاص لیا جائے۔ تاکہ جانی کو زیادہ اذیت اور تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اور بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ جانی کو اس سے قصاص لیتے وقت کسی لکڑی یا ستون وغیرہ سے باندھ دینا چاہیے۔ تاکہ تڑپنے کی وجہ سے قصاص میں خلل اور زخم میں کمی بیشی واقع نہ ہو جائے اور اگر تڑپنے کی وجہ سے زخم میں کمی بیشی ہو جائے تو قصاص لینے والا ذمہ دار نہ ہوگا اور عمداً ایسا کرنے والے سے قصاص لیا جائے گا اور خطاءً کرنے والے پر دیت لازم ہوگی اور یہی حکم سرایت کا ہے کہ اگر زخم آگے سرایت کر جائے تو اگر اتفاقاً ایسا ہو جائے تو اس پر کوئی اثر

مرتب نہ ہوگا اور اگر عمداً ایسا کیا گیا تو ایسا کرنے والے سے قصاص لیا جائے گا۔ واللہ العالم

تم باب القصاص والحمد للہ رب العالمین

باب الدیات

(ودیتہ مسلمتہ الی اھلہ)

دیات "دیت" کی جمع ہے اور دیت (خون بہا) اس مال کو کہا جاتا ہے جو انسانی جان یا انسانی بدن کے کسی عضو کے تلف کرنے یا اسے زخم لگانے پر شرعاً مقرر و معین ہے اور اگر اس جنایت کے تاوان کی مقدار معین نہ ہو بلکہ اوقات اور حالات کے مطابق حاکم شرع کو اس کی مقدار مقرر کرنے کا حق ہو تو اسے "ارش" اور "حکومت" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ (جو صحیح اور عیب دار کے درمیان تفاوت کا دوسرا نام ہے)

اب ذیل میں قتل کی مختلف قسموں کی دیات' مختلف اعضاء و جوارح پر جنایت کاری کی مخصوص دیت / ضمانت کے اسباب و موجبات اور دیگر متعلقہ مسائل و احکام بیان کئے جاتے ہیں اور یہی باب اس کتاب کا آخری باب ہے۔ (اللھم وفقنا لا تمام)

دیت قتل کی مقدار کا بیان

قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے کہ قتل کی تین قسمیں ہیں۔ قتل عمد' شبیہ عمد' خطاء محض اسی طرح ہر جنایت کی بھی تین قسمیں ہیں اور یہ بھی بیان کیا جاچکا ہے کہ قتل عمد (بلکہ ہر جنایت عمدی میں قصاص ثابت ہوتا ہے) الایہ کہ مقتول کے وارث اور قاتل یا مجنی علیہ اور جانی دیت پر رضا مند ہو جائیں اور قتل و جنایت کی باقی دونوں قسموں میں صرف دیت واجب ہوتی ہے۔

اب دیت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو قتل کی وجہ سے واجب ہوتی ہے دوسری وہ جو مختلف اعضاء کے قطع کرنے یا ان کو زخمی کرنے کی وجہ سے عائد ہوتی ہے۔ یہاں پہلے قسم اول کا بیان کیا جاتا ہے۔ سو واضح ہو کہ قتل کی تینوں قسموں کی دیت چھ چیزوں میں سے ایک ہوتی ہے۔

(۱) ایک سو اونٹ۔ (۲) دو سو گائیں۔ (۳) ایک ہزار بھیڑ بکریاں۔ (۴) دو سو حلے۔ کہ ہر حلہ میں دو کپڑے ہوں قمیص اور تہبند۔ (۵) ایک ہزار طلائی دینار (۶) دس ہزار نقرئی درہم۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ قتل عمد اور شبہ عمد (بلکہ ہر جنایت عمدی اور شبہ عمدی) میں اس دیت کی ادائیگی خود قاتل یا جانی کے اپنے مال و اسباب سے واجب ہوتی ہے اور خطاء محض میں عاقلہ یعنی (قاتل یا جانی کے پدری رشتہ دار جیسے بھائی' چچا اور ان کی اولاد وغیرہ) پر عائد ہوتی ہے مشہور و منصور قول یہ ہے کہ دیت میں قاتل کو مذکورہ بالا ان اشیاء میں سے جس چیز سے چاہے ادا کرنے

کا حق حاصل ہے اور مقتول کے اولیاء کو ان میں سے کسی خاص چیز کے انتخاب کرنے کا کوئی حق نہیں ہے نیز مشہور یہ ہے کہ قتل عمد کی دیت ایک سال کے عرصہ میں اور شبہ عمد کی دو سال کی مدت میں اور خطاء کی تین سال کے اندر ادا کی جائے گی۔ مگر شبہ عمد کی دیت کے دو سال کی مدت میں ادائیگی پر چونکہ کوئی نص موجود نہیں ہے لہٰذا وہ بھی قتل خطاء کی طرح تین سال تک ادا کی جاسکتی ہے نیز واضح رہے کہ وہ اونٹ جو قتل کی تینوں قسموں میں دیت میں دیئے جاتے ہیں سن و سال اور نر و مادہ کے اعتبار سے ان کی نوعیت میں اختلاف ہے مثلاً" جو اونٹ شبہ عمد کی دیت میں ادا کئے جائیں وہ بنا بر مشہور بایں ترتیب ہوں کہ ان میں سے تینتیس "دو" سال مکمل اور تیسرے میں داخل، پھر تینتیس "تین" سال مکمل اور چوتھے سال میں داخل، اور ۳۴ مادہ و حاملہ پانچ سال مکمل اور چھٹے میں داخل ہوں اور قتل خطاء میں جو اونٹ دیئے جائیں ان کی کیفیت بناء بر مشہور یہ ہونی چاہئے کہ ۲۰ مادہ ایک سال مکمل دوسرے میں داخل اور ۲۰ نر دو سال مکمل تیسرے میں داخل اور تیس مادہ دو سال مکمل تیسرے میں داخل اور ۳۰ مادہ تین سال مکمل اور چوتھے میں داخل مگر دوسرے قول کے مطابق تیس حقہ تیس بنت لبون بیس بنت مخاض اور بیس ابن لبون۔ جس پر عبداللہ بن سنان کی صحیحہ دلالت کرتی ہے۔

آج کل چونکہ درہم و دینار کا رواج نہیں ہے اس لئے اگر کوئی شخص روپیہ کی شکل میں دیت ادا کرنا چاہے تو اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ ہزار دینار سونا کی موجودہ اوزان کے مطابق کی قیمت اور دس ہزار درہم کی بھی موجودہ اوزان کے اعتبار سے قیمت مقرر کر کے کرنسی نوٹوں کی شکل میں ادا کرے۔ جیسا کہ باب الزکوۃ میں بیان کیا جاچکا ہے کہ ایک دینار ایک مثقال کے برابر ہوتا ہے اور ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کے برابر ہوتا ہے۔ اس حساب سے ایک ہزار دینار کی مقدار ۳۷۵ تولہ بنتی ہے جس کا ۴ سیر دو پاؤ اور تین چھٹانک سونا بنتا ہے اسی طرح ایک درہم برابر ہے ساڑھے تین ماشہ کے اس طرح دس ہزار درہم کی مقدار ہوگی۔ ۲۹۱۶ تولہ اور ۸ ماشہ جس کی ۳۶ سیر ایک پاؤ اور ۳ چھٹانک چاندی بنتی ہے۔ لہٰذا بازاری نرخ کے مطابق اس مقدار کی جو قیمت ہو وہ ادا کی جائے گی۔ واللہ العالم

"مسائل و احکام"

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص ان مقدس مہینوں میں سے ایک مہینہ میں کسی آدمی کو عمداً" یا خطاءً قتل

کرے جن میں قتل و قتال حرام ہے اور وہ چار مہینے یہ ہیں۔ (۱) رجب۔ (۲) ذی القعدہ۔ (۳) ذی الحجہ (۴) اور محرم الحرام تو اس صورت میں اس پر ایک دیت کامل اور دوسری کا ثلث ادا کرنا واجب ہوگا اور قاتل عمدی پر دیت کے علاوہ کفارۂ جمع بھی واجب ہے۔ (ایک غلام آزاد کرنا' دو ماہ کے روزے رکھنا اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا) اور اگر قتل خطائی ہے تو پھر کفارہ مرتبہ لازم ہوگا۔ (ایک غلام آزاد کرنا' اگر وہ ممکن نہ ہو تو پھر دو ماہ کے روزے رکھنا اور اگر وہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کا کھانا کھلانا) جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے اور بعض فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ اگر یہ قتل خطاء' اشہر حرم (مذکورہ بالا چار مہینوں) میں واقع ہوا ہے تو پھر کفارۂ معینہ یعنی دو ماہ کے روزے لازم ہیں جیسا کہ صحیحہ زرارہ میں وارد ہے اور یہ قول قوت سے خالی نہیں ہے بنابریں اس صحیحہ سے دوسرے مطلق احادیث کا اطلاق مقید ہو جائے گا۔

مسئلہ ۲۔ مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ حرم خدا میں قتل کرنے کی دیت بھی اشہر حرم کی طرح ایک دیت کامل اور دوسری کا ایک ثلث ہے۔

مسئلہ ۳۔ قتل خطاء کی ایک صورت ایسی ہے کہ جس میں صرف کفارہ مرتبہ واجب ہوتا ہے اور دیت واجب نہیں ہوتی اور وہ صورت یہ ہے کہ کوئی مومن دارالحرب میں مقیم ہو اور کوئی مسلمان اسے غیر مومن بلکہ کافر اور جائز القتل سمجھ کر قتل کردے جیسا کہ آیت مبارکہ "فان کان من قوم عدو لکم وہو مومن فتحریر رقبۃ مومنۃ" اس پر دلالت کرتی ہے لیکن اعضاء و جوارح پر اشہر حرم میں یا حرم کے اندر جنایت کرنے سے دیت میں اضافہ نہیں ہوتا۔

مسئلہ ۴۔ آزاد عورت کی دیت آزاد مرد کی دیت کا نصف ہوتی ہے لہٰذا اس میں پچاس اونٹ یا ایک سو گائے یا پانچ سو بھیڑ بکریاں یا ایک سو حلہ یا پانچ سو دینار یا پانچ ہزار درہم ادا کرنا واجب ہیں۔

مسئلہ ۵۔ غلام کی دیت خود اس کی قیمت ہوتی ہے بشرطیکہ آزاد آدمی کی دیت سے زائد نہ ہو اور اگر زائد ہو تو اس زائد مقدار کی ادائیگی واجب نہ ہوگی اور یہی حکم اس کے اعضاء پر جنایت کا ہے یعنی آزاد آدمی کے جن اعضاء پر پوری دیت ادا کرنا پڑتی ہے (اور ان سے مراد وہ اعضاء ہیں جو ایک ایک ہوتے ہیں جیسے ناک' زبان اور ذکر وغیرہ) یہاں ان کے قطع کرنے پر غلام کی پوری قیمت ادا کرنا پڑے گی اور جن اعضاء کی نصف دیت ادا کرنا پڑتی ہے اور ان سے مراد وہ اعضاء ہیں جو دو دو ہیں جیسے آنکھیں' کان' ہاتھ اور پاؤں وغیرہ جبکہ صرف ایک عضو کاٹا جائے)

وہاں غلام میں اس کی نصف قیمت ادا کرنا پڑے گی۔

"جنایت اور دیت کے بعض دیگر مسائل و احکام"

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص کسی غلام پر وہ جنایت کرے جہاں اسے اس کی پوری قیمت ادا کرنا پڑتی ہے یعنی اس کی زبان یا ناک وغیرہ کاٹ ڈالے تو اس کا آقا جانی سے دیت کا مطالبہ اس وقت کرسکتا ہے کہ جب غلام کو جانی کے حوالے کردے تاکہ آقا کے پاس عوض و معوض ہردو جمع نہ ہو جائیں اور کنیز کی دیت اس کی قیمت ہوتی ہے مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق۔

مسئلہ ۲۔ بناء بر مشہور کافر ذمی (وہ یہودی، نصرانی اور مجوسی جو جزیہ ادا کرے اور مسلمانوں کی امان میں ہو) کی دیت آٹھ سو درہم ہے اور ذمیہ عورت کی دیت اس کا نصف یعنی چار سو درہم۔ باقی کافران حربی کے قتل پر جس طرح قصاص نہیں ہے اسی طرح دیت بھی نہیں ہے کیونکہ ان کے مال و جان کا شرعاً کوئی احترام نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۔ مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ ولدالزنا جبکہ محکوم باسلام ہو تو اس کی دیت مسلمان والی ہے مگر بعض فقہاء جیسے شیخ صدوقؒ اور سید مرتضیٰؒ نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے اس کی دیت ذمی والی قرار دی ہے جو کہ آٹھ سو درہم ہے اور اس پر بعض روایات[۱] جیسے معتبرہ ابراہیم بن عبدالحمید، عبدالرحمن اور جعفر بن بشیر بھی دلالت کرتے ہیں۔ واللہ العالم

مسئلہ ۴۔ اگر کوئی شوہر زوجہ کو اور استاد شاگرد کو ایسی تادیب کرے جو شرعاً جائز ہے لیکن اتفاقاً اس سے زوجہ یا شاگرد کی موت واقع ہو جائے تو احوط یہ ہے کہ شوہر اور استاد انکی دیت ادا کریں۔

"موجبات و اسباب ضمانت کا بیان"

ضمانت کے موجبات و اسباب دو ہیں۔ (۱) مباشرت یعنی براہ راست کسی کو قتل کرنا۔ (۲) تسبیب یعنی کسی کے قتل کا سبب بننا پھر کسی جگہ تو صرف ایک موجب ہوتا ہے اور کبھی دونوں یکجا جمع ہو جاتے ہیں، اس طرح اسباب ضمانت کی تین قسمیں بن جائیں گی۔ (۱) صرف مباشرت۔ (۲) صرف تسبیب (۳) مباشرت اور تسبیب چونکہ ان انواع میں سے ہر ہر نوع کے ماتحت کئی کئی افراد داخل ہیں اس لئے ذیل میں قدرے تفصیل کے ساتھ ان کا علیحدہ علیحدہ تذکرہ کیا جاتا ہے۔

---

[۱] ان تمام روایات کا ماحصل جو کہ امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ علیہ السلام سے مروی ہیں یہ ہے کہ "دیۃ ولد الزنا دیۃ الذمی ثمانماۃ درہم" (الوسائل الجزء ۱۹ الباب ۱۵ من ابواب دیات النفس)

نوع اول یعنی مباشرت کے افراد کا بیان

اول۔ اگر کوئی ڈاکٹر یا حکیم کسی نابالغ بچے یا پاگل آدمی کا علاج ان کے شرعی ولی کی اجازت کے بغیر یا کسی عاقل و بالغ کا علاج اس کی مرضی کے بغیر کرے اور مریض مرجائے یا گو اجازت حاصل کرکے علاج کرے مگر مرض کی تشخیص اور علاج و معالجہ میں کوتاہی کرے جس کے نتیجہ میں بیمار ہلاک ہو جائے تو بناء بر مشہور و منصور طبیب دیت کی ادائگی کا ضامن ہوگا۔ اگرچہ حکیم حاذق ہو اور اگر نابالغ یا دیوانہ کے ولی سے اجازت حاصل کرکے یا عاقل و بالغ سے رخصت لے کر علاج کرے اور کوتاہی بھی نہ کرے۔ مگر اس کے باوجود بیمار مرجائے تو آیا اس صورت میں بھی حکیم ضامن ہے یا نہ؟ اس میں شدید اختلاف ہے اقرب یہ ہے کہ اگر معالج نے بیمار یا اس کے ولی سے مریض کی موت کی صورت میں اس کی دیت سے اپنی برأت ذمہ حاصل کرلی تھی تب تو ضامن نہیں ہوگا۔ ورنہ وہ بہرحال ضامن ہے جیسا کہ جناب امیر علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

"**من تطبب او تبطر فلیا خذ براۃ من ولیہ والا فھو لہ ضامن**" جو شخص کسی انسان یا حیوان کا علاج معالجہ کرے اسے چاہئے کہ اس کے ولی سے برات ذمہ حاصل کرے ورنہ وہ اس کا ضامن ہوگا۔ (وسائل الشیعہ)

لہٰذا ڈاکٹر یا حکیم کے لئے احوط یہی ہے کہ علاج سے پہلے بیمار یا اس کے ولی یا حیوان کے مالک سے برات ذمہ حاصل کرلے اور پھر علاج کرنے میں کوتاہی بھی نہ کرے بلکہ پوری توجہ اور تندہی سے کرے اور یہی حکم ختان کا ہے جبکہ ختنہ کرتے وقت حشفہ قطع کردے۔

دوم۔ اگر دایہ نیند کی حالت میں اس طرح کروٹ بدلے کہ بچہ اس کے نیچے آکر کچلا جائے اور ہلاک ہو جائے تو مشہور بین الفقہاء یہ ہے (جس پر جناب محمد بن مسلم کی صحیحہ[1] بھی دلالت کرتی ہے) کہ دایہ نے اگر یہ پیشہ محض فخرو مباہات کرنے کی خاطر اختیار کیا ہو۔ (کہ وہ فلاں عالی خاندان کے بچوں کی پرورش کرتی ہے) تو وہ ہلاک ہونے والے بچہ کی دیت کی ضامن ہے اور اگر اس نے فقرو فاقہ اور احتیاج کے ماتحت یہ پیشہ اختیار کیا ہے تو پھر دیت اس کی عاقلہ پر واجب ہوگی۔

---

[1] قال قال ابو جعفر "ایما ظئر ۔ قوم قتلت صبیا" لھم وھی نائمۃ فقتلتہ فان علیھا الدیۃ من مالھا خاصۃ ان کانت انما ظایرت طلبا" للعز والفخر وان کانت انما ظایرت من الفقر فان الدیۃ علی عاقلتھا۔ (الوسائل الجزء ۱۹ باب ۱۹ من ابواب موجبات الضمان)

سیوم - شوہر اپنی زوجہ کے ساتھ مباشرت کرنے میں شدت و سختی کرے یا جوش محبت میں اسے سینہ سے لگا کر اس طرح زور سے بھینچے کہ اس کی موت واقع ہو جائے تو مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ اس صورت میں قصاص ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہاں نہ تو ارادہ قتل ہے اور نہ ہی یہ فعل عادۃً قتل کا موجب ہے۔ ہاں البتہ شوہر زوجہ کی دیت کا ضامن ہوگا۔ جیسا کہ قاعدۂ دیت کے علاوہ سلیمان بن خالد کی صحیحہ بھی اس پر دلالت کرتی ہے اور یہی حکم اس صورت کا ہے کہ جب زوجہ شوہر کو ازراہ محبت اس قدر بھینچے کہ اس کی موت واقع ہو جائے۔ یعنی قاعدہ کے مطابق یہاں قصاص تو عائد نہ ہوگا۔ مگر زوجہ شوہر کی دیت کی ضامن ہوگی۔

چہارم = اگر کوئی شخص سر پر کچھ بوجھ اٹھا کر جا رہا ہو اور بوجھ سمیت کسی آدمی پر اتفاقاً گر پڑے جس سے وہ آدمی ہلاک ہو جائے یا زخمی ہو جائے تو مشہور یہ ہے کہ وہ شخص اپنے مال سے اس کی دیت کا ضامن ہوگا مگر بعض اقوال و اخبار سے یہ واضح و آشکار ہوتا ہے کہ چونکہ یہ اقدام خطاء محض ہے اس لئے دیت عاقلہ پر ہوگی۔ جبکہ وہ بوجھ اٹھانے والا امین ہو اور اسکے گرنے میں اسکی کوتاہی شامل نہ ہو۔ (وسائل الشیعہ وغیرہ) واللہ العالم۔

پنجم = اگر کوئی شخص آواز بلند کرکے یا دیوار یا درخت کے عقب میں چھپ کر اچانک کسی کو ڈرائے جس کی وجہ سے وہ شخص خوف کے مارے ہلاک ہو جائے تو آیا یہ ڈرانے والا ضامن ہوگا یا نہ؟ اس میں تفصیل ہے اگر اس کا مقصد اسے ہلاک کرنا ہو اور ڈرائے بھی اس انداز سے کہ جس سے عادۃً موت واقع ہو جاتی ہے تو اس صورت میں تو وہ ضامن ہوگا اور قصاص ثابت ہوگا اور اگر وہ ایسے بالغ آدمی پر آواز بلند کرے یا اسے ڈرائے جو غافل نہ ہو (بلکہ اسکی طرف متوجہ ہو) اور وہ بیمار اور پاگل یا بچہ بھی نہ ہو۔ مگر وہ بلند آواز سننے یا ڈرانے سے اتفاقاً ہلاک ہو جائے لیکن ظن غالب یہی ہو کہ وہ اپنی موت سے مرا ہے نہ کہ آواز بلند کرنے یا ڈرانے کی وجہ سے تو اس صورت میں نہ قصاص ثابت ہوگا اور نہ ہی دیت اور اگر یہ آواز کسی دیوانہ، بیمار یا بچہ یا اس بالغ آدمی پر بلند کی جائے جو حقیقت حال سے غافل ہو تو یہ قتل چونکہ شبیہ عمد ہے اس لئے دیت آواز بلند کرنے یا ڈرانے والے کے مال میں واجب ہوگی اور بعض نے عاقلہ پر واجب قرار دی ہے مگر یہ قول ضعیف ہے اور یہی سابقہ تفصیل وہاں عائد ہوگی جہاں کوئی شخص تیر و تلوار وغیرہ سے کسی پر حملہ کرے اور وار کرنے سے پہلے وہ شخص شدت خوف سے لقمۂ

اجل بن جائے۔ واللہ العالم

ششم = اگر کوئی شخص تلوار یا بندوق سے کسی پر حملہ کرے اور وہ شخص خوفزدہ ہو کر اس طرح راہ فرار اختیار کرے۔ کہ اسی اندھا دھند دوڑ میں کسی کنویں میں گر کر یا چھت سے گر کر یا کسی درندہ کی زد میں آکر ہلاک ہو جائے تو آیا وہ حملہ آور دیت کا ضامن ہوگا یا نہ؟ اس میں اختلاف ہے۔ اشبہ یہ ہے کہ وہ دیت کا ضامن ہے کیونکہ یہاں فاعل مباشر سے سبب قوی تر ہے۔ واللہ العالم

ہفتم = اگر کوئی شخص عمداً کسی دوسرے شخص سے ٹکرائے اور اس ٹکراؤ سے اس کا قصد اس شخص کو ہلاک کرنا نہ ہو اور نہ ہی اس قسم کے تصادم سے عادۃً موت واقع ہوتی ہو مگر وہ شخص اتفاقاً مرجائے تو ٹکرانے والا اس کی دیت کا ضامن ہوگا اور اگر خود ٹکرانے والا مرجائے تو اس کا خون رایگاں جائے گا۔ اسی طرح اس صورت میں بھی ٹکرانے والے کا خون ہدر جائے گا۔ جبکہ بلا ارادہ اس کا کسی سے تصادم ہو جائے اور اسکے نتیجہ میں یہ مرجائے وہ شخص جس سے اس کا تصادم ہوا ہے اپنی ملکیتی جگہ پر کھڑا ہو یا راستہ کشادہ ہو جس کی وجہ سے اس پر کوتاہی کرنے کا الزام بھی عائد نہ ہوسکتا ہو۔ ہاں اگر وہ ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں اس کے لئے کھڑا ہونا جائز نہ تھا جیسے مسلمانوں کی تنگ گذرگاہ اور اس صورت میں کوئی مسلمان اس سے ٹکرا کر مر جائے تو پھر یہ کھڑا ہونے والا شخص اس ٹکرانے والے کی دیت کا ضامن ہوگا۔

ہشتم = اگر دو بالغ و عاقل اور آزاد آدمی عمداً ایک دوسرے کو بطور شرارت ٹکر ماریں اور اتفاقاً دونوں مرجائیں تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کی نصف دیت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں ہر شخص کی موت اس کے اپنے فعل اور دوسرے شخص کے فعل کے نتیجہ میں واقع ہوئی ہے لہٰذا وہ نصف حصہ ہدر جائے گا جو اس کے اپنے فعل کا اثر ہے اور دوسرے نصف کی دیت لازم ہوگی۔ لہٰذا ہر مرنے والے کے ورثہ دوسرے مرنے والے کے ورثہ کی طرف رجوع کرکے اپنا حق وصول کریں گے اور اگر اس طرح ٹکرانے والے اور اس کے نتیجہ میں مرنے والے دونوں غلام ہوں تو دونوں کا خون ہدر جائے گا اور ان کے آقاؤں پر کچھ عائد نہ ہوگا۔

نہم = اگر دو گھڑ سوار یا موٹر سوار یا کشتی سوار عمداً ایک دوسرے سے ٹکرائیں اور اس کے نتیجہ میں دونوں گھوڑے مرجائیں یا عیب دار ہو جائیں یا دونوں موٹریں یا کشتیاں تباہ ہو جائیں تو ہر ایک پر دوسرے کے گھوڑے یا موٹر یا کشتی کی نصف قیمت (یا عیب کی وجہ سے اسکی قیمت میں جو کمی واقع ہوگی اس کا نصف ارش) دوسرے پر واجب ہوگا اور اگر سواری کے ساتھ سوار بھی ہلاک ہو جائیں تو ان کی نصف دیت بھی ایک دوسرے پر لازم ہوگی اور ہر ایک سواری کی نصف قیمت

اور سوار کی نصف دیت ہدر جائے گی۔ کیونکہ وہ اس کے اپنے فعل کی طرف منسوب ہے اور اگر صرف ایک مرجائے یا ایک کی سواری تباہ ہو جائے تو دوسرے پر اس کی نصف دیت یا سواری کی نصف قیمت ادا کرنا لازم ہوگی۔

دہم = اور اگر یہ تصادم آندھی' اندھیرے یا کسی قدرتی امر کی وجہ سے ہو تو کوئی بھی کسی کا ضامن نہ ہوگا اور اگر یہ تصادم صرف ایک فریق نے کیا ہو یا اس کی کوتاہی کی وجہ سے ہوا ہو تو صرف وہ دوسرے کے مال و جان کے تلف ہونے کا ضامن ہوگا اور اگر خود اس کا نقصان ہوا ہو تو وہ ہدر جائے گا اور اگر اس قسم کا تصادم دو نابالغ لڑکے کریں جو اپنے ولیوں کے اذن یا ان کے اذن کے بغیر سوار ہوئے ہوں اور پھر اسکے نتیجہ میں ہلاک ہو جائیں تو ہر ایک کے عاقلہ پر دوسرے کی نصف دیت کی ادائیگی واجب ہوگی۔

یاز دہم = اگر کوئی شخص وہاں سے گزرے جہاں تیر انداز تیر اندازی کر رہے ہوں اور تیر لگنے سے مرجائے تو آیا اس کی دیت واجب ہوگی یا نہ؟ اور اگر ہوگی تو تیر اندازوں پر یا ان کے عاقلہ پر؟ اس میں تفصیل ہے کہ اگر تیر اندازوں نے اسے خبردار کیا ہو کہ ادھر سے نہ گزرنا اور اس نے سن سمجھ بھی لیا ہو اور اس کے باوجود وہ وہاں سے گزرا ہو تو اس صورت میں اس کا خون ہدر جائے گا اور اگر تیر اندازوں نے اسے خبردار نہ کیا ہو اور اگر کیا ہو تو اس نے سنا سمجھا نہ ہو تو پھر چونکہ یہ خطاء محض ہے اس لئے اس کی دیت تیر اندازوں کے عاقلہ پر واجب ہوگی۔ یہی حکم اس صورت کا ہے کہ اگر کوئی تیر انداز اس طرف تیر پھینکے جہاں سے کبھی کبھی کوئی انسان گزرتا ہے اور کسی گزرنے والے کو لگے اور وہ جاں بحق ہو جائے کہ یہاں بھی دیت عاقلہ پر ہوگی۔

دوازدہم = اگر کوئی شخص کسی بلندی سے اپنے تئیں بارادۂ قتل کسی شخص پر گرائے یا اس طرح اس پر گرے۔ جس سے عادۃً دوسرا شخص ہلاک ہو جاتا ہے چنانچہ وہ ہلاک بھی ہو جائے تو چونکہ یہ قتل عمد ہے اس لئے اس گرنے یا گرانے والے پر قصاص لازم ہوگا اور اگر مذکورہ صورت میں اپنے آپ کو گرانا کسی اور شخص پر مقصود ہو مگر اتفاقاً گر کسی دوسرے شخص پر پڑے جس سے وہ ہلاک ہو جائے تو اس کی دیت گرنے والے کی عاقلہ پر ہوگی۔ اور اگر سخت ہوا یا ویسے قدم پھسلنے کی وجہ سے بے اختیار (اتفاقاً) کسی شخص پر گرے اور وہ مرجائے تو اس صورت میں کسی پر دیت واجب نہ ہوگی۔

سیزدہم = جو شخص بوقت شب کسی شخص کو گھر سے باہر لے جائے تو وہ اسے واپس گھر پہنچانے کا ضامن ہوتا ہے اور اگر وہ کہیں گم ہو جائے تو اس پر اس کی دیت واجب ہوگی مگر یہ کہ وہ شرعی طریقہ سے ثابت کردے کہ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں بلکہ اسے فلاں شخص نے قتل کیا ہے

کہ اس صورت میں اس سے دیت ساقط ہو جائے ۔ جیساکہ روایت صادقی میں وارد ہے
کہ **اذا دعا الرجل اخاه بليل فهو له ضامن حتى يرجع الى بيته** (وسائل الشیعہ)

چہار دہم! اگر ایک لڑکی، لڑکی کو اپنی پشت پر سوار کرے اور تیسری لڑکی پہلی لڑکی کو لکڑی وغیرہ مار کر ڈرائے اور وہ بلا اختیار اسی طرح جست لگائے کہ اس پر سوار شدہ لڑکی اس کی پشت سے گر کر ہلاک ہو جائے تو اکثر علماء نے کہا ہے کہ مرنے والی کی نصف دیت پہلی لڑکی پر اور نصف تیسری پر واجب ہوگی۔ جیساکہ جناب امیر علیہ السلام کی طرف منسوب شدہ فیصلہ میں مذکور ہے (وسائل الشیعہ) اور بعض علماء قائل ہیں کہ تمام دیت تیسری لڑکی پر واجب ہوگی۔ و **لا يخلو من قوة** کیونکہ مذکورہ بالا روایت سنداً ضعیف ہے اور موت تیسری لڑکی کے فعل کی وجہ سے واقع ہوئی ہے لہٰذا شبیہ عمد ہونے کی وجہ سے علی القاعدہ دیت اسی پر واجب ہونی چاہیے **واللہ العالم**

پانزدہم! اگر کوئی شخص کسی کو دھکا دے کر کسی اور شخص پر گرائے تو پہلے کو دافع دوسرے کو دفوع اور تیسرے کو مدفوع علیہ کہا جائے گا اس طرح اگر مدفوع کو کوئی نقصان پہنچے تو اس کا ضامن دافع ہوگا اور اگر اس صورت میں مدفوع علیہ کی موت واقع ہو جائے تو اس کی دیت مدفوع پر واجب ہوگی اور وہ دافع سے وصول کرے گا جیسا کہ عبداللہ بن سنان میں وارد ہے (وسائل الشیعہ)

شانزدہم! اگر دایہ بچہ کو دودھ پلانے کے لیے اپنے گھر لے جائے اور جب کچھ عرصہ کے بعد واپس لائے تو بچہ کی والدہ اور دیگر رشتہ دار یہ کہیں کہ بچہ ہمارا نہیں ہے جبکہ دایہ یہ کہے کہ یہ بچہ تمہارا ہی ہے تو دایہ کا قول مقدم ہوگا جب کہ اس کا جھوٹ شرعاً ثابت نہ ہو جائے کیونکہ وہ امین ہے۔ ہاں البتہ جب اس کا جھوٹ بالکل الم نشرح ہو جائے تو اس پر بچہ کا حاضر کرنا واجب ہو گا ورنہ بنابر مشہور اس پر بچہ کی دیت ادا کرنا واجب ہوگی جس کی دلیل سوائے دعوائے اجماع و اتفاق کے معلوم نہیں ہے (واللہ العالم)

ہفدہم! اگر کوئی دایہ بچہ کو اس کے گھر والوں کی اجازت کے بغیر کسی دوسری دایہ کے حوالے کرے اور پھر شدہ عدم پتہ ہو جائے تو پہلی دایہ پر اس کی کامل دیت کی ادائگی واجب ہوگی۔

ہشدہم! ایک روایت میں وارد ہے کہ ایک چور کسی عورت کے گھر میں داخل ہوا اور جب مل

عن ابی عبد الله في رجل دفع رجلا على رجل فقتله قال الدية على الذي دفع على الرجل فقتله لاولياء المقتول ويرجع المدفوع بالدية على الذي دفعه قال وان اصاب المدفوع شئ فهو على الدافع ايضا الوسائل الجزء ۲ الباب ۲۱ من ابواب قصاص النفس)

و متاع جمع کر چکا تو بے چاری عورت کے ساتھ زنا بالجبر بھی کیا عورت کے لڑکے نے دفاع کی ناکام کوشش کی تو ظالم نے اسے قتل کر دیا اور جب اسباب اٹھا کر باہر جانے لگا تو عورت نے موقع پر اسے قتل کر دیا جب حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مقتول (چور) کے ورثہ سے مقتول بچہ کی دیت لی جائے اور چور کے مال سے چار ہزار درہم اس عورت کو دلوائے جائیں جس کے ساتھ اس نے زنا کیا تھا اور چور کا خون رائیگاں (وسائل الشیعہ ۱۱۱ ۔ مجلسی فرماتے ہیں کہ

اکثر قدماء مثل ہمیں روایت کردہ اند وهو حسن واللہ الموفق

نوع دوم یعنی سببیت کے افراد کا بیان

اس قسم (کہ کوئی شخص کسی کے قتل کا سبب ہو نہ کہ قاتل مباشر) کے بھی کئی افراد ہیں جن کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اول = اگر کوئی شخص اپنی ملکیتی زمین میں پتھر نصب کرے اور کوئی شخص اس سے ٹکرا کر مر جائے یا اپنی ملکیت میں کنواں کھودے اور کوئی شخص اس میں گر کر ہلاک ہو جائے یا زخمی ہو جائے تو یہ شخص ضامن نہ ہوگا ہاں البتہ اگر وہ یہ کام کسی غیر کی ملکیت میں کرے یا عام لوگوں کی گذرگاہ میں کرے، تو پھر یہ اس [illegible] مرنے [illegible] ۔ اگر [illegible] ذمہ [illegible] کا جبکہ [illegible] بلا حقیقت حال سے بے خبر ہو ورنہ وہ ضامن نہ ہوگا۔ اگر کوئی شخص مسافروں کی سہولت کے لیے اور مصلحت عامہ کے لیے راستہ میں کنواں کھودے یا [illegible] راستہ بنائے یا [illegible] مثلاً تعمیر کرائے اور کوئی آدمی ان سے ٹکرا کر یا ان میں گر کر ہلاک ہو جائے تو آیا یہ اس کی دیت کا ضامن ہوگا یا نہ؟ اس میں فی الجملہ اختلاف ہے اقرب یہ ہے کہ اس صورت میں وہ ضامن نہ ہوگا اور اگر یہی کام وہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے کرے تو پھر ضامن ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ ہر وہ کام جو گزرنے والوں کے لیے ضرر رساں ہو اور کام کرنے والے کی کوتاہی کا غماز ہو اس کی وجہ سے ضمانت عائد ہوگی ورنہ نہ جیسا کہ اس مسئلہ کے جملہ نصوص دیکھنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے۔

دوم = اگر کوئی شخص کسی بچہ یا دیوانہ کو تیراکی سکھلا رہا ہو اور بچہ یا دیوانہ اتفاقاً ڈوب کر ہلاک ہو جائے تو اگر یہ تعلیم ان کے ولی کی اجازت سے ہو اور معلم نے کوتاہی بھی نہ کی ہو تو وہ دیت کا ضامن نہ ہوگا ورنہ کامل دیت کا ضامن ہوگا۔

سوئم۔ اگر کوئی شخص اپنی ملکیت میں آگ روشن کرے اور اتفاقاً اس کی کوتاہی کے بغیر وہ سرایت کر کے کسی مال وجان کے نقصان کا باعث بن جائے تو یہ اس نقصان کا ضامن نہ ہوگا۔ ہاں البتہ اگر وہ اس وقت یا اس کیفیت سے روشن کرے کہ جب اسکے سرایت کرنے کا اندیشہ ہو جیسے کہ آگ بہت زیادہ ہو یا سخت ہوا چلنے کی صورت میں روشن کرے تو اس صورت میں وہ اس نقصان کا ضامن ہوگا۔ اور اگر کسی غیر کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر روشن کرے جو کسی کے مال وجان کے ضیاع کا سبب بن جائے تو اس صورت میں وہ بہرحال ضامن ہوگا اور اگر آگ جلانے سے مقصد ہی کسی کو ہلاک کرنا یا کسی کے مال کو نقصان پہنچانا ہو یا اگرچہ یہ قصد نہ ہو مگر آگ اس طرح جلائے کہ جس سے عادتاً مال و جان کا ضیاع ہوتا ہو تو سلطان کے تاوان کے علاوہ اسے جانی نقصان کی صورت میں قصاص میں قتل بھی کیا جا سکے گا۔ جیسا کہ معتبرہ سکونی میں وارد ہے۔ زاجع

چہارم اگر کوئی شخص اپنی مملوکہ یا کسی مباح جگہ پر دیوار تعمیر کرے اور پھر اتفاقاً اس کے گرنے سے کوئی انسان یا حیوان مرجائے تو دیوار بنانے والا ضامن نہ ہوگا ہاں البتہ اگر وہ اسے کسی غیر کی ملکیت میں اسکی اجازت کے بغیر تعمیر کرے یا گو ہو تو اس کی اپنی ملکیت میں مگر اس کا جھکاؤ غیر کی ملکیت یا شارع عام کی طرف رکھے اور پھر وہ کسی پر گرے اور وہ ہلاک ہو جائے تو پھر یہ ضامن ہوگا اور اگر وہ پہلے اس کی ملکیت میں ہو مگر بعد میں اس کا جھکاؤ کسی غیر کی ملکیت یا عام گزرگاہ کی طرف ہو جائے اور اسے اس کا علم بھی ہو اور وہ اس کی اصلاح کرنے یا اسے گرانے پر قادر بھی ہو مگر اپنی سہل انگاری سے ایسا نہ کرے اور اس حالت میں اس کے گرنے سے کسی کا مالی یا جانی نقصان ہو جائے تو یہ ضامن ہوگا ہاں البتہ اگر اسے اس کے اس جھکاؤ کا علم نہ ہو یا اس کی اصلاح کرنے یا اس کے گرانے پر قادر نہ ہو تو پھر ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس کا اضرار اور تفریط ثابت نہیں ہوتی جس پر ضمانت کا دارومدار اور انحصار ہے۔

پنجم۔ مشہور بین الاصحاب یہ ہے کہ پرنالہ، روشن دان وغیرہ کا شارع عام کی طرف رکھنا جائز ہے جبکہ یہ اس قدر بلند سطح پر واقع ہوں کہ پیادہ یا سوار کو وہاں سے گزرنے میں کوئی زحمت نہ ہو لہٰذا اس صورت میں اگر ان کے گرنے سے کوئی انسان یا حیوان تلف ہو جائے تو مالک مکان ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس سے اس کی تفریط و تعدی ثابت نہیں ہوتی۔ ہاں اگر البتہ اس کی سطح پست ہو اور کوئی حیوان یا انسان گزرتے وقت اس سے ٹکرا کر مرجائے یا زخمی ہو جائے یا وہ گرنے والا ہو اور باوجود یہ کہ مالک کو علم ہو اور وہ اس کی اصلاح کرنے یا اس کے اکھیڑنے پر قدرت بھی رکھتا ہو مگر وہ عمداً ایسا نہ کرے تو پھر بوجہ تفریط کوتاہی وہ ہر قسم کے نقصان و زیاں کا

ضامن ہوگا کما لا یخفیٰ

ششم۔ اگر کوئی حیوان مرکنا ہو یا کتا کاٹنے والا ہو تو ان کے مالک پر باندھ کر ان کی حفاظت کرنا ہے لیکن اگر وہ انہیں آزاد چھوڑ دے اور وہ کسی کا جانی یا مالی نقصان کریں تو مالک ضامن ہوگا اور اگر اسے ان کی اس حالت (مرکنا پن وغیرہ) کا علم نہ ہو یا علم تو ہو مگر ان کی حفاظت کرنے میں کوتاہی نہ کرے بلکہ حیوان یا کتا بندھا ہوا ہو مگر رسی تڑوا کر حملہ کر دے تو پھر وہ ضامن نہ ہوگا کیونکہ ضمانت کا انحصار تفریط و کوتاہی پر ہے اور اگر کسی شخص پر کوئی حیوان وغیرہ حملہ کردے اور یہ اپنا دفاع کرتے ہوئے اسے ہلاک یا زخمی کر دے تو ضامن نہ ہوگا۔

ہفتم۔ اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں داخل ہو اور ان کا کتا اسے کاٹ لے تو اگر یہ شخص گھر والوں کی اجازت سے داخل ہو تو پھر وہ اس کی جنایت کے ضامن ہوں گے اور اگر بلا اجازت داخل ہوا ہو تو پھر وہ ضامن نہ ہوں گے اور اگر گھر سے باہر کاٹے تو پھر دیکھا جائے گا کہ دن کے وقت کاٹا ہے یا رات کے وقت پس اگر دن کے وقت کاٹے تو مالک ضامن ہوگا کہ اس نے اسے نہ باندھ کر کوتاہی کی ہے اور اگر رات کے وقت کاٹے تو پھر ضامن نہ ہوگا جیسا کہ نصوص و فتویٰ میں اسکی تصریح موجود ہے۔

توضیح مشہور یہ ہے کہ اگر کسی کی پالتو بلی کسی کا نقصان کرے تو مالک ضامن نہ ہوگا کیونکہ عادۃً اس طرح جاری ہے کہ ہر شخص نے اپنے مال کی حفاظت خود کرنا ہے بلی کو باندھا نہیں جاتا واللہ العالم

ہشتم۔ اگر کوئی رہوار (سواری) اپنے اگلے یا پچھلے پاؤں یا سر مار کر کسی کا نقصان کرے تو اس کا پیشرو اور سوار ضامن ہوگا اور بشرطیکہ انہوں نے کوتاہی کی ہو ورنہ ضامن نہ ہوگا اور پیچھے سے ہانکنے والا صرف رہوار کے پچھلے پاؤں کے نقصان کا ضامن ہوگا اور اگر سوار دو ہوں تو نقصان کی صورت میں دونوں پر برابر تاوان عائد ہوگا اور اگر کھڑی ہوئی حالت میں سواری کوئی نقصان کرے تو اس کا حکم بھی یہی ہے جو مذکور ہوا۔

نہم۔ اگر کسی کا حیوان کسی دوسرے شخص کے باڑے میں داخل ہو کر اس کے کسی حیوان کو ہلاک کردے تو اگر حیوان کے مالک نے اس کی نگہداشت میں کوتاہی کی ہو تو وہ نقصان کا ضامن ہوگا ورنہ نہیں اور اگر باڑے والے حیوان باہر سے حملہ آور حیوان کو نقصان پہنچائیں تو ان کا مالک بہرحال ضامن نہ ہوگا وجہ ظاہر ہے کہ اگر تقصیر یا عدم تقصیر ہے تو حملہ آور حیوان کے مالک کی ہے باڑہ والے حیوانات کا مالک تو بہرحال قصوروار نہیں ہے۔

دہم۔ اگر کسی شخص کا حیوان کسی شخص کی فصل خراب کر دے تو دیکھا جائے گا کہ اس نے دن کے وقت خراب کی ہے (جبکہ بالعموم مالک اپنی فصلوں کی حفاظت خود کیا کرتے ہیں) یا رات کے وقت (جبکہ مالک اپنے حیوانات کی حفاظت کیا کرتے ہیں) لہٰذا اگر دن کے وقت کرے تو مالک ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں کوتاہی فصل کے مالک کی متصور ہوگی اور اگر رات کے وقت کرے تو مالک ضامن ہوگا کیونکہ اس صورت میں کوتاہی حیوان کے مالک کی متصور ہوگی الغرض ضمانت کا دارومدار اور انحصار مالک کی کوتاہی یا عدم کوتاہی پر ہے جیسا کہ یہ بات نصوص اہل بیت رسالت سے واضح و آشکار ہوتی ہے۔ واللہ العالم

تیسری نوع یعنی مباشر اور سبب کے اجتماع کے افراد کا بیان

اس قسم کے بھی کئی افراد ہیں جن کا بڑے اختصار کے ساتھ ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اول۔ جب سبب اور مباشر جمع ہو جائیں جیسے ایک شخص کنواں کھودے اور دوسرا کسی کو اس میں دھکا دے کر گرائے یا ایک شخص کسی کو پکڑے اور دوسرا اسے قتل کر دے یا ایک شخص بندوق میں بارود بھرے اور دوسرا اسے چلائے اور کسی کو قتل کرے تو ان تمام صورتوں میں فاعل مباشر ضامن ہوگا اور عمداً قتل کرنے کی صورت میں اس سے قصاص لیا جائے گا کما تقدم) کیونکہ یہاں مباشر سے زیادہ قوی ہے کما لا یخفی۔

دوم۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی ملکیت میں اسکی اجازت کے بغیر کنواں کھودے اور اس کا منہ خس و خاشاک سے بند کر دے اور دوسرا شخص جسے اس کنویں کا علم نہیں تھا کسی اور آدمی کو دھکا دے اور وہ اس کنویں میں گر کر ہلاک ہو جائے تو یہاں چونکہ سبب (کنواں کھودنے والا) مباشر (دھکا دینے والے) سے قوی ہے اس لیے بنابر مشہور وہ منصور ضامن وہ ہوگا اور بعض فقہاء کرام دونوں کو ضامن قرار دیتے ہیں۔ اس لیے احوط یہ ہے کہ دونوں باہم مصالحت کر لیں۔

سوم۔ اگر کسی شخص کی موت پر دو سبب جمع ہو جائیں مثلاً ایک شخص راستہ میں پتھر رکھے دوسرا وہاں کنواں کھودے اور کسی گزرنے والے کا پاؤں پتھر سے ٹکرائے اور کنوئیں میں گر کر مر جائے تو اشہر و اظہر یہ ہے کہ پتھر رکھنے والا ضامن ہوگا کیونکہ اس شخص کی موت کا اصلی اور پہلا سبب وہی ہے اور بعض فقہاء دونوں کو ضامن قرار دیتے ہیں۔ ہاں البتہ مذکورہ بالا مثال میں ان آدمیوں میں سے اگر ایک کا فعل شرعاً درست ہو اور دوسرے کا غلط جیسے پتھر رکھنے والا تو اپنی ملکیت میں پتھر رکھے مگر کنواں کھودنے والا کسی غیر کی ملکیت میں کھودے تو پھر ضمانت ناجائز کام کرنے والے پر عائد ہوگی۔ واللہ العالم

چہارم: اگر کشتی گرداب بلا میں گھر جائے اور ایک شخص دوسرے سے یہ کہے کہ اپنا مال و متاع دریا میں ڈال دے تاکہ کشتی غرق ہونے سے بچ جائے۔ چنانچہ صاحب مال اپنا مال و اسباب دریا میں ڈال دے تو آیا مال دریا میں ڈالنے کا حکم دینے والا اس مال کا ضامن ہوگا یا نہ؟ تو یہ حالات حاضرہ پر منحصر ہے پس اگر وہاں کوئی ایسا حالیہ یا مقالی قرینہ موجود ہو جو مفت ڈالنے پر دلالت کرتا ہو (جیسا کہ بالخصوص ایسے حالات و مقامات پر ہوتا ہے) تو وہ ضامن نہ ہوگا ہاں اگر وہ وضاحت کر دے کہ مال دریا میں ڈال دے میں تیرے مال کا ضامن ہوں تو پھر وہ یقیناً ضامن ہوگا

پنجم: اگر کوئی شخص بلندی سے گرتے وقت یا کنوئیں یا دریا میں گرتے وقت کسی دوسرے شخص سے چپک جائے اور اس طرح اس دوسرے شخص کی موت واقع ہو جائے تو پہلا شخص اس کی دیت کا ضامن ہوگا اور اگر اس حال میں دوسرا تیسرے سے لپٹ جائے اور وہ تیسرا ہلاک ہو جائے تو پہلا اور دوسرا دونوں بحصہ برابر اس کی دیت کے ضامن ہوں گے کیونکہ اس کی موت ان دونوں کی طرف منسوب ہوگی اور اگر تیسرا چوتھے سے چمٹ جائے اور وہ مر جائے تو پہلے تینوں اس کی دیت میں سے ایک ایک ثلث کے ضامن ہوں گے اسی طرح اگر چوتھا پانچویں کو لے ڈوبے تو پہلے چاروں ضامن ہوں گے وعلیٰ ھذا القیاس پانچواں چھٹے سے لپٹ جائے تو پانچوں اس کے ضامن ہوں گے۔

اور اگر کوئی شخص کسی کو کنوئیں کی طرف کھینچے اور وہ اس طرح زور سے گرے کہ خود کھینچنے والا اس کے نیچے آ کر اور دب کر ہلاک ہو جائے تو خون ہدر جائے گا اور اگر وہ شخص مر جائے جسے کھینچا گیا تھا تو پھر تو کھینچنے والے کے بارے میں قتل نے کنوئیں میں گرایا تھا تو پھر تو قصاص ثابت ہوگا ورنہ اس کی دیت کا تو وہ بہرحال ضامن ہوگا اور اگر اس باہمی کھینچا تانی میں دونوں موت کے گھاٹ اتر جائیں، تو کھینچنے والے کا خون ہدر جائے گا اور دوسرے کی دیت پہلے کے مال سے ادا کی جائے گی۔ واللہ العالم

خاتمہ کلام

"اعضاء و جوارح کی دیات کا بیان"

اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کی مقدار شرعاً مقرر ہے دوسری وہ جس کی مقدار شرعاً مقرر نہیں ہے اس میں صرف ارش (تاوان) ادا کیا جاتا ہے جسے اصطلاح فقہاء میں "حکومت" بھی کہا جاتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ آزاد آدمی کو غلام تصور کر کے اس کی دو بار قیمت مقرر کی جائے گی۔ ایک بار جبکہ صحیح ہو اور دوسری بار جب کہ وہ اس جنایت کا شکار ہو چکا ہو اور پھر

دیکھا جائے کہ اس جنایت کی وجہ سے اس کی قیمت میں کس قدر کمی واقع ہوئی ہے اسی کی نسبت سے دیت وصول کی جائے گی مثلاً صحیح کی قیمت سو اور عیب دار کی اسی (۸۰) ہو تو پوری دیت کا پانچواں حصہ جانی سے وصول کیا جائے گا۔

مخفی نہ رہے کہ جن اعضاء و جوارح کی دیت شرعاً مقرر ہے ان میں غالباً یہ اصول کار فرما ہے کہ جو انسانی اعضاء صرف ایک ایک ہوتے ہیں جیسے زبان ناک اور آلہ تناسل وغیرہ ان میں پوری انسانی دیت واجب ہوتی ہے اور جو اعضاء دو دو ہوتے ہیں جیسے ہاتھ پاؤں آنکھیں اور کان وغیرہ تو ان دونوں میں پوری ایک دیت اور صرف ایک میں نصف دیت عائد ہوتی ہے۔ (جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے۔ **کل ما کان فی الانسان منہ واحد ففیہ الدیۃ کاملۃ وما کان فی الانسان اثنان ففی کل واحد نصف الدیۃ**)

جس کی تفصیل ذیل میں آ رہی ہے پہلے ہم ان اعضاء کی دیت کا تذکرہ کرتے ہیں جن کی دیت شرعاً مقرر ہے اور وہ اٹھارہ ہیں اس کے بعد دوسری قسم کا تذکرہ کیا جائے گا انشاء اللہ

اول بال اکھیڑنے کی دیت کا بیان اور اسکے مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص کوئی ایسا کام کرے جس سے کسی شخص کے سر کے بال گر جائیں تو اگر وہ دوبارہ نہ اگیں تو اس صورت میں اس پر کامل دیت لازم ہوگی جس پر اخبار و فتاوی کا اتفاق ہے اور اگر دوبارہ اگ آئیں تو اس میں ارش واجب ہوگا کیونکہ شرعاً اس کی کوئی دیت مقرر نہیں ہے اور اگر یہی صورت حال کسی عورت کو پیش آئے اور اس کے بال دوبارہ نہ اگیں تو اس صورت میں جانی پر کامل دیت واجب ہوگی اور اگر دوبارہ اگ آئیں تو پھر اس پر مہرالمثل کی ادائیگی واجب ہوگی۔ جیسا کہ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کی وہ روایت جو بروایت عبداللہ بن سنان مروی ہے اس پر دلالت کرتی ہے۔ (التہذیب۔ الکافی)

اور یہی قول فقہاء میں مشہور ہے اور یہی منصور ہے نیز جانی کی کچھ تادیب بھی کی جائے تاکہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے۔

مسئلہ ۲۔ اور اگر یہی سلوک کسی مرد کی داڑھی کے ساتھ کیا جائے یعنی اسے مونڈ دیا جائے یا نوچ لیا جائے تو اگر وہ دوبارہ نہ اگے تو جانی کو پوری دیت ادا کرنا پڑے گی اور اگر اگ آئے تو پھر دیت کا ثلث (۱/۳) ادا کرنا پڑے گا جیسا کہ سکونی کی معتبر روایت اس پر دلالت کرتی ہے جو تہذیب اور فقیہ میں مذکور ہے۔

مسئلہ ۳: اگر کسی کے ابرو کے بال زائل کر دیے جائیں تو بنا بر مشہور و منصور ایک ابرو کی

دیت ایک آنکھ کی دیت کا نصف ہے یعنی ابرو کی دیت، اڑھائی سو دینار اور دونوں کی پانچ سو یعنی کل دیت کا نصف، جبکہ ایک آنکھ کی دیت پانچ سو دینار اور دونوں کی ایک ہزار ہے جیسا کہ اس پر معتبرہ ظریف دلالت کرتی ہے۔

مسئلہ ۳۔ اگر آنکھوں کی پلکوں کے بال زائل کیے جائیں تو اگر دوبارہ اگ آئیں تب تو ارش واجب ہوگا اور اگر نہ اگیں تو اختلاف ہے بعض فقہاء نے دونوں آنکھوں کی پلکوں میں کامل دیت اور ایک پلک میں نصف دیت کا قول اختیار کیا ہے مگر یہ بات ثابت نہیں ہے اس لیے اظہر یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں صرف ارش ہی واجب ہوگا (واللہ العالم)

توضیح۔ مذکورہ بالا تمام صورتوں میں بالوں کے دوبارہ اگنے یا نہ اگنے کا دارومدار اور ان کے اگنے کی مدت کا انحصار اہل خبرہ کے بیان پر ہے ویسے سر کے بالوں کے متعلق ایک روایت میں ایک سال کی مدت مقرر کی گئی ہے۔ وحولا حلو من قوہ

دوئم۔ آنکھوں کی دیت کا بیان اور اسکے مسائل

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص کسی آدمی کی دونوں آنکھیں ضائع کر دے تو اس پر پوری دیت نفس واجب الاداء ہوگی اور اگر ایک آنکھ ضائع کرے تو پھر نصف دیت کی ادائیگی لازم ہوگی اس سلسلہ میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جو ضائع کی ہیں وہ آنکھیں بالکل صحیح ہوں یا بھینگی ہوں یا شبکوری میں مبتلا ہوں یا ان سے پانی بہتا ہو۔

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی شخص کسی آدمی کی دونوں آنکھوں کی چاروں پلکوں کو ضائع یا زخمی اور عیب دار بنا دے تو اس میں سخت اختلاف ہے کہ اس صورت میں جانی پر کیا واجب ہوگا؟ مشہور یہ ہے کہ چاروں پلکوں میں پوری دیت اور دو میں نصف دیت ہے اس قاعدہ کی بناء پر جو اوپر مذکور ہے کہ جو انسان میں جو عضو ایک ہے اس میں پوری دیت اور جو دو ہیں ان میں سے ایک میں نصف دیت اور دونوں دیت پوری میں واجب ہوتی ہے مگر اس قاعدہ کا اس صورت کو شامل ہونا اشکال سے خالی نہیں ہے اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ بالائی پلکوں میں ایک آنکھ کی دیت کے دو ثلث اور زیریں پلکوں میں آنکھ کی دیت کا ایک ثلث اور بعض کے نزدیک بالائی پلک میں آنکھ کی دیت کا ایک ثلث یعنی ایک سو چھیاسی دینار کامل اور ۶۷ ویں دینار کے دو ثلث اور زیریں پلک میں آنکھ کی نصف دیت۔ دلالت کرتی ہے جو وسائل الشیعہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔

مسئلہ ۳۔ اگر کوئی شخص کسی کانے کی آنکھ کو ضائع کر دے تو اس صورت میں یہ آنکھ دو آنکھوں کی قائم مقام متصور ہوگی یعنی اس میں پوری دیت واجب ہوگی اس میں کوئی فرق نہیں کہ یہ کانا پن خلقی ہو یا عارضی اور خواہ ثواب اللہ ہو یا انسانی جنایت کا نتیجہ ہو کیونکہ اس

سلسلہ میں وارد شدہ روایات میں اطلاق پایا جاتا ہے اور وہ صحیحہ محمد بن قیس عن الباقرؑ اور صحیحہ حلبیؒ عن الصادقؑ ہیں واللہ العالم

سیوم۔ ناک کی دیت کا بیان اور اسکے احکام

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص کسی کے تمام ناک کو بیخ و بن سے اکھیڑ ڈالے یا اس کی ہڈی کو توڑ پھوڑ دے یا اس کے نچلے نرم حصہ کو قطع کر دے تو ان تمام صورتوں میں بناء بر مشہور و منصور اس پر تمام دیت لازم ہوگی۔ جس پر متعدد روایات معتبرہ دلالت کرتے ہیں۔

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی شخص کسی کے ناک کی وہ درمیانی دیوار گرا دے جو دونوں نتھنوں کے درمیان حد فاصل ہوتی ہے تو اس صورت میں بناء بر مشہور اس پر نصف دیت واجب ادا ہوگی۔ جس پر معتبرہ سماعہ بن صالح دلالت کرتی ہے۔

مسئلہ ۳۔ اگر کوئی شخص کسی کے ناک کا ایک نتھنا قطع کر دے تو اس میں اختلاف ہے کہ آیا اس صورت میں کس قدر دیت واجب ہوگی؟

چنانچہ ایک قول یہ ہے کہ اس سے نصف دیت واجب الادا ہوتی ہے دوسرا یہ کہ اس سے ربع دیت واجب ہوتی ہے اور تیسرا یہ کہ اس سے دیت کی ایک تہائی ادا کرنا پڑتی ہے ان اقوال میں سے اظہر یہی آخری قول ہے جسے علاوہ مشہور بین الاصحاب ہونے کے معتبرہ غیاثؒ از صادقؑ اور روایت عبدالرحمن از صادق علیہ السلام کی بھی تائید مزید حاصل ہے۔ (وسائل الشیعہ)

چہارم کان کی دیت کا بیان و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص کسی کے دونوں کان جڑ سے اکھیڑ دے یا انہیں کاٹ دے تو اس سے کامل دیت ثابت ہو جاتی ہے اور اگر صرف ایک کان اکھیڑے یا کاٹے تو پھر نصف دیت واجب الادا ہوتی ہے۔

لہ قال ابو جعفرؑ قضی امیر المومنین فی رجل اعور اصیب عینہ الصحیحۃ ففقئت ان تفقاء احدی عینی صاحبہ ویعقل لہ نصف الدیۃ وان شاء اخذدیتہ کاملۃ ویعفاعن عین صاحبہ (الوسائل الجزء ۱۹ الباب ۲۷ من ابواب دیات الاعضاء)

لہ عن جعفرؑ عن ابیہؑ عن علیؑ انہ قضی فی شحمۃ الاذن ثلث دیۃ الاذن وفی الاصبع الزائدۃ ثلث دیۃ الاصبع وفی کل جانب من الانف ثلث دیۃ الانف۔ (الوسائل الجزء ۱۹ الباب ۴۳ ابواب دیات الاعضاء)

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی شخص کسی کے کان کا صرف کچھ حصہ کاٹے تو پورے کان کے ساتھ اس کی نسبت دیکھی جائے گی۔ مثلاً (نصف ہے یا ثلث وغیرہ) تو اس کے مطابق دیت لازم ہوگی۔

مسئلہ ۳۔ اگر کوئی کسی کا نرمۂ گوش (کان کی لو) قطع کرے تو اس پر پورے کان کی دیت کی ایک تہائی واجب الادا ہوتی ہے ان احکام پر نصوص و فتاوی کا اتفاق ہے۔ اس سلسلہ میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کان شنوندہ ہو یا بہرہ ہو۔ لاطلاق النصوص و الفتاوی

پنجم = ہونٹوں کی دیت کا بیان اور انکے احکام

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص کسی آدمی کے دونوں ہونٹ قطع کردے تو اسے پوری دیت ادا کرنی پڑتی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے ہاں جو کچھ اختلاف ہے صرف۔ اس میں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا صرف ایک ہونٹ قطع کرے تو آیا اوپر اور نیچے والے ہونٹ کی دیت میں کوئی فرق ہے یا نہ؟ چنانچہ اس میں چار قول ہیں۔

۱۔ اوپر والے میں ایک ثلث اور نچلے میں دو ثلث

۲۔ اوپر والے میں چار سو دینار اور نچلے میں چھ سو دینار

۳۔ اوپر والے میں نصف دیت اور نچلے میں دو ثلث

۴۔ دونوں برابر ہیں یعنی ہر ایک میں نصف دیت۔ ہر قول کے فقہاء میں سے بعض فقیہ قائل ہیں اور ہر ایک کے پاس کچھ شواہد و دلائل بھی ہیں اس لئے یہ مسئلہ اگرچہ پیچیدہ ہے اور اشکال و اجمال سے خالی نہیں ہے۔ تاہم اظہر آخری قول ہے جسے ابن ابی عقیل" محقق حلی" (در شرائع) علامہ حلی" (در قواعد و تبصرہ وغیرہ) شہید اول" (درلمعہ) شہید ثانی" (در مسالک) مقدس اردبیلی" (در مجمع البرہان) فاضل کاشانی" (در مفاتیح) اور آیت اللہ الخوئی نے (در تکملۃ" المنہاج) اختیار کیا ہے جس پر معتبرہ" سماعہ دلالت کرتی ہے جس میں وارد ہے۔ "والشفتان العلیا والسفلی سواء فی الدیۃ" یا ایں ہمہ احوط یہ ہے کہ نچلے ہونٹ کے قطع کرنے کی صورت میں چھ سو دینار ادا کئے جائیں اور مزید احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ صلح کرلی جائے اور اگر ہونٹ کا کچھ حصہ قطع کیا جائے تو اس کی اس نسبت کے مطابق جو اسے پورے ہونٹ کی دیت سے ہے دیت لازم ہوگی۔ واللہ العالم

ششم زبان کی دیت کا بیان و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص کسی آدمی کی صحیح و سالم زبان قطع کردے تو اسے انسان کی کامل دیت ادا کرنا واجب ہوتی ہے اور اگر زبان کا صرف بعض حصہ قطع کرے جس کی وجہ سے وہ زبان بریدہ

آدمی بعض الفاظ کو ادا نہ کر سکے۔ جو بناء بر مشہور اٹھائیس ہیں اس بنا پر کہ الف و ہمزہ کو ایک حرف شمار کیا جائے اور دوسرے قول کے مطابق انتیس ہیں اس بنا پر کہ الف اور ہمزہ الگ الگ دو حرف شمار کئے جائیں تو جس قدر الفاظ ادا نہ کر سکے۔ ان کی پورے الفاظ سے نسبت کے مطابق دیت واجب ہوگی۔ مثلاً سات حرف ادا نہ کر سکے تو ربع اور چودہ نہ کر سکے تو نصف و ھکذا اگر پورے الفاظ ادا نہ کر سکے تو پھر پوری دیت واجب ہوگی۔

مسئلہ ۲۔ اگر گنگے آدمی کی زبان قطع کی جائے تو اس کی وجہ سے ایک ثلث (کامل دیت کا ایک) دیت ادا کرنا پڑتی ہے اور اگر اس کی زبان کا ایک حصہ قطع کیا جائے تو پوری زبان سے اسے جو نسبت حاصل ہے۔ مثلاً نصف یا ثلث یا ربع تو اس کی اس نسبت کے مطابق ثلث دیت سے اتنی دیت واجب الادا ہوگی۔

مسئلہ ۳۔ اگر کوئی شخص کسی ایسے چھوٹے بچہ کی زبان قطع کردے جو ہنوز بولتا نہ ہو تو اسے صحیح و سالم تصور کیا جائے گا اور اس سے پوری دیت لازم الادا ہوگی۔

مسئلہ ۴۔ اگر اس قطع و برید سے زبان میں کوئی نقص و عیب پیدا ہو جائے مثلاً وہ حروف کو جلد جلد ادا کرے یا کوئی اور نقص ہو تو اس صورت میں ارش (صحیح و معیب میں فرق کا تاوان) واجب ہوگا۔

ہفتم = دانتوں کی دیت کا بیان اور احکام

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص کسی آدمی کے پورے دانت توڑ دے یا اکھیڑ دے تو اس سے پوری دیت واجب ہو جاتی ہے اور اگر صرف بعض توڑے تو پھر دیکھا جائے گا کہ کتنے توڑے ہیں اور کون سے توڑے ہیں؟ کیونکہ بالعموم اٹھائیس دانت ہوتے ہیں بارہ اگلے دانتوں (چھ اوپر والے اور چھ نیچے والے) کو "مقادیم" کہا جاتا ہے۔ (جن میں سے بالکل سامنے والے دو دو دانتوں کو ثنایہ اور ان کے ارد گرد والے دو دو دانتوں کو رباعیہ اور ان کے آس پاس والے دانتوں کو ناب کہا جاتا ہے) اور باقی سولہ دانتوں کو "مواخیر" کہا جاتا ہے۔ (جن میں سے چار دانتوں کو "ضاحک" کہا جاتا ہے جو غالباً ہنستے وقت ظاہر ہو جاتے ہیں اور باقی بارہ کو "آسیا" اور ڈاڑھ کہا جاتا ہے) لہٰذا اگلے بارہ دانتوں میں سے ہر ایک دانت کی دیت پچاس دینار ہے (مجموعہ چھ سو دینار) اور پچھلے دانتوں میں سے ہر ایک دانت کی پچیس دینار ہے (مجموعہ چار سو دینار) کل میزان ایک ہزار دینار نیز

واضح رہے کہ دانت کو بیخ و بن سے اکھیڑنے اور اوپر سے توڑنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگر دانت توڑے کوئی اور اور اکھیڑے کوئی اور تو توڑنے والے پر دیت اور اکھیڑنے والے پر ارش واجب ہوگا اور بناء بر قول قوی دانت کے معاملہ میں کبیر اور صغیر کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

مسئلہ ۳۔ مشہور یہ ہے کہ اگر بچہ کا دانت ایک سال تک دوبارہ نکل آئے تو اس سے صرف ارش و تاوان ادا کرنا پڑتا ہے اور اگر نہ اگے تو پھر دیت لازم ہوتی ہے مگر اس قول کی دلیل واضح اور تمام نہیں ہے اور اطلاق نصوص کا تقاضا وہی ہے جو ابھی اوپر مسئلہ ۲ میں بیان کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں کبیر و صغیر میں کوئی فرق نہیں ہے۔ واللہ العالم

ہشتم = گردن کی دیت کا بیان

اگر کوئی شخص کسی کی گردن توڑ دے جس کی وجہ سے وہ ٹیڑھی ہو جائے یا اس کی وجہ سے روٹی کا لقمہ نہ نگلا جا سکے تو اس صورت میں کامل دیت واجب ہوگی اور اگر گردن اس طرح اکڑ جائے کہ دائیں بائیں نہ مڑ سکے اور لقمہ نگلنے میں بھی زحمت ہو تو پھر بناء بر مشہور صرف ارش واجب ہوگا۔ وبس

نہم = جبڑوں کی دیت کا بیان اور انکے احکام

مسئلہ ۱۔ جبڑوں سے مراد وہ دو ہڈیاں ہیں جو چہرہ کے دونوں طرف کانوں سے شروع ہوتی ہیں اور ٹھوڑی پر باہم ملتی ہیں جن کی اندرونی جانب دانت اور بیرونی جانب مرد کی ڈاڑھی ہوتی ہے اگر یہ دونوں ہڈیاں اپنی جگہ سے اکھیڑ دی جائیں تو اس سے کامل دیت اور اگر صرف ایک اکھیڑی جائے تو پھر نصف دیت واجب ہوتی ہے۔

مسئلہ ۲۔ مذکورہ بالا حکم اس صورت میں ہے کہ جبڑے کے ساتھ دانت نہ توڑے جائیں جس طرح کسی ایسے بچہ کے جبڑے توڑے جائیں جس کے ہنوز دانت نکلے ہی نہ ہوں یا ایسے بوڑھے آدمی کے جبڑے توڑے جائیں جس کے دانت بڑھاپے کی وجہ سے گر چکے ہوں۔ ورنہ اگر دانت بھی ہمراہ توڑے گئے تو دو دیتیں واجب ہوں گی۔ ایک جبڑوں کی اور دوسری دانتوں کی۔

مسئلہ ۳۔ اگر یہ جبڑے اکھیڑے نہ جائیں لیکن ان پر اس طرح چوٹ لگائی جائے جس کی وجہ سے سخت ہو جائیں یا ٹوٹ جائیں جس کے باعث کھانے یا بولنے میں دشواری ہوتی ہو تو پھر ارش لازم ہوگا۔

دہم۔ ہاتھوں کی دیت کا بیان اور اسکے احکام

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص کسی آدمی کے دونوں ہاتھ قلم کردے تو بلا اختلاف اس صورت میں پوری دیت اور اگر ایک ہاتھ کاٹے تو اس صورت میں نصف دیت لازم الاداُہو جاتی ہے اور یہ سب اس شکل میں ہے کہ جب ہاتھ بند دست سے کاٹا جائے اور اگر بند دست سے کچھ اوپر مثلاً" کلائی یا کاندھے سے کاٹا جائے تو آیا اس صورت میں بھی وہی ایک دیت یا نصف دیت کا حکم جاری ہوگا۔ یا زائد مقدار کے لئے کچھ مزید دیت یا ارش لازم ہوگا؟ اس میں تین قول ہیں۔ (۱) وہی ایک دیت (دونوں ہاتھوں کی صورت میں) یا نصف دیت۔ (ایک ہاتھ کی صورت میں) واجب ہوگی۔ (۲) زائد مقدار کے لئے ارش لازم ہوگا۔ (۳) دو دیتیں لازم ہوں گی۔ ایک بند دست کے لئے اور دوسری زائد مقدار کے لئے مگر یہ آخری دونوں قول ضعیف ہیں کیونکہ (بند دست سے لے کر کاندھے تک تمام عضو کو "ید" (ہاتھ) ہی کہا جاتا ہے لہٰذا اس کے قطع پر ایک ہی دیت واجب ہوگی۔

مسئلہ ۲۔ اگر کسی شخص کے بند دست کے بعد دو ہاتھ ہوں ایک اصلی اور دوسرا زائد تو اصلی کے قطع کرنے پر تو نصف دیت واجب ہوگی اور زائد کے قطع کرنے میں اختلاف ہے بعض اصلی ہاتھ کی ایک تہائی دیت کے قائل ہیں مگر اقرب یہ ہے کہ اس صورت میں ارش لازم ہوگا کیونکہ شرعاً" اس کی کوئی مقدار معین نہیں ہے اور ایسی صورت میں ارش لازم ہوتا ہے۔

مسئلہ ۳۔ اگر کسی شخص کی کف دست (ہتھیلی) نہ ہو اور اس کی کلائی یا کاندھے سے مونڈھا کاٹا جائے تو اس پر بھی قطع ید والے احکام لاگو ہوں گے۔

یازدہم۔ انگلیوں کی دیت کا بیان اور اس کے احکام

مسئلہ ۱۔ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے دونوں ہاتھوں کی تمام (دسوں) انگلیاں کاٹ دے تو اس صورت میں پوری دیت لازم الاداُ ہوتی ہے۔ (اور یہی حکم پاؤں کی دسوں انگلیوں کے کاٹنے کا ہے) ہاں البتہ اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ بعض انگلیوں کے کاٹنے کی صورت میں انگوٹھے سمیت ہر انگلی کی دیت مساوی ہے یعنی کل دیت کا دسواں حصہ یا انگوٹھے اور دوسری انگلیوں کی دیت میں کچھ فرق ہے؟ چنانچہ مشہور یہ ہے کہ سب کی دیت برابر ہے اور ان میں کوئی باہمی فرق نہیں ہے جس پر صحیحۂ حلبی" صحیحہ عبداللہ بن سنان اور معتبرہ سماعہ دلالت کرتی ہیں جن میں تصریح موجود ہے کہ "هن سواء فی الدية" اور دوسرا قول یہ ہے کہ

انگوٹھے کی دیت کل دیت کا ایک ثلث ہے اور دوسری تمام انگلیوں کی دو ثلث اس پر معتبرہ ظریف بن صالح دلالت کرتی ہے بعید نہیں ہے کہ یہ دوسرا قول مخالف عامہ ہونے کی وجہ سے اظہر ہو۔ اگرچہ پہلا قول اشہر ہے۔ و سول غلہ ۔ توقہ ۔

لعدم معارضۃ معتبرۃ ظریف بالروایات بہ
العیوف ۔ وا معتمد ھا ۔

توضیح مخفی نہ رہے کہ ہر ہر انگلی کے تین تین اور انگوٹھے میں دو دو پور ہوتے ہیں لہٰذا ہر انگلی کی دیت ہر پور پر برابر برابر تقسیم کی جائے گی۔ یعنی ایک بالائی پور کاٹنے کی صورت میں انگلی کی دیت کا ایک ثلث' دو پور کاٹنے کی شکل میں دو ثلث واجب ہوگی اور تینوں پوروں کے کاٹنے پر پوری انگلی کی دیت واجب ہوگی۔

مسئلہ ۲۔ اگر کسی شخص کی زائد انگلی ہو اور وہ کاٹ دی جائے تو اس کی دیت اصلی انگلی کا ایک ثلث ہوگی۔

مسئلہ ۳۔ اور اگر کوئی شخص کسی کی انگلی کو شل کردے تو اس سے پوری انگلی کاٹنے کی دیت کے دو ثلث واجب الادا ہوں گے۔

مسئلہ ۴۔ اگر کسی شخص کی وہ انگلی کاٹی جائے جو شل شدہ ہو تو اسے صحیح انگلی کی دیت کا ایک ثلث دینا پڑتا ہے۔

مسئلہ ۵۔ اگر کوئی شخص کسی کے ناخن اکھیڑ دے تو مشہور یہ ہے کہ اگر ناخن دوبارہ نہ اگے یا سیاہ رنگ کا اگے تو ہر ہر ناخن کے عوض دس دس دینار دیت لازم ہوگی اور اگر صحیح رنگ میں اگ آئے تو صرف پانچ دینار واجب ہوں گے۔ مخفی نہ رہے کہ پاؤں کی انگلیوں کا حکم بھی ہاتھوں والی انگلیوں جیسا ہے۔ فلا تغفل۔

دوازدہم کمر توڑنے کی دیت کا بیان اور اسکے احکام

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص کسی کی کمر توڑ دے اور وہ اصلاح پذیر نہ ہو سکے یا اس کی اصلاح تو ہو جائے مگر کبڑا پن باقی رہ جائے تو اس سے تمام دیت واجب ہو جاتی ہے

مسئلہ ۲۔ اگر اس طرح اصلاح ہو جائے کہ کبڑا پن بھی باقی نہ رہے تو مشہور یہ ہے کہ اس صورت میں ایک ثلث دیت واجب ہوتی ہے مگر جناب ظریف کی روایت میں ایک سو دینار وارد ہے واللہ العالم

مسئلہ ۳۔ اگر پشت ٹوٹنے کی وجہ سے پاؤں شل ہو جائیں تو بنا بر مشہور ایک کامل دیت پشت

ٹوٹنے کی وجہ سے اور کامل دیت کے دو ثلث ٹانگوں کے شل ہونے کی وجہ سے لازم الاداء ہوں گے جیسا کہ ظریف کی روایت میں وارد ہے

سیزدھم پستان کاٹنے کی دیت کا بیان اور اس کے احکام

مسئلہ ا۔ اگر کوئی شخص کسی عورت کے دونوں پستان کاٹ ڈالے تو اس سے عورت کی تمام دیت لازم ہو جائے گی۔ (جو کہ مرد کی دیت کا نصف ہے۔ کما تقدم) اور اگر ایک کاٹے تو اس کی نصف دیت لازم ہوگی۔

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی شخص کسی مرد کے دونوں پستانوں کے سرے کاٹ ڈالے تو اس سے کامل دیت واجب ہوگی؟ یا اس کا آٹھواں حصہ یا ارش؟ اس میں فی الجملہ اختلاف ہے مگر اصح یہ ہے کہ معتبرہ ظریف کے مطابق دیت کا آٹھواں حصہ (یعنی ایک سو پچیس دینار) واجب ہوگا اور تحقیق قول کے مطابق عورت کے سرپستان کاٹنے کا بھی یہی حکم ہے۔ کما مر تفصیلہ۔

چہاردہم۔ آلۂ تناسل قطع کرنے کی دیت کا بیان اور اسکے احکام

مسئلہ ا۔ اگر کوئی شخص کسی کا پورا آلہ تناسل یا اس کا سر حشفہ قطع کردے تو اس سے کامل دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ اس مبحث کی ابتداء میں واضح کیا جا چکا ہے کہ انسانی جسم میں جو عضو دو دو ہوتے ہیں ان دونوں کے استیصال پر کامل دیت واجب ہوتی ہے اور ایک پر نصف اور اس سلسلہ میں بوڑھے اور جوان اور بچہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

مسئلہ ۲۔ جس شخص کا آلہ تناسل بوجہ خصی ہونے کے شل ہو چکا ہو تو اس کے قطع کرنے کی صورت میں ایک ثلث دیت واجب ہوتی ہے کیونکہ ہر شل شدہ عضو کا حکم یہی ہے کہ اس میں اس کے صحیح عضو کی دیت کا ایک ثلث واجب ہوتا ہے۔

مسئلہ ۳۔ اگر نامرد کا آلہ قطع کیا جائے تو مشہور یہ ہے کہ اس میں ایک ثلث دیت واجب ہوتی ہے اور قاعدہ مذکورہ بالا کے مطابق ہونا بھی یہی چاہئے مگر معتبرہ سکونی میں کامل دیت مذکور ہے لہذا احوط استحبابی یہی ہے کہ اس روایت کے مطابق عمل کیا جائے۔ واللہ العالم

پانزدھم خصیتین قطع کرنے کی دیت کا بیان اور اسکے احکام

مسئلہ ا۔ اگر کوئی شخص کسی کے دونوں خصیے قطع کردے تو اس میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ

---

[۱] عن ابی عبداللہ قال قال امیر المومنین فی ذکر الصبی الدیۃ وفی ذکر العنین الدیۃ۔

(الوسائل الجزء ۱۹ الباب ۳ من ابواب دیات الاعضاء)

اس سے پوری دیت واجب ہو جاتی ہے جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف ایک خصیہ کے قطع کرنے کی دیت میں ہے کہ آیا دونوں خصیوں کا حکم ایک ہے یا دائیں' بائیں کی دیت میں کچھ فرق ہے؟ چنانچہ مشہور یہ ہے کہ بائیں خصیہ میں دو ثلث اور دائیں میں ایک ثلث عائد ہوتی ہے اور بعض اخبار و آثار میں اس ترجیح کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بچہ بائیں بیضہ سے متکون ہوتا ہے مگر اس کے بالمقابل ایسے اخبار بھی موجود ہیں جو دونوں کی مساوات پر دلالت کرتے ہیں لہذا اس کے بعد سابقہ ضابطہ کے عموم کے مطابق کہ جسم میں جو اعضاء دو کی تعداد میں ہوتے ہیں ان میں سے ہر ایک کے قطع کرنے سے نصف دیت لازم ہوتی ہے تساوی کا حکم راجح ہوگا۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ اگر خصیہ پر جنایت کرنے سے آدمی کو فتق کا عارضہ لاحق ہو جائے تو اس سے دو خمس دیت یعنی چار سو دینار لازم ہوتی ہے جیسا کہ ظریف کی روایت میں ہے جو کہ جناب امیر علیہ السلام سے دیات الاعضاء کے سلسلہ میں منقول ہے

شانزدہم اندام نہانی کے دونوں کنارے قطع کرنیکی دیت کا بیان اور اسکے احکام

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص عورت کی اندام نہانی کے دونوں کناروں کا گوشت قطع کر دے تو اس سے تمام دیت اور اگر صرف ایک طرف کا کنارہ قطع کرے تو نصف دیت واجب ہوگی۔ جس پر سابقہ عمومی قاعدہ کے عمومی روایات کے علاوہ صحیحہ عبدالرحمن بن سیابہ خصوصی طور پر دلالت کرتی ہے۔ (وسائل الشیعہ)

مسئلہ ۲۔ اس سلسلہ میں بڑی چھوٹی جوان اور بوڑھی' مریضہ اور صحیحہ عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ (لعموم النص و الفتویٰ)

ہفتدہم سرینوں کی دیت کا بیان

اگر کوئی شخص کسی کی دونوں سرینیں قطع کر دے تو مذکورہ بالا ضابطہ کے مطابق اسکی کامل دیت اور اگر ایک کو قطع کرے تو اس سے نصف دیت لازم ہوگی۔ کما لا یخفیٰ واللہ العالم

ہشتدہم پاؤں کی دیت کا بیان

مسئلہ ۱۔ دونوں قدم کاٹنے سے کامل دیت اور ایک کے قطع کرنے سے نصف دیت لازم الاداء ہوتی ہے اس سلسلہ میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ پاؤں بند پا سے کاٹا جائے یا پنڈلی سے یا ران سے اور اس طرح انگلیوں کی یا پنڈلی یا ران کی الگ دیت واجب نہ ہوگی۔ مگر پاؤں چھوڑ

کہ صرف انگلیاں کاٹنے سے یا صرف پنڈلی یا صرف ران قطع کرنے سے انکی دیت لازم آئے گی جو دونوں کے قطع کرنے کی صورت میں کامل اور ایک میں نصف ہوگی۔

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی شخص ایسا کام کرے جس سے کسی کا پاؤں شل ہو جائے تو اسے پاؤں کی دیت کا دو ثلث ادا کرنا پڑے گا۔

مسئلہ ۳۔ اگر کوئی شخص کسی کا شل شدہ پاؤں قلم کرے تو وہ پاؤں کی دیت کا ایک ثلث ادا کرے گا۔ واللہ العالم

ایضاح ۔ اگر کوئی شخص نو سال کی عمر مکمل ہونے سے پہلے اپنی منکوحہ کا افضاء کردے تو اس کا حکم اسکے کفارہ کے باب النکاح میں تفصیلاً بیان کیا جاچکا ہے یہاں اس کے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

اعضاء و جوارح کے منافع پر جنایت یا اتلافِ صلاحیتِ عضو کی دیت کا بیان

اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی آدمی پر اس قسم کی جنایت کرے کہ جس سے اس کا اصل عضو تو موجود رہے مگر اس کی منفعت ختم ہو جائے مثلاً دماغ موجود رہے مگر اس سے عقل غائب ہو جائے کان تو موجود رہے مگر اس کی سماعت رخصت ہو جائے اور آنکھ تو موجود رہے مگر اس کی بصارت ختم ہو جائے و ھکذا تو اس کی بارہ قسمیں ہیں۔ ذیل میں ہر ایک قسم اور اسکے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

قسم اول زوال عقل اور اسکے مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص کسی کے سر پر ایسی چوٹ لگائے جس سے مضروب کی عقل اور سوچ و بچار کی قوت بالکل زائل ہو جائے تو اس سے جانی پر کامل دیت واجب ہوگی۔ بشرطیکہ ایک سال تک اس کی عقل واپس عود نہ کرے۔ جیسا کہ صحیحہ ابی عبیدہ حذاء میں وارد ہے اور اگر سال کے اندر اندر عود کر آئے تو پھر صرف ارش لازم ہوگا اور اگر اس اثناء میں اسی جنایت کے نتیجہ میں وہ آدمی مرگیا تو پھر جانی سے اس کا قصاص لیا جائے گا۔

مسئلہ ۲۔ اگر اس جنایت کے نتیجہ میں عقل میں کمی تو واقع ہو جائے لیکن بالکل زائل نہ ہو تو اس سے صرف ارش ثابت ہوگا نہ دیت۔

مسئلہ ۳۔ اگر ایک ہی چوٹ سے سر کی ہڈی بھی ٹوٹ جائے اور عقل بھی زائل ہو جائے تو تحقیق

صرف زوال عقل کی دیت واجب ہوگی اور اگر دو الگ الگ چوٹوں سے یہ دو عارضے لاحق ہوں تو پھر زوال عقل کی دیت الگ اور ہڈی ٹوٹنے کی الگ واجب ہوگی۔ واللہ العالم

دوم زوال سماعت اور اسکے احکام

مسئلہ ۱۔ اگر کسی جانی کی جنایت کاری سے کسی کے دونوں کانوں کی سماعت زائل ہو جائے تو اس سے پوری دیت واجب ہوگی اور اگر صرف ایک کان کی سماعت زائل ہو تو پھر نصف دیت لازم الاداء ہوگی۔ بشرطیکہ ماہر ڈاکٹر یا حکیم اس بات کی تصدیق کردے کہ قوت سماعت کے عود کرنے کی کوئی امید نہیں ہے جس کی مدت حدیث صحیح میں ایک سال مقرر کی گئی ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگر جانی مضروب کے اس دعویٰ کی تصدیق کردے کہ اس کی قوت سماعت زائل ہوگئی ہے تو فبہا ورنہ اس آدمی کی غفلت کی حالت میں بلند آواز وغیرہ کے ذریعہ اس کا امتحان لیا جائے گا پس اس طرح کرنے سے اگر اس کا دعویٰ غلط ثابت ہوگیا تو درست ورنہ قسامہ سے اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔ یعنی ایک قسم وہ خود اور پانچ اور آدمی اس کے حق میں قسمیں کھائیں گے اور اگر وہ نہ مل سکیں تو پھر وہ خود چھ قسمیں کھائے گا اور اس طرح وہ دیت کا حقدار بن جائے گا۔

مسئلہ ۳۔ اگر کان کاٹنے کی وجہ سے قوت سماعت زائل ہو جائے تو دو دیتیں واجب ہوں گی۔ ایک کان کاٹنے کی اور دوسری زوال سماعت کی۔

سیوم۔ زوال بصارت اور اسکے مسائل

مسئلہ ۱۔ اگر کسی جانی کی جنایت کاری سے کسی شخص کی دونوں آنکھوں کی بصارت زائل ہو جائے تو اس سے کامل دیت اور اگر ایک آنکھ کی زائل ہو تو نصف دیت جانی پر واجب الاداء ہوگی۔ بشرطیکہ حکیم حاذق اور ماہر ڈاکٹر اس بات کی تصدیق کردیں کہ بصارت کے عود کرنے کی کوئی توقع نہیں ہے اور اگر اس کا احتمال ہو کہ عود کر آئے گی تو بناء بر روایت صحیحہ ایک سال تک انتظار کیا جائے گا پس اگر عود کر آئے تو جانی سے صرف ارش لیا جائے گا ورنہ دیت واجب الادا ہوگی اور اگر پہلے دیت لی جاچکی ہو اور پھر بصارت عود کر آئے تو وہ لی ہوئی دیت واپس لوٹائی جائے گی اور یہی حکم ہر اس دیت کا ہے جو پہلے وصول کرلی جائے اور مقررہ مدت کے اندر اندر وہ عضو ٹھیک ہو جائے تو اس طرح ادا کردہ دیت واپس لی جائے گی۔ اور صرف ارش لیا جائے گا۔

مسئلہ ۲۔ اگر جانی مضروب کے دعویٰ کی تصدیق کردے تو پھر تو کوئی اشکال و اجمال نہیں ہے لیکن اگر وہ تصدیق کرنے سے انکار کردے تو پھر اس کے دعویٰ کو امتحان کی کسوٹی پر پرکھ کر اسکا

تصدیق یا تردید کی جائے گی اور اس کا امتحان لینے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کی آنکھوں کو سورج یا اس جیسی کسی تیز روشنی کے سامنے کیا جائے پس اگر وہ آنکھ جھپکنے لگے تو اس کا دعوی غلط اور اگر نہ جھپکے تو صحیح متصور ہوگا۔

مسئلہ ۳۔ اگر اس میں اختلاف ہو جائے کہ بصارت کا یہ زوال یا اس میں کمی اسی جنایت کی وجہ سے ہوئی ہے یا نہیں؟ تو پھر قسامہ کو عمل میں لایا جائے۔ یعنی اگر مضروب مکمل زوال بصارت کا دعوی کرے تو پوری چھ قسمیں اور اگر نصف بصارت کے زوال کا دعوی کرے تو تین قسمیں اور اگر ایک ثلث کے زوال کا ادعا کرے تو پھر دو قسمیں کھائے کہ وہ اپنے دعوی میں سچا ہے اور یہ کہ بصارت میں یہ نقص جانی کی اسی جنایت کے نتیجہ میں واقع ہوا ہے۔ واللہ العالم

چہارم زوال شامہ اور اسکے مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی جانی کسی شخص پر ایسی جنایت کاری کرے کہ جس سے اس کی قوت شامہ ناک کے دونوں نتھنوں سے بالکل ختم ہو جائے تو اس سے کامل دیت اور اگر صرف ایک نتھنے سے ختم ہو تو پھر نصف دیت لازم ہو جاتی ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگر جانی اس کے دعوی کی تصدیق کرے تب تو دوسری بات ہے اور اگر وہ اس سے اختلاف کرے تو پھر اس کے دعوی کا اس طرح امتحان لیا جائے گا کہ کسی کپڑے وغیرہ کو آگ لگا کر اسے اس کی ناک کے قریب کیا جائے گا پس اگر وہ سر کو پیچھے ہٹالے اور اسکی آنکھوں میں آنسو بھی ڈبڈبا آئیں تو اسے کاذب سمجھا جائے گا اور اگر اس پر یہ کیفیت طاری نہ ہو تو پھر اسے سچا قرار دیا جائے گا۔ اس کے باوجود اگر سابقہ تفصیل کے ساتھ قسامہ بھی عمل میں لایا جائے۔ (کہ تمام قوت شامہ کے زوال کے لئے چھ قسمیں اور نصف کے لئے تین قسمیں کھائے۔ و ھکذا)، تو احوط و اولی ہوگا۔

مسئلہ ۳۔ اگر کوئی شخص کسی شخص کی ناک کاٹ دے اور اس کی وجہ سے اس کی قوت شامہ زائل ہو جائے تو ایسا کرنے سے دو دیتیں واجب ہوں گی ایک ناک کاٹنے کی وجہ سے اور دوسری قوت شامہ کے زوال کے سبب سے۔

پنجم قوت ذائقہ کا زوال اور اس کے احکام

مسئلہ ۱۔ اگر کسی جانی کی جنایت کاری کی وجہ سے کسی کی قوت ذائقہ زوال پذیر ہو جائے تو اکثر

فقہاء کے قول کے مطابق اس سے جانی کو پوری دیت ادا کرنا پڑے گی۔ لیکن اظہر یہ ہے کہ اس سے صرف ارش لازم آتا ہے۔ کیونکہ کامل دیت والے ادلہ اس مورد کو شامل نہیں ہیں۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ اس کا ثبوت کہ یہ زوال ذائقہ جانی کی جنایت کی وجہ سے ہوا ہے' قسامہ کے ساتھ ہوگا اسی طرح اگر مضروب قوت ذائقہ میں کمی کا دعویٰ کرے تو بناء بر ایک قول کے دیت اسی نسبت سے واجب ہوگی مثلاً نصف کمی سے نصف اور ثلث سے ثلث وھکذا لیکن یہ امر بھی قسامہ سے ثابت کیا جائے گا۔ اور ارش والے قول کے مطابق ارش بھی اسی نسبت سے لازم ہوگا۔

ششم۔ قوت ناطقہ کا زوال اور اسکے احکام

مسئلہ۱ = اگر کسی جانی کی جنایت کاری کی وجہ سے کسی کی قوت گویائی سلب ہو جائے تو اس سے پوری دیت اور اس قوت کے کچھ حصہ کے زائل ہونے سے اسکی اسی نسبت سے دیت کی اتنی مقدار واجب ہوگی یعنی حروف کی تعداد کے مطابق دیت کے اٹھائیس حصے تصور کئے جائیں گے اور مضروب جس قدر حروف ادا نہیں کر سکے گا اسی نسبت سے دیت کی ادائیگی واجب ہوگی۔

مسئلہ نمبر۲ = اگر جانی اور مجنی علیہ میں اختلاف ہو جائے تو امتحان و اختبار کے ذریعے تصدیق یا تکذیب کی جائے گی۔ (جو کہ صحیحہ محمد بن قیس کے مطابق یہ ہے کہ کوئی سوئی وغیرہ اس کی زبان میں چبھوئی جائے گی۔ پس اگر سرخ رنگ کا خون نکلا تو اسے کاذب اور اگر سیاہ رنگ کا نکلا تو اسے صادق تصور کیا جائے گا۔) اور اس کے باوجود ظاہر یہ ہے کہ قسامہ پر بھی عمل کیا جائے گا۔

مسئلہ ۳۔ اور اگر جنایت کی وجہ سے صرف ثقل لسانی کا عارضہ لاحق ہو جائے تو اس سے ارش لازم ہوگا مخفی نہ رہے کہ جنایت کے نتیجہ میں آواز کے بالکل بیٹھ جانے کا حکم بھی قوت ناطقہ کے زوال والا ہے۔ فلا تغفل۔

ہفتم۔ قوت ماسکہ کا زوال اور اس کے احکام

مسئلہ :۔ اگر کسی جانی کی جنایت کاری سے کسی آدمی کی وہ ہڈی ٹوٹ جائے جو مقام دبر میں ہوتی ہے جو پاخانہ کو روکتی ہے جس کی وجہ سے پاخانہ نہ رکے یا ہڈی ٹوٹنے کے بجائے کسی اور چوٹ سے اسے یہ عارضہ لاحق ہو جائے تو اس سے کامل دیت لازم ہو جاتی ہے جیسا کہ صحیحہ سلیمان بن خالد میں وارد ہے۔

مسئلہ ۲۔ اگر کسی کی جنایت کاری سے کسی کی وہ ہڈی ٹوٹ جائے جو مقعد اور آلہ تناسل کے درمیان ہوتی ہے جو پیشاب کو روکتی ہے الغرض اس ہڈی کے ٹوٹ جانے یا جانی کی کسی اور ضرب سے اس شخص کا پیشاب نہ رک سکے اور اسے سلسل البول کا عارضہ لاحق ہو جائے تو اس کا حکم بھی یہی ہے یعنی اس سے بھی کامل دیت لازم الادا ہو جاتی ہے۔

ہشتم عارضہ فتق کا لحوق

اگر کسی جانی کی جنایت کاری کی وجہ سے کسی کو فتق کا عارضہ لاحق ہو جائے تو اس سے کامل دیت کے دو خمس یعنی چار سو دینار لازم ہو جاتے ہیں جیسا کہ صحیحہ یونس میں اس کی صراحت موجود ہے۔

نہم مثانہ بکر کا شگافتہ کرنا

اگر کوئی جانی کسی باکرہ لڑکی کا اس طرح افضا کرے کہ جس سے اس کا مثانہ پھٹ جائے اور وہ پیشاب نہ روک سکے۔ تو بناء بر مشہور اس سے کامل دیت لازم ہو جاتی ہے مگر جناب ظریف کی روایت کے مطابق اس سے دیت کا صرف ایک ثلث اور مہرالمثل لازم ہوتا ہے۔ واللہ العالم

دہم افضاء کرنا

اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ بیوی کا نو سال کی عمر سے قبل دخول کر کے افضا کرے یعنی بول و حیض کا مسلک ایک کر دے تو اس کی دیت کا بیان باب النکاح میں گزر چکا ہے۔ فراجع ھناک۔

یازدہم تعذر انزال

اگر کوئی جانی کسی پر کوئی ایسی جنایت کرے جس سے اس کا انزال نہ ہو سکے تو بناء بر مشہور اس سے دیت کاملہ واجب ہو جاتی ہے مگر اظہر یہ ہے کہ اس سے صرف ارش لازم آتا ہے کیونکہ دیت کاملہ والے ادلہ کا اس مقام کو شامل ہونا محل کلام ہے ہاں البتہ اگر اسکی وجہ سے اس کی قوت مجامعت ہی زائل ہو جائے یعنی وہ نامرد ہو جائے تو اس سے کامل دیت واجب ہو جائے گی۔ کما تقدم

با ایں ہمہ احوط یہ ہے کہ مجنی علیہ کے ساتھ صلح کی جائے۔

دوازدہم اعضاء کا شل ہو جانا

اگر کوئی جانی کوئی ایسی جنایت کرے جس سے کسی کا کوئی عضو شل ہو جائے تو نصوص،

فتاوی کا اتفاق ہے کہ اس سے اس عضو کی کامل دیت کے دو ثلث لازم ہو جاتے ہیں سوائے آلہ تناسل کے کہ اس کے شل ہونے کی شکل میں پوری دیت لازم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ابھی اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ نامرد ہونے کی وجہ سے پوری دیت لازم ہوتی ہے اور وہ اخبار و اثار جن سے ہر عضو کے شل ہونے کی صورت میں اس عضو کی پوری دیت کی ادائیگی ظاہر ہوتی ہے تو عامہ کے موافق ہونے کی وجہ سے تقیہ پر محمول ہیں۔ واللہ العالم

سر اور چہرہ پر زخم لگانے کی دیت کا بیان

عربی میں "شجاج و شجہ" اس زخم کو کہا جاتا ہے جو سر اور چہرہ لگایا جائے اور اس کی نو قسمیں ہیں۔

۱۔ خارصہ۔ اس زخم کو کہتے ہیں جو صرف جلد کو چیر دے مگر گوشت تک نہ پہنچے اس کی دیت ایک اونٹ ہے یعنی کل دیت کا ۱۰۰/۱ حصہ

۲۔ دامیہ۔ اس زخم کو کہتے ہیں جو جلد کو چیر کر تھوڑا سا گوشت میں چلا جائے اور کچھ خون میں نکل آئے۔ اس میں دو اونٹ ہیں۔ یعنی (۱۰۰/۲)

۳۔ باضعہ (جسے متلاحم بھی کہا جاتا ہے) یہ اس زخم کو کہا جاتا ہے جو گوشت میں کافی دور تک چلا جائے لیکن ہڈی کے پوست تک نہ پہنچے۔ اس میں ۳ اونٹ ہیں۔ (۱۰۰/۳)

۴۔ سمحاق۔ یہ اس زخم کو کہتے ہیں جو گوشت کو کاٹ کر اس جھلی تک پہنچ جائے جو ہڈی کے اوپر ہوتی ہے اس میں چار اونٹ ہیں۔ (۱۰۰/۴)

۵۔ موضحہ۔ یہ اس زخم کو کہتے ہیں جو ہڈی کے پوست کو شگافتہ کردے جس سے ہڈی ظاہر ہو جائے۔ اس میں پانچ اونٹ ہیں۔ (۱۰۰/۵)

۶۔ ہاشمہ۔ یہ اس زخم کو کہتے ہیں جو ہڈی کو توڑ دے اس میں دس اونٹ ہیں۔ (۱۰۰/۱۰) مخفی نہ رہے کہ اس میں اصل معیار ہڈی کا ٹوٹنا ہے زخم ہو یا نہ ہو۔

۷۔ منقلہ۔ یہ اس زخم کو کہتے ہیں جو ہڈی کو اس کے اصلی خلقی مقام سے دوسری جگہ منتقل کر دے۔ اس میں پندرہ اونٹ ہیں۔ (۱۰۰/۱۵)

۸۔ مامومہ۔ یہ اس زخم کو کہتے ہیں جو دماغ کے پردہ تک پہنچ جائے۔ مگر وہ پردہ پھٹے نہیں اس میں پوری دیت کا ایک ثلث ہے یعنی ۳۳ اونٹ یا تین سو تینتیس دینار اور ۳۴ ویں دینار کا ایک ثلث

۹۔ دامغہ۔ یہ اس زخم کو کہتے ہیں جو دماغ کے پردہ کو پھاڑ دے جس کے بعد زندہ رہنے کا امکان بہت ہی کم باقی رہ جاتا ہے اس کی دیت وہی ہے جو ماموسہ میں مذکور ہے ہاں البتہ یہاں پردہ دماغ پھاڑنے کا ارش اس کے علاوہ ہے۔

ان نوگانہ اقسام کے مسائل و احکام کا بیان؟

مسئلہ ۱۔ چھٹی قسم (ہاشمہ) سے لیکر نویں قسم (دامغہ) تک قصاص نہیں ہے اگرچہ عمداً ہی یہ زخم لگائے جائیں بلکہ ان میں صرف دیت کی ادائیگی لازم ہوتی ہے۔

مسئلہ ۲۔ اوپر زخم کی جو نو قسمیں مذکور ہیں ان میں سے ہرادنیٰ درجہ کو اعلیٰ درجہ کے اندر داخل سمجھا جاتا ہے ہاں اگر وہ زخم متعدد چوٹوں کی وجہ سے لگیں تو پھر دیت بھی متعدد ہوگی عام اس سے کہ زخم لگانے والا ایک آدمی ہو یا ایک سے زائد ہوں۔

مسئلہ ۳۔ یہی زخم جن کا تذکرہ ---- سر کے سلسلہ میں کیا گیا ہے اگر یہ چہرہ پر لگیں تب بھی وہی دیت واجب ہوگی جو اوپر مذکور ہے اور اگر یہی زخم بدن کے کسی دوسرے حصہ پر لگیں مثلاً ہاتھ پر تو دیکھا جائے گا کہ اس زخم کی دیت کو تمام نفس کی دیت سے کیا نسبت ہے پھر اسی نسبت کے حساب سے اس عضو کی دیت سے واجب الادا ہوگی۔

مثلاً موضحہ میں پانچ شتر واجب ہیں اور اس کی دیت تمام نفس کی دیت کے برابر ہے کیونکہ سر کے جدا ہونے کے بعد زندگی باقی نہیں رہتی۔ اور جب نفس کی کل دیت سو شتر ہے تو پانچ شتر اس کا بیسواں حصہ بنتے ہیں۔

بناء بریں ایک ہاتھ کی دیت چونکہ کل دیت کا نصف ہے۔ یعنی پچاس اونٹ لہٰذا اس کا بیسواں حصہ اڑھائی اونٹ ہوگی۔ وھکذا

مسئلہ ۴۔ اوپر زخموں کی مختلف قسموں میں دیت کے سلسلے میں جو اونٹ بیان کئے گئے ہیں یہ بطور مثال ہیں۔ اصل مقصد کل دیت کا وہ حصہ ادا کرنا ہے۔ جو اسے کل سے حاصل ہے۔ مثلاً ہاشمہ میں دس اونٹ ہیں تو چونکہ تمام دیت سو اونٹ یا ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہے تو ہاشمہ میں اس کا دسواں حصہ واجب ہوگا۔ جو اونٹوں کے حساب سے دس اونٹ۔ دینار کے حساب سے سو دینار اور درہم کے حساب سے ایک ہزار درہم بنتے ہیں۔ البتہ احوط یہ ہے کہ اونٹ اور دینار پر ہی کتفا کیا جائے کیونکہ نصوص میں انہی کا تذکرہ ہے۔

مسئلہ ۵۔ اگر کوئی شخص کسی آدمی کے دو یا دو سے زائد اعضاء کو زخمی کردے جیسے سر اور ہاتھ

پاؤں تو ہر عضو کے زخم کا حکم علیحدہ ہوگا۔ یعنی ہر ایک زخم کی دیت الگ الگ واجب الادا ہوگی۔

عام بدنی زخموں کے مسائل و احکام کا بیان

مسئلہ ۱۔ جائفہ تیر یا تلوار یا نیزے کے اس زخم کو کہتے ہیں جو دماغ یا شکم یا سینہ کے اندر تک پہنچ جائے اس میں تمام دیت کا ایک ثلث واجب ہوتا ہے یعنی تین سو تینتیس ۳۳۳ دینار اور ۳۳ ویں دینار کا ایک ثلث یا ۳۳ اونٹ اور اس قسم میں قصاص نہیں ہوتا۔

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی آدمی پہلے کسی آدمی کو عام زخم لگائے پھر اسے تدریجاً پیٹ تک پہنچائے تو وہ دونوں زخموں کی الگ الگ دو دیتیں ادا کرے گا۔

مسئلہ ۳۔ اگر کوئی آدمی کسی کے سینہ میں اس طرح نیزہ یا تیر مارے کہ اس کی پشت سے پار ہو جائے تو آیا اس صورت میں وار کے ایک ہونے کی وجہ سے ایک دیت لازم ہوگی؟ یا یہ دو زخم متصور ہوں گے۔ اور دو جائفہ کی دیت واجب الادا ہوگی؟ یا (۴۳۳) چار سو تینتیس دینار اور ۳۴ ویں کا ایک ثلث؟ اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے جناب ظریف کی روایت کے مطابق آخری قول اظہر ہے ویسے دوسرا قول بھی قوت سے خالی نہیں ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۴۔ اگر کوئی آدمی کسی آدمی کے ہاتھ پاؤں یا پنڈلی یا ران میں ایسا زخم لگائے جو آر پار ہو جائے تو اس صورت میں معتبرہ ظریف کے مطابق اسے ایک سو دینار طلائی ادا کرنا پڑے گا۔

مسئلہ ۵۔ اگر کسی جانی کی جنایت کاری سے کسی آدمی کا کان شگافتہ ہو جائے۔ تو آیا اس کیلئے کان کی دیت کا ایک ثلث واجب الاداء ہوگا؟ جیسا کہ شیخ طوسیؒ نے کتاب خلاف میں اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے؟ یا اسے ارش ادا کرنا پڑے گا؟ جیسا کہ بعض فقہاء کا نظریہ ہے کیونکہ ارش وہاں ہوتا ہے جہاں شرعاً دیت کی مقدار معین نہ ہو۔ اور یہ مورد بھی انہی مقامات میں سے ایک ہے۔ و ہو الظاہر واللہ العالم

مسئلہ ۶۔ اگر کوئی شخص کسی کے منہ پر ایسا تھپڑ مارے جس سے اس کا چہرہ سیاہ یا سبز یا سرخ ہو جائے تو پہلی صورت میں چھ دینار، دوسری میں تین دینار اور تیسری قسم میں ڈیڑھ دینار دیت واجب الاداء ہوگی۔ جیسا کہ بروایت ظریف جناب امیر علیہ السلام سے مروی ہے اور اگر اسی قسم کا تھپڑ چہرہ کے علاوہ بدن کے کسی دوسرے حصہ پر رسید کیا جائے جس سے چمڑے پر سیاہی یا سبزی یا سرخی نمودار ہو جائے۔ تو مذکورہ بالا دیت کا نصف واجب ہوگی۔ یعنی چھ دینار کی بجائے تین اور تین کی بجائے ڈیڑھ۔ و ھکذا

جنین پر بلکہ منی اور حمل پر جنایت کرنے کے احکام کا بیان

مسئلہ ۱۔ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ سے مقاربت کر رہا ہو کہ کوئی شخص اسے اسطرح ڈرائے دھمکائے کہ جسکی وجہ سے وہ اپنے مادہ منویہ کو رحم سے باہر گرادے تو جانی پر بطور دیت دس دینار واجب الاداء ہونگے۔ اس پر نصوص و فتاوی کا اتفاق ہے۔

مسئلہ ۲۔ مشہور یہ ہے کہ آزاد عورت سے اس کی رضا مندی کے بغیر "عزل" (منی کا رحم سے باہر گرانا) جائز نہیں ہے اور اگر شوہر ایسا کرے تو وہ دس دینار بطور تاوان عورت کو ادا کرے گا۔ مگر شہرت کے سوا اس حرمت اور اس دیت کے لزوم پر کوئی قابل اطمینان دلیل قائم نہیں ہے۔ بلکہ صحیحۂ محمد بن مسلم اور معتبرۂ عبدالرحمن سے اس فعل کا جواز ظاہر ہوتا ہے کیونکہ ان میں وارد ہے کہ۔ ذاک الی الرجل یصرفہ حیث یشاء

(یہ مرد کی مرضی پر منحصر ہے جہاں چاہے منی گرائے) کنیز اور متعہ میں تو عزل کے جواز اور دیت کے لازم نہ ہونے پر تو سب علماء کا اتفاق ہے۔

مسئلہ نمبر ۳ = قرآن و حدیث کی رو سے کئی مراتب و مدارج سے گزر کر بچہ کی خلقت کی تکمیل ہوتی ہے اصح یہ ہے کہ مولود چالیس دن تک نطفہ ہوتا ہے اسکے بعد چالیس دن تک علقہ (خون منجمد) بعد ازاں چالیس دن تک مضغہ (گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے) اس کے بعد اس میں ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں پھر ان پر گوشت و پوست کا غلاف چڑھتا ہے اس کے بعد اس میں روح داخل ہوتی ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص حمل کو اس وقت گرائے جبکہ وہ نطفہ کی شکل میں رحم کے اندر مستقر ہو تو اس پر بیس دینار علقہ کی شکل میں، ہو تو چالیس دینار۔ مضغہ کی شکل میں ہو تو ساٹھ دینار اگر ہڈی بن چکی ہو تو اسی دینار اور ہڈیوں پر گوشت و پوست چڑھ چکا ہو تو ۱۰۰ دینار اور اگر روح اسمیں داخل ہو چکی ہو تو لڑکے میں ہزار دینار اور لڑکی میں پانچ سو دینار دیت واجب ہوتی ہے جس پر نصوص و فتاوی کا اتفاق ہے۔

مسئلہ ۴۔ مشہور یہ ہے کہ کافر ذمی کے جنین کی دیت اس کے باپ کی دیت کا دسواں حصہ ہے

جو کہ اسی درہم بنتی ہے مگر معتبرہ سکونی کے مطابق اس کی ماں کی دیت کا دسواں حصہ ہے جو کہ چالیس درہم ہے۔ رہا ولد ظہران کا خلاف الاظہر

مسئلہ ۵۔ مشہور یہ ہے کہ غلام کے جنین کی دیت اس کی ماں کی قیمت کا دسواں حصہ ہے جس پر سکونی کی روایت دلالت کرتی ہے (وسائل الشیعہ)

مسئلہ ۶۔ اگر حاملہ کے پیٹ میں ایک سے زائد حمل ہوں جو گرائے جائیں تو تعداد حمل کے مطابق ہر ایک کی دیت الگ الگ واجب ہوگی۔

مسئلہ ۷۔ اگر کوئی شخص کسی حاملہ عورت کو قتل کردے جس کی وجہ سے اس کا بچہ بھی موت کی نذر ہو جائے تو جانی پر عورت کی دیت الگ اور حمل کی دیت الگ واجب ہوگی یعنی لڑکا ہونے کی صورت میں لڑکے کی اور لڑکی ہونے کی شکل میں لڑکی کی اور اگر اس چیز کی تحقیق نہ ہوسکے کہ وہ حمل بچہ کا تھا یا بچی کا۔ اظہر یہ ہے کہ نصف دیت بچہ کی ادا کی جائے گی اور نصف بچی کی جیسا کہ عبداللہ بن سنان کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے جو جناب صادق آل محمد علیہ السلام سے مروی ہے۔ (وسائل الشیعہ وغیرہ)

اور بعض نے قرعہ والا قول اختیار کیا ہے مگر یہ بے محل ہے کیونکہ قرعہ مشکل امر کیلئے ہوتا ہے اور صریحی روایت معتبرہ کے پائے جانے کے بعد اس میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

مسئلہ ۸۔ اگر کوئی شخص کسی حاملہ عورت پر اس طرح جنایت کرے کہ اس کا بچہ زندہ سقط ہو جائے اور کوئی دوسرا جانی اس بچہ کا سر کاٹ ڈالے تو آیا بچہ کی دیت پہلے جانی پر واجب ہوگی یا دوسرے پر؟ اور اس کا قاتل کون متصور ہوگا؟ اس میں تفصیل ہے اگر بچہ حیاۃ مستقرہ رکھتا تھا یعنی اگر دوسرا جانی اس کا سر قلم نہ کرتا تو وہ کچھ عرصہ تک زندہ رہ جاتا تو پھر تو دیت دوسرے جانی پر واجب ہوگی اور وہی قاتل متصور ہوگا۔ اور پہلے پر صرف تعزیر جاری کی جائے گی۔ اور اگر بچہ

۱؎ عن جعفر عن ابیہ عن علیؑ انہ قضی فی جنین الیہودیۃ والنصرانیۃ والمجوسیۃ عشر دیۃ امہ (الوسائل الجزء ۱۹ الباب ۱۸ من ابواب دیات النفس)

۲؎ عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال دیۃ الجنین خمسۃ اجزاء ... الی ان قال وان قتلت المرأۃ وھی حبلی فلم یدر ذکرا کان ولدھا ام انثی فدیۃ الولد نصف دیۃ الذکر ونصف دیۃ الانثی ودیتھا کاملۃ (الوسائل الجزء ۱۹ الباب ۲۱ من ابواب دیات النفس)

حیاۃ مستقرہ نہیں رکھتا تھا تو دیت پہلے جانی پر واجب ہوگی اور ... قاتل متصور ہوگا۔ اور دوسرے پر صرف تعزیر جاری کی جائے گی۔ اور اگر اس بات کا علم نہ ہو سکے کہ سقط کے وقت بچہ زندہ تھا یا مردہ تو قصاص دونوں سے ساقط ہوگا۔ البتہ سر کاٹنے والے پر میت کا سر کاٹنے کی دیت واجب ہوگی جو کہ ایک سو دینار ہے اور یہ مال ورثہ کا نہیں ہوتا بلکہ میت کا متصور ہوگا۔ جسے کارہائے خیر میں صرف کیا جائے گا۔

مسئلہ ۹۔ روح کے داخل ہونے سے پہلے جنین کے اعضاء و جوارح پر جو جنایت کی جائے۔ مثلاً اس کے ہاتھ قلم کئے جائیں یا پاؤں کاٹے جائیں تو اس صورت میں اس کی کل دیت سے دینار کے حساب سے ان اعضاء کی دیت واجب ہوگی یعنی دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کے کاٹنے کی صورت میں کامل سو دینار اور ان میں سے ایک کی صورت میں پچاس دینار۔ وھکذا

مسئلہ ۱۰۔ اگر اس حمل کو گرایا جائے جو زنا کی وجہ سے مستقر ہوا ہے تو اگر اس میں ہنوز روح داخل نہیں ہوئی تھی۔ تو اس صورت میں ولد الزنا کی کل دیت (جو کہ بنا بر قول منصور آٹھ سو درہم ہے) کا دسواں حصہ یعنی اسی درہم واجب ہوگی اور اگر روح داخل ہو چکی تھی تو لڑکے کی پوری دیت یعنی آٹھ سو درہم اور لڑکی میں اس کی نصف یعنی چار سو درہم واجب الادا ہوگی جیسا کہ یہ تفصیل جناب ظریف کی معتبر روایت میں حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے۔ (وسائل و وافی وغیرہ)

حیوان پر جنایت کرنے کے احکام کا بیان

مسئلہ ۱۔ حیوانات کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) حلال گوشت جیسے بھیڑ بکری وغیرہ

(۲) وہ حرام گوشت جس کا تذکیہ ہو سکتا ہے یعنی بسم اللہ پڑھ کر اس کو ذبح کیا جا سکتا ہے۔ (تاکہ مرنے کے بعد اس کا پوست وغیرہ پاک رہے اور اس سے فائدہ حاصل کیا جا سکے) جیسے شیر اور چیتا وغیرہ

(۳) وہ حرام گوشت جس کا تذکیہ نہیں ہو سکتا جیسے کتا اور خنزیر وغیرہ (جو کہ نجس العین ہیں)

پس پہلی دو قسموں کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی حیوان کو اس کے مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کردے تو مالک کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو ذبح شدہ حیوان کو ذابح کے حوالے کر کے اس

سے زندہ حیوان کی پوری قیمت وصول کرے اور اس صورت میں اگر اس حیوان کے بعض اجزاء جیسے پشم وغیرہ قابل استفادہ ہوں تو مالک کو حق حاصل ہے کہ چاہے تو وہ خود رکھ لے اور اصل قیمت سے اتنی مقدار وضع کردے اور چاہے تو وہ بھی ذابح کے حوالے کرکے مکمل قیمت وصول کرلے۔

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی شخص حیوانات کی مذکورہ بالا پہلی دو قسموں میں سے کسی کے حیوان کا کوئی عضو کاٹ ڈالے یا توڑ ڈالے تو اسکی وجہ سے صحیح اور معیب حیوان میں جو تفاوت پیدا ہوگا۔ جانی اس کا ضامن ہوگا۔

مسئلہ ۳۔ اگر کوئی شخص ان حیوانات میں سے کسی حیوان کی آنکھ ضائع کردے تو وہ اس کی اصل قیمت میں سے چوتھائی کا ضامن ہوگا۔

مسئلہ ۴۔ اگر کوئی شخص کسی حیوان پر کوئی ایسی جنایت کرے جس کی وجہ سے اس کا حمل سقط ہوجائے۔ تو حیوان کی اصل قیمت کا دسواں حصہ جانی پر واجب الادا ہوگا۔

مسئلہ ۵۔ اگر حیوان حرام گوشت ہے اور قابل تذکیہ بھی نہیں جیسے کلب و خنزیر تو چونکہ ایسے جانور ایک مسلمان کی ملکیت میں داخل نہیں ہوسکتے۔ اس لئے جانی صرف دو صورتوں میں ضامن ہوگا۔ ایک یہ کہ یہ جانور کافر ذمی کی ملکیت میں ہوں جو شرائط ذمہ پر کاربند ہو دوسرے یہ کہ کتا اگرچہ مسلمان کا ہو۔ مگر صرف چار جائز اغراض کے لئے رکھا گیا ہو۔

(۱) بھیڑ بکریوں وغیرہ کی حفاظت کے لئے۔

(۲) باغ کی حفاظت کے لئے۔

(۳) زراعت کی حراست کے لئے۔ (۴) جائز شکار کے لئے۔

وہاگر کوئی اس قسم کے کتوں کو جان سے مار دے تو ان کی دیت میں خاصا اختلاف ہے، بعض فقہاء ایک دنبہ کے بعض چالیس درہم بعض بیس درہم کے اور بعض ایک بوری گندم وغیرہ کے قائل ہیں مگر یہ سب اقوال اپنی سند کے ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں ہیں لہٰذا اقرب یہ ہے کہ عقلائی قاعدہ کے مطابق جانی ان کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ جس پر معتبرہ سکونی دلالت کرتی

حاشیہ عن ابی عبداللہؑ قال امیر المومنینؑ فیمن قتل کلب الصید قال یقومہ و کذلک البازی و کذلک کلب الغنم و کذلک کلب الحائط۔ (الوسائل الجزء ۱۹ من ابواب دیات النفس)

ہے جو امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے اور وسائل و وافی وغیرہ کتب معتبرہ میں موجود ہے یہ ہے جامع خلاصہ ان احکام کا جو اس سلسلہ میں فقہاء ابرار اور آئمہ اطہارؑ کے مختلف اخبار و آثار میں تدبر و تفکر کرنے سے واضح و آشکار ہوتا ہے جو ہم نے اپنی ناچیز تحقیق کے مطابق بلا کم و کاست ناظرین کرام کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

وفقنا اللہ تعو للعمل بھذہ الا وامر والاحکام الماخوذہ من مھابط الوحی والا لھام علیھم الصلوہ والسلام وایدنا بتائیداتہ القدسیتہ للاستضائتہ بنور ھدایتھم و ثبتنا علی طریقتھم ولایتھم ورزقنا شفاعتھم وبرکتھم وحشرنا فی زمرتھم فی الدنیا والاخرہ انہ خیر موفق ومعین واخر دعوانا ان الحمد اللہ رب العالمین وصلی اللہ تعلی علی سیدنا ونبینا محمد والہ الطیبین الطاہرین المعصومین اللھم صلی علی محمد وال محمد وکان الفراغ من تسوید ھذا الکتاب الجلیل علی ید ھذا العبد الضیف فی الثانی عشر من جمادی الثانیہ من شھور ۱۴۰۰ ھ المطابق للثامن العشرین من اپریل ۱۹۸۰ ء یوم الاثنین الساعتہ الواحدہ والنصف من النھار والحمد للہ اولا واخرا

باسمہ تعالیٰ

اپنا ہمیشہ سے یہ عقیدہ (اور اسی کے مطابق عمل) رہا ہے کہ "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید" مگر دنیا میں ایسے لوگوں کی کبھی کمی نہیں رہی جو مردوں کو حق کے ذریعے پہچاننے کی بجائے حق کو مردوں کے ذریعہ پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں لہٰذا جبکہ میری استدلالی فقہ کی کتاب شائع ہورہی ہے تو عین ممکن ہے کہ بعض معاندین یا حاسدین ہانڈی میں ابال آئے اور دین کی آڑ لیکر اس گنہگار کے خلاف اپنی دلی بھڑاس نکالیں اور اپنی اس تنقیدی خشت باری کا رخ میرے اجتہاد کی طرف موڑنے کی ناکام کوشش کریں کہ آیا یہ شخص ان اجتہادی مسائل میں دخل دینے کا شرعاً مجاز بھی ہے یا نہ؟ تو اگرچہ منکرین کو قائل کرنا انبیاء و مرسلینؑ اور ائمہ طاہرینؑ کے بس کا بھی روگ نہیں ہے (ورنہ آج دنیا میں خدا و رسولؐ اور ائمہؑ ھدیٰ کے منکر موجود نہ ہوتے) تا من چہ رسد؟ بلا تشبیہ عرض ہے کہ جب ساری دنیا خدا کی خدائی، رسول خدا کی مصطفائی اور حضرت علی کی مرتضائی پر متفق نہیں ہے (بلکہ اکثریت منکرین کی ہے) تو یہی دنیا کسی مجتہد کے اجتہاد پر کس طرح مجتمع ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہم نے بعض مراکز میں بچشم خود دیکھا ہے کہ ایک شخص ایک عالم کو مجتہد اعظم مانتا ہے اور دوسرا سرے سے اسے مجتہد ہی تسلیم نہیں کرتا۔ ہاں البتہ ہم نے اتمام حجت کی خاطر حوزہ علیہ نجف اشرف وغیرہ کے بعض مراجع تقلید شیعیان جہاں کے اپنے متعلق اسناد اجتہاد اور انکے ارشادات عالیات یہاں پیش کر دیئے ہیں۔

"لیہلک من ھلک عن بینۃ ویحیی من حی عن بینۃ" (مولف عفی عنہ)

اجازه اجتهاد استاذ المجتهدین آیة الله آقای آقا السید ابو القاسم الحسینی الرشتی النجفی اعلی الله مقامه

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی جعل العلماء ورثة الانبیاء وفضل مدادهم علی دماء الشهداء والصلوة
والسلام علی اشرف الانبیاء محمد وآله السفراء الامناء وبعد فان جناب العالم الفاضل
ملاذ الانام مروج الاحکام مفخر الاعلام صفوة العلماء العظام ذو الذکر الصائب فی النظریات
الشیخ محمد حسین النجابی الباکستانی زید توفیقه ممن صرف فی النجف الاشرف برهة
من عمره وشطرا من دهره فی اکتساب المعالم الدینیة وتحصیل القواعد الشرعیة من الاساتید
العظام والمدرسین الفخام وقد حضر ابحاثی الاصولیة والفقهیة حضور تدقیق وتحقیق حتی نال مناه
وبلغ مبتغاه وقد نال بحمد الله رتبة من الاجتهاد معروفا بالصلاح والسداد فله العمل بما یستنبطه من الادلة
الشرعیة علی النهج المألوف بین علماء الامامیة وقد اجزت له التصدی لما لا یجوز فی عصر الغیبة علی متصدیها
الاُمور الحسبیة والتناء لغیر الفقهاء والمجتهدین العظام الا باذنهم واجزت له ایضا ان یروی عنی جمیع ما صح
لی روایته من مصنفات علمائنا الابرار سیما الکتب الاربعة القدیمة التی علیها المدار فی هذه الاعصار
کالکافی ومن لا یحضره الفقیه والتهذیب والاستبصار والوسائل والوافی وسائر الکتب المعتبرة عند
بطرقی المعتبرة المنتهیة الی ارباب الجوامع والاصول ومنهم الی اهل بیت النبوة ومعدن الرحمة صلوات الله
علیهم اجمعین واوصیه بالوقوف علی مسلک الاحتیاط والتحفظ من ان تغره الدنیا وان لا ینسانی من صالح
الدعوات ان شاء الله والسلام علیه ورحمة الله وبرکاته وقد تحرر فی ١٤ من شهر ذی القعدة سنة ١٣٧٩
الاقل الحاج السید ابو القاسم الرشتی الحائری عفی عنه

اجازہ اجتہاد۔ اعلم العلماء الکاظمین سرکار آیۃ اللہ آقائی آقا میرزا عبد الکریم الزنجانی النجفی اعلی اللہ مقامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذى فضل مداد العلماء على دماء الشهداء والصلوة والسلام على سيد الانبياء محمد واله سادة الاوصياء واللعنة الدائمة على اعدائهم الى يوم اللقاء اما بعد فان العالم العامل والكامل الفاضل فخر المحققين العظام عمدة العلماء الاعلام ركن الاسلام الشيخ محمد حسين البنجابى الپاكستانى دامت توفيقاته وتأييداته قد وفقه الله تعالى للمهاجرة من تلك البلاد وسهل له وسائل مجاورة النجف الاشرف فى سنين كثيرة لتكميل العلوم الدينية والمعارف اليقينية فلم يزل كان يجد ويجتهد فى الترقى الى مدارج العلم والعمل مستمدا من بركات باب مدينة العلم مجدا فى حضور الابحاث العلمية العالية لدى اساطين الفرقة دامت بركاتهم حضور تحقيق وتدقيق حتى حاز قصب السبق من الاقران وسبقهم فى هذا الشان وبلغ بحمده تعالى مرتبة الاجتهاد ونال المراد فليحمد الله تعالى على هذه النعمة العظمى والمنحة الكبرى وقد اجزت له حفظه الله

ان يروى عنّى جميع ما صحت لى روايته من مشايخى
العظام شكر الله مساعيهم الجميلة باسانيدى المنتهية
الى الائمة الطاهرين صلوات الله عليهم اجمعين
واوصيه بالتقوى والاحتياط فانه سبيل النجاة
فعلى اخواننا المؤمنين التقدير لشأنه الرفيع
والاكبار بمقامه المنيع والاتعاظ بمواعظه الشافية
ونصائحه الكافية والاقبال عليه والحضور لديه لتعلم
المسائل الدينيه والمعارف اليقينية ايده الله
واياهم واوصيه بالتقوى والاحتياط فى جميع اموره
وان لا ينسانى من صالح دعواته فى مظان اجاباته
والسلام عليه وعلى جميع اخواننا المؤمنين ورحمة الله
وبركاته حرر فى ١٨ المحرم سنة ١٣٧٩ هـ
من الاحقر عبد الكريم الزنجانى

قدوة المجتهدین سرکار آیت اللہ آقائی آقا السید محمد مہدی الکاظمینی اعلی اللہ مقامہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله والصلوة والسلام على جدنا محمد رسول الله وآله آل الله ثم على
رواة احكام الله ومشيدي دين الله وبعد فلا يخفى على كل قريب وبعيد
ومن القى السمع وهو شهيد وفي الدارين سعيد شرف العلم وفضله وسمو قدره
وعلو كماله ولا يخفى سمو درجة حامله وفضل طالبه وقد وردت بذلك
الآيات وتظافرت الروايات وقد هاجر جمع كثير وجم غفير من قديم الزمان
الوطن والاوطان من اقاصي البلدان وهجروا الاهل والاخوان لطلب ذلك
والوصول الى ما هنالك فكدوا وجدوا وسعوا واجتهدوا حتى وصلوا
الى ما وصلوا وبلغوا الى ما بلغوا ومن هاجر بلاده وترك اخوانه جناب
العالم الالمعي والفاضل اللوذعي الاديب الاريب ذو الوافر النصيب الفائز بالقدح المعلى
والرقيب الفقيه النبيه والمحقق الوجيه والثقة الامين والجوهر الثمين علم الا[illegible]
وحجة الاسلام المتحلي بكل زين والمتخلي عن كل شين ابن المرحوم تاج الدين جناب
الشيخ محمد حسين البنجابي الپاکستانی نزيل النجف الاشرف دار العلم والتقى
دامت بركاته وعمت افاداته فسكن ارض الغري السري واخذ في الاشتغال
في العلوم من المنطوق والمفهوم سنين عديدة ومدة مديدة على
جماعة من الاعلام المعاصرين وتلمذ من الفقهاء . . المعروفين فاخذ منهم فوائدهم
وتلقى عنهم علومهم وحضر دروسهم وضبط تقاريرهم وابحاثهم حتى بلغ
درجة

درجة الاجتهاد وحاز ملكة الاستنباط وصار من أهل الارشاد وعد
في عداد الفقهاء الامجاد فألف وصنف كتبا جمة في مواضيع مهمة وقد اطلعني
على تحقيقات الفريقين في حديث الثقلين وكتاب اثبات امامة الائمة الاطهار
في ضوء العقل والآيات والاخبار ولكن لما كان ذلك باللغة الهندية
ولم يكن لنا حظ من ذلك حرمنا من ذلك لكنه سلمه الله وابقاه ومن
كل مكروه وقاه قرأ علينا بعض فصولهما مترجما ذلك لنا بالعربية فرأيته
قد اتى بما لم يسبقه احد من الاعلام ولا حام احد حول هذا المقام فلله
دره وعليه اجره نسئل الله ان يوفقه لاخراج ذلك الى اللغة العربية
ليعم نفعه ويعظم وقعه فانه على ما يشاء قدير وبالاجابة جدير وقد
زارنا الشيخ محسن المشار اليه في دارنا وخزانة كتبنا في هذا الشهر
المعظم اعني شهر رمضان المعظم حين تشرف بزيارة الامامين الكاظمين عليهما السلام
فسررنا بزيارته غاية السرور ودخل في قلبنا من ملاقاته ومكالمته كمال
الحبور فاخذ يزورنا مرة بعد اخرى وكرة بعد اولى ونحن نتكلم معه في
جملة من المسائل العقلية والنقلية والفقهية والاصولية فرأيته محيطا بتلك
وواقفا على ما هنالك وحيث قد استجاز منا لحسن ظنه بنا تأسيا بالسلف
الكرام ودخولا في سلسلة مشايخنا العظام اعلى الله مقامهم في دار السلام
رواية الاخبار عن معادن العلوم والاسرار سلام الله عليهم ما بقي الليل والنهار
فاجزته ادام الله فضله وكثر في العالم مثله ان يروي عني كلما صحت لي روايته
وجازت لي اجازته من كتب الاخبار وصحف الابرار لا سيما الكافي والفقيه
والتهذيب والاستبصار والوافي والوسائل والبحار ومولانا تقي والله ولي
الحسنات وهو على كل شيء قدير حرر هذه الاجازة العبد الفقير المحتاج
الى رحمة ربه الغني محمد مهدي بن محمد الموسوي الاصفهاني

اجازہ اجتہاد فخر المجتہدین سرکار آیۃ اللہ آقای آقا السید احمد المستنبط النجفی مدظلہ العالی

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله مسدي النعم والآلاء المتفضل مداد العلماء على دماء الشهداء وزواكي صلواته
وزواكي تسليماته على سيدنا خاتم الانبياء وسيد الاولين والآخرين من السادة
وآله الائمة الميامين الاصفياء وبعد فان العالم العامل والناقد الكامل
الفاضل ثقة الاسلام تاج الدين الشيخ محمد حسين اليماني الباكستاني ممن
اتعب نفسه الشريف مدة مديدة فحضر بحاضر ابحاثنا في النجف الاشرف وجد
واجتهد حتى صار بحمد الله وحسن توفيقه واجداً للاستنباط وتحصيل الاحكام من
مداركها واوصيه بتقوى الله سبحانه وتعالى والسداد ولا يجعل نفسه جسراً للنار
ومراعات كمال الاحتياط وقد ورد ليس بناكب عن الصراط من سلك سبيل الاحتياط
وان لا ينساني من صالح الدعاء واوصي على اخواننا المؤمنين وفقهم الله تعالى
احضر تقدير مساعيه المشكورة واكبار مقامه المنيع والاتعاظ بمواعظه
لنتفع [illegible] اقتفاء اثره في الخلائق الكريمة والترقية عليه والسلام عليه
۱۳۷۹
وعليهم ورحمة الله وبركاته حرره الاحقر احمد الحسيني المستنبط [illegible]

ملحقات قوانین الشریعہ
(فی فقہ الجعفریہ)

ملحقات نمبر 1 ضمیمہ باب النکاح

اسلام میں پردہ کی اہمیت اور اس کے احکام

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں اس میں بعض نام نہاد مسلمان اور اغیار کے ذہنی غلام پردہ کو ایک فرسودہ رسم سمجھتے ہیں۔ اور اسے دقیانوسی ہونے کی علامت گردانتے ہیں اور بے حجابی و بے پردگی کو ترقی پسندی اور روشن فکری کی نشانی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ جن یورپی ممالک کی کورکورانہ تقلید میں اندھے ہو کر پردہ کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور بے پردگی کا پرچار کرتے ہیں وہ خود آج بے پردگی کے ہاتھوں وہ گھاؤ کھا چکے ہیں اور اس کا وہ خمیازہ بھگت چکے ہیں اور بھگت رہے ہیں کہ ان کی آہ و بکا اور چیخ و پکار سے آسمان کے قدسی بھی بے چین ہو رہے ہیں۔ اور گویا وہ باواز بلند پکار رہے ہیں کہ ما گم شدیم شما حذر بکنید مگر افسوس گوش شنوندہ کجا؟ دیدہ بینا کجا چ ہے۔

ع کاخ جہاں پراست زذکر گزشتگاں
لیکن کسے کہ گوش نہد ایں صدا کم است

دین اسلام چونکہ دین فطرت ہے۔ اس کا بتانے والا خالق فطرت ہے اور اس سے بڑھ کر انسانی فطرت کا کون عالم اور شناسا ہو سکتا ہے؟ اس لئے اس نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے جو جو حدود و قیود اور فرائض و حقوق معین و مقرر کر دیے ہیں۔ دنیا صدیوں کی ٹھوکریں کھانے کے بعد آج ان کی صداقت و حقانیت کا اقرار و اعتراف کرنے پر مجبور ہو رہی ہے اور جوں جوں انسانی علم و تجربہ ترقی کرتا جائے گا توں توں اسلامی حقائق و معارف اور ان کے اسرار و رموز واضح و آشکار ہوتے جائیں گے۔ اور ان کی صداقت اور زیادہ اجاگر اور روشن ہوتی جائے گی۔

مرد و عورت کے جداگانہ فرائض کا بیان

قدرت نے اپنی مخلوق کو مختلف جنسوں اور مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے اور چونکہ ہر ہر گروہ کے خاص خاص فرائض و وظائف قرار دیئے ہیں اور جس گروہ کے جو فرائض مقرر کئے ہیں اسی کے مطابق اس گروہ کو دماغی اور جسمانی قابلیت اور ساخت بھی عطا کی ہے۔ بنا بریں عورت کو چونکہ قدرت نے دنیا میں نوع انسانی کی تکثیر اور اس کی حفاظت و نگہداشت اور اس کی تعلیم و تربیت کے لئے خلق کیا ہے اس لئے اس کا قدرتی فرض ہے کہ وہ ہمیشہ اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں کوشاں رہے۔ اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے جن اعضاء و جوارح کی ضرورت تھی وہ قدرت نے اسے مہیا کر دیے ہیں اور جس ماحول کی اسے ضرورت تھی۔ وہ قدرت نے مہیا کر دیا ہے۔ جس طرح ایک مرد عورت کے طبعی فرائض کو ادا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ایک عورت بھی مرد کے طبعی وظائف کو ادا نہیں کر سکتی۔ ہم اس اختلافی بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ مرد و عورت کے جسمانی اور دماغی قوی برابر ہیں۔ یا مختلف؟ یہ بات علم تشریح سے متعلق ہے۔ اگرچہ آزادی نسواں کے حامی برابری پر بہت زور دیتے ہیں۔ مگر وہ علم تشریح الاعضاء کے نقطہ نظر سے آج تک یہ بات ثابت نہیں کر سکے۔ اور شرعی نقطہ نظر ارباب علم و معرفت پر پوشیدہ نہیں ہے۔ ہم یہاں صرف یہ کہنا چاہتے ہیں۔ کہ قدرت نے نظام دنیا کو برقرار رکھنے کے لئے تمدن کے دو حصے کر دیے ہیں۔

(۱) فرائض منزلی (۲) فرائض تمدنی

پہلا کام عورت کے ذمہ لگایا اور اس کو "ربتہ البیت" قرار دیا اور دوسرا کام مرد کے متعلق کیا اور اسے مملکت تمدنی کا تاجدار بنایا۔ نظام کائنات پر غائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نہ تنہا مرد تمام کام انجام دے سکتا ہے۔ اور نہ تنہا عورت تمام کام کر سکتی ہے۔ بلکہ مرد عورت کی اعانت کا اور عورت مرد کے تعاون کی محتاج ہے۔ بنا بریں یہ کہنا بالکل بجا ہے۔ کہ مرد و عورت عبارت ہیں۔ ایک نوع کامل سے جن کی کوشش و کاوش اور اپنے اپنے فرائض و وظائف کی انجام دہی سے نظام تمدن قائم رہ سکتا ہے۔ **"ھن لباس لکم و انتم لباس لھن"** عورتیں تمہارا لباس ہیں۔ اور تم ان کا لباس ہو۔ خالق حکیم کا ارشاد ہے۔ **ومن یتعد حدود اللہ**

فقد ظلم نفسہ جو خدا کی حد بندیوں سے تجاوز کرے وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔ خود طبیعت میں ایسا خاص نظام ہے۔ کہ جہاں انسان اس کے حدود سے تجاوز کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو یا خود طبیعت کوئی رکاوٹ کھڑی کر دیتی ہے۔ یا آدمی اپنے کئے کی سزا پاتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ آزادی نسواں کے حامی' بظاہر عورتوں کے ہمدرد اور خیر خواہ اور بہ باطن ان کے بدترین دشمن ہیں۔ جو ان کو زینت خانہ سے اٹھا کر زینت بازار و دربار بنانا چاہتے ہیں۔ اور ان کی عائلی زندگی کو برباد کر کے اپنے حیوانی جنسی جذبہ کی تسکین چاہتے ہیں۔

مغربی معاشرہ کی ایک جھلک

آج اہل مغرب اپنی مغربی پدر و مادر آزاد آزادی پر نوحہ کناں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ پروفیسر جیوم فریدو اپنے ایک مضمون میں لکھتا ہے۔ جو رسالہ "ریویز" میں شائع ہوا۔ "ان عورتوں کو معاشرت کے اصلی اصول زوجیت سے سخت نفرت ہے۔ قدرت نے جس غرض کے لئے ان کو مخلوق کیا ہے۔ اور جس کام کے لئے ان کو جسمانی اور دماغی اعضاء عطا کئے ہیں۔ اس کو بالکل فراموش کر دیا ہے۔ ان میں وہ طبعی جاسہ اور جنسی امتیاز بالکل نہیں پایا جاتا۔ جو ان کی ہم عمر میں فطرتاً" موجود ہے۔ ان کی حالت ایک ایسے درجہ تک پہنچ گئی ہے۔ جس کو مالیخولیا سے تعبیر کرنا چاہیے۔ درحقیقت ان کو نہ مرد کہا جا سکتا ہے۔ اور نہ عورت بلکہ ایک تیسری جنس کا نمونہ بن گئی ہیں۔ اگر وہ مرد اس لئے نہیں کہ مردوں سے طبعاً" اور ترکیباً" مختلف الجنس ہیں۔ تو عورت بھی اس لئے نہیں ہیں کہ ان کا عمل اور وظیفہ فرائض نسوانی سے بالکل مختلف ہے۔ اگر عورتوں کی یہ افسوسناک حالت اس طرح کچھ عرصہ تک رہی تو سمجھ لینا چاہیے۔ کہ عنقریب سوسائٹی میں ایک عظیم الشان خلل پیدا ہونے والا ہے۔ جو تمدن اور معاشرت کی بنیادوں کو متزلزل کر دے گا" یہ ۱۸۹۵ء کی بات ہے۔ جیسا کہ اس فیلسوف نے کہا تھا۔ حالات حاضرہ نے اس کی تصدیق کر دی ہے۔ آج یورپی معاشرہ دینی' اخلاقی اور انسانی تباہی کی جس سطح تک پہنچ چکا ہے اس کی ایک جھلک درج ذیل بیانات سے واضح ہوتی ہے چنانچہ آج مغرب میں پاک دامنی اپنی قدر و قیمت کھو بیٹھی ہے۔ اور شرم و حیاء جو کبھی انسان کی زیبائش میں افزائش کا باعث ہوتا تھا۔ اس نام کی کوئی چیز مغرب کی منڈیوں میں نہیں ہے۔ عورتیں مردوں سے مساوات کے چکر

میں گرفتار عشق و ہوس ہو کر شادی سے پہلے ہی تمام ارمان نکال لیتی ہیں۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی رپورٹیں شاہد ہیں۔ کہ ۶۵ فی صد اولادیں ناجائز تعلقات کا نتیجہ ہیں۔ جن میں ۵۰ فی صد ناکتخدا لڑکیوں سے متعلق ہیں۔ ڈاکٹر موتیز (جو لندن میں ڈاکٹر ہے) لکھتا ہے۔ "دو انگریزوں کے کلیسہ میں جانے والی ہر پانچ لڑکیوں میں سے ایک حاملہ ہوتی ہے۔" صرف لندن میں ہر سال پچاس ہزار بچے سے گرائے جاتے ہیں۔" شوہر بیویوں سے خیانت کرتے ہیں۔ اور بیویاں شوہروں سے خیانت کرتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ قریباً" ہر دو نکاح پر ایک طلاق ہوتی ہے۔ او ہر سال لاکھوں بچے والدین کے باہمی اختلاف کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ مہر و محبت کم بلکہ ناپید ہوتی جا رہی ہے اور خود غرضی بڑھ رہی ہے۔ اور ان سب کا مجموعی نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے۔ کہ عورت اپنا تقدس و وقار اور اپنا مرتبہ و مقام بالکل کھو چکی ہیں۔ اور صرف اور صرف خود غرض مرد کے دل بہلانے کا کھلونا اور آلہ بن چکی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (۱) انہی تلخ حقائق کی بنا پر اب وہاں کے مفکرین بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ کہ "عورت کو چاہیے کہ عورت بنے اسی میں اس کی فلاح ہے اور یہی وہ صفت ہے۔ جو اس کو سعادت کی منزل تک پہنچا سکتی ہے۔ قدرت کا یہ قانون ہے۔ اور قدرت کی یہ ہدایت ہے۔ اس سے جس قدر دور ہوگی اس کے مصائب ترقی کریں گے۔" (یورپی مصنف زول سلیماں کا مضمون مندرجہ ریویو آف ریویوز) اس طرح وہ لوگ اس تہذیب سے دل برداشتہ ہو کر اسے ترک کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اور ہمارے ذہنی غلام نقال اب اس کے اختیار کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا؟ ۔

---

(۱) ہم نے بڑے اختصار کے ساتھ بطور نمونہ از خروار چند تلخ حقائق کی طرف اشارے کئے ہیں۔ تفصیلات اور وہ بھی با حوالہ دیکھنے کے خواہشمند حضرات درج ذیل کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

(۱) مغربی تمدن کی ایک جھلک (۲) پردہ از مولانا مودودی (۳) مسلمان عورت از مولانا ابوالکلام آزاد (۴) رسالہ حجاب از آقائی شہید مطہری (۵) پردہ اور اسلام از علامہ سید علی نقی وغیرہ

اصلاح احوال کی تدابیر

مغرب کے تباہ حال معاشرہ (جس کی ایک جھلک اوپر پیش کی گئی ہے) کا سنگ بنیاد تین ستونوں پر رکھا گیا ہے۔ (۱) عورت و مرد کی مساوات (۲) عورت کا معاشی استقلال (۳) اور دونوں صنفوں کا آزادانہ اختلاط اور میل ملاپ اور اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جب تک ان تین خرابیوں کو اور جرم کے ان محرکات کو بیخ و بن سے نہیں اکھاڑا جائے گا۔ اس وقت تک اصلاح احوال کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ کچھ مثبت تجاویز و تدابیر بھی ہیں۔ جن کے ذریعے مغربی معاشرہ کی تباہ کاریوں سے بچا جا سکتا ہے۔ اور اسلامی معاشرہ کے فیوض و برکات سے بہرہ مندی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔ (۱) تعلیم و تربیت کے ذریعہ لوگوں کے ذہنوں کی اس طرح اصلاح کی جائے کہ وہ خود بخود ان برائیوں سے نفرت کرنے لگیں۔ (۲) تقریر و تحریر کے ذریعہ افراد کی رائے عامہ کو اس گناہ کے خلاف اس قدر تیار کیا جائے۔ کہ وہ اس گناہ کو لائق شرم و جرم اور اس کے مرتکب کو لائق نفرت سمجھنے لگیں۔ (۳) ان سب اسباب کا قلع قمع کر دیا جائے۔ جن سے اس جرم کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ (۴) تمدنی اور معاشرتی زندگی میں ایسی رکاوٹیں کھڑی کر دی جائیں کہ اگر کوئی آدمی اس جرم کا ارتکاب کرنا بھی چاہے۔ تو آسانی سے نہ کر سکے اس سلسلہ میں جو چیز سب سے زیادہ موثر ہے۔ وہ ہے پردہ کا انتظام" اور بروقت "عقد نکاح" کا اہتمام۔

۵۔ انسان کے صنفی جذبہ اور اس کی اصلاح کا بیان

خالق حکیم نے اپنی حکمت کاملہ سے ہر انسان اور ہر مرد و زن میں صنفی کشش یا صنفی میلان ودیعت کیا ہے۔ جو بقاء نسل اور تمدن کے استحکام کے لئے اشد ضروری ہے۔ لہذا اسلام جو دین فطرت ہے اس فطری جذبہ کے استیصال اور کچلنے کا حکم نہیں دیتا۔ (اور نہ ہی دے سکتا ہے) بلکہ وہ اس استعداد اور حیوانی جذبہ کے لئے کچھ حدود و قیود مقرر کرتا ہے۔ تاکہ یہ جذبہ اسلامی و انسانی حدود کے اندر رہ کر بار آور ہو اور ہر قسم کی افراط و تفریط سے محفوظ رہے۔ اور اس کی زد میں آکر اس کی آدمیت اور اس کے دین و ایمان کے لئے ضرر وزیاں کا باعث نہ بن جائے۔ **ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ** اگر انسان کے اس حیوانی جذبہ کے تقاضوں کو پورا

نہ کیا گیا۔ اور اس کی تسکین کے لئے نکاح کا شرعی و فطری دروازہ کھلا نہ رکھا گیا۔ تو پھر زنا کا وہ سیلاب امڈ آئے گا۔ جو آدمی کے نہ صرف دین و ایمان کو بلکہ اس کے شرم و حیا' اس کی آدمیت' انسانیت' شرافت اور صحت کو بھی خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گا۔ اس لئے وارد ہے۔ **من تزوج فقد احرز نصف دینہ** "جس نے عقد و ازدواج کرلیا۔ اس نے آدھا دین محفوظ کرلیا"

۶۔ زنا کی حرمت مغلظہ کا بیان

ارشاد قدرت ہے **ولاتقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا** (بنی اسرائیل ۔ ۳۲) زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ کیونکہ وہ بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے۔ صاحبان عقل و فکر سمجھ رکھتے ہیں کہ فاطر السموات والارض نے صرف زنا کو حرام نہیں ٹھہرایا بلکہ اس کے پاس بھٹکنے کی بھی ممانعت کر دی ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ وہ تمام مقدمات و محرکات جن کے ارتکاب سے دل و دماغ میں اس گناہ کبیرہ کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ ان کے ارتکاب اور اظہار کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔

۷۔ حرمت نظر

جیسے نامحرم کی طرف نظر شہوت کرنا۔ ارشاد قدرت ہے۔ **قل للمومنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن** (النور) اے رسول! مومنوں سے کہہ دو کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں۔ اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ ہے۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں یقیناً" اللہ اسے جانتا ہے۔ اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں" احادیث میں اس فتنہ نگاہ کو شیطان کے زہر میں بجھے ہوئے تیروں میں سے ایک تیر قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے "**النظر سھم مسموم من سھام ابلیس** یہ بھی وارد ہے کہ **النظرۃ الاولی لک والثانیہ علیک** پہلی (اتفاقی) نظر تو معاف ہے۔ مگر دوسری (عمدی) نظر نقصان رساں ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ یہی نظر ہی ہے۔ جو اس سلسلہ کی تمام خرابیوں کی جڑ ہے اور شہوت کا قاصد اور پیامبر ہے۔ جناب امیر علیہ السلام کی طرف یہ

اشعار [illegible] منسوب ہیں۔ فرماتے ہیں

لا یامنن علی النساء اخ اخا [illegible]

کل الرجال وان تعفف جهده لا [illegible]

کوئی بھائی عورتوں کے معاملہ میں کسی بھائی پر اعتماد نہ کرے۔ کیونکہ عورتوں کے معاملہ میں کوئی مرد امین نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ آدمی باوجود [illegible] ہی تیر نگاہ کا شکار ہو کر خیانت کر بیٹھے ایک جاہلی شاعر نے فتنہ نظری [illegible] مانیوں کی ایک نیچرل تصویریوں کھینچی ہے۔

نظرة فابتسامة فسلامٌ فکلام فموعد فلقاءٌ پہلے نگاہ ناز ہوتی ہے۔ پھر دل آویز مسکراہٹ پھر سلام شوق پھر کلام محبت پھر وعدہ ملاقات اور پھر سب کے آخر میں ملاقات۔

۸۔ حرمت دست درازی

یہی وجہ ہے کہ بعض اخبار و آثار میں اس نظر کرنے کو آنکھوں کا زنا قرار دیا گیا ہے۔ جہاں دوسرے اعضاء [illegible] جو طرح کا زنا ان کی مخصوص حرکات کو ٹھہرایا گیا ہے۔ جیسے دست درازی کو ہاتھوں کا زنا۔ زنا کی راہ میں چلنے کو پاؤں کا زنا۔ زبان کا زنا۔ گفتگو کرنا۔ اور دل کا زنا اس کی خواہش کرنا ہے۔ آخر کار شرم گاہ ان کی تصدیق کرے یا تکذیب۔ (وسائل الشیعہ)

۹۔ حرمت بوس و کنار

بوس و کنار بلکہ مطلق مس کی حرمت بھی اسی قبیل سے ہے کہ یہ زنا کا پیش خیمہ ہے۔ اسی طرح عورت کے لئے بھی شریعت مقدسہ میں ہر وہ کام و اقدام حرام قرار دیا گیا ہے۔ جس سے مردوں میں زنا کی تحریک پیدا ہو۔

۱۰۔ فتنہ زبان و کلام

جیسے لہجے میں لگاوٹ اور باتوں میں گھلاوٹ۔ ارشاد قدرت ہے۔ فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولاً معروفاً (الاحزاب) دبی زبان سے گفتگو نہ کرو۔ کہ جس کے دل میں بیماری ہے۔ وہ طمع و لالچ کرے گا۔ تم معروف طریقہ پر بات کیا کرو

۱۱۔ (نمائش حسن کی ممانعت)

اسی عصمت و عفت کی حفاظت کی خاطر اسلام تمام چور دروازوں کو بند کرتے ہوئے عورتوں کو حکم دیتا ہے۔ کہ **وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى** (الاحزاب) اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور (اسلام سے پہلے) جاہلیت کے دور کی طرح باہر نہ نکلو (کہ بناؤ سنگھار کی نمائش ہو) اسلام یہاں تک عورتوں پر پابندی عائد کرتا ہے۔ کہ **ولا یضربن بار جلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن** (النور) زمین پر اس طرح پاؤں مارتی ہوئی نہ چلیں۔ جس سے ان کی مخفی زینت معلوم ہو جائے۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے۔ کہ عورت کے لئے ہر وہ چیز ممنوع ہے۔ جس سے مردوں کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوتی ہو۔ جیسے تند و تیز عطر لگانا۔ یا بھڑکیلے کپڑے پہن کر عام راستوں سے گذرنا یا محفلوں میں جانا وغیرہ۔

۱۲۔ عریانی شیطانی

جو چیز غیرت و حمیت اور انسانی شرم و حیا کے لئے سم قاتل اور زنا کی سب سے بڑی محرک ہے۔ وہ عورت کی عریانی، بے پردگی ہے اور عامۃ الناس کو نظارہ حسن کی دعوت دینا ہے۔ کوئی عقلمند قصاب گوشت کا ایک پاؤ کسی ایک کتے کے سامنے کھلا ننگا نہیں رکھتا۔ چہ جائیکہ کم و بیش ڈیڑھ دومن گوشت معاشرہ کے اوباش و بدمعاش طبقہ کے سامنے بے پردہ رکھ دیا جائے۔ (جو کتوں سے بھی بدتر ہیں)

یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین   پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام نے اپنی حکمت عملی سے فتنہ و فساد کے تمام رختوں اور سوتوں کو بند کر دیا ہے۔

اسلامی پردہ کی حقیقت اور اس کے احکام

اگرچہ بعض تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام سے پہلے پردہ نام کی کسی چیز کا سراغ نہیں ملتا۔ اسلام نے پردہ کو واجب قرار دے کر اور اس کے حکیمانہ حدود و قیود مقرر کر کے انسانی حرص و آز اور اس کی جنسی غریزہ کے سامنے شرعی حدود کے اندر رہ کے صرف مخصوص

عورتوں سے تمتع و احتذاذ حاصل کرنے اور دوسری عورتوں سے دامن بچانے کے لئے پردہ کا جو محکم بند باندھا ہے۔ ادیان عالم میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو جس طرح حریص مال کا کبھی کاسہ حرص و آز پر نہیں ہوتا۔

یا قناعت پر کند یا خاک گور

اسی طرح اگر پردہ کے ذریعے اس کی جنسی خواہش کے آگے بند نہ باندھا جاتا تو خسرو و پرویز شہنشاہ ایران کی طرح تین ہزار عورتوں کو حرم سرا میں رکھنے کے باوجود ھل من مزید کہتا ہوا نظر آتا۔ (از کتاب ایران در زمان ساسانیاں)

کیونکہ یہ غریزہ جنسی آگ کی مانند ہے۔ جس میں جس قدر زیادہ ایندھن ڈالا جائے اسی طرح زیادہ شعلہ زن ہوتی ہے۔ بہرحال قرآن مجید میں دو سورتوں میں پردہ کے تفصیلی احکام مذکور ہیں۔ ہم پہلے سورہ نور سے متعلقہ آیات پیش کرتے ہیں۔ پھر سورہ احزاب سے اس کی متعلقہ آیات مع ترجمہ و مختصر تشریح پیش کریں گے۔ ارشاد قدرت ہے۔ **یا ایھا الذین امنو لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اھلھا ذلکم خیر لکم لعلکم تذکرون فان لم تجدو فیھا احدا فلا تدخلوھا حتی یوذن لکم وان قیل لکم ارجعو فارجعوا ھو ازکی لکم واللہ بما تعملون علیم لیس علیکم جناح ان تدخلوا بیوتا غیر مسکونۃ فیھا متاع لکم واللہ یعلم ما تبدون وما تکتمون۔ قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذالک ازکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او اباء ھن او اباء بعولتھن او ابناء ھن او ابناء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن او بنی اخواتھن او نساءھن او ما ملکت ایمانھن او التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن و توبوا الی اللہ جمیعا ایھا المومنون لعلکم تفلحون۔ (النور ۱۰ پ ۱۸ س)** اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں داخل نہ ہو۔ جب تک اجازت حاصل نہ کرو اور اس گھر والوں پر سلام نہ کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل

کرو اور اگر اس گھر میں کسی کو نہ پاؤ تو پھر جب تک اجازت نہ دی جائے تب تک اس میں داخل نہ ہو اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ۔ تو واپس چلے جاؤ۔ یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ خدا اس سے خوب واقف ہے۔ اگر تم ان گھروں میں داخل ہو جن میں کوئی نہیں رہتا تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ جبکہ اس میں تمہارا سامان ہو۔ تم جو کچھ ظاہر کرتے ہو یا چھپاتے ہو۔ خدا اس سے خوب واقف ہے۔ اے رسول! مومنوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی آنکھیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لئے پاکیزگی کا باعث ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ خدا اسے بہتر جانتا ہے اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں۔ سوائے اس کے جو خود ظاہر ہو اور اپنے گریبانوں پر اوڑھنیاں ڈالے رہیں اور اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں۔ سوائے اپنے شوہروں کے' باپوں کے' دادوں کے' یا اپنے شوہروں کے باپوں کے یا ان کے بیٹوں یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے یا اپنی ہم عقیدہ عورتوں کے یا اپنی لونڈیوں کے یا ان لوگوں کے جن کو عورتوں کی حاجت نہیں یا ان نابالغ لڑکوں کے جو ایسی عورتوں کی پردہ کی باتوں سے واقف نہیں ہوتے اور وہ اپنے پاؤں اس لئے زمین پر نہ مار کر چلیں کہ ان کا وہ بناؤ سنگھار جسے وہ چھپائے ہوئے ہیں ظاہر ہو اور ایماندار و تم سب اکٹھے خدا کی درگاہ میں توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ"

اسلام سے پہلے لوگوں کے گھروں کے دروازے شب و روز کھلے رہتے تھے اور تمام لوگ ہر وقت بلا روک ٹوک اندر جاسکتے تھے۔ مگر اسلام نے یہ غلط رسم ختم کرکے یہ پابندی عائد کردی ہے کہ پیشگی اطلاع دیے اور اجازت حاصل کئے بغیر کوئی شخص کسی کے گھر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ تاکہ گھروں کے اندر بھی عورتیں اجنبیوں کی نظروں سے محفوظ رہیں۔ اسی لئے سورہ احزاب میں اجنبی مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جب رسولؐ کی بیبیوں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو باہر کھڑے ہو کر پردہ کی اوٹ سے مانگیں۔ **واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب۔ ذلکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن۔** (بالاتفاق دوسری عام عورتوں کا بھی یہی حکم ہے) خالق حکیم نے اس حکم کا مقصد بھی یہ فرما کر واضح کردیا کہ **ذلکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن۔** اس سے

مردوں اور عورتوں کو جنسی جذبہ کے منفی اثرات سے بچانا اصل مطلوب ہے۔ اجنبی مرد تو رہے ایک طرف اسلام اپنے لڑکوں کو حکم دیتا ہے کہ جب بالغ ہو جائیں تو اجازت لے کر اندر آئیں۔ ارشاد قدرت ہے۔ **واذا بلغ الاطفال منکم الحلم فلیستاذنوا کما استاذن الذین من قبلهم** جب تمہارے بچے بالغ ہو جائیں تو اسی طرح اذن لے کر اندر آئیں جس طرح ان کے بڑے اجازت لے کر آتے تھے۔ مقصود یہ ہے کہ وہ عورتوں کو ایسے حال میں نہ دیکھیں جس میں دیکھنا مردوں کے لئے جائز نہیں ہے۔

۱۵۔ غض بصر

نظریں نیچی رکھنے کا حکم ہر دو صنف یعنی مردوں اور عورتوں کو دیا گیا ہے کیونکہ اوپر واضح کیا جاچکا ہے کہ یہ نگاہیں ہی شہوت کا قاصد اور ہر قسم کے فتنہ و فساد کی جڑیں ہیں۔ اگرچہ مردوں کا عورتوں کے حسن اور ان کی زینت پر نگاہ کرنا اور عورت کا اجنبی مردوں کو گھور کر دیکھنا فتنہ سامانی اور خانہ ویرانی میں برابر ہیں مگر عورت کی نگاہ تو اور بھی فتنے جگاتی ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ "**زین للناس حب الشہوات من النساء الاٰیہ** (آل عمران) پسندیدہ چیزوں کی محبت پر لوگ فریفتہ کئے گئے ہیں جیسے عورتیں (الخ ــــــ)

۱۶۔ ایک سوال کا جواب

یہاں قدرتی طور پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مذکورہ مصالح کی بنا پر عورتوں کا مردوں سے الگ رکھنا ضروری ہے تاکہ بدکاری و زناکاری کا سدباب کیا جاسکے تو پھر عورت کے لئے پردہ کا حکم کیوں ہے؟ مرد کے لئے پردہ کا حکم کیوں نہیں دیا گیا؟ اس سوال کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ مرد قوی ہے اور عورت ضعیف' مرد عورت کی نفسیات میں یہ فرق ہے کہ یہ قوی شکاری ہے اور کمزور اس کا شکار۔ جیسا کہ ہر معاشرہ اور ہر تمدن کی تاریخ شاہد ہے کہ عورت کی عفت و پاکدامنی پر ہمیشہ مرد ہی نے حملہ کیا ہے اور دفاع عورت نے کیا ہے۔ لہذا عقلمندی اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس صنف نازک اور عفت مآب عورت کو اس سنگدل اور بدچلن مرد کی شرارت و دستبرد سے بچایا جائے تاکہ وہ اس کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہے ظاہر ہے کہ اس کا بہترین ذریعہ عورت کو پردہ میں رکھنا ہے تاکہ وہ طاقتور حملہ آور شکاری کے حملہ سے محفوظ رہ

سکے۔ علاوہ بریں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عورت طبعاً" مظہر جمال ہے اور حسن کی نمائش کرتی ہے
اور مرد طبعاً" اس پر شیفتہ ہوتا ہے تو عقلاً" مظہر جمال پر ہی پابندی عائد ی جانی چاہیے کہ وہ
اپنے حسن و جمال کی نمائش نہ کرے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ قبل ازیں واضح کیا جاچکا ہے کہ
قدرت نے مرد و عورت کے وظائف و فرائض الگ الگ مقرر کئے ہیں اور یہ کہ عورتوں کا طبعی
وظیفہ منزلی زندگی تک محدود ہے اور باہر کے کام انجام دینا مرد کے فرائض میں شامل ہے تو جب
عورتوں کا مردوں سے الگ رکھنا ضروری ہے تو اس کا آسان اور فطری طریقہ یہی مناسب ہے کہ
بطور اقل التعیین یہ پابندی عورت پر عائد کی جائے ورنہ اگر مرد پر پردہ کی پابندی عائد کردی گئی
ہے تو اس سے نظام معیشت میں وہ خلل اور اس کی وجہ سے معاشرہ میں وہ خلا پیدا ہوگا۔ جس کا
پر کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ اس لئے اس کو گھر سے باہر کی دنیا کے کاموں کی انجام دہی کے لئے
آزاد چھوڑنا ہی انسب ہے۔

۱۷۔ اظہار زینت کی ممانعت

غض بصر کے اس مشترکہ حکم کے بعد خالق فطرت نے خاص طور پر عورت کو حکم دیا ہے
کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کرے۔ اس میں صرف دو استثناء ہیں۔

۱۸۔ پہلا استثناء

زینت ظاہرہ ہے۔ ارشاد رب العزت ہے۔ **ولا یبدین زینتھن الاما ظھر منھا** "کہ
عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔ سوائے ظاہری زینت کے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
عورت کی زینت دو قسم کی ہے۔ ایک ظاہری دوسری مخفی۔ پہلی قسم کی زینت کا چھپانا واجب
نہیں ہے۔ جبکہ دوسری قسم کا چھپانا لازم ہے۔ اب رہی اس بات کی تحقیق کہ اس زینت ظاہرہ
سے کیا مراد ہے؟ اس میں قدیم الایام سے لیکر آج تک مفسرین' محدثین اور مجتہدین میں سخت
اختلاف رہا ہے۔ (جس کی تفصیل میں جانے اور ہر فریق کے دلائل وبراہین پر نقض و ابرام
کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے) یہ درست ہے کہ فریقین کے اکثر علماء و فقہاء نے اس سے
مراد چہرہ' دو ہاتھ اور ظاہر قدمین مراد لئے ہیں اور روائتی نقطہ نظر سے شاید یہ قول قوت سے خالی
بھی نہیں ہے۔ مگر درایتی نقطہ نظر سے احتیاط واجب اسمیں ہے کہ ان اعضاء کو بھی چھپایا جائے

اور اس احتیاط کے بعض وجوہ یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ (۱) تنقیح مناط۔ کے طور پر بلاشک یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔ کہ جس غرض و غائت اور جس مقصد کے ماتحت پردہ واجب ہے وہ غرض و غائت لازم قرار دیتی ہے کہ چہرہ وغیرہ کا پردہ بھی لازم ہونا چاہیے۔ کیونکہ عورت کی ہر قسم کی زیبائش و آرائش کا مرکز چہرہ ہی ہوتا ہے اور ہر قسم کے فتنہ و فساد کا محور بھی یہی چہرہ ہے۔ یہ کونسا عقلائی فیصلہ ہے کہ مرکزی عضو کو کھلا رکھنے کی اجازت دے دی جائے۔ اور ذیلی 'اعضاء' کا پردہ واجب قرار دیا جائے۔ اس طرح پردہ کا فلسفہ اور مقصد ہی کیا باقی رہ جاتا ہے؟ اس لئے لازم ہے کہ جو فتنہ و فساد کی بنیاد ہے سب سے پہلے اس کا سد باب کیا جائے۔ اور اس سے قطعاً" کوئی عسر و حرج اور معاشرہ میں کوئی خلل بھی واقع نہیں ہوتا ہے۔ (۲) ابتدائے اسلام سے لیکر آج تک مسلم اور متشرع طبقہ کی سیرت مستمرہ یہی رہی ہے کہ انکی مستورات چہرہ کا بھی پردہ کرتی ہیں۔ اور چہرہ پر نقاب ڈالا کرتی ہیں۔ اور ظاہر ہے۔ کہ یہ چیز رسول خداؐ اور آئمہ ہدیٰؑ کی رضا کی کاشف ہے۔ اور اگر اسلامی سیرت کے ساتھ جب پردگیان عصمت و طہارت کی سیرت کو بھی دیکھا جائے۔ جن کا سایہ بھی چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھا تھا تو یہ حقیقت اور بھی روشن ہو جاتی ہے۔ (۳) قرآن حکیم "ادناء جلباب" اور ضرب خمار علی الجیب" سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے۔ کہ چہرہ کا پردہ لازم ہے۔ اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے۔ کہ خداوندکریم نے سورہ احزاب میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔ **یا ایھا النبی قل لا زواجک و بناتک ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذلک ادنی ان یعرفن فلا یوذین۔** کہ وہ عورتوں سے کہیں کہ (جب باہر نکلیں تو) تو اپنی چادروں سے گھونگٹ ڈال لیا کریں۔ اس سے بہت توقع ہے۔ کہ وہ پہچان لی جائیں گی۔ (کہ وہ آزاد اور شریف عورتیں ہیں) اس لئے ان کو اذیت نہیں دی جائے گی۔ اس آئت مبارکہ میں وارد شدہ لفظ "جلابیب" جلباب کی جمع ہے جس کے معنی لغت میں چادر کے ہیں۔ اور "ادناء" کے معنی لٹکانے کے ہیں۔ بنابریں یدنین علیھن من جلابیبھن" کا مطلب ہوگا کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کا ایک حصہ لٹکا دیا کریں" اس کو گھونگٹ کہا جاتا ہے۔ جس سے اصلی مقصد چہرہ کا چھپانا ہے۔ گھونگٹ سے ہو یا نقاب سے یا کسی اور طریقہ سے غرض یہ ہے کہ جب وہ اس طرح چہرہ چھپا کر باہر نکلیں گی تو لوگوں کو معلوم ہو جائے

گا۔ کہ وہ شریف عورتیں ہیں۔ اس لئے ان کو کوئی نہیں چھیڑے گا۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں جلابیب کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "الجلباب خمار المراۃ الذی یغطی راسہا و وجہہا اذا خرجت لحاجۃ" یعنی جلبیات سے مراد وہ چادر ہے۔ جس سے عورت اپنا سر اور منہ ڈھانپتی ہے۔ جب کسی کام کے لئے باہر نکلتی ہے۔ قریباً" تمام مفسرین نے اس آیت مبارکہ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ اور یہی مطلب اپنے اوپر خمار (چادر) ڈالنے کا ہے۔ اصلی مقصد یہ ہے۔ کہ عورت کو اجنبی آدمی سے چہرہ چھپانا چاہیے۔ (۴) اس مشہور واقعہ سے بھی اس مطلب کی تائید ہوتی ہے۔ جس میں وارد ہے۔ کہ ایک بار پیغمبر اسلامؐ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت کیا۔ کہ بتاؤ عورت کی زینت کیا ہے؟ کسی نے کوئی جواب دیا اور کسی نے کوئی۔؟ آنحضرتؐ نے کسی بھی جواب کو پسند نہ فرمایا۔ جب جناب خاتون قیامت سلام اللہ علیہا کو اس کی اطلاع ہوئی تو کہلا بھیجا۔ عورت کی زینت یہ ہے کہ کسی اجنبی مرد کی نظر اس پر نہ پڑے اور اس کی نگاہ کسی اجنبی مرد پر نہ پڑے آنجنابؐ نے اس جواب کو پسند فرمایا۔ اور گھر جا کر پیاری بیٹی کو پیار کیا۔ اور اس کی تائید مزید حضرت امیر علیہ السلام کی اس وصیت سے بھی ہوتی ہے۔ جو آپ نے حضرت امام حسنؑ کو فرمائی تھی۔ **ان استطعت ان لا یعرفن غیرک فافعل** پوری کوشش کرو کہ تمہاری بی بیاں تمہارے سوا کسی اور مرد کو نہ پہچانیں۔ (نہج البلاغہ) (۵) صدیقہ صغریٰ کا دربار یزیدؑ میں اسے زجرو توبیخ کرتے ہوئے اسے یہ فرمانا کہ "**امن العدل یا بن الطلقاء تخدیرک حرائرک وامائک۔ لخ ---- قد هتکت ستور من واہلت وجو ههن**" اے ہمارے آزاد کردہ لوگوں کے بیٹے۔ کیا یہ انصاف ہے کہ تیری نہ صرف آزاد عورتیں بلکہ تیری کنیزیں بھی پردہ میں بیٹھیں۔ اور خاندان رسالت کی مستورات کھلے چہروں کے ساتھ بازاروں اور درباروں میں لائی جائیں۔ اگر عورت کے لئے چہرہ کا کھلا رکھنا جائز ہوتا تو پھر شریکۃ الحسینؑ اس بات پر یزید عنید کی کیوں زجرو توبیخ کرتیں؟ یہی وجہ ہے۔ کہ ہم چودہ سو سال سے مخدرات کی بے پردگی اور بے ردائی پر اشک غم بہا رہے ہیں۔ وہاں تو مجبوری تھی مگر ہماری عورتوں کو کیا مجبوری ہے۔ تعجب ہے کہ جس قوم کی آقازادیوں کا جنازہ رات کو گھر سے نکلے تا کہ مرنے کے بعد بھی کسی نامحرم کی نظر ان کے قدو قامت پر نہ پڑے۔ ان کی نام لیوا عورتیں آج بن ٹھن کر بے پردہ گھروں سے باہر نکلیں۔

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو۔ بہرحال ان حقائق کی روشنی میں ماننا پڑتا ہے کہ "ماظہر منھا" سے مراد وہ زینت ہے۔ جو "قہرا" ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے قدوقامت ڈیل ڈول اور ظاہری لباس وغیرہ یا اس سے وہ زینت مراد ہے۔ جو ضرورت کے تحت خود بخود ظاہر ہو جائے۔ جبکہ اس کے اظہار کی نیت نہ ہو۔ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں واللہ العالم۔

۱۹۔ دوسرا استثناء

عورت کو اجازت دی گئی ہے کہ درج ذیل نسبی یا سببی رشتہ داروں کے سامنے اپنی زینت کو ظاہر کر سکتی ہے۔ ۱) شوہر (۲) باپ (۳) شوہر کا باپ (۴) بیٹے (۵) شوہر کے بیٹے (۶) بھائی (۷) بھتیجے (۸) بھانجے (۹) اپنی مسلمان عورتیں (۱۰) اپنے مملوک کنیز و غلام (۱۱) وہ زیردست جیسے دیوانے 'کم عقل' یا خواجگاں و خرسرا) جن میں عورتوں کی طرف رغبت یا میلان نہ ہو۔ (۱۲) وہ بچے جن میں ابھی تک صنفی جذبات بیدار نہ ہوئے ہوں۔ (جیسے طفل غیر ممیز۔ یا وہ طفل ممیز جو ہنوز جنسی فعل پر قادر نہ ہوں)

۲۰۔ دوسری اجنبی عورتیں جن کا دیکھنا جائز ہے

مخفی نہ رہے کہ یہ پردے کے احکام اس وقت شروع ہوتے ہیں۔ جب عورت سن رشد و بلوغ کو پہنچ جائے۔ اور اس وقت تک عائد رہتے ہیں۔ جب تک اس میں صنفی کشش موجود رہے۔ اور جب اس عمر سے گزر جائے تب پردہ کا وجوب ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔

والقوا عد من النساء التی لا یرجون نکاحا فلیس علیھن جناح ان یضعن ثیا بھن غیر متبرجات بزینۃ فان یستعففن خیر لھن۔ (النور) اور عورتوں میں بیٹھ رہنے والیاں (بڑی بوڑھی عورتیں) جو نکاح کی امید (رغبت) نہیں رکھتیں تو اگر وہ اپنے کپڑے (نقاب) اتار دیں بشرطیکہ اپنی زینت کا اظہار نہ کریں۔ تو ان پر کوئی حرج نہیں ہے اور اگر اس سے بھی بچیں (نقاب نہ اتاریں) تو ان کے لئے بہتر ہے۔ اس تخفیف کی علت ظاہر ہے۔ کہ جب عورت بڑھاپے کی اس منزل تک پہنچ جائے۔ کہ اب نکاح کی امید باقی نہ رہے۔ اور صنفی خواہش فنا ہو جائے۔ تو اس وقت بے پردگی کی وجہ سے اس فتنہ و فساد کا کوئی اندیشہ باقی نہیں رہتا جو جوان عورت کو بے حجاب دیکھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ (۲) اس اجنبی عورت کو دیکھنا اور تفصیلی نگاہ سے

دیکھنا جس سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو نہ صرف مباح ہے۔ بلکہ روایت میں اس کی تاکید وارد ہوئی ہے۔ کہ ایسا کرنا چاہیے۔ تاکہ میاں بیوی اندھیرے میں نہ رہیں۔ اور بعد از نکاح کوئی فتنہ سر نہ اٹھائے۔ (۳) اس طرح جہاں شرعی ضرورت داعی ہو۔ جیسے مریضہ کا علاج کرنے' کسی جلتی عورت کو بچانے' کسی ڈوبتی کو نکالنے ' یا کسی خطرہ میں گھری ہوئی کو نکالنے کے لئے حسب ضرورت ہر عضو کو نہ صرف دیکھا جا سکتا ہے۔ بلکہ ہاتھ بھی لگایا جا سکتا ہے۔ لان الضرورات تبیح المحذورات۔ ہاں البتہ نیت کو پاک و صاف رکھنے کی بہر حال ضرورت ہے۔ واللہ علیم بذات الصدور۔

۲۱۔ پردے پر بعض بودے ایرادات اور ان کے مختصر مگر مقنع جوابات

معقول آدمیوں کے لئے اب تک جو حقائق پیش کئے گئے ہیں۔ وہ پردہ کی اہمیت و افادیت اور اس کی معقولیت ثابت کرنے کے لئے کافی و وافی ہیں۔ مگر منکرین اسلام کھلم کھلا اور بعض ذہنی غلام نام نہاد مسلمان دبے لفظوں میں شرعی پردہ پر ہمیشہ بعض بودے اور رکیک قسم کے اعتراضات کیا کرتے ہیں۔ جن کا یہاں اجمالی تذکرہ اور پھر ان کا ازالہ فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ (۱) پردہ عورت کی صحت کو کمزور کر کے اسے مختلف بیماریوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ہم جواب میں کہتے ہیں۔ کہ یہ بات مشاہدہ کے خلاف ہے۔ پردہ نشین عورتیں نہ زیادہ مریض ہوتی ہیں۔ اور ضعیف الاعصاب۔ بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ پردہ نشین عورتوں کی اولاد زیادہ قوی الجثہ ہوتی ہے اور زیادہ تندرست و توانا۔ اگر پردہ عورتوں میں کمزوری پیدا کرتا تو آج چودہ سو سال کے بعد پردہ نشین مسلمان عورتیں ناتوانی اور کمزوری کی زندہ مثال ہوتیں۔ مگر مشاہدہ شاہد ہے۔ کہ ایسا نہیں ہے۔ مخفی نہ رہے۔ کہ پردہ عورت کو حبس بے جا میں رکھنے کا نام نہیں بلکہ نامحرم مردوں کے سامنے بے حجاب آنے سے روکنے اور چادر اوڑھ کر یا برقع پہن کر باہر نکلنے کا نام ہے۔ (۲) شادی کا خواہاں مرد اپنی ہونے والی بیوی کو پردہ کی وجہ سے دیکھ نہیں سکتا۔ جس کی وجہ سے ازدواجی زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ اور نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کا پہلا الزامی جواب تو یہ ہے کہ یورپی ممالک جہاں مرد و عورت ایک دوسرے کو خوب دیکھ بھال کر شادی کرتے ہیں۔ وہاں ان کی ازدواجی زندگیاں کیوں تلخ ہیں۔ اور ان کی شرح طلاق اسلامی ممالک سے کیوں

بدر جہا زیادہ ہے اور دوسرا اصلی جواب یہ ہے۔ کہ یہ سوال شریعت اسلامیہ کے قواعد سے جہالت کی پیداوار ہے۔ ورنہ اسلام شادی کے خواہشمند مرد کو اپنی ہونے والی بیوی کو دیکھنے کی نہ صرف یہ کہ اجازت دیتا ہے۔ بلکہ اس کا حکم دیتا ہے۔ (جیسا کہ سطور بالا میں اس کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔) حقیقت یہ ہے کہ ازدواجی زندگی کی بربادی اور کثرت طلاق کے علل و اسباب اور ہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے۔ کہ پردہ نشین عورتوں کی عائلی زندگی زیادہ خوشگوار اور پائیدار ہوتی ہے۔ **کمالا یخفی علی اولی الابصار** (۳) پردہ عورت کو مدرسہ و کالج میں رہ کر کسب علم و کمال سے روکتا ہے۔ اور عورت حسب خواہش تہذیب و علم کی تکمیل نہیں کر سکتی۔ یہ اعتراض بھی بالکل لغو اور اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کی پیداوار ہے۔ ورنہ ارباب علم و دانش جانتے ہیں کہ اسلام عورت کے علم حاصل کرنے پر قطعاً" کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔ بلکہ مرد و عورت دونوں پر یکساں علم حاصل کرنے پر زور دیتا ہے۔ البتہ وہ بے پردہ اجنبیوں کے ساتھ مخلوط تعلیم سے روکتا ہے۔ جس کی تباہ کاریوں کا آج خود اہل مغرب رونا رو رہے ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے عورت بلوغت سے پہلے بے پردہ اور بلوغت کے بعد پردہ کے اندر رہ کر کسب کمال کر سکتی ہے اور علم و تہذیب کے زیور سے اپنے آپ کو آراستہ کر سکتی ہے۔ مسلم خواتین کے علمی و عملی کارنامے اس کا زندہ ثبوت ہیں۔ (۴) پردہ ترقی سے مانع ہے۔ پردہ عورت کو فطری حریت و آزادی سے محروم کر دیتا ہے اور اسے کسب کمال نہیں کرنے دیتا۔ یہ اعتراض بھی محض لغو اور بے معنی ہے۔ ہم قبل ازیں اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں۔ کہ قدرت نے مرد و عورت کے تمدنی معاشرتی وظائف و فرائض جدا جدا مقرر کئے ہیں۔ عورت کو ربتہ العائلہ بنایا ہے۔ اسے نوع انسانی کی تکثیر اور اس کی تربیت و حفاظت اور فرائض منزلی کی ادائیگی کے لئے خلق فرمایا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ پردہ ان امور کی بجا آوری اور ان کی تکمیل میں سب سے بڑا ممد معاون ہے۔ کیونکہ (الف) پردہ عورت کو اس کی حقیقی حریت سے متمتع کرتا ہے۔ (ب) پردہ عورت کو عورت بناتا ہے۔ اور اس کو اس کا اصلی احترام و مقام دلاتا ہے۔ (ج) پردہ عورت کو اس کے فرائض منصبی ادا کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ (د) پردہ ماں کو ماں بننے کی تربیت مکمل کرنے اور پھر اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کرنے میں اعانت کرتا ہے۔ (ہ) پردہ عورت کو زندگی کی دوڑ میں مرد کا مقابلہ

کرنے سے روکتا ہے۔ جس مقابلہ نے مادی تمدن کی ہڈی توڑ دی ہے۔ (و) پردہ شوہر و بیوی کو زنا شوئی کی زندگی سے لطف اٹھانے کا موقع دیتا ہے۔ (ز) پردہ کے ذریعہ ہی ایسی مائیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ جو اپنی اولاد کو صحیح اسلامی اصول کی تعلیم و تربیت سے سچا مسلمان بنائیں۔ (ح) پردہ عورت کو دل و نگاہ کی صحیح مسلمانی بخشتا ہے۔ (ط) پردہ عورت کو بد معاشوں کے دست تعدی سے بچاتا اور ان کے چنگل سے آزاد کراتا ہے۔ (ی) پردہ مرد و عورت کو جنسی بے راہ روی اور انارکی سے روک کر حد اعتدال پر قائم کرتا ہے۔ (ق) پردہ معاشرہ کو زنا کاری کی تباہ کاریوں سے بچاتا ہے۔ (ر) پردہ مرد و عورت کو ان کے دائرہ کار اور اپنے اپنے وظائف و فرائض کے حدود و قیود کے اندر رہ کر کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ جس سے انسانی معاشرہ روز افزوں ترقی کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ پردہ ترقی سے مانع نہیں ہے۔ ہاں البتہ وہ عورت کو خود غرض بدکار مرد کا آلہ کار بننے سے روکتا ہے۔ پردہ کے فوائد و عوائد کا یہ ایک شمہ جو بطور نمونہ مشتے از خروارے بیان کیا گیا ہے۔ ورنہ ؎

سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کے لئے

لیکن اگر اس کے باوجود

گر نیاید بگوش حقیقت کس   بر رسولاں بلاغ باشد و بس

بہر کیف ہم مسلمان عورت کو مشورہ دیں گے کہ

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر   کہ شبیرؑ باغوشے بیاری

(باب الوقف والصدقہ)

ملحقات نمبر ۲

"مکتب ماقدموا و آثارھم"

اگر انسانی اعمال و افعال کا نتائج و آثار کے اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو وہ دو قسم پر منقسم نظر آتے ہیں۔ ایک وہ جو انسان اپنی زندگی میں کر جاتا ہے اور اس کی موت کے ساتھ ان کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ نماز و روزہ وغیرہ دوسرے وہ جو اگرچہ آدمی کر تو ظاہری زندگی میں جاتا ہے مگر اپنی ظاہری موت کے بعد ان کے آثار باقی چھوڑ جاتا ہے۔ یعنی اس کی دنیوی زندگی کے خاتمہ کے ساتھ ان اعمال کے آثار کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ جیسے کہ صدقہ جاریہ (جسے وقف بھی کہا جاتا ہے) چنانچہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے فرمایا۔ **اذا مات ابن ادم انقطع عملہ الامن ثلاثۃ ولد صالح یدعولہ و علم ینتفع بہ بعد موتہ و صدقۃ جاریۃ** (متدرک الوسائل باب ۲ الوف حدیث ۲ سنن بیہقی ج ۲ ص ۲۷۸ باب الوصایا) جب فرزند آدم مرجاتا ہے۔ تو سوائے تین چیزوں کے اس کے عمل کا (ثواب) قطع ہو جاتا ہے۔ (اور وہ تین چیزیں یہ ہیں) (۱) وہ نیک فرزند جو اس کے لئے دعا و استغفار کرے (۲) وہ علم جس سے استفادہ کیا جائے (۳) اور وہ صدقہ جو جاری ہے اس صدقہ جاریہ کی تفسیر علماء و فقہاء نے ارشاد معصومینؑ کی روشنی میں وقف سے کی ہے۔ (مسالک الافہام) شریعت مقدسہ نے رفاہ عامہ کے ایسے آثار خالدہ پر جن سے بنی نوع انسان کا فائدہ ہو بہت زور دیا ہے۔ اور لوگوں کو اس کی بجا آوری کی بڑی ترغیب و تحریص دلائی ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ فرمایا **ستۃ تلحق المومن بعد وفاتہ ولد یستغفرلہ و مصحف یخلفہ وغرس یغرسہ و قلیب یحفرہ و صدقۃ یجریھا و سنۃ یوخذ بھا من بعدہ** (کافی وسائل وغیرہ) "چھ چیزیں ایسی ہیں جن کا اجر و ثواب مومن کو اس کی وفات کے بعد بھی برابر پہنچتا ہے۔ (۱) (نیک) لڑکا جو اس کے لئے استغفار کرے (۲) قرآن (یا کوئی دینی کتاب) جو اپنے بعد چھوڑ جائے۔ (۳) کوئی ایسا درخت جو لگا جائے۔ (۴) کوئی ایسا کنواں جو کھود جائے۔ (۵) کوئی ایسا صدقہ جسے جاری کر جائے۔ (۶) کوئی

ایسا اچھا طریقہ جسے چھوڑ جائے جس کی اس کے بعد بھی اتباع کی جائے۔ مولانا حالی مرحوم نے گویا اسی حدیث کا منظوم ترجمہ کرتے ہوئے کہا۔

ہے نام منظور ہے تو خیر کے اسباب بنا۔ مسجد بنا۔ مدرسہ بنا۔ چاہ بنا۔

ارشاد نبویؐ " خیر الناس من نفع الناس" (بہترین خلائق وہ بندہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے)

کے مطابق اسی میں دین و دنیا کی فوز و فلاح کا سر مستتر نہاں ہے اور اسی میں نیک نام و بقائے دوام (جس کے انبیاء عظام بھی خواہشمند نظر آتے ہیں) کا راز پنہاں ہے۔ ولنعا قیل ان اثار تدل علینا فانظر وا بعد نا الی الاثار۔ اس لئے جو لوگ دنیا کی چند روزہ زندگی۔ اور اس کے جاہ و جلال سے' اس کے مال و منال سے اور اس کے بخت و اقبال سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے بعد آثار خالدہ چھوڑ گئے ہیں۔ یعنی کوئی مسجد و مدرسہ بنوا گئے ہیں۔ یا کوئی پل یا راستہ بنوا گئے ہیں۔ کوئی کنواں کھدوا گئے یا کوئی نلکا لگوا گئے ہیں۔ کوئی ہسپتال بنوا گئے ہیں یا کوئی خیراتی ادارہ کھلوا گئے ہیں' تقریر و تحریر کے ذریعے سے علم و فضل کا کوئی چشمہ جاری کر گئے ہیں۔ یا اپنی تبلیغ و کردار کے سبب سے قابل تقلید اور مستحسن طریقہ کار کی بنیاد رکھ گئے ہیں۔ تو جب تک لوگوں کو ان کے جاری کردہ ان چشمائے فیض سے فیض یابی رہے گی۔ ان کے حسنات میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا۔ اور رہتی دنیا تک ان کا نام نامی و اسم گرامی آسمان رفعت و بلندی پر مہر نیمروز کی طرح چمکتا دمکتا رہے گا۔ گویا وہ زبان حال سے آج بھی کہہ رہے ہیں کہ ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما وفقنا اللہ و جمیع المومنین لما یحب و یرضی۔

(ا) (وقف کی لغوی و شرعی تعریف)

لغت عرب میں وقف کے معنی منع و حبس (روکنے) کے ہیں اور اسی مناسبت سے اس کے شرعی معنی ہیں۔ "تحبیس الاصل و تسبیل المنفعتہ" اصل و عین مال کو روکنا اور اس کے منافع و فوائد کو عام واگذار کرنا" تو گویا اس کے اصطلاحی معنوں میں بھی اس کے لغوی معنی ملحوظ و ماخوذ ہیں۔ کیونکہ وقف میں یہی ہوتا ہے۔ کہ جس چیز کو وقف کیا جاتا ہے۔ اس کی اصل کو برقرار

بحال رکھا جاتا ہے کہ اس میں بیع و شراء وغیرہ جیسے مالکانہ تصرفات ممنوع ہو جاتے ہیں۔ ہاں البتہ اس کے ثمرات و منافع سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس چیز کی منفعت اس کی تلفی پر موقوف ہو جیسے روٹی یا پھل فروٹ (کہ جب تک ان کا اتلاف نہ ہو اس وقت تک ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا) اس کا وقف کرنا صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا اس چیز کا وقف کرنا صحیح ہو گا جس کے اصل وجود کو باقی رکھ کر اس کی منفعت سے فائدہ اٹھایا جا سکے جیسے زمین' مکان' درخت اور حیوان) نیز وقف کے کچھ شرائط ہیں۔ جن میں سے بعض کا تعلق براہ راست وقف سے ہے۔ بعض کا واقف (وقف کنندہ سے) بعض کا موقوف علیہ (جس پر وہ چیز وقف کی جا رہی ہے) سے اور بعض کا موقوف (اس چیز سے جو وقف کی جا رہی ہے) لہٰذا ذیل میں ان شرائط چہارگانہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۲) (وقف کے شرائط کا بیان)

اور یہ چند شرطیں ہیں (ا) پہلی شرط صیغہ ہے۔ مشہور و منصور قول یہی ہے کہ وقف میں صیغہ کا اجرا ضروری ہے۔ اس کے بغیر وقف کردہ چیز واقف کی ملکیت سے خارج ہو کر وقف قرار نہیں پاتی۔ ہاں البتہ مسجد و مقبرہ میں فی الجملہ اختلاف ہے۔ بعض فقہاء کا قول ہے کہ یہاں معاطات کافی ہے۔ پس جو شخص مسجد کی نیت سے ایک مکان تعمیر کرے اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دے۔ اور اس میں کچھ لوگ نماز پڑھنا شروع بھی کر دیں۔ تو وہ جگہ مسجد بن جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی زمین کا ایک ٹکڑا مسلمانوں کے لئے قبرستان بنانے کی نیت سے مخصوص کر دے۔ اور لوگوں کو اس میں مردے دفن کرنے کی اجازت بھی دے دے اور ایک آدھ مردہ دفن بھی ہو جائے تو اس طرح وہ جگہ قبرستان کے لئے وقف ہو جائے گی۔ مگر اظہر یہ ہے کہ یہاں بھی صیغہ وقف کا اجرا ضروری ہے۔ اس کے بغیر مذکورہ بالا طریقہ سے کسی جگہ کا مسجد و مقبرہ ہونا۔ شرعاً" ثابت نہیں ہوگا۔ چنانچہ علامہ حلی علیہ الرحمہ اپنی کتاب تذکرہ میں رقمطراز ہیں۔ **اما الفعل المقترن بالقرائن فقد بینا انہ لایکفی فی الوقف مثل ان یبنی مسجداً" ویاذن للناس فی الصلواۃ فیہ خلافاً" لابی حنیفہ واحمد وکذا اذا تخذ مقبرۃ واذن فی الدفن الخ** -- اس عبارت سے واضح ہوتا ہے۔ کہ پہلے علماء شیعہ کے درمیان اس مسئلہ میں کچھ

اختلاف نہیں تھا۔ کہ ہر وقف میں صیغہ کا اجراء ضروری ہے۔ ہاں برادران اسلامی کے دو امام مسجد و مقبرہ میں اسے لازم نہیں جانتے تھے۔ اگرچہ اب ہماری فقہی کتابیں بھی اس اختلاف سے محفوظ نہیں ہیں۔ لیکن لزوم صیغہ کا یہ مطلب بھی نہیں ہے۔ کہ جس مسجد کے متعلق اجراء صیغہ کا یقین نہ ہو اسے مسجد ہی نہ سمجھا جائے۔ بلکہ جس جگہ کو عرف عام میں مسجد سمجھا جاتا ہو اسے شرعاً مسجد ہی سمجھا جائے گا اور اس کا کھوج نہیں لگایا جائے گا۔ کہ واقف نے صیغہ وقف جاری کیا تھا یا نہ؟ اگرچہ احوط یہ ہے۔ کہ جو جگہ بغیر اجراء صیغہ کے صرف بطور معاطاتی مسجد یا مقبرہ بنی ہو۔ اس پر بھی مسجد و مقبرہ والے احکام مرتب کئے جائیں۔ واللہ العالم (یسائل)

مسئلہ ا۔ مخفی نہ رہے کہ صیغہ وقف کے سلسلہ میں صریح لفظ "وقف" ہے یا صدقہ جاریہ۔ یا عام لفظ صدقہ بشرطیکہ اس کے ساتھ ایسے قرائن موجود ہوں۔ جو اسے وقف قرار دیں۔ جیسے یہ چیز ایسا ابدی صدقہ ہے۔ جسے نہ فروخت کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ ہی اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے۔ الغرض اس صیغہ میں صیغہ کا ماضی کی شکل میں یا عربی زبان میں ہونا شرط نہیں ہے۔ بلکہ ہر زبان میں ہر وہ لفظ جس سے مطلب ادا ہو جائے کافی ہے اگرچہ احوط یہ ہے کہ عربی میں ہو اور ماضی بھی۔ واللہ العالم۔

مسئلہ ۲۔ قبول کے معتبر ہونے میں فقہاء کے درمیان خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض ہر قسم کے وقف میں (خاص ہو یا عام) قبول کو ضروری جانتے ہیں۔ بعض مطلقاً ضروری نہیں جانتے اور بعض تفصیل کے قائل ہیں۔ یعنی وقف خاص میں (جو مخصوص افراد پر وقف کیا جائے) جیسے وقف علی الاولاد مثلاً" میں قبول کو ضروری جانتے ہیں۔ مگر وقف عام میں (جو عام لوگوں پر وقف کیا جائے جیسے فقراء و علماء مثلاً") یا جہت عمومی پر جیسے مسجد) ضروری نہیں جانتے۔ اور یہ اختلاف دراصل اس اختلاف پر مبنی ہے۔ کہ آیا وقف عقد ہے یا ایقاع؟ کیونکہ عقد میں قبول ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں معاملہ دو شخصوں کے درمیان ہوتا ہے۔ ایک شخص ایک چیز کو اپنی ملکیت سے نکال کر دوسرے کی ملکیت میں داخل کرتا ہے اور ایقاع میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ اس میں صرف "فک ملکیت" ہوتا ہے۔ یعنی ایک شخص کسی چیز کو اپنی ملکیت سے خارج کر دیتا ہے۔ جیسے طلاق دینا یا غلام آزاد کرنا وغیرہ۔ بہرحال اقوی یہ ہے کہ علی الاطلاق وقف میں

قبول ضروری نہیں ہے۔ اور یہی قول مشہور بین الاصحاب ہے۔ اور یہی قول نصوص معصومینؑ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ ان میں ایجاب کا تذکرہ تو ہے۔ مگر قبول کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لہذا وقف میں قبول شرط نہیں ہے ہاں احتیاط یہ ہے۔ کہ وقف خاص میں قبول کیاجائے (اور یہ قبول وہ مخصوص لوگ کریں گے۔ جو عندالوقف موجود ہوں گے) بلکہ مزید احتیاط یہ ہے۔ کہ وقف عام میں بھی اس کا لحاظ رکھا جائے۔ اور اس صورت میں حاکم شرع قبول کرے گا۔ یا جسے حاکم شرع مقرر کرے گا۔ واللہ العالم۔

دوسری شرط قبض ہے۔ اس کے بغیر وقف مکمل نہیں ہوتا اور یہ قبض واقف کی اجازت سے ہونا چاہیے۔ ہاں اس قبض کی کیفیت و نوعیت جدا جدا ہے۔ وقف خاص (جو مخصوص افراد پر وقف ہے) ان لوگوں کے قبض کرنے سے صادق آئے گا۔ اور اگر وہ وقف کسی جہت عامہ (جیسے مسجد) یا عنوان عام جیسے فقراء و مساکین پر ہے۔ تو متولی قبض کرے گا۔ اور اگر وہ موجود نہ ہو تو پھر حاکم شرع قبض کرے گا۔ یا جسے وہ مقرر کرے۔ اور اگر خود واقف متولی ہو یا اپنی صغرالسن اولاد پر وقف کرے تو پھر قبض جدید کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کا سابق قبضہ کافی ہو گا۔ جس طرح کہ موقوف پہلے ہی موقوف علیہ کے قبضہ میں ہو تو بھی قبض جدید کی احتیاج نہیں ہے۔ کہ وہ تحصیل حاصل ہے اور اگر قبض و اقباض سے پہلے واقف کا انتقال ہو جائے تو وقف باطل ہو جائے گا اور اگر واقف قبض سے پہلے چاہے تو وقف سے انحراف بھی کرسکتا ہے۔ لیکن قبضہ دینے کے بعد وہ ایسا کرنے کا مجاز نہیں ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ میں قبض و اقباض کی نوعیت جدا جدا ہوتی ہے۔ کما لا یخفیٰ۔

(۳) تیسری شرط دوام ہے یعنی وقف کی صحت کی شرط ہے کہ وہ صبح قیامت اور ابد الاباد تک ہو اور کسی وقت خاص کے ساتھ اس کی حد بندی نہ کی جائے۔ جیسا کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کے اوقاف کی عبارات و تعبیرات سے واضح و آشکار ہوتا ہے۔ (**لا تباع ولا توہب ولا تورث حتی یرثہا مالک السموات والارض**) لہذا اگر کوئی واقف وقف کرتے وقت یوں کہے کہ یہ باغ ایک یا دس سال تک فقراء یا علماء پر وقف ہے تو یہ وقف باطل متصور ہوگا۔ لیکن آیا بطور حبس صحیح ہے یا نہ؟ تو یہ واقف کی نیت پر منحصر ہے۔ اگر اس نے لفظ وقف سے مجازاً "حبس" مراد لیا

ہے تو صحیح ہوگا۔ ورنہ وہ بھی باطل۔ کیونکہ جو مقصود تھا وہ واقع نہ ہُوا اور جو واقع ہوا وہ مقصود نہ تھا والعقود بالقصود اور اگر کوئی شخص ان لوگوں پر وقف کرے جو غالباً" کچھ مدت کے بعد ختم ہو جائیں اور ان کے خاتمہ کے بعد اس کا کوئی مصرف بیان نہ کرے۔ جیسے اپنی اولاد پر وقف کرے اور صرف ایک دو بطنوں پر اکتفا کرے۔ جس سے وقف منقطع الاخر کہا جاتا ہے تو آیا یہ بطور وقف صحیح ہوگا یا بطور حبس؟ یا سرے سے باطل ہوگا؟ اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان سخت اختلاف ہے حتی کہ شہید اول جیسے فقیہ نبیہ نے کتاب الدروس میں تمام اقوال لکھ کر اسے قالب اجمال و اشکال میں چھوڑ دیا ہے اور کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی مگر اقرب یہ ہے کہ شرط ابدیت کے فوت ہونے کی وجہ سے بطور وقف صحیح نہیں ہے۔ (کیونکہ اذافات الشرط فات المشروط) اور بطور "حبس" صحیح ہے۔ لہٰذا جب تک موقوف علیہ موجود رہیں گے وہ وقف شدہ چیز ان کے زیر تصرف رہے گی اور ان کے خاتمہ کے بعد واقف کی طرف (اگر وہ زندہ اور موجود ہوا) یا اس کے ان ورثہ کی طرف (جو اس کی موت کے وقت موجود تھے) لوٹ جائے گی۔ واللہ العالم۔

مخفی نہ رہے کہ وقف اور حبس میں فرق یہ ہے کہ وقف میں وقف شدہ چیز واقف کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے۔ جب کہ حبس میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ ملکیت باقی رہتی ہے صرف مالک اس میں کوئی ایسا تصرف نہیں کر سکتا۔ جو اصل مقصد حبس کے منافی ہو۔ (حبس کی مزید وضاحت باب الوقف کے خاتمہ پر کی جائے گی۔ انشاء اللہ) اور اگر وقف تھا تو دائمی مگر سوئے اتفاق سے موقوف علیہم ختم ہو گئے۔ جیسے وقف علی الاولاد میں نسلا" بعد نسل وقف تھا حتی یرث رب الارض والسموات یا عام فقراء پر وقف تھا۔ مگر واقف کی نسل منقطع ہو گئی۔ یا اتفاقا" فقراء بالکل ختم ہو گئے۔ تو اب اسے کہاں صرف کیا جائے گا؟ اس سوال کا جواب احادیث معصومینؑ اور اقوال فقہاء کاملین میں یہ دیا گیا ہے۔ کہ اسے ہر کار خیر میں صرف کیا جائے گا۔" واللہ العالم

چوتھی شرط = بنابر مشہور یہ ہے کہ منجز ہو۔ لہٰذا اگر وقف کو کسی شرط (مشکوک الحصول) پر یا کسی صفت (یقینی الحصول) پر معلق کیا جائے تو وقف صحیح نہ ہوگا۔ (وھو کذلک علی الاحوط وان کانت الاحادیث المعصومیتہ خالیتہ عن ھذا الشرط)

پانچویں شرط یہ ہے کہ واقف اپنے آپ کو وقف سے خارج کرے۔ لہذا اگر یوں وقف کرے کہ پہلے اس کی ذات پر پھر زید و بکر یا فقراء و مساکین پر تو یہ وقف منقطع الاول ہونے کی وجہ سے باطل تصور ہوگا اور اگر دوسروں کے ساتھ اپنے آپ کو شریک کرے تو گو یہ شق نص سے خالی ہونے کی وجہ سے اشکال سے خالی نہیں ہے۔ مگر اقوی یہ ہے کہ اس کی نسبت سے باطل اور دوسروں کی نسبت سے صحیح ہوگا اور اگر پہلے دوسروں پر اور آخر میں اپنے اوپر وقف کرے تو یہ منقطع الاخر ہوگا اور اس کا حکم اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ (کہ بطور حبس صحیح اور بطور وقف باطل ہوگا)

مسائل

مسئلہ ۱۔ اگر وقف کسی جہت عامہ کے لئے ہو جیسے مسجد و مقبرہ وغیرہ (جن کی بازگشت خدا کی طرف ہوتی ہے) تو اس سے خود واقف بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ یعنی اس مسجد میں نماز پڑھ سکتا ہے اور مقبرہ میں دفن ہو سکتا ہے اور اگر وقف کسی عنوان عام کے ماتحت ہو جیسے فقراء یا فقہاء اور اتفاق سے واقف بھی اس عنوان کے ماتحت داخل ہو جائے یعنی فقیر یا فقیہ بن جائے تو آیا وہ اس زمرہ میں شامل ہونے کی وجہ سے اس وقف سے مالی فائدہ اٹھا سکتا ہے یا نہ؟ اس میں شدید اختلاف ہے۔ اگرچہ اظہر یہ ہے کہ اس شق کی بازگشت بھی جہت عامہ کی طرف ہے اور یہ وقف علی النفس نہیں ہے۔ اس لئے یہ اس صورت میں اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ اگرچہ احوط یہ ہے کہ اس سے اجتناب کرے بالخصوص جبکہ پہلے سے ایسا کرنے کا ارادہ ہو۔ واللہ العالم

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی شخص کوئی چیز اولاد و اقرباء یا کسی اور پر وقف کرتے وقت یہ شرط عائد کردے کہ اس کے محاصل سے اس کے قرضے یا مالی حقوق واجبہ مثل زکوٰۃ و خمس ادا کئے جائیں تو یہ شرط باطل ہوگی اور وقف کے بطلان کا باعث ہوگی۔ ہاں اگر وقف مطلق ہو (بلاشرط) اور وہ موقوف علیہم سے علیحدہ اس قسم کا کوئی معاہدہ کرے کہ وہ لوگ اپنے مال سے یہ حقوق ادا کریں گے تو پھر اقرب یہ ہے کہ یہ معاہدہ صحیح ہے۔ واللہ العالم

ہاں اگر یہ شرط عائد کرے کہ اس موقوف کے منافع سے اس کے مہمانوں یا اس کے اہل

و عیال کے اخراجات ادا کئے جائیں گے تو بظاہر یہ شرط جائز ہے **"والمؤمنون عند شروطہم"** اور وقف علی النفس میں بھی داخل نہیں ہے اور اس کے جواز کی بڑی دلیل یہ ہے کہ جناب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے "حیطان سبعہ" حضرت خاتون قیامت علیہا السلام پر وقف کرتے وقت اپنے مہمانوں کے اخراجات کی ادائگی کی شرط عائد کی تھی۔ (من لا یحضرہ الفقیہ)

مسئلہ ۳۔ واقف کو وقف کرتے وقت موقوفہ مال میں سے کچھ حصہ کے استثناء کا حق حاصل ہے۔ اسی طرح اگر خود متولی ہو تو اس کے منافع میں سے کچھ معین مقدار کے استثناء کا حق حاصل ہے۔ جس طرح کہ اگر کسی اور کو متولی بنائے تو اس کی تنخواہ کا منافع میں سے استثناء کرسکتا ہے۔ **(لان الوقوف علی حسب ما یوقفہا اھلہا کما ورد فی الاحادیث)**

چھٹی شرط = قصد قربت ہے۔ بنابر مشہور یہ شرط بھی ضروری ہے چونکہ وقف بھی صدقہ کی ایک قسم ہے اور صدقہ بغیر قصد قربت کے نہیں ہوسکتا (وہ ہبہ و ہدیہ نہیں ہے) علاوہ بریں جزو ثواب کا حصول (جس کی خاطر کوئی چیز وقف کی جاتی ہے) قصد قربت پر موقوف ہے۔ نیز آئمہ طاہرینؑ کے اوقاف کے جو الفاظ و عبارات کتابوں میں مذکور ہیں۔ ان میں صراحۃ قصد قربت موجود ہے۔ تو دوسروں کو بھی ان کی تاسی میں قصد قربت کرنا چاہئے ورنہ اصل (برأت) کی بنا پر اس وقف پر کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔ انہی حقائق کی بنا پر جناب شیخ الطائفہ شیخ طوسیؒ نے نہایہ میں فرمایا ہے۔ **"الوقف والصدقۃ شئی واحد ولا یصح منہما الا بعد ما یتقرب الی اللہ وان لم یقصد بذلک وجہ اللہ لم یصح الوقف" کذا افادالشیخ المفیدؒ و ابن ادریس الحلی رحمہما اللہ تعالی۔** واللہ العالم

موقوف کے شرائط کا بیان

جس چیز کو وقف کرنا چاہیں۔ اس میں چار شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے: (۱) پہلی شرط یہ ہے کہ عین اور موجود ہو۔ یعنی نہ دین ہو، نہ منفعت اور نہ مبہم۔ کیونکہ جیسا کہ پہلے ذکر ہوچکا ہے۔ وقف اصل عین المال کو روک کر اس کے منافع سے استفادہ کرنے کا نام ہے۔ الغرض شریعت مقدسہ کی جانب سے جس قسم کا وقف ثابت ہے وہ عین کا ہے نہ دین وغیرہ کا اور اسی پر

آئمہ طاہرین" اور متشرع و تفیس کی سیرت مستقر ہے۔ (۲) دوسری شرط یہ ہے کہ مملوک ہو۔ یعنی وہ چیز شرعاً" واقف کی ملکیت میں آسکتی ہو۔ اور بالفعل ملکیت میں بھی ہو۔ لہٰذا جو چیز شرعاً" ایک مسلمان کی ملکیت میں نہیں آسکتی۔ جیسے آزاد آدمی' خمر و خنزیر وغیرہ یا ملکیت میں داخل تو ہو سکتی ہو۔ مگر بالفعل ملکیت میں داخل نہ ہو۔ تو اس کا وقف کرنا صحیح نہیں ہے۔ مخفی نہ رہے کہ یہ بالفعل والی قید ہم نے اس لئے بڑھائی ہے۔ کہ علی الاصح عقد نکاح کے علاوہ ہر جگہ عقد فضولی باطل ہے۔ جیسا کہ باب التجارۃ میں اس بات کی وضاحت کی جا چکی ہے فراجع (۳) تیسری شرط۔ یہ ہے۔ کہ وہ چیز ایسی ہو کہ اصل کو باقی رکھتے ہوئے اس سے فائدہ حاصل کیا جا سکے جیسے زمین' مکان' درخت اور حیوان وغیرہ لیکن اگر وہ چیز ایسی ہے۔ کہ جب تک اصل تلف نہ ہو اس وقت تک اس سے فائدہ حاصل نہ ہو سکے۔ جیسے روٹی 'پانی اور پھل وغیرہ تو اس کا وقف کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ وقف کی تعریف میں گزر چکا ہے۔ کہ وقف نام ہی اصل کو روکنے اور اس کے منافع سے فائدہ اٹھانے کا ہے۔ کمالا یخفی نیز مخفی نہ رہے کہ وہ فائدہ جس کا وقف میں حاصل کرنا مقصود ومطلوب ہے۔ وہ شرعاً" جائز ہونا چاہیے۔ لہٰذا جس چیز کی منفعت حرام میں منحصر ہو جیسے آلات لہو و لعب اور آلات قمار وغیرہ یا اس کا فائدہ حرام میں منحصر تو نہ ہو۔ مگر اسے وقف حرام مقصد کے لئے کیا جائے۔ جیسے کوئی حیوان شراب اٹھانے' یا دکان شراب بنانے کے لئے وقف کی جائے تو یہ وقف شرعاً" جائز نہ ہو گا۔ کیونکہ پہلی قسم شرعاً" مسلوب الفائدہ کے حکم میں ہے۔ اور دوسری ممنوع الفائدہ۔ پوشیدہ نہ رہے کہ موقوف کا بالفعل قابل استفادہ ہونا لازم نہیں ہے۔ بلکہ استفادہ کے قابل ہو تاکافی ہے۔ خواہ مستقبل میں ہی ہو۔ لہٰذا چھوٹے حیوان یا تازہ لگائے ہوئے باغ کا وقف کرنا صحیح ہو گا۔ اسی طرح ہر اس چیز کا وقف صحیح ہو گا۔ جس کے عین کو باقی رکھ کر اس کے منافع سے استفادہ کیا جا سکتا ہو۔ جیسے زمین' مکان 'کپڑے' ہتھیار' درخت' کتابیں' زیورات اور حیوانات وغیرہ۔ (۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ چیز قابل قبض واقباض ہو۔ کیونکہ جیسا کہ پہلے شرائط وقف میں گزر چکا ہے۔ کہ وقف کے صحیح ہونے کے لئے قبض لازم ہے۔ لہٰذا جس چیز کا بالفعل قبض و اقباض نہ ہو سکے جیسے بھگوڑا غلام 'گم شدہ اونٹ یا اڑتے ہوئے پرندہ کا وقف کرنا بنا بر مشہور جائز نہ ہو گا۔ مگر اس کے بالمقابل ایک دوسرا قول یہ

بھی ہے۔ کہ ان چیزوں کا گو بالفعل قبضہ نہیں دیا جا سکتا۔ مگر مستقبل میں قبضہ کے قابل تو ہیں۔ اور وقف میں قبضہ فوری نہیں ہے۔ لہٰذا اگر مالک ان کا صیغہ وقف جاری کر دے تو انتظار کیا جائے گا۔ اگر قبضہ حاصل ہو گیا۔ تو وقف صحیح اور اگر نہ ہو سکا تو باطل متصور ہو گا۔ **(وھذا القول لایخلومن قوۃ واللہ العالم)** مخفی نہ رہے۔ کہ اگر موقوفہ چیز کی بقا اور اس کی حفاظت کے لئے کچھ اخراجات کی ضرورت ہو خواہ جائیداد ہو یا غلام و حیوان تو اگر واقف نے ان کا کوئی علیحدہ انتظام کر دیا تو فبہا ورنہ وہ موقوفہ کے منافع سے موقوف علیہم پر صرف کرنے سے پہلے منہا کئے جائیں گے۔ واللہ العالم۔

واقف کے شرائط کا بیان

وقف کنندہ میں چند شرطیں معتبر ہیں۔ اور وہ چار ہیں۔ (۱) پہلی شرط بلوغ ہے۔ مشہور بین الفقہاء یہ ہے۔ کہ واقف میں بلوغ شرط ہے۔ لہٰذا نابالغ کا وقف صحیح نہیں ہے۔ مگر اس کے بالمقابل ایک قول یہ ہے۔ کہ جس لڑکے کی عمر دس برس کی ہو جائے اور وہ خیر و شر نفع و نقصان کو سمجھتا ہو۔ اس کا بر محل وقف صحیح ہے۔ چنانچہ جناب زرارہ کی صحیحہ و جمیل بن دراج کی موثقہ روایت میں ایسے لڑکے کے صدقہ کو صحیح اور نافذ قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ وقف بھی صدقہ کا ایک فرد ہے۔ لہٰذا اس کے وقف کی صحت قوت سے خالی نہیں اگرچہ احوط یہ ہے کہ قول مشہور کے مطابق عمل کیا جائے۔ واللہ العالم۔

(۲) دوسری شرط عقل ہے۔ لہٰذا وہ شخص جسے نفع و نقصان سود و زیاں کا احساس نہ ہو جسے سفیہ کہا جاتا ہے۔ یا بالکل دیوانہ ہو اس کا وقف کرنا شرعاً صحیح نہیں ہے خواہ اس کا جنون ہمیشگی والا ہو یا دوری والا۔ ہاں البتہ جس شخص کو جنون کے صرف دورے پڑتے ہوں۔ وہ اگر افاقہ کی حالت میں کوئی چیز وقف کرے تو وقف صحیح ہو گا۔ (۳) تیسری شرط جائز التصرف ہونا ہے لہٰذا جو شخص مملوک ہونے یا کورٹ وارڈ کی وجہ سے شرعاً ممنوع التصرف ہے۔ اس کا کسی چیز کو وقف کرنا صحیح نہیں ہے۔ (۴) چوتھی شرط۔ ارادہ و اختیار ہے۔ اس لئے غافل و سکران اور مکرہ انسان کا وقف صحیح نہیں ہے۔ اور یہ تو پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ کہ وقف علی النفس جائز نہیں ہے۔ ہاں البتہ

صیغہ وقف کے اجراء کے وقت اگر واقف اپنی نظارت و تولیت رکھنا چاہے تو یہ جائز ہے۔ جس طرح کہ اسے کسی دوسرے شخص کو اس منصب کی تولیت کے لئے نامزد کرنے کا حق ہے۔ خواہ وہ موقوف علیہم میں سے ہو یا کوئی اور ہو۔ اسی طرح وقف کے منافع میں سے ناظر و نگراں کے لئے کچھ اجرت معین کرنا جائز ہے۔ اور اگر معین نہ کی جائے اور وہ شخص مفت کام کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو۔ تو اسے اجرۃ المثل دی جائے گی۔ اور اگر واقف کسی شخص کو ناظر و متولی نہ بنائے تو وقف خاص میں وہ لوگ خود انتظام کریں گے اور وقف عام میں حاکم شرع اس کا اہتمام کرے گا۔

الغرض واقف کی عائد کردہ تمام جائز شرائط کی پابندی لازم ہوگی۔ خواہ ان کا تعلق واقف سے ہو یا موقوف سے یا موقوف علیہ سے اور تصرف کی کیفیت سے اور اس کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے۔

(مسائل)

مسئلہ ۱۔ اگر واقف نظارت و نگرانی (تولیت) اپنے لئے قرار دے تو اس صورت میں تو بالاتفاق عدالت معتبر نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی اور شخص کو متولی بنائے تو آیا اس میں عدالت کا ہونا ضروری ہے۔ یا نہ؟ اس میں قدرے اختلاف ہے۔ ہاں عدالت کا اعتبار احوط ہے۔ اگرچہ اقوی یہ ہے۔ کہ متولی میں صرف امانت اور متعلقہ کام کی انجام دہی کی اہلیت و لیاقت کا ہونا کافی ہے۔ لہٰذا خائن اور متعلقہ کام انجام نہ دے سکنے والے کی تولیت جائز نہیں ہے۔ واللہ العالم۔

مسئلہ ۲۔ جسے متولی بنایا جائے اسے تولیت قبول کرنا لازم نہیں ہے۔ لیکن اگر ایک بار قبول کرے۔ تو پھر آیا اپنے آپ کو معزول کر سکتا ہے یا نہ؟ اس میں فقہاء میں قدرے اختلاف ہے۔ بعض اسے بمنزلہ وکیل جانتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک بمنزلہ وصی لہٰذا پہلی صورت میں عزل جائز اور دوسری میں ناجائز ہوگا۔ بہرنوع احوط یہ ہے۔ کہ اپنے تئیں عزل نہ کرے واللہ العالم۔

مسئلہ ۳۔ مشہور یہ ہے کہ چونکہ وقف لازم ہے۔ لہٰذا اس کے ضمن میں مقرر کردہ متولی کی تولیت بھی لازم ہوگی۔ اس لئے اس متولی کو کوئی شخص حتی کہ خود واقف بھی تولیت سے معزول نہیں کر سکتا۔ ہاں صرف اس صورت میں اسے معزول کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ وہ اپنے فرائض میں

خیانت کرے اور منشاء واقف کے مطابق عمل نہ کرے یا اس میں کوئی شرط مقررہ جیسے عدالت اور بدقسمتی سے اس کا فقدان ہو جائے۔ واللہ العالم۔

مسئلہ ۴۔ اگر واقف متولی کے لئے اس کے فرائض متعین کر دے تو اس کے مطابق عمل درآمد کرے گا۔ اور بصورت دیگر عرف عام میں اس قسم کے متولی کے جو فرائض ہوتے ہیں۔ از قسم جائداد کی دیکھ بھال' اس کی تعمیر و ترقی اور پھر آمدن کی متعلقہ لوگوں پر تقسیم وغیرہ وہی کام انجام دے گا۔ مخفی نہ رہے کہ ایک سے زائد ناظر و متولی مقرر کرنا بھی جائز ہے۔

مسئلہ ۵۔ اگر واقف متولی کے لئے وقف میں سے کچھ تنخواہ مقرر کر دے خواہ وہ اجرۃ المثل سے کم ہو یا زیادہ یا برابر تو فبہا۔ ورنہ اگر متولی اعزازی طور پر کام کرے تو ٹھیک ورنہ بصورت دیگر اقرب یہ ہے کہ وہ بقدر اجرۃ المثل وقف کی آمدنی سے اجرت لے سکتا ہے۔ واللہ العالم۔

مسئلہ ۶۔ واقف کو جہاں یہ حق حاصل ہے۔ کہ وہ کسی شخص کو متولی مقرر کرے اسے یہ بھی اختیار ہے کہ متولی کو یہ بھی اختیار دے کہ وہ اپنے بعد کسی کو متولی بنائے۔ اور دوسرا تیسرے کو و ھکذا اور اگر واقف کسی کو متولی نہ بنا جائے یا مسئلہ ۳ میں مذکورہ قاعدہ کے مطابق معزول ہو جائے جبکہ اس کی ضرورت ہو (جیسے اوقاف عامہ تو) اس کا متولی حاکم شرع ہوگا۔ خواہ خود فرائض انجام دے یا کسی اور شخص کو نامزد کرے۔ اور اگر حاکم شرع موجود نہ ہو یا اس تک رسائی ممکن نہ ہو تو پھر یہ حق عادل مومن کو حاصل ہوگا۔ جیسا کہ امور حسبیہ کی انجام دہی کا مسلمہ شرعی قاعدہ و قانون ہے۔ واللہ العالم۔

موقوف علیہ کے شرائط کا بیان

چونکہ وقف کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وقف خاص (جو کسی خاص شخص یا اشخاص پر ہو جیسے اپنی اولاد و ذریت پر وقف یا جیسے زید اور اس کی اولاد پر وقف) (۲) اور وقف عام (جو کسی مصلحت عامہ جیسے مساجد کاروانسرا وغیرہ) یا عنوان عام جیسے فقراء فقہاء اور طلبہ و یتامی وغیرہ پر ہو) بنا بریں اگر وقف خاص ہے تو اس میں چند شرطیں ہیں۔ (جو کل چار ہیں)

(۱) پہلی شرط وجود ہے۔ یعنی جس پر وقف کیا جا رہا ہے۔ وہ موجود ہو۔ لہٰذا اگر معدوم پر وقف

کیا گیا جیسے وہ بچہ جس کی والدہ ہنوز اس سے حاملہ ہی نہیں ہوئی تو یہ وقف منقطع اول ہونے کی وجہ سے باطل تصور کیا جائے گا۔ اور اگر کوئی چیز اس پر وقف کی جائے۔ (جس کے لئے وصیت جائز ہے) تو اسکے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہے۔ اگرچہ مشہور عدم جواز ہے۔ مگر جواز بعید نہیں ہے۔ اور مسئلہ نص سے خالی ہونے کی وجہ سے اشکال سے خالی نہیں ہے۔ واللہ العالم۔

مگر وقف عام میں صاحب عنوان کا وجود ہر زمانہ میں ضروری نہیں ہے بلکہ وجود کا امکان کافی ہے۔ جیسے فقراء دیہ پر وقف کرنا اگرچہ فی الحال اس دیہ میں کوئی فقیر موجود نہ ہو۔ لیکن ان کے وجود کا امکان ہو تو وقف صحیح ہوگا۔

دوسری شرط تملک کی قابلیت ہے۔ یعنی جس پر وقف کیا جائے۔ اس میں مالک بننے کی اہلیت موجود ہے۔ لہٰذا اگر حیوانات و حشرات پر کوئی چیز وقف کی جائے تو یہ وقف صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح بنا بر مشہور مملوک (عبد) پر بھی وقف جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ کسی چیز کا شرعاً مالک نہیں ہے۔ اور یہ مسئلہ اشکال سے خالی نہیں ہے۔ واللہ العالم۔

مخفی نہ رہے کہ مساجد و مدارس پر اس لئے وقف جائز ہے۔ (باوجود کہ ان میں بھی مالک بننے کی صلاحیت نہیں ہے) کہ دراصل یہ وقف مساجد و مدارس پر نہیں ہے۔ بلکہ مسلمانوں کی ایک مصلحت خاصہ پر ہے۔ مخفی نہ رہے کہ قضیہ کی بعض روایات سے مساجد پر وقف کی مناہی ظاہر ہوتی ہے۔ جو کہ محمول بر کراہت ہے۔ فتدبر

تیسری شرط تعیین ہے یعنی جس پر وقف کیا جائے۔ اسے معین و مشخص ہونا چاہیے لہٰذا مبہم پر وقف کرنا۔ جیسے دو شخصوں میں سے ایک پر دو مسجدوں میں سے ایک اور دو مشہدوں میں سے ایک مشہد یا جس وقف کا مصرف معین نہ ہو وہ صحیح نہ ہوگا۔ اور اگر مصرف معین تو تھا۔ مگر بالکل بھول گیا۔ تو پھر ہر کار خیر پر صرف کیا جائے گا۔ واللہ العالم۔

چوتھی شرط تقرب کی صحت ہے۔ یعنی وقف کے مصرف میں ضروری ہے۔ کہ وہ ایسا ہو کہ جس سے قرب خداوندی کی منزل رفیع حاصل ہو سکے۔ الغرض اس کا مصرف کوئی کار خیر ہونا چاہیے۔ لہٰذا گناہ و عصیاں اور فعل حرام پر وقف کرنا باطل ہوگا۔ جیسے زانیوں، شرابیوں، چوروں، اچکوں اور ڈاکوؤں پر یا کتب ضلال کی نشر و اشاعت و حفاظت پر یا بیع و کنائس (یہود و نصاریٰ کی عبادت

گاہوں) کی حفاظت و حراست اور ان کے فرش و فروش پر کوئی چیز وقف کرنا باطل ہوگی۔ اسطرح کافر حربی پر تو بالاتفاق اور مرتد فطری اور کافر ذمی پر علی المشہور وقف کرنا جائز نہ ہوگا۔ (اگرچہ وقف علی الکافر کے جواز و عدم جواز میں فقہاء کے درمیان شدید اختلاف ہے اور چار قول موجود ہیں۔ اور کسی واضح نص معصوم کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے یہ مسئلہ قالب اشکال میں ہے (واللہ العالم)

مخفی نہ رہے کہ مشہور یہ ہے۔ کہ خود کافر کا کوئی چیز وقف کرنا صحیح ہے۔ مگر یہ مسئلہ بھی اشکال سے خالی نہیں ہے۔ (لعدم تحقق قصدالقربتہ منہ وخلوہ من نص المعصوم کمالا یخفی)

وقف کے مسائل و احکام

مسئلہ ۱۔ جب کوئی شخص کوئی چیز صحیح شرعی طریقہ پر وقف کر دے تو وہ چیز اس کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے اور بعد ازاں اس میں اور ایک اجنبی میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ اس لئے اب اس کو یا کسی اور کو اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل اور تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں رہتا۔ (مگر یہ کہ وہ متولی ہو تو اس کی فلاح و بہبود کے لئے نظارت و نگرانی کے فرائض انجام دے سکتا ہے) آیا اب وہ چیز کسی کی ملکیت میں داخل ہے یا نہ؟ مشہور یہ ہے کہ اگر وقف خاص ہے۔ تو موقوف علیہم کی ملکیت میں داخل تو ہے۔ مگر ان کو اس میں مالکانہ و ناقلانہ تصرفات کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور اگر وقف عام ہے۔ تو پھر وہ خالق کون و مکاں کی ملکیت میں داخل ہے۔ مگر اظہر یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں صرف مالک الملک کی ملکیت میں داخل ہے۔ اور کوئی بندہ اس کا مالک نہیں ہے۔ (ولذاقیل الوقف لایملکہ الااللہ) واللہ العالم۔

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی مسلمان فقراء پر کوئی چیز وقف کرے تو گو لفظ میں عموم پایا جاتا ہے۔ مگر شاہد حال اور عرف کا فیصلہ یہ ہے کہ اس سے مسلمان فقراء مراد ہیں۔ نیز ظاہر یہ ہے کہ اگر واقف سنی مسلمان ہے۔ تو سنی فقراء اگر واقف شیعہ ہے تو شیعہ فقراء مراد ہوں گے۔ مگر یہ کہ واقف ایسا وسیع المشرب ہو کہ اس کی نظر سنی و شیعہ کے اختلاف سے بلند و بالا ہو کہ اسے صرف مسلمانوں

کا مفاد مد نظر ہو۔ تو یہ اور بات ہے۔

مسئلہ ۳۔ فقراء فقہاء اور طلبہ و علماء وغیرہ جیسے عمومی الفاظ سے مراد بیان مصرف ہوتا ہے۔ یعنی کہ موقوفہ کے منافع اس گروہ کے علاوہ کسی اور پر صرف نہ کئے جائیں۔ لہٰذا تمام افراد کا تتبع و تفحص اور سب کو بالسویہ دینا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اسی وقف والے شہر کے فقراء مراد ہوں گے۔ اور وہ بھی وہ جو وہاں موجود ہوں گے۔ ہاں البتہ کسی چھوٹے سے شہر یا کسی بڑے شہر کے کسی محلہ کے غرباء و مساکین پر کوئی چیز وقف کی جائے تو عرف و عادت کا اقتضا یہ ہے کہ اس کے منافع ان سب فقراء پر تقسیم کئے جائیں گے۔ (واللہ العالم)

مسئلہ ۴۔ اگر کوئی چیز مسلمانوں پر وقف کی جائے تو مسلمانوں سے مراد وہ لوگ ہوں گے۔ جو شہادتین (توحید و رسالت) کا اقرار کرتے ہیں۔ اور اس طرح اس میں تمام فرقے اور مسالک کے سب چھوٹے بڑے مرد وزن داخل ہوں گے۔ سوائے ان کے جو ضروریات دین میں سے کسی چیز کے انکار کی وجہ سے محکوم بکفر ہوں۔ جیسے ناصبی، خارجی اور غالی اور منکرین صوم و صلوٰۃ وغیرہم المحکوم بکفرہم وان کانوا حسب الظاہر من اہل الاسلام

مسئلہ ۵۔ جب کوئی چیز صرف مومنین پر وقف کی جائے۔ تو اس سے صحیح العقیدہ شیعہ اثناعشری مراد ہوں گے۔ وہ عملی طور پر خواہ عادل ہوں اور خواہ فاسق اور یہ اس بنا پر ہے کہ اصل ایمان عقائد حقہ کی دل و دماغ سے تصدیق کرنے کا نام ہے۔ اور اقرار لسانی اس ایمان کا کاشف اور عمل صالح اس عقیدہ و ایمان کے رسوخ و پختگی کا ثبوت ہے۔ یہی وجہ ہے۔ بکثرت آیات و روایات میں ایمان پر عمل صالح کا واؤ عاطفہ سے عطف کیا گیا ہے۔ (ان الذین امنوا وعملو الصلحت) اور یہ ایمان و عمل صالح میں مغائرت کی دلیل ہے۔ اور جن بعض اخبار و آثار میں تصدیق بالجنان، اقرار باللسان اور عمل بالارکان کو ایمان کا نام دیا گیا ہے۔ یہ ایمان کامل کا تذکرہ ہے۔ یا اصل ایمان، اس کے کاشف اور اس کے ثبوت کو مجازاً یکجا ذکر کر دیا گیا ہے۔ واللہ العالم۔

مسئلہ ۶۔ اور اگر شیعہ پر وقف کیا جائے تو اگرچہ یہ لفظ ہر اس شخص یا فرقہ پر بولا جاتا ہے۔ جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت امیر علیہ السلام کو آپ کا خلیفہ بلا فصل تسلیم کرتا ہے۔ اور اس طرح اس میں تمام فرق شیعہ چہار امامی شش امامی اور ہفت امامی وغیرہ داخل

ہیں۔ مگر عرف خاص میں اب یہ لفظ شیعہ اثنا عشریہ کے ساتھ مخصوص ہو چکا ہے ہاں البتہ اگر واقف کا تعلق کسی ایسے شیعہ فرقہ سے ہو جو اثنا عشریہ نہیں ہے۔ تو پھر اس سے عمومی معنی مراد لئے جائیں گے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۷۔ اگر کوئی شخص اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد (تا آخر) پر کوئی چیز وقف کر جائے تو اس میں اس کی تمام اولاد ذکور واناث (بلکہ خناثی) اور ان کی اولاد بھی شامل ہوں گے اور سب کو بحصہ مساوی اس کے منافع میں سے حصہ ملے گا۔

مسئلہ ۸۔ اگر کوئی شخص بھائیوں بہنوں پر وقف کرے تو اس میں سگے اور سوتیلے (پدری یا مادری) سب بھائی بہن داخل ہوں گے۔ اور سب کو برابر حصہ ملے گا۔ اور اگر کوئی شخص اپنی قوم و قبیلہ پر کوئی چیز وقف کرے تو اس سے قوم و قبیلہ کے عرفی معنی مراد لئے جائیں گے۔ کما لا یخفی

مسئلہ ۹۔ اگر کوئی شخص اپنے پڑوسیوں پر کوئی چیز وقف کرے تو اس سے مراد عرف عام میں ادھر ادھر والے چند گھر مراد ہوں گے۔ یا چاروں طرف سے چالیس ہاتھ تک چاروں طرف سے چالیس چالیس گھر تک؟ اس میں اختلاف ہے؟ اگرچہ مشہور پہلے معنی ہیں۔ مگر بعض اخبار اثار کی بنا پر آخری معنی کا مراد لینا قوت سے خالی نہیں ہے۔ عام اس سے کہ وہ پڑوسی مالک مکان ہوں یا کرایہ دار۔

مسئلہ ۱۰۔ جب کوئی شخص چیز "کار خیر" پر وقف کرے تو اس سے مراد ہر کار خیر ہوگا۔ خواہ جہاد کے لئے ساز و سامان کی فراہمی ہو یا مقروضوں کے قرض کی ادائیگی' یا فریضہ حج و زیارات کی ادائیگی کے لئے امداد' غرباء مساکین کی اعانت ہو مساجد و مدارس کی تعمیر اور یتیموں و بیوگان کی دیکھ بھال کیونکہ "سبیل اللہ" سبیل الثواب اور سبیل الخیر" سے مراد ہر وہ کام ہے جو خوشنودی خدا کا باعث ہو اور اس کا قرب معنوی حاصل کرنے کا وسیلہ و ذریعہ کما ہو واضح من ان یخفی

مسئلہ ۱۱۔ جب کوئی چیز مسجد پر وقف کی جائے تو اس کے منافع کو اس کی تعمیر' آبادی' فرش و فروش اور صفائی کی ستھرائی اور اس کی آبادی پر صرف کیا جائے گا۔ اور اس کی آبادی میں پیشنماز مقرر کرنا اور اس کے مصارف کی ادائیگی بھی شامل ہے۔

مسئلہ ۱۲۔ اگر کوئی چیز کسی مشہد اقدس پر اور بالخصوص جناب امام مظلومؑ یا کسی اور معصومؑ کے نام پر وقف کی جائے۔ تو اسے مشہد کی تعمیر و ترقی اور روشنی و صفائی کے انتظام اور خدام اور زوار کی سہولت پر صرف کیا جائے گا۔ اور امام مظلومؑ کے نام اوقاف کو مجالس عزاء کے قائم کرنے، پڑھنے سننے والوں کی خدمتکرنے الغرض ان کے صحیح فضائل و مصائب اور ان کے صحیح مقاصد شہادت کی تقریر و تحریر کے ذریعے سے تشہیر پر صرف کیا جائے گا۔ اور احوط یہ ہے کہ اس کار خیر کا ثواب ان کی بارگاہ میں ہدیہ کیا جائے گا۔

مسئلہ ۱۳۔ جس جائز مقصد کے لئے واقف جو چیز وقف کرے اس میں منشاء واقف کے خلاف کوئی بھی تصرف کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ بنابریں جو حکومت اوقاف کو اپنی تحویل میں لیکر اپنے خود ساختہ محکمہ اوقاف کے حوالے کر دیتی ہے۔ اور محکمہ والے ان اوقاف کی آمدنی اپنی منشاء مرضی کے مطابق (نہ کہ منشاء واقف کے موافق) صرف کرتے ہیں۔ یہ بات قطعاً ناجائز اور خلاف شریعت ہے اس لئے ہماری قوم حکومت وقت سے یہ دیرینہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہے کہ اس نے ہمارے جو اوقاف اپنی تحویل میں لئے ہوئے ہیں۔ ان کو واگزار کرے تاکہ ان کو منشاء واقف کے مطابق صرف کیا جاسکے۔ اور آئندہ کوئی وقف ہرگز اپنی تحویل میں نہ لے تاکہ مداخلت فی الدین نہ ہو۔ (واللہ الموفق)

مسئلہ ۱۴۔ اگر مسجد خراب ہو جائے۔ شہر ویران ہو جائے اور کوئی نماز گزار نہ رہ جائے تب بھی وہ جگہ ابد آلا باد تک مسجد ہونے کے حکم سے خارج نہ ہوگی۔ بلکہ اس کا ادب و احترام اور اس کے متعلقہ احکام یوم القیام تک برقرار رہیں گے۔ ہاں اگر وہ موقوفہ چیز کسی وجہ سے خراب ہو جائے۔ اور جہت مخصوصہ میں اس سے استفادہ نہ کیا جاسکے۔ جیسے کوئی باغ مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف تھا مگر پانی نہ ملنے یا کسی اور وجہ سے خشک ہو گیا یا اس کے درخت اکھڑ گئے اور صرف زمین باقی رہ گئی۔

تو اگر اس باغ کا اعادہ ممکن ہو تو لازم ہے اگرچہ اس زمین کو پٹہ پر دینا پڑے اور اس کی آمدن کو اس کے اعادہ پر صرف کرنا پڑے۔

اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر اس زمین کی آمدنی مسجد پر صرف کی جائے گی۔ اور

اگر اس مسجد کو کوئی ضرورت نہ رہے۔ تو پھر احوط یہ ہے کہ کسی اور مسجد پر اور اگر بالفرض کسی مسجد کو بھی ضرورت نہ رہے۔ تو پھر اسے کار خیر پر صرف کیا جائے گا۔ اور یہی حکم اس صورت کا ہے۔ کہ جب موقوف علیہ یعنی مسجد یا مدرسہ بالکل ختم ہو جائے (جیسے دریا برد ہو جائے) یا موقوف علیہم ختم ہو جائیں۔ اور اس موقوفہ چیز کا کوئی مصرف باقی نہ رہ جائے تو اس کا وقف ہونا بہر حال باقی رہے گا۔ اور واقف یا اس کے ورثہ کی طرف نہیں لوٹے گی۔ ہاں البتہ اس کے منافع کو ہر کار خیر پر صرف کیا جائے گا۔ لان المیسور لا یسقط بالمعسور۔ واللہ العالم

مسئلہ ۱۵۔ وقف چیز کی بیع و شراء جائز ہے یا نہ؟ یہ مسئلہ فقہاء کے درمیان معرکۃ الآرا ہے اور اختلاف افکار کی آماجگاہ اس میں چار پانچ قول ہیں۔ اور ہر قول کے قائل اور ہر قائل کے پاس اپنے موقف کی صحت اور دوسرے کے نظریہ کے بطلان پر دلائل ہیں۔ علماء ابرار اور آئمہ اطہار کے اخبار میں غور و خوض کرنے کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر وقف موبد ہے جیسا کہ جہات عامہ جیسے مساجد و مدارس اور مشاہد وغیرہ میں ہوتا ہے۔ یا عناوین عامہ جیسے فقراء و فقہاء وغیرہ یا گو وقف خاص ہے جیسے وقف علی الاولاد نسلاً بعد نسل مگر ہے موبد تا روز قیامت تو ایسے وقف کی بیع و شراء قطعاً ناجائز اور حرام ہے۔ خواہ قابل استفادہ ہے۔ یا نہ رہے خراب ہو جائے یا آباد رہے۔ باقی رکھنے میں زیادہ فائدہ ہو یا فروخت کرنے میں؟ بہر حال اس کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ آئمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے اوقاف کی عبارات میں بکثرت اس قسم کے الفاظ موجود ہیں۔ **لا تباع ولا توہب ولا تورث حتی یرثہا وارث السموات والارض** (کتب اربعہ) اور اگر وقف خاص ہے۔ مگر موبد نہیں ہے۔ (جو دراصل حبس ہے) جیسے صرف صلبی اولاد پر وقف یا چند مخصوص فقراء و فقہاء پر وقف وغیرہ تو اس قسم کے وقف کی خرید و فروخت جائز ہے۔ مگر دو صورتوں میں (۱) ایک یہ کہ وقف کا حاصل ان کی ضروریات کے لئے کافی نہ ہو۔ اور فروخت کرنے میں زیادہ مفاد و منفعت ہو اور اس میں اس صورت کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے جبکہ موقوف خراب اور ناقابل استفادہ ہو جائے۔ اس صورت میں سب کی رضامندی سے اس کی بیع و شراء جائز ہے۔ (۲) جب موقوف علیہم میں ایسا سخت اختلاف رونما ہو جائے جس سے اس وقف کے ضیاع اور تلف

نفوس کا اندیشہ دامنگیر ہو تو اس صورت میں اس کا فروخت کرنا جائز ہے۔ **هذا ما عندی والله العالم او نوابه القائمون مقامه فی حلاله وحرامه**

مسئلہ ۱۵ کسی چیز کا وقف ہونا چار طریقے سے ثابت ہوتا ہے۔ (۱) علم و یقین سے خواہ وہ شیاع و شہرت سے ہی حاصل ہو۔ (۲) دو عادل گواہوں کی گواہی سے (۳) صاحب ید (قبضہ والے) کے اقرار سے (۴) تحریر سے لہذا اگر کسی کتاب وغیرہ پر یہ لکھا ہوا ہو کہ وہ وقف ہے۔ تو ظاہر یہ ہے کہ اس سے اس کے وقف ہونے کا ہی فیصلہ کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ چیز کسی کے قبضہ میں ہو اور وہ تحریر کے حقیقی وقف نہ ہونے کے متعلق کوئی معقول عذر پیش کرے تو وہ مسموع ہوگا اور وہ چیز اسی قابض کی ملکیت سمجھی جائے گی۔ واللہ العالم

حبس اور اس کے سہ گانہ اقسام کا اجمالی بیان

حبس کی تعریف = مخفی نہ رہے کہ حبس میں بھی وقف کی طرح یہ ہوتا ہے کہ اصل کو روک کر اس کے منافع کو واگذار کیا جاتا ہے۔ فرق صرف دو باتوں میں ہے ایک یہ کہ وقف میں ابدیت و دوام ہوتا ہے اور حبس میں دوام نہیں ہوتا بلکہ اس کی مدت مقرر ہوتی ہے دوسرے وقف میں وہ چیز واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے اور حبس میں اس کی ملکیت باقی رہتی ہے۔ باقی تمام باتوں میں وقف اور حبس میں کوئی فرق نہیں ہے یہ کہ جس چیز کا وقف کرنا جائز ہے اس کا حبس کرنا بھی جائز ہے جو واقف و موقوف اور موقوف علیہ کے شرائط ہیں وہی حبس، حابس اور محبوس علیہ کے شرائط ہیں۔ صیغہ میں ہر زبان کا وہ لفظ کافی ہے جس سے اصل مطلب ادا ہو جائے اور یہی کیفیت قبول کی ہے بلکہ دوسرے عام عقود کی طرح اس میں معاطات بھی جائز ہے۔ ہاں لزوم عقد کے لئے حابس کی اجازت قبض ضروری ہے اور اگر قبض سے پہلے مالک مرجائے تو عقد باطل ہو جائے گا۔ حابس اور محبوس علیہ کے درمیان جو معاہدہ جس طرح اور جن جائز شرائط پر طے پا جائے بموجب "**المومنون عند شروطهم**" وہ جائز اور نافذ ہوگا۔

حبس کے سہ گانہ اقسام

اس حبس کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) سکنی (۲) عمری (۳) رقبی۔ ان تینوں کی اصل

ایک ہے۔ صرف نسبت و اضافت کا فرق ہے مثلاً" اگر کوئی مالک کسی سے یہ کہہ دے کہ تو میرے اس مکان میں اس وقت تک قیام کر سکتا ہے جب تک تو زندہ ہے یا جب تک میں زندہ ہوں۔ تو اسے "سکنیٰ" اس اعتبار سے کہا جائے گا کہ اس کا تعلق سکونت سے ہے اور "عمریٰ" اس لئے کہا جائے گا کہ اس سکونت کی اضافت عمر کی طرف ہے اور اگر اس سکونت کی کوئی مدت مقرر کر دی جائے جیسے ایک سال یا دس سال مثلاً" تو اسے "رقبیٰ" کہا جائے گا اور ان کے درمیان ایک اور بنیادی فرق بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ سکنیٰ کا تعلق تو صرف مسکن اور اس کی سکونت سے ہوتا ہے (جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے) مگر عمریٰ اور بظاہر رقبیٰ میں بھی اس کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ یہ دونوں ہر اس چیز میں جاری ہوتی ہیں۔ جس کا وقف کرنا جائز ہے۔ لہٰذا جائیداد' باغات' حیوانات' اثاث البیت حشم و خدم سب میں جائز ہے اور اسے عمریٰ یا رقبیٰ کہا جائے گا۔ نہ سکنیٰ کما لا یخفی۔

مسائل و احکام

مسئلہ ا۔ اب جس طرح عقد سکنیٰ یا عمریٰ یا رقبیٰ ہو جائے اس کے مطابق عمل درآمد ضروری ہوگا اور اس کی مخالفت جائز نہ ہوگی اور مالک کو اس سے عدول و رجوع کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ لہٰذا جب سکونت کی مدت مثلاً" دس سال مقرر ہو تو اس مدت کے گذرنے سے پہلے مالک کو یہ حق نہ ہوگا کہ ساکن کو سکونت کے حق سے محروم کرے اور جب مالک کی عمر سے وابستہ ہو تو اگر اس اثنا میں ساکن کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثہ کو مالک کی موت تک حق سکونت حاصل ہوگا اور اگر ساکن کی عمر تک یہ حق حاصل ہو تو مالک کی موت کے بعد اس کے ورثہ کو ساکن نکالنے کا حق نہ ہوگا۔

مسئلہ ۲۔ اگر کوئی مالک کسی کو اپنے مکان میں ٹھہرائے تو سہی مگر کوئی مدت مقرر نہ کرے تو اسے برائے نام کچھ وقت قیام کے بعد رجوع کرنے اور اسے نکالنے کا حق حاصل ہوگا۔

مسئلہ ۳۔ اطلاق کی صورت میں (جبکہ یہ وضاحت نہ کی جائے کہ کون کون مکان میں قیام کرے گا) تو ساکن کے ساتھ تمام وہ لوگ قیام کر سکتے ہیں جو عرف و عادت کے مطابق آدمی کے ہمراہ

ہوتے ہیں جیسے اس کی بیوی بچے اور نوکر چاکر اور مہمان اور گھر کا سازو سامان بلکہ حیوان بھی رکھ سکتا ہے۔ اگر اس کے لئے کوئی ایسی جگہ موجود ہو (جس سے مکان کا نقصان نہ ہو)

مسئلہ ۴۔ اس ساکن کو آگے اجارہ یا اعارہ پر مکان دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے مگر یہ کہ مالک اس کی خود اجازت دے تو پھر اس طرح بھی فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ ۵۔ اگر کوئی مالک اپنی کوئی چیز جیسے کوئی حیوان یا غلام خانہ خدا (کعبۃ اللہ یا مسجد) یا کسی مشہد یا فقراء و علماء اور صلحاء کی خدمت کے لئے حبس کرے تو عمری و رقبی کے قاعدہ کے مطابق جس قدر مدت کے لئے حبس کرے گا۔ اس وقت تک اسے رجوع کا کوئی حق نہ ہوگا۔ اس کے بعد وہ مال اس کے مالک یا اس کی موت کی صورت میں اس کے ورثہ کی طرف لوٹ آئے گا۔ واللہ العالم

عام مستحبی صدقہ کا بیان

صدقہ و خیرات کی فضیلت پر ادلہ اربعہ دلالت کرتے ہیں اور قرآن و حدیث اس کی فضیلت اور اس کے دینی و دنیوی آثار و خصائص سے چھلک رہے ہیں۔ بالخصوص اوقات مخصوصہ جیسے شب و روز جمعہ' روز عرفہ اور ماہ رمضان اور مخصوص طبقات جیسے پڑوسیوں' رشتہ داروں اور طلبہ علوم وغیرہ کو صدقہ دینے کی بہت ہی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ صدقہ سے قضاء مبرم بھی ٹل جاتی ہے۔ صدقہ بری موت مرنے' حرق و غرق اور جذام و جنون اور اس قسم کے ستر امراض مزمنہ سے محفوظ رکھتا ہے۔ صبح و شام اس کے دینے کی تاکید زیادہ ہے تاکہ انسان اس دن رات کے شرور و آفات سے محفوظ رہ جائے۔ قلت و کثرت کا کوئی لحاظ نہیں حسب توفیق جو کچھ باآسانی میسر ہوسکے۔ وہی راہ خدا میں دینا چاہیے کیونکہ خداوند عالم خلوص پر نظر کرتا ہے۔ کثرت فلوس پر نہیں کرتا۔

مسائل واحکام

مسئلہ ۱۔ اقوی یہ ہے کہ اس میں ایجاب و قبول ضروری نہیں ہے بلکہ بطور معاطاۃ اس کا دینا اور مستحق کا لینا کافی ہے۔

مسئلہ ۲۔ صدقہ میں قصد قربت شرط ہے۔ ورنہ اس کے بغیر وہ صدقہ نہ ہوگا۔ یہی تو صدقہ اور ہبہ و ہدیہ میں فرق ہے کہ یہ (صدقہ) بقصد ثواب ہوتا ہے۔ جبکہ ہبہ و ہدیہ بقصد ازدیاد تعلقات ہوتے ہیں۔

مسئلہ ۳۔ بقصد قربت صدقہ دیکر واپس لینا جائز نہیں ہے۔ اگرچہ اجنبی کو دیا جائے۔

مسئلہ ۴۔ مستحق صدقہ میں استحقاق و ایمان شرط نہیں ہے بلکہ مالدار و نادار، مومن و بے ایمان بلکہ کافر و مسلمان سب کو دیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ ناصبی اور کافر حربی نہ ہو اور یہ مستحق صدقہ سب لوگوں اور سب قوموں کے لئے جائز ہے ہاں البتہ مومن کو دینا افضل ہے۔ واللہ العالم

مسئلہ ۵۔ بنابر مشہور صدقہ دینے والے میں عقل و بلوغ اور ممنوع التصرف نہ ہونا شرط ہے۔ مگر اقوی یہ ہے کہ دس سال کے طفل ممیز کا برمحل صدقہ دینا جائز ہے نیز مستحق صدقہ پوشیدہ طور پر دینا جس طرح کہ واجبی صدقہ کھلم کھلا طور پر دینا افضل ہے اور اگر کبھی صدقہ دینے اور اپنے اہل و عیال کے خوراک پوشاک میں وسعت دینے میں معاملہ دائر ہو جائے تو اہل و عیال پر توسعہ کرنا افضل ہے۔ دعا ہے کہ خداوند عالم تمام اہل ایمان کو دین و دنیا میں وسعت و سہولت سے نوازے والحمد للہ اولا و آخرا" آمین تم باب الوقف بجاہ النبی وآلہ الطاہرین

ملحقات نمبر۳
"چند مسائل جدیدہ"

اب جبکہ بفضلہ تعالی بڑی مدت کے بعد قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ دوبارہ زیور طباعت سے آراستہ ہو کر قارئین کرام کے مدت کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ تو جہاں اس میں کئی نئے ابواب کا اضافہ کیا گیا ہے۔ وہاں مناسب سمجھا گیا۔ کہ اسکی افادیت کو اور بڑھانے کی خاطر چند عامتہ البلوی اہم مسائل جدیدہ کا اضافہ بھی کر دیا جائے امید ہے کہ اس مفید اضافہ کو بنظر استحسان دیکھا جائے گا اور اس سے کماحقہ' استفادہ کیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالی۔

(۱) الکحل کی طہارت یا نجاست اور اس کی خرید و فروخت کا شرعی حکم؟

اس میں تو کوئی شک

نہیں ہے کہ شراب بجمیع اقسامہ نجس ہے اور حرام بھی' اور اسکی خرید و فروخت بھی حرام ہے۔ ہاں جو کچھ اختلاف ہے' وہ صرف الکحل کی طہارت و نجاست میں ہے اور اسکی خرید و فروخت کے جواز اور عدم جواز میں ہے اور دراصل یہ اختلاف الکحل کی حقیقت میں اختلاف پر مبنی ہے کہ اسکی حقیقت کیا ہے؟۔ کہا جاتا ہے کہ الکحل دو قسم کا ہوتا ہے۔

(۱) ایک وہ جو لکڑی سے بنایا جاتا ہے۔ جس میں "سکر" (نشہ) ہوتا ہے اس قسم کی طہارت و نجاست کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ آیا ہر نشہ آور چیز جہاں حرام ہوتی ہے وہاں نجس بھی ہوتی ہے (اگرچہ مائع نہ ہو) یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ کچھ فقہاء ہر مسکر کو نجس جانتے ہیں اور کچھ صرف مائع کو۔ بنابریں اگرچہ طہارت والا قول قوت سے خالی نہیں ہے۔ مگر احوط یہ ہے کہ اس قسم سے اجتناب کیا جائے۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے جسے شراب کا جوہر کہا جاتا ہے۔ جو پینے والے کے لئے سم قاتل ہوتی ہے۔ ہاں البتہ جب اس میں پانی کی ایک خاص مقدار ملائی جائے تو پھر اسے بطور شراب استعمال کیا جاتا ہے اور اس میں "سکر" (نشہ) بھی ہوتا ہے۔ اب یہ معلوم نہیں ہے کہ اس میں "سکر" کا مادہ پہلے سے موجود تھا۔ یا اس میں یہ خاصیت پانی ملانے کے بعد پیدا ہوئی۔ پس اگر پہلے سے یہ خاصیت موجود تھی تو پھر نجس ورنہ پاک متصور ہوگا۔ اگرچہ بعض معاصر مجتہدین عظام اسکی طہارت اور اسکی بیع و شراء کے جواز کے قائل ہیں جو بعید نہیں ہے۔ لیکن چونکہ ہمارے نزدیک ہنوز اسکی اصل حقیقت واضح نہیں ہے جو اہل خبرہ سے تحقیق مزید کی متقاضی ہے لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اسکے استعمال اور اسکی خرید و فروخت سے احتراز کیا جائے۔ (واللہ العالم)

(۲) قطب جنوبی و شمالی میں رہنے والوں کی نماز روزہ کا حکم؟

اس میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ کہ

نماز ہو یا روزہ؟ ان کا وجوب ضروریات اسلام میں سے ہے۔ اور اس کا منکر دائرہ اسلام سے

خارج ہے۔ مگر یہ بات بھی مسلم ہے۔ کہ دین اسلام میں تکلیف مالا یطاق کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ نماز شب و روز میں پانچ بار اپنے مقررہ اوقات پر واجب الادا ہوتی ہے اور روزے ایک سال میں صرف ایک ماہ (رمضان) میں واجب ہوتے ہیں جو کبھی ۲۹ انتیس دن کا ہوتا ہے۔ اور کبھی کوئی تمیں دن کا تو جہاں پورا سال صرف ایک شب و روز سے عبارت ہو کہ چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات؟ یا رات بالکل مختصر ہو اور باقی سارا سال دن ہو یا دن بالکل مختصر ہو اور باقی سارا سال رات ہو تو وہاں کے رہنے والے نمازوں کا کیا کریں گے؟ چونکہ یہ مسئلہ مسائل جدیدہ میں سے ہے۔ اس لیے اسے لوگوں کے شرعی وظیفہ کے تعین میں علماء کرام کے اقوال و آراء میں فی الجملہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس اختلاف کا ایک مختصر نمونہ یہ ہے۔

(۱) ان سے نماز و روزہ ساقط ہے۔ (۲) ان سے روزہ ساقط ہے اور صرف ایک دن اور ایک رات کی نماز واجب ہے۔ (۳) ان کی رہائش جگہ (قطبین) سے جو علاقے سب سے زیادہ قریب واقع ہیں اور معتدل وہ اس کے حساب سے اپنے شب و روز کا تعین کریں گے اور اسی اعتبار سے نماز روزہ کی پابندی کریں گے۔ (۴) ان شہروں کے اوقات کو مد نظر رکھ کر وہ لوگ اہتمام نماز و روزہ کے اوقات مقرر کریں جو حد اعتدال پر واقع ہیں۔ (۵) یہ لوگ وہاں سے ہجرت کر کے وہاں چلے جائیں۔ جہاں باقاعدہ نماز و روزہ ادا کر سکیں بشرطیکہ ایسا کرنے سے عسر و حرج لازم نہ آئے۔ ورنہ سابقہ طرق میں سے کسی ایک طریقہ پر عمل کریں۔ ان میں سے پہلا اور دوسرا قول تو قطعی البطلان ہیں اور اگر پانچویں قول پر عمل کرنا ممکن ہو تو یہ اولیٰ ہے ورنہ تیسرے یا چوتھے قول کے مطابق عمل کرنا متعین ہوگا۔ واللہ العالم

۳۔ مصنوعی نسل کشی کا حکم

جدید دور کے جدید مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ تولید کی خاطر آلات جدیدہ کے ذریعہ کسی اجنبی مرد کا نطفہ لے کر اور کبھی شوہر کا نطفہ عورت کے رحم تک پہنچایا جاتا ہے اور اس طرح استقرار حمل کی کوشش کی جاتی ہے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ تو تمام طویل و

عرایض بحثوں کا لب لباب یہ ہے کہ جہاں تک شوہر کے نطفہ کا الات کے ذریعہ اس کی زوجہ تک پہنچانے اور اس سے استقرار حمل کرنے کا تعلق ہے تو یہ تو بلا اشکال جائز ہے اور جہاں تک اجنبی شخص کے مادہ منویہ کا غیر عورت کے رحم میں پہنچانے اور اس سے حمل ٹھہرانے کا تعلق ہے تو قطع نظر اس سے کہ اس پر زنا کا اطلاق ہوتا ہے یا نہ۔ کم از کم اس کی حرمت میں کوئی کلام نہیں ہے اور اس کے نتیجہ میں ہونے والا بچہ ولد الحرام متصور ہوگا اور یہاں شرعی توارث قائم نہیں ہوگا۔ ہاں البتہ اگر اس مصنوعی نسل کشی کے بعد شوہر اپنی زوجہ سے مباشرت کرے اور یہ احتمال ہو کہ عورت کے حمل کا استقراء اسی مباشرت کا ثمرہ ہے۔ تو پھر بموجب "الولد للفراش وللعاهر الحجر" مولود حلال زادہ متصور ہو گا۔ اور شرعی توارث بھی قائم ہوگا۔

۴۔ برتھ کنٹرول کا شرعی حکم؟

اس میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ کہ دینی و ایمانی نقطہ نظر سے تکثیر اولاد ایک مرغوب و محبوب امر ہے۔ اور قرآن و سنت میں نسل و اولاد بڑھانے کی بڑی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ اور اس کی بڑی ترغیب و تحریص دلائی گئی ہے۔ مگر بعض اوقات کچھ معاشی مجبوریوں اور اس سے بھی بڑھ کر کبھی صحت کی معذوریوں کی بنا پر اس کی حد بندی کرنی پڑتی ہے۔ تاکہ نہ عورت کی صحت متاثر ہو۔ اور نہ ہی پہلی اولاد کی نشوونما اور تعلیم و تربیت پر منفی اثر پڑے۔ تو آیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے۔ یا نہ؟ اگر مسئلہ تمام موازین شرعیہ کا بنظر تأمل جائزہ لینے کے بعد اس کا جواب یہ ہے۔ (۱) کہ اگر یہ حد بندی مرد یا عورت کو اس طرح ناکارہ بنا کر کی جائے۔ کہ وہ آئندہ ہمیشہ کے لئے تولید کے قابل ہی نہ رہ جائیں۔ جیسے مرد کو نامرد بنا دیا جائے۔ یا عورت کی بچہ دانی خارج کر دی جائے۔ تو یہ فعل حرام ہے۔ (۲) میاں بیوی کی رضا مندی سے اگر ٹیکہ لگا کر، گولیاں استعمال کرا کر، عزل کرا کے، یا پلاسٹک وغیرہ کا کوئی ظاہری آلہ استعمال کرا کر تولید میں وقفہ کا بندوبست کیا جائے۔ کہ کچھ عرصہ کے لئے حمل نہ ٹھہر سکے۔ تو یہ جائز ہے۔ مگر یہ واضح رہے کہ اگر ایک بار حمل ٹھہر جائے تو اس کا اسقاط بہر حال شرعاً حرام ہے اور اس میں جنین کے مراتب کے لحاظ سے دیت بھی واجب ہوتی ہے۔ جس کی تفصیل باب الدیات میں گزر چکی ہے۔ واللہ العالم۔

۵۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی خرید و فروخت کا حکم؟

ارباب دانش پر مخفی و مستور نہیں ہے۔ کہ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں۔ کہ جن میں صرف خیر ہی خیر ہوتی ہے۔ ان میں شر کا کوئی پہلو نہیں ہوتا۔ جیسے مصلی اور جا نماز وغیرہ۔ اور بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن میں شر ہی شر ہوتا ہے۔ ان میں خیر کا کوئی پہلو نہیں ہوتا۔ جیسے چنگ و رباب اور آلات لہو و لعب اور بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں خیر و شر کے دونوں پہلو موجود ہوتے ہیں۔ جیسے ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ ظاہر ہے کہ پہلی قسم کا بنانا اور اس کی خرید فروخت کرنا یقیناً" جائز ہے جس طرح کہ دوسری قسم کا بنانا اور اس کی خرید و فروخت کرنا یقیناً" حرام ہے باقی رہی تیسری قسم کہ اس کا دارو مدار بائع و مشتری کی نیت پر ہے پس اگر جائز مقاصد کے لئے ان کی خرید و فروخت کی جائے تو بلا اشکال جائز ہے اور اگر ناجائز و حرام مقاصد کی نیت سے کی جائے تو علی الاقوی حرام ہے۔ اگر خریدار کی نیت معلوم نہ ہو کہ کس مقصد کے لئے خرید رہا ہے تو علی الاظہر جائز ہے واللہ العالم

۶۔ انشورنس (بیمہ) کا شرعی حکم؟

منجملہ ان مسائل کے جو جدید دور کی پیداوار ہیں اور جن کی حلیت و حرمت کا مسئلہ مسلمانوں کے درمیان معرکۃ الآرا بنا ہوا ہے۔ ایک انشورنس (بیمہ) بھی ہے۔ خواہ مال کا ہو یا جان کا۔ جیسا کہ حفظ ماتقدم کے طور پر کچھ لوگ اپنے مال کا بیمہ کرا لیتے ہیں اور کچھ اپنی جان کا۔ چنانچہ کمپنی یا ادارہ کو بیمہ گر' بیمہ کرانے والے کو بیمہ گزار اور جس چیز کا بیمہ کرایا جائے اسے موضوع بیمہ کہا جاتا ہے۔ بعض فقہاء اسے ضمان' بعض ہبہ معوضہ اور بعض "صلح" کے عنوان کے تحت داخل کرکے جائز قرار دیتے ہیں اور بعض اسے غرری اور دھوکہ دہی کا معاملہ قرار دے کر ناجائز قرار دیتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ یہ ایک مستقل عقد ہے جو ایجاب و قبول وغیرہ پر مشتمل ہے جس کی صحت کی عمومی شرطیں وہی ہیں جو دوسرے عقود کی ہیں۔ جیسے عقل' بلوغ اور اختیار وغیرہ اور ان عمومی شرائط کے علاوہ بیمہ میں چند خصوصی شرائط بھی ہیں جیسے (۱) بیمہ کے موضوع کا تعین ہے کہ وہ جانی ہے یا مالی اور اگر مالی ہے تو وہ کونسا ہے۔ (۲) فریقین (بیمہ گر) اور (بیمہ گزار) کا تعین (۳) بیمہ کی رقم کا تعین (۴) بیمہ کی قسم کا تعین کہ کس خطرہ کا بیمہ کرایا

جارہا ہے۔ مثلاً" حرق یا غرق یا بیماری کا یا مال کی چوری کا یا ڈکیتی وغیرہ کا (۵) اقساط کا تعین کہ کس قدر میں اور کس طرح ادا کرنی ہے۔ (۶) آغاز و اختتام کا تعین۔ ان شرائط کے تحت اشبہ یہ ہے کہ یہ معاملہ شرعاً" صحیح ہے اور اس جواز کی وجہ یہ ہے کہ سرکاری بانڈز کی طرح اس میں اصل ادا کردہ رقم ضائع نہیں ہوتی اور احوط یہ ہے کہ نقصان کی صورت میں اس کے جبران کے علاوہ بیمہ کمپنی سے یہ شرط کی جائے کہ وہ کچھ نہ کچھ مزید کام بھی انجام دے۔ اگرچہ بیمہ گزار کی چیک اپ ہی ہو یا بیماری کی صورت میں علاج معالجہ یا اس کا خرچہ وغیرہ اور یہی حکم اس بیمہ کا ہے جو چند لوگ اس میں مل کر ایک ادارہ قائم کرکے مشترکہ سرمایہ کی بنیاد رکھ کر قائم کریں کہ شرکاء میں سے کسی شریک کے مالی و جانی نقصان کی صورت میں اس کا جبران کیا جاسکے اور اگر وہ بیمہ کمپنی یا یہ مخصی ادارہ اس جمع شدہ پیسے سے کاروبار کرے اور اس سے کچھ حصہ قسطیں دینے والے شرکاء کو بھی دیا جائے تو علی الاظہر اس کا لینا بھی جائز ہے۔ واللہ العالم

۷۔ کرایہ اور پگڑی کا شرعی حکم؟

کرایہ کیا ہے؟ یہ ایک اقرار نامہ ہے جس کے تحت ایک مقررہ مدت تک کسی مکان' دکان' باغ یا موٹر یا کسی انسان کے منافع سے فائدہ اٹھایا جائے اور اس کے عوض رقم کی ایک خاص مقدار ادا کی جائے اور شریعت مقدسہ میں اس کا جواز محل کلام نہیں ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں اس کا تفصیلی تذکرہ کیا جاچکا ہے۔ یہاں صرف اس کے ایک ذیلی متعلقہ مسئلہ جسے "پگڑی" کہا جاتا ہے کے بارے میں مختصر گفتگو کرنا مقصود ہے۔ شرعاً" کرایہ کے ثبوت میں تین چیزیں ضروری ہوتی ہیں۔ (۱) کرایہ پر دینے والا (۲) کرایہ پر لینے والا (۳) اور مدت کرایہ اور ظاہر ہے کہ جب کرایہ کی مدت ختم ہو جائے تو کرایہ دار پر واجب ہوتا ہے کہ وہ جگہ خالی کرے۔ اس کا قبضہ مالک کو دے دے اور اگر کوئی کرایہ دار مدت ختم ہو جانے کے بعد بدستور سابق اس جگہ پر قابض رہے تو وہ شرعاً" غاصب متصور ہوگا اور گنہگار بھی اور اس جگہ کے ضائع ہونے کی صورت میں شرعاً" اس کا ذمہ دار ہوگا اور اس جگہ کا کرایہ بھی اس کے ذمہ واجب الادا ہوگا اور وہ اس جگہ کو خالی کرنے کے لئے مالک مکان سے یا کسی اور شخص سے پگڑی کے عنوان سے لے گا تو ایسا کرنا حرام ہوگا اور وہ اس جگہ کو آگے کرایہ پر دے گا تو وہ بھی باطل ہوگا اور اگر کچھ لے گا تو

حرام ہوگا۔ ہاں البتہ بعض صورتوں میں مالک یا کرایہ دار کے لئے پگڑی کے عنوان سے کچھ رقم وصول کرنا جائز ہے۔

مثلاً" مالک کرایہ دار کو اپنا مکان یا اپنی دکان وغیرہ مقررہ کرایہ مثلاً" سو روپیہ ماہوار پر کرایہ دار کو دے اور اس سے وعدہ کرے وہ اسے مکان یا دکان وغیرہ سے بے دخل نہیں کرے گا اور نہ ہی کرایہ میں اضافہ کرے گا۔ بلکہ اس مدت کے ختم ہونے پر پھر اسی کرایہ پر تجدید کرے گا تو اس رعائتی وعدہ پر وہ بطور پگڑی کرایہ دار سے کچھ رقم لے سکتا ہے یا مالک کو کرایہ کا معاملہ طے کرتے وقت اس کے ضمن میں کرایہ دار کو اپنا وکیل مقرر کرے کہ کرایہ کی مدت ختم ہونے کے بعد کرایہ دار کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اسی کرایہ پر یہ جگہ خود رکھ لے یا کسی اور شخص کو کرایہ پر دے دے اور پھر مالک دوسرے کرایہ دار کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جو پہلے سے کرتا تھا تو مالک اس وکالت پر پگڑی کے عنوان کرایہ دار سے کچھ رقم لے سکتا ہے اور انہی دو صورتوں میں اگر کرایہ دار اس رعایت اور طے شدہ شرط سے دست بردار ہونے پر آمادہ ہو جائے تو دوسرے نئے کرایہ دار سے پگڑی کے عنوان سے اپنی ادا کردہ رقم کے برابر یا اس سے کم و زیادہ رقم لے سکتا ہے۔ واللہ العالم

۸۔ لاٹری کے ٹکٹ خریدنے کا شرعی حکم؟

موجودہ دور میں جس کو لاٹری کا ٹکٹ کہا جاتا ہے اور ہزاروں لوگ رقم کی ایک مقدار ادا کرکے یہ ٹکٹ خریدتے ہیں۔ محض اس لالچ میں کہ شاید قرعہ اندازی میں ان کا نام نکل آئے اور اس طرح وہ راتوں رات لکھ پتی بن جائیں۔ تو یہ کاروبار جائز ہے یا ناجائز؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے۔ یہ قمار (جوا ہے) جو شرعاً" حرام ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں "کلما قومر علیہ فھو میسر" (ہر وہ چیز جس پر شرط لگائی جائے وہ جوا ہے)۔ (الوسائل) اور اگر یہ ٹکٹ کسی رفاہی ادارہ کی طرف سے کسی کار خیر میں حصہ کی خاطر جاری کیا گیا ہو۔ جیسے ٹی بی وغیرہ کے بیماروں کے علاج و معالجہ کے لئے اور اسی ادارہ سے خریدا جائے۔ مگر ادارہ قرعہ اندازی کرتے ہوں اور جس کے نام قرعہ نکلے اسے مقررہ انعام بھی دیتا ہو تو پھر اگرچہ علی الاظہر

اس کار خیر میں حصہ لینے کی خاطر ایسے ٹکٹ کا خریدنا تو جائز ہوگا۔ مگر قرعہ اندازی کے نتیجہ میں اگر اس کے نام انعام نکل آئے تو اس کا لینا بہرحال علی الاقوی جائز نہ ہوگا اور وہ اکل المال بالباطل کے زمرہ میں شامل ہوگا۔ کیونکہ یہ قمار کی ہی بدلی ہوئی شکل ہے۔ **(ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل)** اور اس مال کا استعمال کسی طرح بھی جائز نہ ہوگا اور وہ مال مجہول المالک متصور ہوگا۔ لہٰذا اگر اس کے مالک مل جائیں تو انہیں واپس کیا جائے گا اور اگر نہ ملیں تو ان کی طرف سے صدقہ دیا جائے گا۔ واللہ العالم

۹۔ مشینی ذبیحہ کا شرعی حکم؟

دور جدید کے منجملہ ان مسائل کے جن میں آج کل اہل ایمان مبتلا ہیں۔ ایک مسئلہ مشینی ذبیحہ کا ہے جس میں بہت سے حیوانات کو اکٹھا کھڑا کر کے ایک خاص آلہ سے یکبارگی سر قلم کر دیئے جاتے ہیں۔ آیا اس ذبیحہ کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ اس موضوع کو منقح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ یہاں اجمالاً" ان حدود و قیود کا تذکرہ کر دیا جائے جو شرعی نقطہ نگاہ سے کسی حلال گوشت جانور کے ذبح میں معتبر ہیں۔ تاکہ ان کو مدنظر رکھ کر اس بات کا فیصلہ کرنے میں آسانی ہو جائے کہ اس مشینی ذبیحہ کا حکم کیا ہے؟ سو واضح رہے کہ شرعاً" ذبح میں چند امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ (۱) ذبح کرنے والا مسلمان ہو۔ (۲) حتی الامکان آلہ ذبح لوہے کا ہو۔ (۳) حتی الامکان ذبح کے وقت حیوان کا رخ قبلہ کی طرف ہو۔ (۴) ذبح کرنے والا ذبح کے وقت خدا کا نام لے۔ (۵) چار رگوں کو کاٹا جائے ان شرائط پر نصوص و فتاوی کا اتفاق ہے اور یہاں کچھ امور ایسے بھی ہیں کہ جن میں فقہاء میں فی الجملہ اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً" ہر حیوان کے لئے علیحدہ علیحدہ خدا کا نام لینا ضروری ہے یا چند حیوانات پر ایک بار نام خدا لے لینا کافی ہے؟ اگر جانور کے مرنے سے پہلے اس کا سر تن سے جدا ہو جائے تو اس سے وہ حرام ہو جاتا ہے یا نہ؟ اگر چاروں رگیں کٹ جائیں تو پھر پس گردن سے ذبح کرنا جائز ہے یا نہ؟ اور جانور میں حیات مستقرہ شرط ہے یا نہ؟ (وہ امور ہر باب الذبح میں فی الجملہ گفتگو کی جا چکی ہے) بنابریں ہم متعلقہ مسئلہ کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر ذبح کرنے والا مسلمان ہو' آلہ ذبح بھی لوہے کا ہو' حیوان

رو بقبلہ بھی ہو، اس کی چاروں رگیں بھی کٹ جائیں اور اس پر خدا کا نام بھی لیا جائے تو پھر ظاہر ہے کہ ہم اسے حلال تصور کر کے اس کے گوشت کھانے کے جواز کا فتویٰ دے سکتے ہیں اگرچہ اسے پس گردن سے ذبح کیا جائے اور ان بنیادی شرطوں میں سے کسی شرط کا فقدان ہو گیا تو پھر وہ جانور حرام ہو جائے گا اور اس کا گوشت کھانا جائز نہ ہو گا۔ واللہ العالم

۱۱۔ میت کے پوسٹ مارٹم کا شرعی حکم؟

منجملہ ان جدید مسائل کے جو موجودہ دور میں معرکۃ الآراء اور محل ابتلا بنے ہوئے ہیں ایک مسئلہ میڈیکلوں میں میت کے جسم کی قطع و برید کا ہے کہ آیا ڈاکٹری کی خاطر ایسا کرنا جائز ہے یا نہ؟ جہاں تک اس کے حکم اولی کا تعلق ہے تو چونکہ ایک مسلمان کا اس کی حیات اور بعد از موت یکساں احترام لازم ہے اور ظاہر ہے کہ میت کے جسم کی چیر پھاڑ کرنا اس کے اس احترام کے منافی ہے لہذا جائز نہیں ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے کسی غیر مسلمان کا جسم استعمال کیا جائے ہاں البتہ اس کا حکم ثانوی یہ ہے کہ ایک ماہر ڈاکٹر بننے اور سینکڑوں ہزاروں لوگوں کی جانیں بچانے کے لئے اگر جسم کی چیر پھاڑ ضروری ہو اور کسی غیر مسلمان کی میت بھی دستیاب نہ ہو تو پھر مہم کو اہم پر قربان کرتے ہوئے اور مسلمانوں کے نوعی مفاد کی خاطر ایسا کرنا جائز ہو گا۔ اسی طرح وہ پوسٹ مارٹم جو حکومتیں کرتی ہیں تاکہ اس سے اصل قاتل کے تلاش کرنے یا کسی بے قصور کی گلو خلاصی میں مدد مل سکے۔ اس اہم مقصد کے لئے اس کا جواز قوت سے خالی نہیں ہے۔ ورنہ عام حالات میں دونوں قسم کی چیر پھاڑ حرام ہے۔ (واللہ العالم)

۱۲۔ میت کے اعضا کی پیوند کاری کا شرعی حکم

موجودہ دور میں طب اس قدر ترقی کر چکی ہے کہ آج میت کی آنکھ زندہ میں فٹ کر دی جاتی ہے اور پھر وہ کام بھی کرتی ہے اور ایک شخص کا ایک گردہ دوسرے کو لگا دیا جاتا ہے اور پھر دونوں اس کامیاب اپریشن کے بعد ایک ایک گردہ پر زندہ بھی رہتے ہیں اور اپنی طبعی عمر گذار کر رہسپار عالم بقا ہوتے ہیں۔ تو یہاں کئی مسائل قابل غور ہیں۔ آیا ایسا کرنا جائز ہے؟ آیا ان اعضاء کی خرید و فروخت حلال ہے؟ اور اگر یہ اعضاء کسی غیر مسلمان کے ہوں اور نجس ہوں تو

ان کی پیوند کاری ایک مسلمان کے لئے جائز ہے؟ اور اس سلسلہ ان کی طہارت و نجاست کا حکم کیا ہوگا؟ اور اس کی موجودگی میں نماز جائز ہے یا نہ؟ جہاں تک ان اعضاء کی بیع وشرا کا یا مفت دینے کا اور کسی کو ہبہ کرنے کا تعلق ہے تو یہ بات ارباب دانش بینش پر مخفی نہیں ہے کہ بے شک خداوند عالم نے یہ اعضاء و جوارح انسان کو دے کر اور اسے ان میں تصرف کرنے کا حق دے کر احسان عظیم فرمایا ہے مگر ان اعضاء کو اس کی اس طرح ملکیت قرار نہیں دیا کہ وہ چاہے تو کسی کو ہبہ کردے۔ یا چاہے تو ان کی خرید و فروخت کرتا پھرے۔ لہذا یہ وصیت کرنا کہ میرے مرنے کے بعد میری آنکھ یا میرا گردہ کسی ادارہ یا کسی شخص کو دے دینا غلط ہے اور اسے ایسی وصیت کرنے کا شرعاً" کوئی حق نہیں ہے۔ جس طرح کہ اسے ان اعضاء کے فروخت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ہاں البتہ ایسے کرنے کا زیادہ سے زیادہ فائدہ یہ ہوگا کہ اگر مرنے والا اس طرح کی وصیت کر جائے یا اس کا وارث اجازت دے دے تو پھر اس کا کوئی عضو قطع کرنے پر دیت واجب نہ ہوگی۔ یا کسی مسلمان یا ادارے کی مصلحت اس سے زیادہ قوی ہو تب ایسا کرنا جائز ہو جائے گا۔ کیونکہ احکام کا سارا نظام اہم و مہم کے اہم پر قربان کرنے پر جاری و ساری ہے۔

اب اگر یہ پیوندکاری کسی مسلمان کی آنکھ وغیرہ کی ہو اور وہ بھی اسے غسل میت دینے کے بعد نکالی جائے تب تو وہ پاک ہوگی۔ لیکن اگر اس کا یہ عضو زندہ سے جدا کیا جائے یا اس کے مرنے کے بعد مگر غسل میت سے پہلے' یا آنکھ ہی غیر مسلمان کی ہو یا کسی نجس جانور کی ہو تو پھر؟ اکثر فقہاء کا فتوی یہ ہے اور یہی اظہر ہے کہ وہ عضو اگرچہ پیوندکاری سے پہلے نجس تھا مگر جب وہ زندہ انسان کا جزو بن جائے گا اور اس میں روح داخل ہو جائے گا تو اب اسے پاک ہی تصور کیا جائے گا اور اس طرح اس میں نماز پڑھنا بھی جائز ہو جائے گی۔ واللہ العالم

اس طرح اضطرار کی صورت میں کسی کا خون بھی کسی کو دیا جاسکتا ہے اور آیا اس کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہ؟

اس میں اختلاف ہے۔ احتیاط واجب اس میں ہے کہ مفت دیا جائے اور اس کی خرید و فروخت سے اجتناب کیا جائے۔

۳۱۔ ہوائی جہاز پر سفر کرنے کے بعض احکام

موجودہ دور میں جبکہ تمام کائنات سمٹ کر ایک گھر کی مانند ہو گئی ہے اور لوگ ہواؤں اور بلند فضاؤں میں پرواز کر رہے ہیں اس سے اہل ایمان کے لئے چند نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ مثلاً (۱) یہ کہ جب جہاز سیدھا اوپر پرواز کرے اور شرعی مسافت تک پہنچ جائے تو آیا نماز و روزہ قصر ہو جائیں گے یا نہ؟ جب آدمی سفر کا آغاز کرے تو زوال ہو چکا ہو اور اس سے نماز ظہر پڑھ بھی لی ہو مگر کچھ مسافت طے کرنے کے بعد وہاں پہنچ جائے جہاں ہنوز زوال نہ ہوا ہو تو وہاں اسے دوبارہ نماز ظہر پڑھنا پڑے گی۔ (۲) اور اگر روانگی کے وقت جبکہ زوال ہو چکا تھا اس نے نماز نہ پڑھی ہو اور وہاں پہنچ جائے۔ جہاں ہنوز زوال نہ ہوا ہو تو آیا وہ صرف ایک نماز ظہر پڑھے گا یا دو پڑھنا پڑیں گی؟ اور اگر قضا ہو جائیں تو دو قضا کرنا پڑیں گی یا ایک؟ (۳) جب سفر کا آغاز کرے تو ہنوز سورج غروب نہ ہو اور اسی طرح جہاز پر ۲۴ گھنٹے گھومتا رہے۔ جہاں سورج غروب نہ ہو تو آیا اس پر نماز مغرب واجب ہوگی یا نہ؟ (۵) جہاں سے سفر کا آغاز ہوا وہاں ماہ رمضان شروع ہو چکا تھا۔ لہٰذا وہ روزہ رکھ کر روانہ ہوا۔ مگر وہاں پہنچا جہاں ہنوز ماہ رمضان شروع نہیں ہوا تھا؟ تو آیا وہ یہ روزہ پورا کرے گا یا اسے افطار کرے گا؟ (۶) جب سفر کا آغاز کیا تو وہاں عیدالفطر تھی اور ایسی جگہ پہنچا جہاں ہنوز ماہ رمضان تھا تو آیا اس پر وہاں امساک کرنا واجب ہے یا نہ وغیرہ وغیرہ۔ تو اگرچہ ان مسائل کے جوابات میں فی الجملہ اختلاف ہے مگر اظہر یہ ہے کہ (۱) پہلی صورت میں نماز و روزہ قصر ہوں گے۔ (۲) دوسری صورت میں دوبارہ نماز ظہر پڑھنا پڑے گی۔ (۳) اور اگر قضا ہو جائے تو علی الاحوط دو نمازوں کی قضا کرنا پڑے گی۔ (۴) چوتھی صورت میں نماز مغرب واجب نہیں ہوگی۔ (۵) پانچویں صورت میں اگر تو یہ نظریہ اختیار کیا جائے کہ اگر ایک جگہ چاند ثابت ہو جائے تو پوری دنیا میں ثابت ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ بعض فقہاء کا نظریہ ہے۔ تو پھر دوسری جگہ بھی روزہ رکھنا پڑے گا۔ مگر چونکہ یہ قول غیر مشہور اور غیر منصور ہے۔ بنابریں اس پر اس روزہ کا اتمام واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ وہاں ابھی ماہ رمضان کا آغاز ہی نہیں ہوا۔ (۶) چھٹی اور آخری صورت کا حکم بھی اس پانچویں صورت میں سے واضح ہو جاتا ہے۔

یعنی غیر مشہور قول کی بناء پر عید منائے گا۔ لیکن مشہور و منصور قول کے مطابق چونکہ آفاق کا اختلاف ایک وجدانی معاملہ ہے۔ لہٰذا اس کے مطابق اگر وہ زوال سے پہلے وہاں پہنچ جائے۔ تو اس پر امساک واجب ہو گا۔ واللہ العالم۔

ڈرافٹ کا شرعی حکم

حکومتی بنک یا کسی ذاتی تجارتی ادارہ سے ڈرافٹ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی بنک یا کوئی کاروباری شخص کسی شخص سے ایک جگہ رقم لے کر اسے دوسری جگہ بنک یا کسی ادارہ یا کسی شخص سے رقم لینے کیلئے ڈرافٹ دے اور اس ڈرافٹ دینے کے عوض اس شخص سے کچھ پیسے لے تو اسمیں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور معاوضہ کی یہ رقم حلال متصور ہوگی جیسے کوئی شخص کراچی میں ایک ہزار روپیہ کسی بنک یا کسی شخص کو دے اور اس سے لاہور کیلئے ڈرافٹ لے اور وہ اس سے سو پچاس روپیہ وصول کرے

بنک میں رقم رکھنے اور اس سے ملنے والے منافع کا شرعی حکم؟

اس موضوع پر باب المضاربۃ اور باب الشرکۃ میں فی الجملہ تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ وہاں رجوع کیا جائے سیونگ وغیرہ کے کھاتہ سے بنک جو منافع دیتا ہے۔ دلائل کی رو سے تو ان کا جواز ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ بنک محض تشویق کی خاطر از خود دیتا ہے۔ اس کا ضرر و زیاں بھی کسی کو نہیں ہوتا۔ اس میں کسی محتاج کی احتیاج سے غلط فائدہ بھی نہیں اٹھایا جاتا۔ اور روپیہ مکیل و موزون نہیں بلکہ معدودات میں سے ہے۔ بنابریں اظہر جواز ہے۔ مگر اس کے باوجود احوط یہ ہے۔ اس سے اجتناب کیا جائے۔ اور انسب یہ ہے۔ کہ بنکوں نے شرکت کے عنوان سے جو کاروبار شروع کیا ہے۔ اس کھاتہ میں روپیہ جمع کرایا جائے۔ یا پھر جب تک بنکاری کا نظام اسلامی خطوط پر استوار نہ ہو جائے تب تک کسی غیر مسلم بنک سے لین دین رکھا جائے۔ کیونکہ "لا ربا بین اهل ملتین" (دو مختلف ملتوں میں سود نہیں ہے) نیز جب تک بنک کاری کے نظام کی اصلاح نہ کی جائے۔ تب تک اس کی ملازمت کے جواز کا فتویٰ دینا مشکل ہے۔ (واللہ العالم)

ملحقات نمبر ۴

شیعہ فقہاء عصر زیدت توفیقاتہم کے لیے لمحہ فکریہ

اگرچہ ہمارے علماء و فقہا دوسرے اسلامی مذاہب و مسالک کے بالمقابل بڑے فخر و ناز سے یہ دعوی کیا کرتے ہیں کہ ہمارے ہاں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے جبکہ برادران اسلامی کے ہاں مدتوں سے یہ دروازہ بند ہے اور وہ اسے کھولنے کیلئے ہاتھ پاؤں تو بہت مارتے ہیں مگر جرات نہیں ہوتی

شاید مردے از غیب آید و کارے بکند

لیکن اگر بہ نظر انصاف تمام حالات و کوائف کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ہمارے ہاں بھی صرف نام کی حد تک یہ دروازہ کھلا ہے مگر جہاں تک کام کا تعلق ہے تو عملاً ہمارے ہاں بھی یہ دروازہ بند ہی ہے

فقہ جعفریہ میں کئی ایک ایسے مسائل موجود ہیں جن میں دور جدید کے تقاضوں کے مطابق قرآن و سنت کی روشنی میں اجتہاد کی سخت ضرورت ہے مگر ہمارے فقہا کے جمود کا یہ عالم ہے کہ وہ مشہور راستہ سے ذرہ بھر ادھر ادھر ہونا گوارا نہیں کرتے میں کئی مرحوم اور زندہ حضرات کو ذاتی طور پر جانتا ہوں جو ان مسائل میں عصر نو کے تقاضوں کے مطابق اجتہاد کی ضرورت کو محسوس کرتے تھے اور کرتے ہیں اور ایک ذہنی عندیہ بھی فی الجملہ رکھتے ہیں مگر ایک طرف علماء کی انگشت نمائی اور دوسری طرف عوام کالانعام کی غوغا آرائی کے ڈر سے اپنے اجتہاد کے نتائج کو صفحہ قرطاس پر یا منظر عام پر لانے کی جرات نہیں کرتے گویا زبان حال سے کہہ رہے ہیں

افسوس بے شمار سخنہائے گفتنی خوف فساد خلق سے ناگفتہ رہ گئے

سردست دوسرے مسائل کو چھوڑ کر زکوہ و خمس کے بعض مسائل ہی کو لے لیجئے انکی وجہ سے آج کس قدر الجھاؤ پیچیدگی اور سراسیمگی پائی جاتی ہے مگر ہمارے فقہاء کرام ہیں کہ مجتہد ہوتے ہوئے بھی جادہ تقلید کو چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہیں

متعلقہ موضوع کا عقلی اور معاشرتی پہلو۔

سب فقہا یہ تسلیم کرتے ہیں کہ زکوہ ان ضروریات دین میں سے ہے کہ جن کا منکر دائرہ اسلام سے خارج متصور ہوتا ہے' اس پر بھی سب کا اجماع ہے کہ نماز کے بعد دین اسلام کا سب سے بڑا دوسرا رکن زکوہ ہے' یہ بھی سب مانتے ہیں کہ نماز کی قبولیت کا دارومدار زکوہ کی ادائیگی پر ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہر جگہ نماز کے ساتھ زکوہ کا بھی تذکرہ ضرور کیا گیا ہے اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ دنیا بھر کے مسلمان غریبوں مسکینوں یتیموں اسیروں اور بیواؤں الغرض دنیائے اسلام کے تمام محتاج' بے روزگار اور بے سہارا لوگوں کے گزر اوقات کا انحصار مالداروں کی زکوہ پر ہے بایں ہمہ ہمارے فقہا کرام کا فتوی یہ ہے کہ زکوہ صرف نو چیزوں پر واجب ہے جو یہ ہیں۔ تین قسم کے حیوان ' اونٹ گائے بھینس اور بھیڑ بکریاں بشرطیکہ وہ بقدر نصاب ہوں اور اونٹ کے بارہ نصابوں میں سے پہلا نصاب پانچ اونٹ ہیں گائے بھینس کے دو نصابوں میں سے پہلا نصاب تیس گائیں بھینس ہیں اور بھیڑ بکری کے پانچ نصابوں میں سے پہلا نصاب چالیس بھیڑ بکریاں ہیں کہ اس سے کم پر زکوہ نہیں ہے پھر اس وجوب کی دوسری شرط یہ ہے کہ یہ حیوانات سال بھر جنگل وغیرہ میں چر چگ کر گزارہ کریں اور مالک کا چارہ نہ کھائیں اور تیسری شرط یہ ہے کہ سال بھر ان سے کوئی کام بھی نہ لیا جائے ورنہ ان پر زکوہ نہ ہوگی اب اس معیار کے مطابق کتنے ہوں گے وہ لوگ جن پر حیوانات کی زکوہ واجب ہوگی؟ اور اگر ہوگی تو کس قدر ہوگی اور پھر اس سے کس حد تک محتاجوں کی ضرورت پوری ہوگی جب کہ آج اونٹ کی جگہ مشینوں نے اور گدھوں گھوڑوں کی جگہ کاروں نے لے لی ہے کیا کوئی عقل سلیم یہ تسلیم کرنے کیلئے تیار ہے کہ پانچ اونٹ والے شخص پر تو زکوہ واجب ہو مگر ہزاروں مشینیں رکھنے والے کروڑ پتی آدمی پر واجب نہ ہو اسکے ساتھ ساتھ یہ بات بھی مد نظر رہے کہ آج بڑے بڑے شہروں میں اونٹ گائے اور بھیڑ بکریاں ہیں کہاں؟ اور چار غلات پر زکوہ واجب ہے جو یہ ہیں گندم' جو' خرما اور کشمش انکی کیفیت یہ ہے کہ

گندم کے علاوہ باقی تین قسم کے غلات دنیا کے صرف بعض علاقوں میں اور وہ بھی بہت کم مقدار میں ہوتے ہیں اور لاکھوں میں سے صرف چند آدمیوں کے پاس ہوتے ہیں۔ اسکے برعکس بعض ممالک میں اس قدر چاول ہوتے ہیں کہ وہ ساری دنیا کو برآمد کرتے ہیں اور اکثر علاقوں میں نخود اور مسور اس قدر ہوتے ہیں کہ رکھنے کیلئے انباروں میں جگہ نہیں ملتی۔ اور کئی جگہ اس قدر جوار باجرا ہوتا ہے کہ کاشت کار لاکھوں میں کھیلتے ہیں مگر ان سب کو تو زکوۃ معاف مگر جو خرما اور کشمش رکھنے والے پر واجب وہ بھی تب جب بقدر نصاب ہوں لے دے کر باقی بچی صرف گندم تو اسکے بارے میں مشہور فتویٰ یہ ہے کہ گندم کی بجائی سے لیکر اسکی صفائی تک پہلے تمام اخراجات منہا کئے جائیں بعد ازاں زکوۃ ادا کی جائے۔ اس طرح فقراء و مساکین کے لیے کیا بچا

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بو العجبی است

نو چیزوں میں سے باقی دو سونا اور چاندی ہیں تو ان پر زکوۃ کے واجب ہونے کی پہلی شرط نصاب ہے جو سونے میں ساڑھے سات تولہ اور چاندی میں باون تولہ ہے اور دوسری شرط یہ ہے کہ سکہ دار ہوں اور سکہ بھی رائج الوقت ہو جس سے بازار میں لین دین ہوتا ہو لہٰذا اگر سونا و چاندی زیوروں کی شکل میں موجود ہو یا ڈلیوں کی صورت میں تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج کس ملک یا کس بازار میں ایسا سکہ دار سونا یا چاندی موجود ہے؟ بلکہ اس کی جگہ آج کل ہر مقام پر نوٹ موجود ہیں کیونکہ دنیا کے تمام چھوٹے بڑے ممالک میں کرنسی نوٹوں کی شکل میں موجود ہے اور اس سے کاروبار چل رہا ہے اور یہی سونے چاندی کے قائمقام تصور ہوتے ہیں مگر ہمارے فقہاء یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ نوٹوں پر زکوۃ واجب نہیں ہے کیونکہ نوٹ نہ سونا ہے نہ چاندی اور نہ ہی اسکے کاغذ کی کوئی ذاتی قیمت ہے جو کچھ ہے وہ صرف اعتباری ہے۔ بنابریں ساڑھے سات تولہ سکہ دار سونا رکھنے والے شخص پر تو زکوۃ واجب ہے مگر وہ کروڑپتی بلکہ ارب پتی تاجر جس کے پاس دولت کے انبار موجود ہیں مگر نوٹوں ڈالروں اور پونڈوں کی شکل

میں اس پر زکوۃ واجب نہ ہوگی یا للعجب

اس طرح تو گویا زکوۃ منسوخ ہو جائے گی اور اسلام جو عالمین کے رب کا بنایا ہوا عالمین کے نبی کا لایا ہوا عالمی دین ہے اسکے دامن پر یہ دھبہ لگ جائے گا کہ یہ تو صرف عربوں کا دین ہے کیونکہ اس میں صرف ان چیزوں پر زکوۃ مقرر کی گئی ہے جو دین اسلام کی آمد کے وقت بالعموم عالم عرب میں پائی جاتی تھیں لہذا یہ دین بنگلہ دیش والوں کے لیے نہیں ہے جہاں یا چاول ہوتا ہے یا پھر پٹسن اور نہ ہی جاپان و انگلستان والوں کے لیے ہے جہاں کارخانے تو ساری دنیا سے زیادہ ہیں مگر وہاں بھیڑ بکریاں اور جو یا خرما یا سکہ داز سونا چاندی نہیں ہے

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

لہذا یہاں یہ ایرا دوارد ہو سکتا ہے بلکہ اغیار کی طرف سے کیا بھی جاتا ہے کہ شیعی نظام یعنی معیشت میں توازن نہیں ہے کہ ایک طرف تو جن غرباء و مساکین اور دیگر مستحقین سے دنیا بھری پڑی ہے انکی گزر بسر کا یہ ناقص انتظام اور دوسری طرف سادات کرام کے محتاجوں کیلئے جنکی تعداد عام محتاجوں کے مقابلہ میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے ان کے گذر اوقات کیلئے ہر چیز میں خمس واجب ہے۔ تمام جانوروں پر واجب درختوں پر واجب باغوں پر واجب کپڑوں پر واجب زیوروں پر واجب اور تمام غلوں اور پھلوں پر واجب اور پھر سال کے اخراجات سے جو کچھ بچ جائے اس پر واجب اس طرح بچے ہوئے آٹے پر واجب گھی پر واجب نمک پر واجب مرچ پر واجب اور چائے کی پتی پر واجب باقی بچا کیا؟ راکھ یا خاک پھر لطف بالائے لطف یہ ہے کہ وہ زکوۃ جسکی ہماری نظروں میں کوئی خاص اہمیت نہیں ہے اسکی مسلمانوں سے وصولی اور جمع آوری کیلئے تو حضرت پیغمبر اسلام ﷺ اپنے حین حیات میں حضرت امیر علیہ السلام آپنے ظاہری دور اقتدار میں عامل اور محصل مقرر کرتے ہیں جس کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی ہے نبی و امام علیہ السلام کے کلام میں بھی ہے اور تاریخ اسلام میں بھی ہے مگر وہ خمس جس پر آج اس قدر زور دیا جاتا ہے

اور جسے زکوہ کے بالمقابل فروع دین میں سے ایک مستقل اور اہم فرع قرار دیا جاتا ہے اسکی وصولی کیلئے نبی امام کا کوئی اہتمام کرنا یا ارباح مکاسب خمس کی جمع آوری کا کوئی انتظام کرنا یا بذات خود اسکی وصولی کرنا یا محصلین زکوہ کو ہی اسکی وصولی کا حکم دینا اس سے متعلق تاریخ اسلام میں کوئی واقعہ نہیں ملتا اور کتب تفسیر و حدیث اس سے خالی نظر آتی ہیں کیا ان حقائق سے ان بعض علماء کے اس نظریہ کو تقویت نہیں ملتی جو خمس کو زکوہ کا ہی ایک شعبہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زکوہ میں کبھی دسواں حصہ واجب ہوتا ہے (جو زراعت بارش یا نہر کے پانی سے سیراب ہو) اور کبھی بیسواں حصہ واجب ہوتا ہے (جو زراعت کنویں سے یا ڈولوں سے سینچی جائے) اور کبھی پانچواں حصہ واجب ہوتا ہے (جیسے مال غنیمت' معدن' غوص' خزانہ اور مال مخلوط بحرام) اور بایں ہمہ کتب حدیث میں خمس کی عام معافی کی روایتیں بھی ملتی ہیں چنانچہ دوسرے ائمہ اہلبیت کے علاوہ خود حضرت صاحب العصر و الزمان کی ایک توقیع موجود ہے جسمیں فرماتے ہیں **اما الخمس فقد ابیح لشیعتنا وجعلوا منه فی حل** کہ جہاں تک خمس کا تعلق ہے وہ ہمارے شیعوں کیلئے مباح قرار دے دیا گیا ہے اور وہ اس سے آزاد کر دیے گئے ہیں (احتجاج طبرسی' بحارالانوار وسائل الشیعہ) علاوہ بریں خمس کے بارے میں (جو صرف رائل فیملی کا خصوصی حصہ ہے) مخالفین کی طرف سے یہ ایراد بھی کیا جاتا ہے کہ ایسا قانون تو دنیا کے جابر حکمرانوں نے بھی اپنی اولاد کے لیے نہیں بنایا جو قل لا اسئلکم علیہ اجرا اور ان اجری الا علی اللہ " کے قائل کی اولاد کے لیے بنایا گیا ہے نیز اس قانون سے تو ذات پات کی تفریق کی بو آتی ہے جس کا اسلام قائل نہیں ہے بنابریں یہ مسئلہ بھی فقہاء کرام کی خصوصی توجہ چاہتا ہے کہ اسکے جملہ پہلوؤں پر غور و فکر کر کے اس کا کوئی صحیح اور قابل عمل حل پیش کریں بہرحال ان سابقہ تلخ حقائق کے ساتھ ساتھ جب قرآن اور کلام معصوم علیہ السلام کے ظواہر پر نگاہ ڈالی جائے تو قرآن و حدیث کے ظواہر سے زکوہ کا عموم ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف چار غلوں پر ہی واجب نہیں بلکہ تمام تجارتی محصولات اور زراعتی اجناس پر واجب ہے جو میزان پر تولی جاتی ہیں

متعلقہ موضوع کی بعض متعلقہ آیات

ذیل میں ہم ایسی چند آیات و روایات پیش کر رہے ہیں تاکہ فقہاء کرام کیلئے اس موضوع پر غور و فکر کرنا آسان ہو جائے اور اس موضوع کی نئی جہتیں ان کے سامنے آ جائیں ارشاد قدرت ہے **الذین یقیمون الصلوہ ومما رزقنھم ینفقون** متقی اور پرہیزگار وہ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اسمیں سے راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں اس انفاق سے مراد بظاہر زکوہ ہے جو نماز کے بالمقابل وارد ہے اور "ما" بالعموم عموم میں استعمال ہوتا ہے لھذا اس سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ ہر چیز میں زکوہ ہے او یہ جملہ قرآن کے متعدد مقامات پر موجود ہے (۲) ارشاد قدرت ہے **خذ من اموالھم صدقتہ** اے رسول لوگوں کے مالوں سے صدقہ (زکوہ) وصول کریں یہاں اموال مال کی جمع ہے اور پھر ضمیر ہم کی طرف مضاف ہے ظاہر ہے کہ جب جمع مضاف ہو تو یہ عموم کے معنی دیتی ہے اس طرح یہ سب مالوں کو شامل ہے (۳) ارشاد رب العزت ہے **یاایھالذین امنوانفقو مما رزقنکم** اے ایمان والو ہم نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اس سے راہ خدا میں خرچ کرو اس آیت مبارکہ سے طریقہ استدلال وہی ہے جو پہلی آیت کے ذیل میں مذکور ہے ۔

(۴) ارشاد رب العباد ہے **یا ایھالذین امنو انفقوا من طیبات ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض** اے ایمان والو تم جو بھی پاک و پاکیزہ کمائی کرو اس سے اور ہم نے زمین سے جو کچھ تمہارے لیے اگایا ہے اس سے راہ خدا میں خرچ کرو یہ آیت مبارکہ بھی بظاہر ہر قسم کے کسب واکتساب اور ہر قسم کے تجارتی محصولات اور زرعی اجناس سے زکوہ کے وجوب پر دلالت کرتی ہے مخفی نہ رہے کہ انفقوا امر کا صیغہ ہے اور بنا بر مشہور منصور صیغہ امر وجوب میں حقیقت ہے

(۵) خالق کون ومکاں اپنے قرآن میں ارشاد فرماتا ہے **وہوالذی انشا جنت**

معروشات وغیر معروشات والنخل والزرع مختلفا اکلہ والزیتون متشابہا و غیر متشابہ کلوا من ثمرہ اذا اثمر واتواحقہ یوم حصادہ خدا وہی تو ہے جس نے باغات پیدا کیے جن میں سے کچھ وہ ہیں جنکی بیلیں چڑھی ہوتی ہیں اور کچھ زمین میں پڑی ہوئی اور درخت خرما اور کھیتیاں جن کے پھل طرح بطرح کے ہوتے ہیں اور زیتون اور انار جو ہم شکل بھی ہوتے ہیں اور بے میل بھی جب ان کا پھل تیار ہو جائے تو اسے کھاؤ اور کاٹنے کے دن اس کا مقرر حصہ راہ خدا میں دو روایات سے قطع نظر اس آیت مبارکہ سے بظاہر یہی مترشح ہوتا ہے کہ تمام میوؤں اور پھلوں پر زکوۃ واجب ہے اور اس کا وجوب صرف چار غلوں میں منحصر نہیں ہے **واللہ العالم بحقائق کلامہ اوالراسخون فی العلم القائمون مقامہ فی معالم حلالہ و حرامہ**

متعلقہ موضوع کی بعض متعلقہ آیات

اور جہاں تک روایات اہلبیت کا تعلق ہے تو ہماری کتب اربعہ' الوافی اور الوسائل اور مستدرک الوسائل وغیرہ کتب معتبرہ معتمدہ میں متعدد ایسی روایات پائی جاتی ہیں جو بظاہر تمام غلوں اور پھلوں پر زکوۃ کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں اور ایسی روایات کوئی دو چار نہیں بلکہ انکی تعداد بقول بعض علما چھتیس ہے یہاں بطور نمونہ دو چار روائتیں پیش کی جاتی ہیں

۱۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا **کل ما کان بالصاع فبلغ الاوساق فعلیہ الزکوہ وقال وجعل رسول اللہ الصدقتہ فی کل شئی انبتت الارض الاماکان فی الخضر والبقول وکل شئی یفسد فی یومہ** یعنی ہر وہ چیز جو تولی جائے اور چند وسق (پانچ) تک پہنچ جائے تو اسمیں زکوۃ ہے فرمایا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر زکوۃ مقرر کی ہے ماسوا ان سبزیوں کے یا ان چیزوں کے جو ایک ہی دن میں خراب ہو جاتی ہیں (وسائل الشیعہ)

۲۔ نیز انہی جناب علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا **فی الحبوب کلھا زکوہ** تمام دانوں میں زکوہ ہے۔(ایضا)

۳۔ نیز آپ سے ہی منقول ہے فرمایا **البر و الشعیر والذرہ والارز والسلت والعدس کل ھذا مما یزکی واشباھہ کل ماکیل بالصاع والمکیال** گندم جو چاول گندم نما چیز اور مسور ان سب پر زکوہ ہے یا جو چیزیں ان جیسی ہیں (جیسے جوار باجرہ اور مکئی) جو پیمانے سے یا میزان سے تولی جاتی ہیں (ایضا)

۴۔ انہی جناب سے مروی ہے فرمایا **کل مال عملت فیہ فعلیک فیہ الزکوہ** ہر وہ مال جس میں تم نے کچھ کام کیا ہو اسمیں زکوہ ہے (ایضا)

اس روایت سے بھی زکوہ کا عموم ظاہر ہوتا ہے

ایک سوال کا جواب

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان عموم والی آیات و روایات پر عمل کیا جائے تو پھر وہ روایات کہاں جائیں گی جو زکوہ کے صرف نو چیزوں میں منحصر ہونے پر دلالت کرتی ہیں جو تعداد کے اعتبار سے کثیر بھی ہیں اور سند کے لحاظ سے صحیح بھی تو اس سوال کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ عموم والی روایات ظواہر قرآن کے مطابق ہیں لہذا درایتہ کے قانون کے مطابق ان روایات کو ترجیح دی جائے گی جو ظواہر قرآن کے مطابق ہیں اور دوسری روایات کو انہی ذوات مقدسہ کی طرف لوٹایا جائے گا نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان نو چیزوں کی اہمیت کے پیش نظر زیادہ تر حدیثوں میں انہی نو چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور ائمہ ھدی نے بھی اسی لیے صرف انہی نو چیزوں سے زکوہ وصول کی ہے کہ ان کے دور میں زیادہ تر یہی چیزیں وہاں پائی جاتی تھیں ورنہ اگر عمومات قرآن کو چھوڑ کر صرف انہی نو چیزوں پر زکوہ واجب قرار دی جائے تو تخصیص اکثر لازم آئے گی جو جمہور اصولیین کے نزدیک جائز نہیں ہے

ایضاح

ہمارے فقہا رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عموماً ان عموم والی روایات کو استحباب پر محمول کیا ہے کہ ان غلات اربعہ کے علاوہ دوسرے غلوں اور پھلوں میں زکوۃ مستحب ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ بظاہر اب وہ وقت آگیا ہے کہ ان حدیثوں کو عموم اور وجوب پر محمول کیا جائے تاکہ دین اسلام کی حقیقی تصویر فقہ جعفریہ کے مقدس چہرے سے ہر قسم کے ایرادو اعتراض کی گردو غبار صاف ہو جائے واللہ الموفق

نتیجۃ الکلام

اس تمام تلخ نوائی اور سمع خراشی کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ زکوۃ و خمس کا مسئلہ اپنی معاشی و معاشرتی اہمیت کی وجہ سے اس بات کا مستحق ہے کہ ہمارے دور حاضر کے فقہاء عظام اسے اپنی خصوصی توجہ کا مرکز بنائیں اور نوٹوں پر اور غلات اربعہ کے علاوہ زمین کے دوسرے محصولات اور زرعی اجناس پر جبکہ مکیل یا موزون ہوں زکوۃ کے واجب ہونے کے بارے میں اجتہاد فرمائیں بہت عرصہ پہلے قوانین الشریعہ کی پہلی اشاعت کے وقت بھی فقہاء عصر کی توجہ اس اہم مسئلہ کی طرف مبذول کرائی گئی تھی مگر افسوس کہ یہ موضوع جس توجہ کا مستحق تھا اسے تاحال وہ حق نہیں ملا اور اب اسکی دوسری اشاعت کے وقت ان حضرات پر جو تنقید کی گئی ہے اسکی زد خود مجھ پر بھی پڑتی ہے کیونکہ میں نے بھی تاحال اجتہاد جدید نہیں کیا بہرکیف اس تنقید سے کسی فقیہ کی کسرشان مقصود نہیں بلکہ اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر انکی خصوصی توجہ ادھر مبذول کرانا مطلوب ہے تاکہ وہ حالات حاضرہ کے تحت اس موضوع پر اجتہاد جدید فرمائیں

ایک ضروری وضاحت

یہاں آخر میں ایک بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ میرے اس مقالہ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میں نے زکوۃ و خمس کے بارے میں اپنا سابقہ موقف اور فتوی تبدیل

کر لیا ہے جو قوانین الشریعہ میں مذکور ہے ایسا نہیں ہے اور اگر ایسا ہوتا تو پھر میں سابقہ فتوی حذف کر کے اسکی جگہ یہ جدید فتوی درج کرتا اس مقالہ سے میرا مقصد اس موضوع کے جملہ پہلوؤں کو اجاگر کر کے اور معاشیات کے طالب علموں کے ذہنوں میں ابھرنے والے سوالات اور اغیار کے اشکالات کی روشنی میں اس موضوع کو نئی جہتوں سے روشناس کرا کے فقہا کیلئے اس موضوع پر سوچ و بچار کی نئی راہیں کھولنا ہے۔ بے شک ان حقائق کی روشنی میں زکوہ کے بارے میں ہمارا میلان اسی جانب بڑھ رہا ہے مگر ہنوز کسی حتمی نتیجہ تک نہیں پہنچے بلکہ ابھی تحقیق و تدقیق کا سلسلہ جاری ہے لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا لہذا عام ناظرین و قارئین سے التماس ہے کہ وہ اس خالص علمی مسئلہ کو اسی تناظر میں دیکھیں اور اسمیں بے جا مداخلت سے احتراز اور اسکی وجہ سے تنقید و تبصرہ کا نیا محاذ کھولنے سے اجتناب فرمائیں ہاں البتہ اس موضوع کی تحقیق فقہاء عظام اور مرجع تقلید شیعان جہان کے حوالے کر دیں اور ان سے درخواست کریں کہ وہ غور و فکر کر کے اور اجتہاد جدید کر کے اس کا کوئی مناسب اور قابل قبول حل تلاش کریں انشاء اللہ البتہ ہم نے زمین ہموار کر دی ہے اور غور و فکر کے نئے زاویے فراہم کر دیے ہیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد والہ الطیبین الطاہرین المعصومین

ہم انتہائی مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت آیت اللہ علامہ شیخ محمد حسین نجفی کی شہرۂ آفاق تصانیف بہترین طباعت کے ساتھ منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔

- **قرآن مجید مترجم** اردو مع خلاصۃ التفسیر منصۂ شہود پر آگئی ہے جس کا ترجمہ اور تفسیر فیضان الرحمن کا روح رواں اور حاشیہ تفسیر کی دس جلدوں کا جامع خلاصہ ہے جو قرآن فہمی کے لیے بے حد مفید ہے۔ اور بہت سی تفسیروں سے بے نیاز کر دینے والا ہے۔
- **فیضان الرحمن فی تفسیر القرآن** کی مکمل 10 جلدیں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ایک ایسی جامع تفسیر ہے جسے بڑے مباحات کے ساتھ برادران اسلامی کی تفاسیر کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے مکمل سیٹ کا ہدیہ صرف دو ہزار روپے۔
- **زاد العباد لیوم المعاد** اعمال وعبادات اور چہاردہ معصومین کے زیارات، سر سے لیکر پاؤں تک جملہ بدنی بیماریوں کے روحانی علاج پر مشتمل مستند کتاب منصۂ شہود پر آگئی ہے۔
- **سعادۃ الدارین فی مقتل الحسین** زیور طبع سے آراستہ ہو کر مومنین کے لیے آگئی ہے۔
- **اعتقادات امامیہ** ترجمہ رسالہ لیلیہ سرکار علامہ مجلسیؒ جو کہ دو بابوں پر مشتمل ہے پہلے باب میں نہایت اختصار وایجاز کے ساتھ تمام اسلامی عقائد واصول کا تذکرہ ہے اور دوسرے باب میں مبدء سے لیکر لحد تک زندگی کے کام انفرادی اور اجتماعی اعمال و عبادات کا تذکرہ ہے تیسری بار بڑی جاذب نظر اشاعت کے ساتھ مزین ہو کر منظر عام پر آگئی ہے ہدیہ صرف تیس روپے۔
- **اثبات الامامت** آئمہ اثناعشری کی امامت وخلافت کے اثبات پر عقلی ونقلی نصوص پر مشتمل بے مثال کتاب کا پانچواں ایڈیشن
- **اصول الشریعہ** کا نیا پانچواں ایڈیشن اشاعت کے ساتھ مارکیٹ میں آگیا ہے ہدیہ ڈیڑھ سو روپے۔
- **تحقیقات الفریقین اور اصلاح الرسوم** کے نئے ایڈیشن قوم کے سامنے آگئے ہیں۔
- **قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ** (دو جلد)۔
- **وسائل الشیعہ** کا ترجمہ تیرہویں جلد بہت جلد بڑی آب وتاب کے ساتھ قوم کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچنے والا ہے۔
- **اسلامی نماز** کا نیا ایڈیشن بڑی شان وشکوہ کے ساتھ منظر عام پر آگیا ہے۔

مکتبۃ السبطین

296/9 بی، سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا